جانِ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مؤلف
مفتی محمد علاؤالدین قادری رضوی
محکمہ شرعیہ سنی دارالافتاء والقضاء میرا روڈ ممبئی

کتب خانہ امام احمد رضا

جانِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ

مؤلف

مفتی محمد علاؤالدین قادری رضوی
محکمۂ شرعیہ سنی دارالافتاء والقضاء میرا روڈ ممبئی

کتب خانہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور
0313-8222336
0313-6888354

نام کتاب ———— جانِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ

مؤلف ———— مفتی محمد علاؤ الدین قادری رضوی
محکمۂ شرعیہ سنی دارالافتاء والقضاء میرا روڈ ممبئی

پروف ریڈنگ: ———— حافظ محمد شاہد رضا، بچھار پوری

محرک: ———— ریاست علی مجددی

صفحات ———— 704

قیمت ———— 500 روپے

ملنے کے پتے

کتب خانہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور، مکتبہ قادریہ، مسلم کتابوی
والضحیٰ پبلیکیشنز، کرمانوالہ بک شاپ، چشتی کتب خانہ، دارالعلم پبلیکیشنز
ہجویری بک شاپ، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، نوریہ رضویہ پبلیکیشنز، نشان منزل دارلنور
صراط مستقیم پبلی کیشنز (دربار مارکیٹ لاہور)، مکتبہ اہلسنت مکہ سنٹر لاہور
نظامیہ کتاب گھر زبیدہ سنٹر لاہور، مکتبہ قادریہ، مکتبہ الفرقان
مکتبہ تنظیم الاسلام گوجرانوالہ، مکتبہ نظامیہ، جامعہ نظامیہ نبی پورہ شیخوپورہ،
مکتبہ جلالیہ صراط مستقیم، رضا بک شاپ گجرات، مکتبہ رضائے مصطفیٰ
فیضان مدینہ کھاریاں، مکتبہ الفجر سرائے عالمگیر، اہلسنہ پبلی کیشنز دینہ
مکتبہ ضیاء السنہ، فیضان سنت، مہریہ کاظمیہ ملتان، احمد بک کارپوریشن
اسلامک بک کارپوریشن، مکتبہ غوثیہ عطاریہ، مکتبہ امام احمد رضا راولپنڈی
مکتبہ اویسیہ رضویہ، مکتبہ متنویہ بہاولپور

فہرست

☆☆☆

انتساب

ان تمام جانثار صحابہ جو آپ کے اشارۂ ابرو پر جان، مال، اولاد کو یکسر قربان کر دیا کرتے اور حضور کے ان مقدس ائمہ وعلماے کرام کی جماعت جن کے سروں پر اللہ عزوجل نے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا کا تاج زریں رکھا اور میرے جملہ اساتذہ کرام، خصوصاً میرے والد گرامی اور میری والدہ محترمہ ''تقدیر النساء'' رحمۃ اللہ علیہا کے نام جنہوں نے میرے دل میں ذوقِ علم اور عشقِ رسول کی بھٹی روشن کیں اور جن کی دعاؤں کے طفیل میں اس قابل ہوا۔

اللہ میری اس کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین

محمد علاؤالدین قادری رضوی غفرلہ
محکمہ شرعیہ سنی دارالافتاء والقضاء میرا روڈ، ممبئی
۱۷؍ جمادی الآخر ۱۴۳۵ھ
۱۸؍ اپریل ۲۰۱۴ء

عرض مؤلف

اس کتاب کی تحقیق وترتیب کا مقصد بس اتنی ہے کہ مسلمان حضور کے جانثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عشق ومحبت سے درس عبرت حاصل کریں اوران صالحین کے رَوِش پراپنی زندگی کے قیمتی ایام گذاریں۔حبّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وسیرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرعمل ہی کا نام دراصل ایمان واسلام ہے۔

ڈاکٹراقبال نے خوب کہا۔

ایما ن کیا ہے حبّ محمد کا سلسلہ اسلام کیا ہے سیرت وکردار مصطفیٰ

حضرت ڈاکٹروصی واجدی نیپالی صاحب کہتے ہیں ۔

زبان دھولو گلاب جل سے یا عطر ریزی کرو کنول سے
یہ سارے آداب پھربھی کم ہے نبی کے ذکروبیاں سے پہلے

مقام نبوت ورسالت کا کیا کہنااور جب خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدرومنزلت اورذکروبیان کی بات آئے تو آداب ولحاظ کا کوئی گوشہ ایسانہیں جوتقاضۂ ادب کا طالب ومتمنی نہ ہو۔جسم وجان کی ہرعضوپرادب کا پہرا ہوتا ہے پھربھی ہم ناکاروں کوادب واحترام کی بجاآوری میں جوتمیز ہےوہ بھیک بھرکی ہے۔عاشق رسول امام احمد رضاخاں کہتے ہیں:

سرکارہم گنواروں میں طرز ادب کہاں
ہم کو توبس تمیزیہی بھیک بھرکی ہے

رفعت و بلندی کا ہرمقام ومنصب رسول گرامی وقار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صدقہ ہے۔ بلکہ ایمان باللہ کے بعدایمان وترقی کا ہرمحورایمان رسول،محبت رسول اورعشق رسول ہی پرمنحصر ہے۔ یہ وہ ذات ہے کہ جن کی تخلیق اظہارربوبیت کا سبب عظیم ہے۔اورجن کی موجودگی آدم اورآدم زاد کے لیےنوروبصیرت ہے۔ذکرمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرمرض اور دردوغم کے لیے تریاق ہے۔سورج کی شعائیں،تاروں کی چمک دمک آسمان کی رنگینیاں،

دن کی روشنی، سبزہ کی سرسبز وشادابی، سمندروں کا طوفان، دریاؤں کی روانی، موسم کی بہار، چرند پرند کا چہچہانا، پھلوں کے مختلف ذائقے، پھولوں کی مہک غرض تمام حیوانات، جمادات اور نباتات کی تمام تر خوبیاں اور ان کے تغیر وتبدل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی مرہون ہے۔ اللہ عزوجل کے علاوہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت کا اندازہ کون ہے جو لگا سکے۔ یہ وہ ذات ہے کہ جنہوں نے بے جان پتھر میں جان ڈال دی۔ کیا دیکھا، سنا اور پڑھا نہیں کہ کنکریاں کلمہ گو ہو گئیں، ہرن گواہی پر آمادہ ہوئیں۔ اونٹ آپ کی خدمت اقدس میں سرخم کیا۔ خشک شاخ ہری بھری ہو گئی، کھجور کی بے جان شاخ تلوار بن گئی، اندھوں کو بینائی مل گئی، پیدائشی گونگے آپ کی رسالت وحقانیت کی گواہی دینے لگے، دست مبارک پھیر دینے سے دیوانے کا جنون جاتا رہا، دم کر دینے سے کٹے ہوئے باز وجڑ جائیں، آپ کی آواز پر مردہ قبر سے باہر نکل کر ہم کلامی کا شرف پائے، ملائکہ مدد کو حاضر ہوں، جنات وشیاطین آپ کا مطیع وفرمابردار ہو جائیں، دعا سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آئے، یہ ہے کمال نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ امام عشق ومحبت کہتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات جان ایمان اور سرور قلوب واذہان ہے۔ آپ کی محبت قلب وروح کی پاکیزگی کا سامان، متاع دین ودنیا اور آخرت میں بخشش کا موجب ہے۔ یہ وہ انسان ہیں جن کا تصور وخیال تقویٰ پر ضامن ہے۔ رب نے کونین کی نعمتوں کی کنجیاں آپ ہی کی دست شفقت اور اختیار میں دے دیا ہے۔ آپ شفیع المذنبین ہیں، ساری امیدیں انہیں سے وابستہ ہیں۔ وہ نہ ہوں تو کچھ نہیں، وہ ہوں تو جہان ہیں۔ امام احمد رضا خاں کہتے ہیں۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت امت پر لازم کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ۔ (سورہ التوبہ آیت ۴۴)

تم سے یہ چھٹی وہی مانگتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں

پڑے ہیں وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہیں۔(ترجمہ: کنز الایمان)

کی تلاوت سے خالق اکبر کا واضح اعلان آپ کو معلوم ہو گیا۔ اب حدیث رسول بھی ملاحظہ کریں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کی اولاد، اور اس کے ماں باپ اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ شریف)

شرح الشفا میں ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے شک آپ مجھے میرے اہل و مال سے زیادہ محبوب ہیں اور بے شک جب مجھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد آتی ہے تو مجھ میں صبر کی قوت نہیں ہوتی، یہاں تک کہ جمال اقدس کے دیدار سے مشرف نہ ہو جاؤں۔ اور بے شک جب مجھے اپنی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موت کی یاد آتی ہے تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت کے بلند و بالا درجات میں ہوں گے اور میں جنت میں داخل ہو کر نچلے درجے میں ہوں گا اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکوں گا تو کیسے صبر آئے گا۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرما کر مومنین کے لیے صبر و ایقان کی دولت فراہم کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (سورہ نساء آیت: ۶۹)

جو لوگ اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین اور یہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا اور یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی۔

ایک حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ مندرجہ بالا حدیث سے آقا علیہ السلام کے علم غیب کا کمال اور اپنے مابعد والی امت کی محبتوں کی سوغات کا مظاہرہ کریں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم گنہگاروں اور سیہ کاروں کا کس قدر خیال رکھا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی کہ میری امت

میں مجھ سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے۔ان کی یہ تمنا ہوگی کہ اپنے اہل و مال کے بدلے مجھے دیکھ لیں۔(مشکوٰۃ شریف،ص ۵۸۳)

ایک جگہ وارد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی محبت کیسی ہے؟ حضرت علی نے جواب دیا: خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو اپنے مال، اولاد، آباو امہات اور شدت پیاس کے وقت جو پانی کی طلب ہوتی ہے کہیں اس سے بھی زیادہ محبوب تھے۔اسی طرح بیہقی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ کا اسلام قبول کرنا مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام قبول کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔اور یہ اس وجہ کہ آپ کا اسلام قبول کرنا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے۔آپ اس واقعہ سے حضرات صحابہ کی محبت کا اندازہ لگا سکیں تو لگائیں۔چونکہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عشق و مستی کی دنیا ہی الگ تھی۔ ہر ذرہ اپنی جگہ آفتاب سے کم نہ تھا اور کیوں نہیں جب محبوب، محبوب خدا ہوں اور پھر روبرو ہوں تو اس کیف وسماں کا عالم کیا ہوگا۔

دیکھیے حضرت زید جب یوم الرجیع میں گرفتار کر لیے گئے اور کفار مکہ کے ہاتھوں انہیں فروخت کر دیا گیا اور جب انہیں قتل کے لیے حرم سے نکالا گیا تو ابو صفیان بن حرب بن امیہ نے کہا(آپ ابھی اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے) اے زید! کیا تجھے یہ پسند ہے کہ لوگ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تیری جگہ لا کر قتل کر دیں اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے تا کہ تو اپنے اہل عیال میں آرام سے رہ سکو۔حضرت زید نے جواب دیا: ہرگز نہیں۔مجھے اپنے رب کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارہ نہیں کہ ابھی آپ جہاں آرام فرما ہیں وہاں آپ کو کوئی کانٹا بھی چبھے۔اور میں اپنے اہل و عیال میں آرام سے رہوں۔تو اس وقت ابو سفیان نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا: جتنی محبت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب آپ سے کرتے ہیں میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا۔(سیرت ابن ہشام)

یوں تو ایمان نام ہی ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا متاع عالم حب محمد کے بغیر کچھ بھی نہیں اور عشق و محبت بھی ایسی کہ عزیز سے عزیز چیز خواہ مال و منال سے ہوں یا

آل واولاد سے، ماں باپ سے ہوں یا استاذ، پیر، بزرگ غرض کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سب کی محبت پر غالب ہے۔ آپ کے احکام تمام بنی نوع انسان کے احکام پر مقدم ہوں۔ محض قولی طور پر نہیں، عملی ثبوت بھی فراہم کرتے ہوں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ محبت رسول کا نعرہ تو لگائیں مگر فرمان الٰہی اور سنت رسول سے منہ چھپاتے پھریں، حقوق مصطفیٰ کا کچھ بھی پاس ولحاظ نہ کریں۔ فرائض وواجبات سے کوسوں دور بھاگیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخ اور آپ کے اصحاب علمائے دین متین، اولیائے کرام، مشائخ عظام سے بغض وحسد رکھنے والے سے میل جول رکھیں، ان کی شادی بیاہ میں شرکت کریں، ان کے دشمنوں سے دوستی اور دوستوں سے دشمنی کریں، کیا یہی پیار ہے؟ یہی محبت ہے؟؟ کیا تمہیں اب تک ڈاکٹر اقبال کا یہ آفاقی پیغام سننے میں نہیں آیا؟ تو سنو!

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر جان و مال اولاد سے پیارا
محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو کچھ نامکمل ہے
کی محمد سے وفا تو نے، تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

محبت رسول وذکر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایسا امر ہے جو انسان کو دنیا وآخرت کی خوشنودی میسر کرا سکتا ہے۔ قبر کی تاریکیوں کو دور اور اس کی تپش کافور کرسکتا ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا ۔۔۔ جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

محبت امتحان لیتی ہے، اپنے چاہنے والوں کو مختلف نوعیت سے آزماتی ہے، اضطرابی کیفیت پیدا کرتی ہے، وہ جان پر آتی ہے مگر دل کو ہوش وحواس کی قوت سے صحیح سمت پر گامزن کرنا ہوتا ہے، دور ماضی کے علمائے ربانین میں امام احمد رضا کا جواب نہیں۔ آپ ایسی کٹھن راہ سے گذرتے ہیں، مگر شریعت کا پورا پاس رہتا ہے۔ در محبوب پیش نظر ہو تو ایک محب

کی حالت کیسی ہوتی ہے یہ تو کسی عاشق زار سے پوچھیں۔ خود ہی کہتے ہیں:

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار

روکیے سر کو روکیے، ہاں یہی امتحان ہے

شمع بزم رسالت کی محبت دل شاد کرتی ہے۔ فرحت و انبساط بخشتی ہے، طبیعت میں تروتازگی اور شگفتگی لاتی ہے۔ ذہنی، حسی، افکار و نظریات رسول اللہ کی محبت میں شرابور ہو کر سیل رواں کی طرح اپنے اور بےگانے سب کو سیراب کرتی ہے۔ مگر وہ لوگ جو محض دنیا سے دل لگاتے ہیں، وہ دل، دل نہیں۔ آگ کی بھٹی ہے جس میں غیبت، جھوٹ، چغل خوری، حق تلفی، بے صبری، حسد و کینہ، زنا اور دیگر برائیاں پک پک کر جوان ہوتی ہے۔ ایسے ہی دل کو تو پتھر کا دل کہتے ہیں۔ اُسے اپنے اور بے گانے کسی کا خیال نہیں ہوتا۔ بڑے چھوٹوں کی تمیز نہیں ہوتی۔ حق و باطل کا امتیاز نہیں ہوتا۔ علم ہوتے ہوئے بھی علم و جہل کا فرق نہیں ہوتا۔ خالق و مخلوق کی قدر نہیں ہوتی، رسل و ملائکہ کی عصمت کا لحاظ نہیں ہوتا، ماں، باپ، پیر، استاذ، علما، مشائخ، اولیا، غوث، قطب اور ابدال وغیرہ کے آداب کا کسی قدر بھی شعور و ادراک نہیں ہوتا، مقامات مقدسہ کی عظمت و رفعت کا کوئی پاس نہیں رہتا۔ ایسے لوگ بظاہر عالم، فاضل، پیر، بزرگ، مفتی، محقق، ادیب اور دانشور سب ہوتے ہیں مگر دل میں ظلمت و کدورت، ضلالت و گمراہی اور منافقت کا دور دورہ ہوتا ہے۔

ایسے لوگ اپنے کو پکے اور سچے موحد تو بتاتے ہیں مگر رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کا کوئی موقع گنوانا نہیں چاہتے۔ کبھی آپ کے علم کو شیطان لعین کے علم سے بھی کم بتاتے ہیں (معاذ اللہ) تو کہیں اپنے جیسا بشر لکھتے ہیں، تعظیم کو بڑے بھائی جیسی تعظیم بتاتے ہیں، علم غیب اور علم الغیب کے اصول سے ناواقفیت یا دانستہ طور پر علم غیب کا برملا انکار کرتے ہیں، حاظر و ناظر کے مسائل میں مر کر مٹی میں مل جانا بتاتے ہیں، اختیار مصطفیٰ کا منکرانہ سبق نونہالان قوم کو پڑھاتے ہیں۔ جو دین و دنیا دونوں کے لیے باعث ہلاکت و تباہی ہے۔ اتنی ساری گستاخیوں کے باوجود اپنے کو دین و ایمان میں ہونا ثابت کرتے ہیں۔ ضد، ہٹ دھرمی اور بے حیائی کا اس سے بڑھ کر مظاہرہ کیا ہو سکتا ہے کہ اس

قدر عریاں اور گستاخانہ کلمات آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں لکھنے، بولنے کے باوجود اپنے کو موحد کہتے ہیں، اسلام میں بتاتے ہیں، مسجدیں بناتے اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں، رمضان کے روزہ رکھتے ہیں، طرفہ یہ کہ بڑے بڑے دارالعلوم اور جامعات کھول رکھے ہیں۔ نام پوچھو تو سلمان، اسماعیل اور تسلیمہ نسرین بتاتے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی نے کیا خوب کہا ہے۔

کرے مصطفیٰ کی اہانتیں، کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی، ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

یا اللہ! یہ قول و فعل میں کیسا تضاد ہے کہ نام تو اسلامیانہ ہوں اور کام کافرانہ، زبان پر تعلیمات اسلام کا سبق جاری ہو اور دل کفر والحاد کا موج مارتا سمندر، کیا یہی حق ایمان ہے؟ یہی شیوۂ مومن ہے؟؟ ہرگز نہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے خوب کہا ہے۔

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغاں بھی
یوں تو سب کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

اس ذہن وفکر کے لوگوں کے لیے قرآن نے سخت سزا متعین کیا ہے۔ جس کا بیان تفصیل طلب ہے۔ یہاں صرف اصحاب کرام، علمائے کرام اور سربراہان مملکت اسلامیہ کے اقوال وافعال اور موقف درج کیے جارہے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

اصحاب کرام کے اقوال وافعال اور موقف

حضرات اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرامین الٰہی کے مکمل تفصیل ومظہر ہوئے ہیں۔ ان کا جینا، مرنا، کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، محبت وعداوت، غرض کہ ہر ہر فعل رضائے الٰہی وتعلیمات نبوی کا شاہکار ہے۔ آپ حضرات کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ ذیل میں ایمان کی تازگی کے لیے اصحاب کرام کے افعال واقوال اور موقف پڑھ پڑھ کر دل شاد کریں۔

۱۔ عشق رسول میں سرشار حضرت عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے یوم بدر میں اپنے ہی والد کو قتل کر دیا (طبرانی)

۲- یہ سوزِ عشق ہی کا کمال ہے کہ جنگ بدر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے ماموں عاص بن ہشام بن مغیر مخزومی کو قتل کر دیا۔ ذرا بھی رشتہ کا لحاظ و خیال نہ کیا۔
(سیرت ابن ہشام)

۳- میدان بدر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن (جو ابھی ایمان نہ لائے تھے) نے لشکر اسلام سے نبرد آزما ہوا اور مبارز طلب کیا تو ایک آن کی آن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ مگر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی اور عبدالرحمن بچ گئے۔ (استیعاب)

۴- جنگ عہد میں حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ (نسیم الریاض)

۵- اسی جنگ بدر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے گھرانے کو لوگوں عتبہ بن ربیع، شیبہ بن ربیع اور ولید بن عتبہ کو قتل کر ڈالا۔ (صحیح مسلم)

اس طرح کے واقعات و روایات سے کتب احادیث بھری ہیں۔ اب آپ دیانت داری سے فیصلہ کریں کہ ان اصحاب کرام کا عمل گستاخ رسول سے متعلق صحیح تھا یا نہیں۔؟ اگر صحیح تھا تو پھر اہلسنت و جماعت کے علما آپ کو گستاخ رسول کی دوستی اور ہم نشینی سے روکتے ہیں تو آپ کو بُرا کیوں لگتا ہے۔ کیا آپ نے قرآن مقدسہ کا فرمان عالی شان نہیں سنا ہے تو سنو! ارشاد باری ہے والذین یوادون من حاد الله....... الخ

عربی کا مقولہ ہے، حبیب الحبیب حبیب، دوست کا دوست بھی دوست ہی ہوتا ہے۔ کیا معلوم ہوا یہی نہ کہ جس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تعلق ہو ان سے ہمارا بھی گہرا تعلق ہونا چاہیے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کو ناپسند فرمائیں ہم بھی ان سے بیزاری کا اظہار کریں اور ناپسندگی میں کسی طرح تامل نہ کریں۔ دیکھیے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عائشہ سے حضرت اسامہ بن زید کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: اے عائشہ تو اس سے محبت کر بے شک میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ (جمع الفوائد، ج ۲، ص ۲۱۹)

اس طرح کی حدیثیں اہل بیت اطہار سے متعلق بھی کتب احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ اپنے گستاخ سے متعلق خود آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضگی اور بیزاری کا اظہار دیکھیے

۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ ایک یہودیہ آقا علیہ السلام کی گستاخی کیا کرتی تھی، چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا اور مقدمہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل قرار دے دیا۔ (نیل الاوطار ج۷، ص۳۷۹)

حضرت قاضی عیاض عنوان ''گستاخ رسول اور ایک نابینا'' کے تحت لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نابینا کی ام ولد باندی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی اور وہ نابینا اس فعل سے روکتا، جھڑکتا، ایک رات وہ باندی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی کر رہی تھی، نابینا تاب نہ لا سکا اور باندی کو قتل کر دیا۔ جب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا خون معاف فرما دیا۔ (الشفاء، اردو ترجمہ جلد۲، ص۳۸۶)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ادنیٰ سے ادنیٰ گستاخی بھی جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ بلکہ اگر کوئی زبان، تحریر کے بجائے دل میں ذرا بغض وحسد رکھا یا یہ گمان فاسد لایا کہ (معاذ اللہ) میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہتر ہوں خواہ کسی بھی لحاظ سے، تو ایسا شخص شرع میں واجب القتل گردانہ جائے گا۔ مملکت اسلامیہ ہونے پر اسے سرِ راہ قتل کیا جانا چاہیے۔ ورنہ ایسے شخص سے حسب استطاعت نفرت ضرور کیا جائے اور ہر طرح سے اس کا بائیکاٹ کیا جائے۔ محدث کبیر ابو یعلیٰ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:
مدینہ میں ایک بڑا ہی عابد و زاہد نوجوان تھا، ہم نے ایک دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے نہ جان سکے، پھر اس کے حالات و اوصاف بیان کیے جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ پہچان سکے یہاں تک کہ وہ ایک دن اچانک سامنے آ گیا، جیسے ہی اس پر نظر پڑی ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی کہ یہ وہی جوان ہے۔ اسے دیکھ کر فرمایا: میں اس کے چہرے پر شیطان کے دھبے دیکھتا ہوں۔ اتنے میں وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب آیا اور سلام کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تو ابھی اپنے دل میں یہ بات سوچ رہا تھا کہ تجھ سے یہاں افضل کوئی نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں! اس کے بعد

جیسے ہی وہ مسجد میں داخل ہوا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیا جواب کہ: میں۔ جب اس ارادہ سے وہ مسجد کے اندر گئے تو اسے نماز پڑھتا دیکھ کر واپس لوٹ آئے اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ایک نمازی کو کیسے قتل کروں۔ جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازی کے قتل سے منع کیا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آواز دی کون اسے قتل کرتا ہے؟ حضرت عمر نے جواب دیا کہ: میں۔ وہ مسجد کے اندر گئے تو اس وقت وہ نوجوان سجدہ کی حالت میں تھا۔ وہ بھی اسے نماز پڑھتا دیکھ کر ابو بکر کی طرح واپس لوٹ آئے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آواز دی: کہ کون اسے قتل کرتا ہے؟ تو حضرت علی نے جواب دیا کہ: میں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اسے ضرور قتل کرو گے۔ بشرطے کہ وہ تمہیں مل جائے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے اندر داخل ہوئے تو وہ شخص جا چکا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسے قتل کر دیتے تو میری امت کے جملہ فتنہ پردازوں میں سے یہ شخص پہلا اور آخری ثابت ہوتا۔ یہاں تک میری امت کے دو فرد بھی آپس میں نہیں لڑتے۔ (تبلیغی جماعت بحوالہ فتح الباری ج ۳ ص ۲۶۴)

جہاں یہ واقعہ یہ بتاتا ہے کہ گستاخ رسول اگر چہ پرہیز گار اور پابند صوم وصلوٰۃ ہی کیوں نہ ہو اسے بہر حال قتل کر دینا چاہیے یا پھر استطاعت نہ رکھنے پر دل سے برا جاننا چاہیے اور وہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر مبرہن دلیل بھی ہے۔ مذکورہ بالا واقعہ میں غور کیجیے تو پتہ چلتا ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس شخص مذکور کے دل کے اندر چھپی گستاخی کو بھی جان لیا یہ محض فضل ربی ہے وہ، جسے چاہے اپنے کرم سے اختیارات و امتیازات دے اور اختیارات کلی کے لیے اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا اور نام مصطفیٰ رکھا۔ یعنی منتخب کیا ہوا۔ کون ہے جو ان سے بہتر اور افضل و اعلیٰ ہو یہ سب کے آقا ہیں اور سب ان کے زیر نگیں۔ امام احمد رضا کہتے ہیں۔

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری — حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا — خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بدر سے مدینہ لوٹے تو النضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر دیا۔ حالانکہ اور بدری قیدیوں کو قتل نہ کیا۔ تو عقبہ نے اپنے قتل سے پہلے پکارا۔ اے گروہ قریش! یہ کیا بات ہے کہ مجھے باندھ کر قتل کیا جا رہا ہے تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے کفر اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا پردازی کی وجہ۔ یہ وہی عقبہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت نماز میں تھے اور اس گستاخ نے آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کا اوجھ لا کر رکھ دیا تھا۔

۶- فتح مکہ کے دن سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے گستاخ رسول حارث بن طلاطلا پر قابو پایا تو قتل کر دیا۔ (مدارج النبوہ ج ۲ ص ۵۰۱)

۷- نسائی نے حضرت سعید سے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کو امن دے دیا مگر چار آدمیوں کے لیے سزا باقی رکھا اور فرمایا کہ یہ چار لوگ اگر چہ کعبہ کے پردے کے ساتھ لٹکے ہوئے ہوں جب بھی قتل کر دو۔ وہ چار لوگ یہ تھے: (۱) اکرمہ بن ابی جہل (۲) عبداللہ بن خطل (۳) مقیس بن مسابہ (۴) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ ان میں اکرمہ بن ابی جہل نے اسلام قبول کر لیا۔ عبداللہ بن سعد ابی سرح کے لیے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معافی کا پروانہ لے لیا۔ اور اس طرح ابن سعد حفظ و امان میں آگئے۔ اور عبداللہ بن خطل پکڑا گیا۔ اور واصل جہنم ہوا۔ مقیس کو لوگوں نے سر عام بازار میں قتل کر دیا۔ اسی فتح مکہ کے موقع پر ابن خطل کی باندیوں کے خون کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مباح الدم قرار دیا تھا۔ وہ دونوں باندیا قریبہ اور ارنب تھیں۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں۔
قریبہ اور ارنب یہ دونوں باندیاں ابن خطل کی گانے والیاں تھیں۔ جو حضور علیہ السلام کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ قتل کر دی گئی۔ اس کی ایک باندی قرتنا یا (فرتنی) بھاگ گئی۔ لوگوں نے اس کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امان مانگی۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے امان دے دی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۰۶)

(۸) ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کیا کرتا تھا، نبی

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کون ہے جو اس گستاخ کو قتل کر دے۔ تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی خدمات پیش کی۔ اور اس دریدہ دہن کا کام تمام کر دیا۔

(کتاب الشفا، مترجم ج ۲، ص ۳۸۴)

(۹) قاضی عیاض لکھتے ہیں: ایک اور بدتمیز کے قتل کے لیے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی و زبیر رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا تو ان حضرات نے جا کر اس کو قتل کیا۔

(کتاب الشفا ج ۲ ص ۳۸۴)

(۱۰) سیف بن عمر التمیمی نے اپنی کتاب الرۃ والفتوح میں اپنے شیخ سے روایت کیا ہے کہ مہاجر جب علاقہ یمامہ کے امیر تھے ان کی عدالت میں دو گلوکار لونڈیوں کا معاملہ پیش کیا گیا ان میں ایک آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں مذمت آمیز اشعار گایا کرتی تھی، مہاجر نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا۔ اور سامنے کے دو دانت نکال دیے۔ اور دوسری گلوکارہ مسلمانوں کی ہجو کیا کرتی تھی، مہاجر نے اسکے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے اسے لکھا: تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والی گلوکارہ عورت کو جو سزا دی مجھے اس کے بارے میں معلوم ہوا اگر مجھے پہلے پتہ چل جاتا تو میں تمہیں اس کے قتل کا حکم دیتا۔ اس لیے کہ انبیا کی توہین کی سزا دیگر سزاؤں سے مختلف نوعیت کی ہوتی ہے۔ دیکھیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح ایک گستاخ رسول کا سر قلم کر دیا۔ اس کی گستاخی یہ تھی کہ وہ ایک یہودی سے جھگڑا کیا اور فیصلہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہوا۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا تو وہ اس یہودی کو لیکر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت صدیق نے معاملات کو سن کر آقا علیہ السلام کا فیصلہ برقرار رکھا۔ اب وہ حضرت عمر کے پاس آیا۔ حضرت عمر نے یہ سن کر کہ اس گستاخ نے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلہ کو نہیں مانا ہے۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور پھر تلوار سے اس کی گردن مار دی۔

(تفسیر روح المعانی ج ۵، ص ۶۷، مطبوعہ بیروت)

اس باب میں مملکت اسلامیہ کے سربراہان اپنی سربراہی اور دور اقتدار میں گستاخ

رسول کا سر قلم کیا۔ جس سے کہ کتب تواریخ بھری ہیں۔ یہاں طوالت کے باعث محض دو واقعہ پر قناعت کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو!

(۱) شیطان پرنس ارطاق والئی کرک ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر لشکر کشی کا قصد کیا تا کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار مبارک کو منہدم اور مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کو مسمار کر دے، جب وہ سمندری راستہ سے حملہ آور ہوا تو مسلمان مقابلہ کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، اس کی فوج اسلامی لشکر کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ اپنے جہازوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کے جانب بھاگے۔ مسلم سپاہ کے جیالوں نے انہیں پہاڑوں اور باغوں سے پکڑ کر ان کے ٹکڑے کر دیے۔ ریجی نالڈ شاتم رسول خود بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ (تاریخ اسلام ج۲،ص ۶۰۵)

کول کا بیان ہے کہ ریجی نالڈ نے ۱۱۷۹ء میں مسلمانوں کے ایک کارواں کو لوٹ لیا اور اس کے تمام آدمی گرفتار کر لیے گئے۔ بادشاہ یروشلم نے اس پر اعتراض کیا اور کارواں کے لوگوں کی رہائی، لوٹے ہوئے مال کی واپسی کے لیے سفیر بھیجے۔ ریجی نالڈ نے ان کا مذاق اڑایا۔ ۱۱۸۳ء میں پھر یہی حرکت کی اور ۱۱۸۶ء میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ کو لوٹ کر اہل قافلہ کو گرفتار کر لیا جب ان لوگوں نے رہائی کے لیے کہا تو اس نے یہ طعن آمیز جواب دیا کہ تم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہو۔ اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آ کر تمہیں چھڑائے۔ جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کو ریجی نالڈ کی اس گستاخانہ گفتگو کی خبر ملی تو اس نے قسم کھا کر کہا، اس صلح شکن کافر کو خدا نے چاہا تو میں اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔ صلیبی لڑائیوں کے سلسلے میں ایک موقع پر فرنگیوں کو شکست ہو گئی۔ فرنگی بادشاہ اور شہزادے قید کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے لائے گئے، ان میں ریجی نالڈ بھی تھا۔ سلطان کو دیکھ کر ایسے اپنی بداعمالیاں یاد آ گئیں اور سلطان کو اپنی قسم بھی یاد آئی، جس نے ریجی نالڈ کا خون خشک کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کو تمام بداعمالیاں گنوائیں اور یہ بھی کہا کہ اس وقت میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد چاہتا ہوں اور یہ کہہ کر اپنے ہاتھوں سے اس موذی کا سر قلم کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم مسلمانوں کا یہ دستور نہیں کہ لوگوں کو خواہ مخواہ

قتل کرتے رہیں۔ ریجی نالڈ تو صرف حد سے بڑھی ہوئی بداعمالیوں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کی پاداش میں قتل کیا گیا ہے۔ (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۶۱۰)

سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک اور ایمان افروز فیصلہ ملاحظہ کریں۔

جب علمائے کرام نے ایک شاعر کے شعر سے متعلق یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ اس شعر سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی ہو رہی ہے تو فوراً سلطان صلاح الدین ایوبی نے شاعر کو قتل کرا دیا اور علما نے اسے اس شعر کی بنیاد پر مرتد قرار دیا۔ چونکہ اس نے نبوت کو اکتسابی بتانا چاہا جو ریاضتوں سے حاصل ہو سکتی ہے (معاذ اللہ) اس لیے اسے قتل کر دیا گیا۔ (بیانات، ص ۱۰۷) حضرت ابن جان کا قول کے جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نبوت اکتسابی ہے وہ شخص زندیق ہے، قتل کر دینا چاہیے۔

(ترجمان اہل سنت ص، ۲۶۶ اپریل، مئی ۱۹۷۶ء جلد ۵، شمارہ ۱۰، ۱۱)

مرزا اور مرزائی گروپ کے بدحواس و بدعقل لوگ اسی طرح کے عقیدے کے دلدادہ ہیں۔ لکھتا ہے ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی بڑھ سکتا ہے۔

(ڈائری مرزا محمود ابن مرزا قادیانی اخبار الفضل ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء)

یہی وہ گستاخی ہے جس کی وجہ سے مردود شیطان مرزا غلام قادیانی مہلک مرض میں گرفتار ہو کر واصل جہنم ہوا۔ آج دنیا میں اس کا نام و نشان تک نہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ خبیث بدبخت مرنے سے چند روز پہلے وبائی مرض کا شکار ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے دونوں آگے پیچھے کے مقام سے غلاظت نکل رہی تھی اور وہ اسی حالت میں واصل جہنم ہوا۔ عباسی خلیفہ موسیٰ بن مہدی الملقب بہ ہادی کے عہد میں ایک شخص نے قبیلہ قریش کو برا بھلا کہا۔ اس سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک کے متعلق بھی گستاخی کی۔ وہ ہادی کے سامنے لایا گیا، اس نے علما و فقہا کو جمع کر کے اس کے متعلق فتویٰ لیا، انہوں نے اس کے قتل کا فتویٰ صادر کیا اس پر خلیفہ نے کہا اس کی سزا کے لیے قریش ہی کی اہانت کافی تھی۔ (کیوں کہ یہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاندان ہے) اس دشمن خدا نے رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی شامل کرلیا۔ چنانچہ اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ (تاریخ اسلام ج ۳، ص ۸۲)

اب تک کی بحث اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور سربراہان مملکت اسلامیہ کے اقوال و افعال، احکامات وفرمودات پر مبنی تھیں۔ اب ذیل میں ائمہ کرام اور علمائے کرام کے موقف درج کیے جارہے ہیں کہ آیا اگر کوئی جان بوجھ کر ہوش وحواس سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی کرے یا لکھے تو کیا ایسوں کی توبہ قابل قبول ہے یا نہیں۔ تو واضح ہو کہ جمہور یہی ہے کہ گستاخ رسول کی توبہ قابل قبول نہیں اور اسے قتل کیا جائے گا۔ جیسا کہ آپ نے حدیث صحابہ اور سربراہان مملکت اسلامیہ کے قول وعمل اور فیصلے سے سمجھ لیا ہوگا۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا موقف

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ جو بھی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیزار ہو یا جھٹلایا وہ مرتد ہے۔ اور حلال الدم مگر یہ کہ لوٹ آئے۔ (الشفا کذافی رسائل ابن عابدین)

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے بعد سزا نہ دی جائے گی۔ جیسا کہ امام ابویوسف علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں جس مسلمان نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دی یا جھٹلایا یا کسی طرح کا عیب لگایا تو اس نے اللہ عزوجل سے کفر کیا اور اس کی بیوی مطلقہ ہوگئی اگر توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ قتل کردیا جائے۔ (کتاب اخراج)

یہاں ارتداد مجرد اور ارتداد مغلظ کی سزا میں فرق ہے جیسا کہ صاحب درمختار لکھتے ہیں: کہ جس نے ردت کو اختیار کیا تو اس کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے مگر وہ لوگ کہ جس کا ارتداد مکرر ہو چکا ہو۔ یا وہ کافر جو کسی نبی کو گالی دینے سے خارج از اسلام ہو چکا ہو تو بلاشبہ اسے بطور حد قتل کیا جائے گا۔ اور اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔

امام مالک کا موقف

خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام مالک سے یہ فتویٰ پوچھا کہ اگر کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی کرے تو حکم کیا ہے؟ چہ جائے کہ عراق کے بعض فقہا نے

کوڑوں کی سزا دینے کا فتویٰ صادر فرمایا، بس امام مالک غضب ناک ہو گئے اور فرمایا اے امیر المومنین! اس امت کے وجود کا کیا جواز ہے؟ کہ جس میں اس کے نبی کی گستاخی رواج پا جائے۔ نیز فرمایا جو انبیا میں سے کسی نبی کی گستاخی کا مرتکب پایا جائے اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کی گستاخی پر کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ (الشفاج ۲، ص ۱۹۶)

حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا موقف

حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا نظریہ بھی یہی ہے کہ گستاخ رسول کو قتل کیا جائے۔ اور توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ یعنی جس طرح حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اسی طرح آقا علیہ السلام کو گالی دینے سے جو قتل واجب ہوا وہ توبہ سے ساقط نہ ہوگا۔ نیز گستاخ رسول کے حکم قتل میں چاروں ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ (فتاویٰ شامی ج ۳، ص ۳۲۱)

حضرت قاضی عیاض کا موقف

حضرت قاضی عیاض نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ گستاخی پر بھی قتل کا فتویٰ صادر فرمایا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں ہم اس حکم میں قطعاً کوئی استثنا نہیں کرتے اور نہ ہی ہمیں کوئی شک ہے خواہ صراحتاً توہین ہو یا اشارتاً یا کنایتاً اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک تمام علمائے امت اور اہل فتویٰ کا اس پر اجماع ہے۔ (الشفاج ۲، ص ۲۱۴)

امام محمد کا موقف

امام محمد اجماع نقل کرتے ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دینے والا اور توہین کرنے والا کافر ہے۔ عذاب خداوندی کے وعید کا مستحق ہے اور اس کا حکم امت کے نزدیک یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔ اور جو شخص اور اس کی سزا میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ اور اس پر علما کا اجماع ہے۔ (ردالمختار ج ۳، ص ۳۱۷)

الخطابی کا موقف

میری معلومات میں کسی مسلمان نے بھی گستاخ رسول کے واجب القتل ہونے میں اختلاف نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۱۲، ص ۲۸۱)

صاحب محیط کے نزدیک گستاخ رسول کی توبہ نہ اللہ کے ہاں اور نہ لوگوں کے ہاں، اور قتل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ یہی حکم ہے۔ اور اس پر تمام متاخرین علماء اور اکثر متقدمین کا اجماع ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴، ص ۳۸۶)

قاضی عیاض نے مشہور مالکی فقہا کا فتویٰ مختلف امور کے بارے میں نقل کیا ہے۔ ہر مقدمے کا فیصلہ بعض علما نے صادر کیا کہ اسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ (الشفا ج ۲، ص ۱۹۱) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص نہیں کرتا ہے مگر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پسند پر عدم پسندگی کا اظہار کرتا ہے یا پھر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم واختیار، اعضاے مبارکہ میں سے کسی عضو کی گستاخی کرتا ہے جب بھی وہ شخص واجب القتل گردانا جائے گا۔

امام شہاب الدین کا موقف

امام شہاب الدین خفاجی حنفی لکھتے ہیں توہین رسالت کے ضمن میں حکم کفر کا انحصار ظاہر پر ہے اس کے قصد ونیت اور قرائین حال کو نہیں دیکھا جائے گا۔

اس حکم کے ضمن میں وہ لوگ جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ معاذ اللہ مر کر مٹی میں مل گئے، کیا حکم ہوگا......؟؟؟ وہ ظاہر ہے پھر بھی لوگ ایسی گستاخانہ کلمات پر مشتمل کتاب کو پڑھتے ہیں۔ اور پڑھنے کو عین ثواب بتاتے ہیں اور پھر طرح طرح سے تاویل کرتے ہیں کہ ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ وہ مٹی سے مل گئے۔ (معاذ اللہ) اولاً تو آقا علیہ السلام کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ مر گئے کسی طرح زیب نہیں دیا۔ چہ جائے کہ وہ مٹی میں مل گئے کہنا کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

انبیا کو بھی اجل آنی ہے　　بس اتنی کہ　فقط آنی ہے

اور ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صراحتاً گالی دے وہ واجب القتل ہے۔ (نیل الاوطار ج ۷، ص ۳۸۰)

علامہ خیر الدین حنفی لکھتے ہیں: اگر کسی نے کسی کے علم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ رکھنا بتایا تو اس نے آقا علیہ السلام کی نسبت عیب و نقص منسوب کیا۔ لہٰذا ایسا شخص کافر ہو جائے گا۔ (نسیم الریاض، ج ۴، ص ۴۴۵)

تاریخ اسلام میں ایسے بھی مولوی، مُلا گذرے ہیں جنہوں نے معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو شیطان کے علم کے مساوی بتایا ہے اور انہیں اس غلیظ قول و عمل سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔ نقارۂ عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہوئے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے ساتھ دوستی اور ہم نشینی اور طرح طرح کے بہانے بنا کر دنیوی رشتے استوار کرتے ہیں اور عیش و عشرت کے اس بے لذت بے وفا دنیا میں انہیں فرمانے الٰہی کی گونج سنائی نہیں دیتی۔ فقد کفرتم بعد ایمانکم۔ کہ تم ایمان لانے کے بعد بھی کافر ہو گئے، بہانے مت بناؤ۔

دیکھیے لوگ دھڑلے سے گناہ پہ گناہ کیے جا رہے ہیں جسے دیکھو وہ چوک چوراہے، نکڑ گلی کوچے، چائے پان کی دوکانوں اور بازاروں میں بیٹھے غیبت چغلی اور دوسروں کی برائی میں لگے ہیں مگر جب انہیں کبھی مسجد جانے کا موقع مل بھی گیا تو معاذ اللہ کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کو شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں، بھلا ان نا عاقبت اندیشوں کو معلوم نہیں کہ درود و سلام عبادتوں میں ایک ایسی عبادت ہے کہ کبھی بھی، کسی وقت بھی کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر بصد ادب و احترام کی جا سکتی ہے۔ واضح ہو کہ درود و سلام کی کثرت جسم کو جسمانی صحت و توانائی تو بخشتی ہے، دل و زبان کو صاف ستھرا بھی رکھتی ہے۔ اور یہ تقویٰ پر معین ہے۔ تو یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ آدمی جسے پیار کرے اس کو بیٹھ کر تو یاد کرے۔ اور کھڑے ہوں تو بھول جائیں۔ محبت کہتے ہی ایسی کیفیت و حال کو کہ محب کھڑا ہو یا بیٹھا ہر صورت ان کی یاد ستاتی اور تڑپاتی رہتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کی

سب سے بڑی دلیل درود و سلام کا کثرت سے پڑھنا ہے۔تو خبر دار کسی بھی نوعیت ولحاظ سے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی نہ ہونے پائے۔ یہاں تک کہ ان سے منسوب چیزوں کی بھی نہیں۔ یہی شیوہ مومن ہے، چونکہ ہر غلطی اور خطا کے لیے معافی ہے سوا شرک جلی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخ کے لیے نہ تو توبہ قابل قبول اور نہ کسی طرح کی معافی کا پروانہ ہے۔

امام خیرالدین حنفی کا موقف

گستاخ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حداً قتل کیا جائے گا اور اصل یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور یہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ نیز پوری امت کا اجماع اس پر نقل کیا ہے کہ گستاخ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کافر ہے۔ اور اس کی توبہ نہیں اور جو لوگ اس کے عذاب وکفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (فتاویٰ خیریہ ج،اول ص ۱۷۰،۱۷۱)

جماعت اہل سنت کے ترجمان قاطع کفر وبدعت حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کی ذات گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں جنہیں آپ ہم اور سب جانتے ہیں کہ وہ ایک عاشق رسول تھے اسی عشق ومحبت کا نتیجہ "حدائق بخش" ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں لکھی ہے۔ اور مقبول عام وخاص ہے۔ دیوان کا ہر شعر عشق کا موج مارتا سمندر ہے۔ علم وعرفان کا وہ دریا ہے کہ بڑے سے بڑا غوطہ زنی کی جرأت نہیں کرسکتا۔ کہنے اور لکھنے کے لیے تو ایک کتاب ہے مگر فرامین کا ایک نہیں کئی دفتر ہے۔ شعر ونظم اور غزل کے ہر صنف وقسم میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔ مگر زبان وقلم ہر لغزش سے پوری طرح محفوظ ہے اور کیوں نہ ہو خود لکھتے ہیں:

- قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی   یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

آداب رسول کی بجا آوری اور عشق رسول کی تڑپ، محبت کا سوز وگداز اور محبوب ومحب کا سبق تو کوئی امام احمد رضا سے سیکھے، خود کہتے ہیں:۔

آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاق طبع لذت سوز جگر کی ہے

یہ کوئی دنیاوی عشق نہیں جو دیوانہ بنا دے، ہوش وحواس باختہ کر دے، باعث ننگ و عار ہو، فرضی ہو، عارضی ہو، بنیاد پرستی پر مبنی ہو، اسے کون عشق محبت کہتا ہے...... ؟ وہ تو نفس امارہ کی بے ہودگی ہے۔ اللہ ورسول کی ناراضی کا باعث ہے۔ دنیا و آخرت کی تباہی کی مشین ہے۔ ایسا عاشق تو شیطان کا کھلونا ہے۔ اس سے شیطان اسی طرح کھیلتا ہے جیسے چھوٹے چھوٹے بچے بال (Boll) سے کھیلا کرتے ہیں۔ ایسے عاشق کے تعلق کی دیوار ذاتی منفعت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اسے رضائے الٰہی سے کیا کام! محبت رسول یا حکم رسول سے کیا غرض۔ وہ اپنے من کا ناؤ ہے۔ جہاں چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ جو چاہتا ہے بولتا اور لکھتا ہے۔ فرامین الٰہی کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہیں۔ احادیث رسول کا کچھ بھی خیال نہیں۔ یہ بات تلخ ہے مگر سچ ہے۔ سچی بات کڑوی جو ہوتی ہے۔ صدق وصفا سے آمیز شربت پی سکو تو پی لو۔ بھلا ہوگا، مرادیں بر آئیں گی، بگڑی تقدیر سنور پڑے گی، بخت خفتہ جاگ اٹھے گا، تاریکیاں دور ہوں گی، نور وبصیرت سے قلب منور وتاباں ہوگا۔ بخت یار کی دوستی سے مالا مال ہوگے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی معرفت حاصل ہوگی۔

خود کی خودی کو پہچانوں، دوسروں کو مت دیکھو، اپنا احتساب خود کرو کیوں کہ تمہیں خود اپنا حساب دینا ہے۔ اپنی کتاب خود پڑھنی، ہے اپنا اعمال نامہ اپنے ہاتھ لینا ہے۔ پھر اِدھر اُدھر کی چھوڑ اپنی بات کر، اپنے مولیٰ سے دل لگا، اپنے رسول سے محبت کر انہیں پر بھروسہ رکھ کہ وہی اپنی کشتی کے کھون ہار ہیں۔ وہی آقا اور داتا ہیں، انہیں سے سب ہے۔ انہیں کا سب، امام احمد رضا کہتے ہیں ؎

انہیں کی بو مایۂ سمن ہے انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

کریم ایسے کہ بن مانگے دیں، ہاتھ اٹھنے نہ پائے کہ دامن مراد بھر دیں، خود نہ کھائیں، تمہیں کھلا دیں، خود تو معصوم ہیں مگر ہمارے گناہوں کو یاد کر کے روئیں، شب بیداری ایسی

کہ امت بے خوف سوئے مگر آقا ہیں کہ امت کے لیے رات بھر بارگاہ ایزدی میں گریہ زاری کریں۔ کسی نے کہا آقا مجھ سے بہت گناہ سرزد ہو چکے ہیں، کیا رب العزت بخش دے گا.....؟ فرمایا یقین کرو کہ تمہارے گناہ رب کی رحمت سے زیادہ نہیں وہ بخشش کرنے والا ہے۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ توبہ کرو، معافی چاہو، بخش دیے جاؤ گے۔ فرمایا جب تک میری امت کا ایک ایک فرد جنت میں نہیں چلا جاتا شفاعت کا طالب رہوں گا، یہاں تک کہ پوری امت اجابت جنت میں ہوگی۔ پھر اے مومنو! یہ اضطراب کیسا؟ یہ پریشانی کیسی؟؟ یہ در در بھٹکنا کیسا؟؟؟ آخر متفکر کیوں ہو...؟ جہاں کے خزانے اور اس کی کنجیاں اسی کریم کے ہاتھوں میں ہے۔ وہی معطی ہیں، وہی قاسم، وہی دیتے ہیں، انہیں سے ملتا ہے، ہر درد و قلب کا وہی مداوا ہے، وہی مطلوب، مقصود مومن ہے۔ خدا کی ساری خدائی انہیں کے طفیل ہے۔ امام احمد رضا کے یقین کا احساس کر سکو تو کرو!!!! کہتے ہیں:۔

کریم ایسا ملا کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے

بتاؤ اے مفلسو! کہ پھر کیوں تمہارا دل اضطراب میں ہے

اضطراب چھوڑو، احتساب کرو، کہ کہیں ہم گستاخ رسول کے تئیں نرم گوشہ تو نہیں رکھتے اللہ اور اس کے حبیب کے دشمنوں سے دوستی تو نہیں کر بیٹھے ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تقویٰ اور سنت کے نام پر محبت رسول سے دل خالی تو نہیں کر رہے ہیں۔ سنو! چور، ڈاکو، زناکار، مختلف حیلے بہانے اور صاف ستھرے کپڑے میں ملبوس ایمان و ایقان کی دولت پر قدغن لگانے آتے ہیں، وہ فریبی ہیں، ان کے فریب سے بچو، ہاتھ میں تسبیح کے سو دانے، زبان پر ورد الٰہی کی رٹ اور دل بغض رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا پلندہ۔ ایسے لوگوں کے بارے میں امام احمد رضا کی تحریر پڑھیں اور عبرت حاصل کریں،

امام احمد رضا کا موقف

نشہ کی حالت میں کسی مسلمان کے منہ سے کلمہ کفر نکل گیا تو اسے کافر نہ کہیں گے اور نہ سزائے کفر دیں گے، مگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی وہ کفر ہے کہ نشہ کی

بے ہوشی سے بھی صادر ہو تو اسے معافی نہ دیں گے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۶، ص ۴۰)

اور آپ کے شاگرد رشید حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی علیہ الرحمہ والرضوان لکھتے ہیں: مرتد اگر ارتداد سے توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے مگر بعض مرتدین مثلاً کسی نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا ایسا ہے کہ اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں۔ (بہار شریعت، حصہ ۹، ص ۱۶۶)

الحمدللہ ہم اہل سنت و جماعت کے نزدیک اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی اللہ عزوجل کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کچھ بھی گستاخی کا مرتکب پایا گیا تو حداً قتل کیا جائے گا اور توبہ قبول نہیں، یعنی ہر صورت میں اسے سزا دی جائے گی۔ شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ والرضوان احقاق حق اور ابطال باطل کی گتھی سلجھاتے ہوئے خوب لکھتے ہیں:

مپندار سعدی کہ راہ صفا — بہ منزل نہ جز بر پے مصطفیٰ

حضرت مولانا غلام مجتبیٰ سندر پور نیپالی علیہ الرحمہ "علامت حب صادق" کے ضمن میں لکھتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبِ صادق میں علامات ذیل پائی جاتی ہیں اگر کوئی شخص حبِ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دعویٰ کرے اور اس میں یہ علامات نہ پائیں جائیں تو وہ حب میں صادق و کامل نہیں۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و آثار کی اقتداء آپ کی سنت پر عمل، آپ کے اوامر و کا بجالانا اور نواہی سے اجتناب اور آپ کے آداب سے آراستہ ہونا۔

(۲) اپنے نبی کے ذکر کو کثرت سے کرنا...... مثلاً درود شریف کثرت سے پڑھنا......، حدیث شریف پڑھنا...... میلاد شریف یا مجالس میلاد شریف میں شامل ہونا۔

(۳) اپنے نبی کی زیارت سے مشرف ہونے کا نہایت اشتیاق پیدا ہونا جیسا کہ حضرت بلال وابوموسیٰ وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تھا۔

(۴) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرنا جیسا کہ صحابہ کا معمول تھا کہ آپ کی آواز پر آوزا بلند نہ کرتے...... حضور سے پہلے کلام نہ کرتے اور مؤدب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

(۵) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس سے محبت کرتے تھے۔ اہل بیت عظام، صحابہ کرام، مہاجرین وانصار ان سے محبت رکھنا اور جو شخص ان بزرگوں سے عداوت رکھے اس سے عداوت رکھنا اور جو ان کو سب وشتم کرے اس کو برا جاننا جیسا کہ قرآن مجید کا حکم ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآئَهُمْ اَوْ اَبْنَآئَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ۔

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

میں نے اس کتاب کی تحقیق وترتیب میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کتب کا مطالعہ کیا اور اپنی ذاتی لائبریری کے علاوہ بے شمار لائبریریوں کے کباٹ کی کتابوں کو کھنگال ڈالا تب کہیں جا کر عشق ومحبت سے لبریز کتاب ''جان ہے عشقِ مصطفےٰ'' کتابت، اصلاح اور طباعت کے کٹھن مرحلوں سے گذر کر آپ کے زیر مطالعہ ہے۔ یقیناً میری محنت ومشقت ضائع نہ جائے گی، اور اس کا اجر خیر اب میں کسی طرح کی کوئی شرعی غلطی نظر آجائے تو مجھے ضرور مطلع کریں انشاء اللہ العزیز اللہ عزوجل کے نزدیک مجھے ملے گا (انشاء اللہ عزوجل) لیکن قارئین سے گذارش ہے کہ اگر کتائندہ اشاعت میں تصحیح کر لی جائے گی۔

اللہ عزوجل اپنے حبیب صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میری اس کوشش کو قبول فرما کر اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

محمد علاؤ الدین قادری رضوی غفرلہ
محکمہ شرعیہ سنی دار الافتاء والقضاء میرا روڈ، ممبئی
۱۷/جمادی الآخر ۱۴۳۵ھ/ ۱۸/اپریل ۲۰۱۴ء

مُقَدِّمَہ

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ سیدنا
محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

عشق:۔عربی لفظ ہے جس کا معنی ہے۔ احبہ اشد الحب فھو عاشق ۔
اس نے اس سے غایت درجہ محبت کی تو وہ اس کا عاشق ہے۔(المعجم الوسیط،ص۶۰۳)
اور جب محبت اس انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو جس سے محبت اور عشق کرتا ہے اس کی ہر ہر ادا پر عاشق مر مٹنے کے لیے تیار رہتا ہے۔

اسی طرح عرب زبان میں اسی مادہ کا ''باب تفعل'' کا ایک لفظ ہے،''تعشق'' تکلف العشق۔بتکلیف عاشق بننا،یعنی بناوٹ کا عشق۔

عشق کی دو قسمیں ہیں ۔عشق حقیقی ......اور عشق مجازی: عشق حقیقی ......محبتِ الٰہی اور عشق رسول کو کہتے ہیں ۔عشق مجازی ......دنیوی انسانوں کے عشق ،اور بناوٹ کے عشق کو کہتے ہیں ۔اور آخر الذکر محبت اور عشق کی ابتدا، سب سے پہلے محبوب کے دل میں پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا:

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود
تا نہ سوزد شمع کے پروردہ شیدا می شود

محبت رسول کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور پرنور رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔

(سورہ آل عمران، آیت ۳۱)

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

اللہ کی محبت کا دعوٰی جب ہی سچا ہو سکتا ہے جب آدمی مصطفٰی جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا متبع اور حضور کی اطاعت اختیار کرے، اللہ کی اطاعت بغیر اطاعت رسول نہیں ہو سکتی، حضور کی جس درجہ کامل اطاعت ہو گی اسی درجہ کی محبوبیت حاصل ہو گی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ۔

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثلث من كن فيه وجد طعم الايمان من كان يحب المرء لايحبه الا الله ومن كان الله ورسوله احب اليه مما سواهما وان يلقى فى النار احب اليه من ان يرجع فى الفكر بعدانقذة الله منه۔(صحيح مسلم باب حلاوة الايمان)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کا مزہ پائے گا۔(۱) جو شخص محبت محض اللہ کے لیے کرے (۲) اللہ اور اس کا رسول اس کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔(۳) کفر سے نجات پانے کے بعد دوبارہ کفر میں لوٹنا اس کو آگ میں ڈالے جانے سے زیادہ پسند ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من ولده ووالده والناس اجمعين ۔(صحيح مسلم باب وجوب محبة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، ماں باپ، اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

جب مسلمان کو مشرکین سے ترک موالات کا حکم دیا گیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی باپ، بھائی وغیرہ قرابت داروں سے ترک تعلق کرے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَائُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔

(سورہ توبہ، آیت ۲۴)

تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان، یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لانے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔

اور جلدی آنے والے عذاب میں مبتلا کرے، یا دیر میں آنے والے عذاب میں، اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ دین کے محفوظ رکھنے کے لیے دنیا کی مشقت برداشت کرنا مسلمانوں پر لازم ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے مقابل دنیوی تعلقات کچھ قابل التفات نہیں۔ اور خدا اور رسول کی محبت ایمان کی دلیل ہے۔ (خزائن)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا آبَائَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۤءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (سورہ توبہ: آیت ۲۳)

اے ایمان والو! اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر کریں، اور تم جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔

احادیث مقدسہ اور آیت کریمہ سے یہ ثابت ہے کہ مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت فرض ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ محبت ایک غیر اختیاری چیز ہے اور غیر اختیاری چیز کا انسان مکلّف

نہیں ہوتا ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا مکلف کرنا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) محبت طبعی ...... (۲) محبت عقلی: محبت طبعی ...... غیر اختیاری ہوتی ہے جیسے ماں باپ، اولاد، اور مال و دولت کی محبت۔ محبت عقلی ...... اختیاری ہوتی ہے۔ محبت عقلی کا مطلب یہ ہے کہ عقل محبوب چیز کو دوسری چیزوں پر ترجیح دے، اور یہ انسان کے اختیار میں ہے، اور مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی قسم کی محبت کرنا فرض ہے، یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی ذات، اپنے ماں باپ، دیگر اقربا اور مال و دولت کو شمعِ بزمِ ہدایت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر قربان کر دے۔ عاشق رسول سلطان العارفین، امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں آپ یعنی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ: آپ جس شخص سے چاہیں بقوت اس کا کھانا اور اس کا پینا لے لیں، اور مالک پر دیدینا واجب ہے، اگرچہ وہ محتاج ہو، اور س پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناموس پر اپنی جان قربان کر دے۔

(الخصائص الکبریٰ فی المعجزات خیر الوریٰ ج ۲۔ص ۵۲۴)

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ ۔(سورہ احزاب، آیت ۶)

یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔

علماء اعلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ظالم آپ کی طرف قصد کرے تو ہر اس شخص پر واجب ہے جو اس وقت حاضر ہے اپنی جان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت و صیانت میں قربان کر دے، جس طرح جنگ بدر میں افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے ...... حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ کے خلاف تلوار سونت کر نکل آئے ...... اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں کو قتل کر دیا ...... حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُحد میں اپنی جان سے حضور کی حفاظت فرمائی، حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے وطن، اقرباء، مکانوں اور مال و دولت کو چھوڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں ہجرت کر

کے مدینہ آ گئے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (سورۃ النساء، آیت ۱۰۰)

اور اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلئے وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش پائے گا اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جب اس آیت کو عاشق مصطفےٰ صحابی رسول حضرت جندع بن ضمیرہ لیسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا جو بہت بوڑھے شخص تھے کہنے لگے کہ میں مستثنیٰ لوگوں میں سے تو ہوں نہیں، کیونکہ میرے پاس اتنا مال ہے کہ جس سے میں مدینۃ الرسول ہجرت کر کے پہنچ سکتا ہوں، خدا کی قسم مکہ مکرمہ میں اب ایک رات نہ ٹھہروں گا، مجھے لے چلو مدینہ، چنانچہ ان کو چارپائی پر لے کر چلے، مقام تنعیم میں آ کر ان کا انتقال ہو گیا، آخر وقت انہوں نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، اور کہا: یا رب! یہ تیرا اور یہ تیرے رسول کا ہے، میں اس پر بیعت کرتا ہوں جس پر تیرے رسول نے بیعت کی، یہ خبر پا کر صحابۂ کرام نے فرمایا کاش! وہ مدینہ پہنچتے تو ان کا اجر و ثواب کتنا بڑا ہوتا، اور مشرک ہنسنے اور کہنے لگے کہ جس مطلب کے لیے نکلے تھے وہ نہ ملا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔ اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہو گیا۔

اس کے وعدے اور اس کے فضل و کرم سے کیونکر بطریق استحقاق کوئی چیز اس پر واجب نہیں، اس کی شان اس سے عالی ہے۔ (خزائن)

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سارا مال لا کر مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں پیش کر دیا۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَوْ اَنَّا کَتَبْنَا عَلَیْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ اَوِاخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِکُمْ۔

(سورۃ النساء، آیت ٦٦)

اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ۔

تو حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک یہودی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا قتل اور گھر بار چھوڑنا فرض کیا تھا، ہم اس کو بجالاتے حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فرض کرتا تو ہم بھی بجالاتے۔

ایمان کامل کے لیے حضور کی محبت فرض:

بعض علماے کرام نے فرمایا کہ ایمان کامل کے لیے حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت فرض ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت مطلقاً فرض ہے، جس شخص میں شمع بزم ہدایت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت مطلقاً نہ ہو وہ مطلقاً مومن نہ ہوگا، اور جس شخص میں کمال محبت نہ ہو وہ مومن کامل نہیں ہوگا۔

محبت رسول کیسے ہوتی ہے۔؟ بعض لوگ حسن و جمال سے محبت کرتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کوئی حسین پیدا ہی نہیں کیا۔

بعض لوگ علم و حکمت کی وجہ سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کائنات میں کسی کو علم و حکمت نہیں عطا فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ (سورہ بنی اسرائل، آیت ٨٥)

اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا

آیت کریمہ میں یہ بھی بتایا گیا کہ مخلوق کا علم، علم الٰہی کے سامنے قلیل ہے اگر چہ "ما اوتیتم" کا خطاب یہود کے ساتھ خاص ہو۔

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو علم عطا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا۔ (سورۃ النساء، آیت ١١٣)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے (یعنی امور دین و احکام و شرع و علوم غیب) اور

اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے (کہ تمہیں ان نعمتوں کے ساتھ ممتاز کیا۔)
اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام کائنات کے علوم عطا فرمائے اور کتاب وحکمت کے اسرار وحقائق پر مطلع کیا، یہ مسئلہ قرآن مجید کی بہت ساری آیات اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ (خزائن)
بعض لوگ جود وسخا سے محبت کرتے ہیں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر سخاوت کی کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ (سورہ بنی اسرائیل :آیت ٦٩)

اور نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے۔

ایک یہودی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سخاوت کا بیان مبالغہ کی حد تک کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ترجیح دی، ایک مسلمان خاتون کو یہ بات ناگوار گزری انہوں نے کہا سارے انبیاے کرام علیہم السلام صاحب فضل وکمال ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جود ونوال میں کچھ شبہ نہیں لیکن سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے یہودی کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود وکرم کی آزمائش کرانی چاہی چنانچہ اپنی چھوٹی بچی کو حضور انور کی خدمت میں بھیجا کہ قمیص مانگ لائے، اس وقت حضور کے پاس ایک ہی قمیص تھی جو زیب تن تھی، وہی اتار کر عطا فرمادیا اور اپنے دولت سرائے اقدس میں تشریف رکھی، شرم سے باہر تشریف نہ لاتے، تو سب کو فکر ہوئی۔ حال معلوم کرنے کے لیے کاشانہ نبوت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ جسم مبارک پر قمیص ہی نہیں اس وقت آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔
بعض لوگ زہد وتقویٰ کی وجہ سے محبت کرتے ہیں، مصطفٰے جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اتنی عبادت کی کہ معبود حقیقی فرمارہا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِصْفَهٗٓ اَوِنْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا۔ (سورہ مزمل، آیت:۱تا۴)

اے جھرمٹ مارنے والے رات میں قیام فرما، نماز اور عبادت کیساتھ، سوا کچھ رات

کے (یعنی تھوڑا سا حصہ آرام کے لیے باقی شب عبادت میں گزاریے، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیا اس پر کچھ بڑھاؤ۔ (آپ کو اختیار دیا گیا ہے کہ خواہ قیام نصف شب سے کم ہو، یا نصف شب یا اس سے زیادہ ہو اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

الغرض کسی سے عشق ومحبت کی جتنی وجہیں ہوسکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے وہ ساری خوبیاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جمع کر دیں اور حضور انور کو ساری کائنات کا محبوب بنا دیا۔

علامات محبت کیا ہیں۔؟

محبت کی علامت یہ ہے کہ..... محب کو محبوب میں نہ کوئی برائی دکھائی دیتی ہے اور نہ اس کی ذرہ برابر برائی سننے کا روادار ہوتا ہے، جس سے محبت کرتا ہے اس کی توہین وتحقیر اپنے سینے کے زخم سے زیادہ محسوس کرتا ہے۔

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے عیب ہیں، حضور کی تعظیم وتوقیر جس طرح اُس وقت تھی کہ حضور انور اس عالم میں ظاہری نگاہوں کے سامنے تشریف فرماتے اب بھی اسی طرح فرض اعظم ہے، جب حضور کا ذکر آئے تو بکمال خشوع وخضوع وانکسار درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کی علامت یہ ہے کہ..... بکثرت حضور کا ذکر کرے اور درود شریف پڑھے۔

اور محبت کی یہ بھی علامت ہے کہ..... حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آل واصحاب مہاجر وانصار جمیع متعلقین ومتوسلین سے محبت رکھے، اور حضور کے دشمنوں سے عداوت رکھے اگر چہ کوئی بھی ہو ورنہ دعوی محبت میں جھوٹا ہے۔

علامت محبت یہ بھی ہے کہ..... شان اقدس میں جو الفاظ استعمال کیے جائیں ادب میں ڈوبے ہوئے ہوں کوئی ایسا لفظ جس میں کم تعظیمی کی بو بھی ہو کبھی زبان پر نہ لائے اگر حضور کو پکارے تو نام پاک کے ساتھ ندا نہ کرے کہ یہ جائز نہیں بلکہ یوں کہے "یا نبی اللہ، یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ"

اور محبت کی یہ بھی نشانی ہے کہ..... حضور انور کے اقوال وافعال واحوال علماء سے

دریافت کرے، اوران کی پیروی کرے۔

خیال رہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم یعنی اعتقاد وعظمت جزوایمان و رکن ایمان ہے اور فعل تعظیم بعد ایمان ہر فرض سے مقدم ہے۔

اس کی اہمیت کا پتا اس حدیث سے چلتا ہے کہ:

"غزوۂ خیبر کی واپسی میں منزل صہبا پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھکر مولیٰ علی کرم اللہ وجہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر آرام فرمایا، مولیٰ علی کرم اللہ وجہ نے نماز نہ ادا کی تھی آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ وقت جا رہا ہے مگر اس خیال سے کہ زانو سرکاؤں تو شاید حضور کے خواب مبارک میں خلل آجائے، زانو نہ ہٹایا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا، جب چشم اقدس کھلی مولیٰ علی نے اپنی نماز کا حال عرض کیا۔ حضور نے حکم فرمایا، ڈوبا ہوا آفتاب پلٹ آیا مولی علی نے نماز ادا کی پھر سورج ڈوب گیا۔"

اس سے ثابت ہوا کہ افضل العبادات نماز اور وہ بھی صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر مولی علی نے حضور کی نیند پر قربان کردی کہ عبادتیں بھی ہمیں حضور ہی کے صدقہ میں ملیں۔

(بہار شریعت، حصہ اول ص ۲۰)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "محمد" ہیں اور حمد ہمیشہ حسن کی ہوتی ہے، عیب کی نہیں ہوتی، تو جس شخص کو مصطفیٰ جان رحمت میں کسی وجہ سے عیب نظر آئے یا کسی سے حضور کی برائی سن کر خاموش رہے وہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محب نہیں ہوسکتا۔

محبت کی علامت یہ بھی ہے کہ...... حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر سے خوش ہو لہٰذا جو شخص کسی وجہ سے بھی حضور انور کے ذکر کو روکے یا ذکر رسول سننا پسند نہ کرے وہ کبھی بھی حضور کا محب اور عاشق نہیں ہوسکتا۔

محبت کی ایک اہم علامت...... اطاعت رسول ہے، اس اعتبار سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محب وہ شخص ہوگا جو آپ کا مطیع وفرمانبردار ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس شخص کے عمل میں کوئی کوتاہی ہو وہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محب نہیں، کیونکہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

عہد رسالت میں عبداللہ نامی ایک شخص تھا جو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے شراب پینے کی وجہ سے اس پر حد جاری کی، دوران حد کسی صحابی نے کہا: اے اللہ اس پر لعنت فرما یہ کس قدر شراب پیتا ہے، حضور نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا محب ہے۔
(صحیح بخاری، ج۲، ص۱۰۰۲)

لہٰذا معلوم ہوا کہ بسا اوقات مسلمان معصیت کے غلبہ سے مغلوب ہو کر گناہ کر لیتا ہے لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے خالی نہیں ہوتا۔
(شرح صحیح، ج۱، ص۱۴۲)

قاضی القضاۃ فی الھند حضور صدر الشریعہ مفتی امجد علی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں حضور کی محبت مدار ایمان ہے بلکہ ایمان اسی محبت ہی کا نام ہے۔ (بہار شریعت، حصہ اول ص ۱۹)

عاشق رسول اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نور اللہ مرقدہ بیان فرماتے ہیں:۔

امام الصدیقین اکمل الاولیاء العارفین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کو حفظ جان پر مقدم رکھا، سفر ہجرت میں جب آفتاب رسالت و ماہتاب صدیقیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برج ثور بیت الشرف قمر میں اجتماع نیرین کی طرح غار ثور میں جلوہ فرما ہوئے، صدیق اکبر نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور باہر توقف فرمائیں پہلے میں اندر جا کر غار کو صاف کر دوں کہ شاید کوئی چیز ہو، غار چند ہزار سال کا تھا، بہت سوراخ تھے صدیق نے سنگ ریزوں سے پھر کپڑے پھاڑ پھاڑ کر ان سے بند کیے، ایک سوراخ رہ گیا اس میں پاؤں کا انگوٹھا رکھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کو بلایا، حضور نے ان کے زانو پر سر انور رکھ کر آرام فرمایا، وہاں ایک سانپ مدت سے بہ تمنائے دیدار فائض الانوار حضور پر نور سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رہتا تھا کہ اس نے قرون سابقہ میں علمائے امم سابقہ کو باہم ذکر کرتے سنا تھا کہ حضور اقدس نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کو ہجرت، اور غار ثور میں اقامت فرمائیں گے، سانپ نے اپنا سر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

انگوٹھے پر رگڑا، انہوں نے جانا کہ سانپ ہے مگر اس خیال سے جان جائے مگر محبوب کی نیند میں خلل نہ آئے پاؤں نہ ہٹایا یہاں تک کہ اس نے کاٹا، صدیق نے بکمال ادب جنبش نہ کی، مگر شدت ضبط کے باعث آنسو نکل کر رخسارۂ محبوب رب العلمین پر پڑے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشم جانفزا کھلی، صدیق سے حال پوچھا عرض کیا۔

لدغت بابی انت وامی یا رسول الله یا رسول لله۔

میرے ماں باپ حضور پر قربان مجھے سانپ نے کاٹا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگا دیا فورا آرام ہو گیا، یہ تعظیم ومحبت و جانثاری اور پروانہ واری، شمع رسالت افضل الصلوۃ والتحیۃ ہیں...... بعد انبیاء ومرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجمعین تمام جہان پر تفوق ہے، جس نے صدیق اکبر کو ان کے بعد تمام عالم، تمام خلق اللہ، تمام اولیا، تمام عرفاء سے افضل واکرم واکمل اعظم کر دیا۔ یہی وہ سر ہے جس کی نسبت حدیث میں آیا کہ:

ابوبکر کو صوم وصلاۃ کی وجہ سے تم پر فضیلت نہ ہوئی بلکہ اس سر کے سبب جو اس کے دل میں راسخ ومتمکن ہے۔ یہ وہ راز ہے جس کے باعث ارشاد ہوا:

لو وزن ایمان ابی بکر بایمان امتی لرجح ایمان ابی بکر۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ص ۱۱۹، ۱۲۰)

اگر ابوبکر کا ایمان میری تمام امت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکر کا ایمان غالب آئے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

بینا رأس رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فی حجری فی لیلة ضاحیة اذا قلت یا رسول الله الله ! هل تکون الاحد من الحسنات عدد نجوم السماء قال نعم عمر، قلت فاین حسنات ابی بکر قال انما جمیع حسنات عمر لحسنه واحدة من حسنات ابی بکر۔

(مشکوۃ المصابیح، (باب مناقب ابی بکر و عمر رضی الله تعالیٰ عنهما)

چاندنی رات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا، جب میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہوں گی؟ حضور نے فرمایا: ہاں وہ حضرت عمر ہیں، میں عرض کیا، تو ابوبکر کی نیکیاں کہاں گئیں؟ حضور نے فرمایا: حضرت عمر کی ساری نیکیاں ابوبکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کی طرح ہے۔

• آخر وہ کون سی نیکی ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری نیکیاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کی طرح ہے؟

تو اس سلسلے میں علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہجرت کی رات غار ثور میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مراد ہے۔ اس رات حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز تہجد نہیں پڑھی تھی، اور کوئی عبادت نہیں کی تھی، حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثال خدمت کی تھی، عشق رسول میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی تھی، اور آپ کا سر مبارک اپنے زانو پر رکھ کر خوب جی بھر کر اس صورت پاک کے نظارے کیے تھے یہ ایک نیکی دنیا بھر کی ساری نیکیوں سے بڑھ کر قرار پائی۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں ‏ ‏ ‏ اصل الوصول بندگی اس تاجور کی ہے

یہ بڑا مشہور مقولہ ہے:

"ولی را ولی می شناسد" مگر میں اپنے اسلوب کے حوالے سے نہایت وثوق اور پر اعتماد جملہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ: "عاشق را عاشق می شناسد" ولی کو ولی پہچانتا ہے اور عاشق رسول کو عاشق رسول پہچانتا ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ ہر عاشق کا اپنا معیار اور انداز عشق میں تفاوت ہو۔ عالی جناب ڈاکٹر طلحہ برق رضوی داناپوری صاحب حضرت علامہ مفتی محمد علاؤ الدین صاحب قادری رضوی حفظہ اللہ کے عشق رسول اور محبت رسول کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ: میں اس بات پر شاہد ہوں کہ عزیز گرامی مفتی محمد علاؤ الدین پورے ایام حج نیز قیام مدینہ شریف کے درمیان میرے ساتھ ساتھ رہے، اور جب تک مدینہ شریف میں قیام رہا آپ نے کبھی اپنے پاؤں میں جوتا چپل کا استعمال نہیں کیا۔ (تذکرہ علمائے اہلسنت سیتامڑھی، ص ۲۷۳)

استعمال بھی کیونکر کرتے جبکہ امام اہل سنت عاشق رسول فرماتے ہیں:

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا　　　ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

جناب ڈاکٹر طلحہ برق رضوی صاحب نے اپنے ماتھے کی نگاہ سے مفتی صاحب موصوف کا عشق رسول دیکھا، پرکھا، محسوس کیا، پھر ان کے قلب و ذہن نے عاشق رسول ہونا قبول کیا مشاہدہ کے بعد انہیں عین الیقین ہو گیا۔

تاریخ اور سیرت و سوانح کی کتابیں گواہ ہے کہ بڑے بڑے علماء و مشائخ اور شاہان زمانہ شہر اولیا اور تاجدار انبیاء کے آستانہ عالیہ میں حاضری دینی چاہی تو میلوں پہلے سواریوں سے اتر گئے ہیں، پا پیادہ ہے جوتے چپل اشک رواں کے ساتھ ان کی بارگاہ فلک وقار میں حاضری دیکر اپنے دامن کو گوہر مراد سے بھر لیا ہے اور فلاح دارین حاصل کر لی ہے۔

مولوی محمد زکریا اپنی کتاب کے ''فضائل درود'' کے باب میں لکھتے ہیں کہ:

مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعت شریف لکھی جس کے چند اشعار پیش ہیں۔

زمہجوری بر آمد جان عالم　　　ترحم یا نبی اللہ ترحم

ترجمہ: آپ کے فراق سے کائنات کا ذرہ ذرہ جاں بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے۔

* اے آقا: نگاہ کرم فرمائیے یا نبی اللہ رحم فرمایئے۔

نہ آخر رحمۃ اللعالمینی　　　نہ محروماں چرا فارغ نشینی

آپ یقیناً رحمۃ اللعالمین ہیں، ہم حرماں نصیبوں کو آپ کیسے بھول سکتے ہیں۔

بروں آور سر برد یمانی　　　کہ روئے تست صبح زندگانی

اپنا سر انور برد یمانی سے باہر نکالیے، اس لیے کہ آپ کا روئے انور صبح زندگانی ہے۔

یہ فریاد لکھنے کے بعد آپ حج پر تشریف لے گئے اور دل میں ارادہ کیا کہ یہ اشعار سرور کونین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار پر انوار کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کروں گا، چنانچہ حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے گئے، اور حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ زاد اللہ شرفھا کی حاضری کا ارادہ کیا، امیر مکہ کو خواب میں سلطان مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زیارت کرائی اور فرمایا کہ اے امیر مکہ! جامی کو مدینہ کی طرف نہ آنے دینا امیر مکہ نے

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ پر پابندی عائد کردی کہ وہ مدینہ طیبہ نہیں جاسکتے، مگر مولانا جامی علیہ الرحمہ پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ چھپ کر مدینہ طیبہ کی طرف چل دیے۔

امیر مکہ کو دوبارہ خواب میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ جامی کو میرے روضہ پر نہ آنے دینا، امیر مکہ نے فرمان رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سن کر آدمی دوڑائے جو مولانا جامی کو مدینہ منورہ کے راستے سے پکڑ کر لے آئے، امیر مکہ نے مولانا جامی علیہ الرحمہ کو سختی سے جیل میں بند کردیا۔

چنانچہ تیسری دفعہ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے امیر مکہ کو زیارت کا شرف بخشا اور فرمایا: جامی کوئی مجرم نہیں ہے، بلکہ ہم اس لیے اپنے روضے پر آنے سے روک رہے ہیں کہ اس نے کچھ اشعار لکھے ہیں جن کو وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر وہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا اور میری قبر پر کھڑے ہو کر اس نے وہ اشعار پڑھے تو مجھے قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ باہر نکالنا پڑے گا۔ چنانچہ امیر مکہ نے مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو جیل سے نکالا اور بڑی عزت وتکریم سے پیش آیا۔ (تبلیغی جماعت، ص ۱۳۱)

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب لکھتے ہیں: یہ واقعہ اہلِ دل کی مجالس میں اکثر سنا گیا کہ حضرت جامی جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے تو والی مدینہ کو خواب میں حکم دیا گیا کہ میرے عاشق کو شہر کے باہر روک لیا جائے ورنہ جس جذب وکیف میں وہ آرہا ہے مجھے اس کی دلدہی کے لیے گنبد خضریٰ سے باہر آنا پڑے گا۔ جامی کو کئی بار روکا گیا، جوش و جذب کے فرو ہونے پر اجازت ملی، ایک بار ایک سالار کارواں سے "سازش" کی کہ مجھے صندوق میں بند کر کے گنبد خضریٰ تک پہنچایا جائے بایں ہمہ والی مدینہ کو زیارت ہوئی جو بہ نفس نفیس اس کاروان عشق ومحبت کے استقبال کے لیے شہر کے دروازے پر کھڑا تھا جس میں حضر جامی چھپ کر داخل ہو رہے تھے، اونٹ سے سامان اتارا گیا، سامان عشق ومحبت تھا جو جامی کی شخصیت بن کر صندوق میں بند تھا نہایت ادب سے پیغام محبوب پہنچایا گیا اور روک دیا گیا، کچھ دنوں بعد حاضری ہوئی تو جامی لپٹ لپٹ کر فریاد کر رہے تھے۔

ز مہجوری بر آمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم

جیسا کہ ڈاکٹر طلحہ برق رضوی صاحب نے صاحب کتاب موصوف کے تعلق سے بیان کیا ہے کہ: جب تک مدینہ شریف میں قیام رہا آپ نے کبھی اپنے پاؤں میں جوتا چپل کا استعمال نہیں کیا، اتفاق سے ایک روز مولانا عباس ندوی جو میرے سسرالی رشتہ دار ہیں اورام القریٰ میں پروفیسر ہیں ان کے گھر دعوت میں جانا ہوا، فراغت کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو ان کی نظر آپ کے پاؤں پر پڑ گئی تو کہتے ہیں کہ آپ چپل پہننا بھول گئے تو میں نے کہا کہ جناب یہ شہر نبی میں پاؤں میں جوتا چپل پہننے کو خلاف ادب سمجھتے ہیں لہٰذا یہ مدینہ میں داخل ہونے سے قبل ہی جوتا چپل اتار چکے ہیں پھر تو مولانا عباس ندوی آپ کو پکڑ کر زار و قطار رونے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یارسول اللہ! یہ ہند سے آنے والے کا عشق ہے ہم تو آپ کے شہر میں رہتے، کھاتے پیتے ہیں مگر آداب مدینہ بجالانے میں بڑے کوتاہ ثابت ہوئے ہیں ہمیں معاف فرما۔ (روایت صاحب تذکرہ بحوالہ تذکرہ علماء اہل سنت سیتامڑھی ص ۲۷۳)

ایک عاشق رسول کا یہی شیوہ ہے کہ وہ ذات رسول...... جزوِ رسول...... متعلقِ رسول...... نسبتِ رسول...... بلدِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وغیرہ حتیٰ کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گلی کوچوں میں پھرنے والے جانوروں کی بھی قدر کرتا ہے کوئے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گلیوں میں رہنے والے کتوں سے بھی پیار کرتا ہے۔ حضرت علامہ عبدالسمیع بیدم وارثی (مصنف انوار ساطعہ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عشق و محبت میں ڈوبا ہوا بڑا پیارا شعر ہے۔

سگ طیبہ مجھے سب کہہ کے پکاریں بیدم یہی رکھیو میری پہچان رسول عربی

عاشق رسول سرکار اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ عرض کرتے ہیں:

تجھ سے در، در سے ہے سگ، سگ سے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

حضرت مولانا محمد الدین صاحب حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عشق رسول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

مدینہ منورہ میں ایک جگہ حجاج کرام کی دعوت تھی جب لوگ کھانا کھارہے تھے تو ایک کتا آگیا کسی نے اس کی ٹانگ پر پتھر مار کر زخمی کر دیا وہ تڑپتا ہوا وہاں سے بھاگا، حافظ سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس دعوت میں موجود تھے، آپ نے یہ منظر دیکھا تو تڑپ گئے، اور اس کتے کے پیچھے بھاگے اور کیا دیکھتے ہیں کہ اس کی ٹانگ پر زخم ہے۔ تو حضرت محدث علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سر سے دستار مبارک اتاری اور اسے پھاڑ کر کتے کی ٹانگ پر پٹی باندھ دی۔ (الخطیب، ج۲ص۲۹۱)

صاحب کتاب حضر مولانا مفتی محمد علاؤ الدین صاحب نے اپنا نیکوکار باعمل اور محرر ہاتھ خانوادۂ رضوی کے چشم و چراغ عظیم روحانی و علمی شخصیت کے دست اقدس میں دیا جن کے بارے میں علمائے کرام کی رائے یہ تھی کہ: اس پر آشوب دور میں حضور مفتی اعظم کے تقویٰ کو دیکھنا ہو تو عارف باللہ حضرت علامہ تحسین رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کو دیکھ لو۔ اور سلسلہ رضویہ ہی کے ایک بزرگ پیر طریقت حضرت مولانا مفتی ثناء المصطفیٰ صاحب ثناء القادری دامت برکاتہ اور اسی سلسلہ کے مشہور عالم دین مفتی اعظم مہاراشٹر احضرت علامہ مفتی مجیب اشرف صاحب رضوی ناگپوری نے حج کے مبارک موقع پر مقام ام ہانی میں علماء اہل سنت کی موجودگی میں آپ کو جملہ سلاسل کی اجازت و خلافت سے نوازا۔ آپ کی قلمی خدمات بھی کچھ کم نہیں ہیں مختلف مسائل اور مقتضائے حال کے مطابق کتابیں اور مضامین کثیر الاشاعت رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ افکار اہل سنت اکیڈمی: آپ کی علمی و عملی کاوشوں کا نتیجہ ہے جس سے ابتک کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اسی ادارہ سے ایک سالانہ کتابی سلسلہ بنام ''اہل سنت'' شائع ہوتا رہتا ہے جس کی چیف ایڈیٹر اور روح رواں آپ ہی ہیں۔

ممبئی عظمیٰ میرا روڈ میں ''محکمہ شرعیہ سنی دار الافتاء والقضاء'' کے بانی وقاضی اور آپ ہی اس کے صدر اعلیٰ ہیں، انجمن ثنائیہ دار الیتامیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ میرا روڈ ممبئی کا قیام بھی جہاں حفظ وقرات اور درس نظامیہ کی تعلیم کا بہترین انتظام ہے وہ سب آپ کے دم خم سے وجود میں آیا۔

کئی غیر مسلم آپ کے اسلامی داعیانہ اخلاق و کردار کی بنیاد پر قبول اسلام کا شرف

حاصل کر چکے ہیں۔ ان میں مشہور آپ کا حجام عبداللہ ہے جو مسلسل پانچ سالہ عالمانہ اور ناصحانہ صحبتوں کے بعد دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا۔

آپ کے اندر بڑی مقناطیسیت ہے اپنے اخلاق و کردار اور نہایت ہی حسین و دلپذیر تبسم اور دلکش لب و لہجہ سے لوگوں کے قلوب و اذہان کو مسخر کر لیتے ہیں مذہب حق اسلام میں غیر مسلم کا داخل کرنا یقیناً یہ آپ کا عظیم کارنامہ ہے جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

جنگ خیبر کے موقع پر حضور پرنور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیسرے دن جھنڈا حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو عطا فرمایا، حضرت مولیٰ علی نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا میں ان لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہو جائیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نرمی سے کام لو، پہلے انہیں اسلام کی طرف بلاؤ، پھر بتاؤ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر کیا حقوق ہیں خدا کی قسم! اگر تمہاری کوشش سے ایک شخص کو بھی ہدایت مل گئی تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہو گا۔

جہاں آپ کے اندر شیریں کلامی سحر بیانی، صلاحیت تسخیری، اور دعوت و ارشاد کا کمال، مزاج میں انکساری و تواضع ہے، وہیں غیرت و استغناء اور تصلب فی الدین بھی ہے اور کسی کی بھی خاطر مداہنت نہ کرنا بھی بہت نمایاں خوبی ہے۔ چنانچہ آپ کا ایک تلمیذ رشید جناب حافظ قاری شمشاد عالم تحسینی آپ کے تصلب فی الدین کے تعلق سے بیان کرتے ہیں کہ:

دہلی میں استاذ گرامی (حضرت مفتی محمد علاؤ الدین قادری رضوی) کو دور کے کسی ایک رشتہ دار جو چچا ہوں گے نام (عبدالعزیز، سرور پوری) ہے، دوپہر کے کھانے پر اپنے گھر مدعو کیا حضرت اپنی معیت میں مجھے اور میرے دوست آفاق رضا کو بھی ساتھ لے کر صاحب خانہ کے یہاں پہنچے ظہر کا وقت ہو چکا تھا، قریب کی مسجد میں ہم دونوں نے حضرت کے ساتھ نماز ظہر ادا کی، پھر صاحب خانہ کے گھر جانا ہوا دستر خوان چنے جا رہے تھے کہ اسی اثناء وہ کہنے لگے کہ: مفتی صاحب بڑا المیہ ہے کہ میرا بھائی عبدالوہاب سرور پوری جب میرے گھر حاضر آتے ہیں اور انہیں کھانا کھانے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ مجھے دیوبندی بتا کر کھانا نہیں کھاتے

ہیں۔آپ برجستہ ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی تم دیوبندی ہو؟ وہ شخص کہتا ہے کہ ہاں میں دیوبندی ہوں، حضرت پھر پوچھتے ہیں کیا تم دیوبندی عقائد ونظریات سے واقف ہو؟ تو وہ کہتا ہے ہاں میرا عقیدہ ونظریہ وہی ہے جو مولوی اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی اور قاسم نانوتوی وغیرہ کے ہیں۔

اتنا سنتے ہی مفتی صاحب جلال میں آگئے گرجدار لب ولہجہ میں فرمانے لگے کہ خبردار! مولانا عبدالوہاب صاحب اچھا کرتے ہیں یقیناً تمہارے یہاں کھانا پینا جائز نہیں پھر وہ لاکھ منت وسماجت کرتا رہا مگر آپ کسی علاقہ ورشتہ کا پاس ولحاظ کئے بغیر دسترخوان سے اٹھ گئے ،اور پھر ہم لوگوں سے فرمایا بیٹا! کسی سنی ہوٹل میں چلو، وہاں ساگ سبزی، دال روٹی جو میسر ہو کھالیں گے۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت سیتامڑھی، ص ۲۷۷)

موصوف کی زیر نظر کتاب ''جان ہے عشق مصطفیٰ'' جب کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے مراحل سے گزر چکی تو ایک دن مجھے فون پر کہتے ہیں کہ آپ اس پر کچھ لکھ دیں، جبکہ میں خود بھی اس موضوع پر لکھنے کے لیے طے کر چکا تھا مگر اس کا چوتھا درجہ تھا۔

پہلا...... ''مسند امام اعظم کا ترجمہ وتشریح''۔۳ جلدیں جو قریب الاختتام ہے۔

دوسرا...... اساتذہ کرام کے حکم کی تعمیل اور علمائے ممبئی کا قرض اتارنے کے لیے ''سوانح مخدوم ماہمی''۔ تیسرا...... بحکم اساتذہ ''مصباح الحدیث'' ۲ جلدیں۔

چوتھا...... جان ایمان ہے عشق مصطفیٰ۔

معلوم نہیں زندگی وفا کرے نہ کرے میں نے جو چند سال بعد کرنے کے لیے سوچا تھا وہ حضرت موصوف نے کر دکھایا میں انہیں بار بار مبارکبادی پیش کرتا ہوں مجھے بڑی خوشی ہوئی جب میں نے کتاب دیکھی واقعات عشق ومحبت، حوالوں سے مزین ہیں۔ بڑے سلیقہ اور ادب کے ساتھ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، علماء راسخین، فقہا ومحدثین، صوفیا ومشائخ ربانیین ۲۷۰ عاشقان مصطفیٰ کی ایک طویل فہرست ہے جو دعوت مطالعہ دے رہی ہے۔ دنیا میں ہر چیز کا بدل مل سکتا ہے لیکن وقت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر وہ ضائع ہو جائے تو اس کی تلافی ناممکن ہے موصوف کے نزدیک وقت کی قدر وقیمت ہے جن کاموں

میں اپنے اوقات صرف کرتے ہیں ان کو دین سمجھ کر ہی اپنا وقت لگاتے ہیں۔ تدریس ،تقریر، قضاء وافتاء، سالنامہ اہل سنت کی اشاعت اورادارہ کی ذمہ داری اس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری ہی رہتا ہے، جس کی وجہ سے ''جان ہے عشق مصطفیٰ'' کا حسین وضخیم گلدستہ آپ کی نگاہوں کا نور ثابت ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے جلیلہ سے اخلاص نیت کے ساتھ انہیں دین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کتاب کو قبول عام وتام فرمائے، علم نافع اور نعمت لازوال سے مالا مال فرمائے۔ آمین

بجاه سيد المرسلين صلوات الله تعالى عليه وآله وصحبه اجمعين۔

عبدالمجید خان قادری مصباحی

۲۴ ربیع النور ۱۴۳۵ھ

T بلڈنگ فلیٹ نمبر ۲۰۱ ہنجر نگر

آر، جے، مارگ پمپ ہاؤس، اندھیری ایسٹ ممبئی ۳۹۔

پیش لفظ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان عشق مصطفیٰ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا　　جس کو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

کتاب ہذا ''جان ہے عشق مصطفیٰ'' اسم بامسمیٰ ہے کتاب صرف ضخامت پر ہی مشتمل نہیں بلکہ اپنی جامعیت اور اسلوب انداز میں بھی انفرادیت کی حامل ہے۔ خفتگان خاک سے کچھ ایسے افراد جنم لیتے ہیں جو تشنگان علوم اور عاشقان رسول کے لیے جوئے علم ومعرفت کے ایسے دھارے بہاتے ہیں جو سرمدی تسکین قلب کا سبب ہوتا ہے میدان تصنیف وتالیف میں مصنفین ومؤلفین کی تعداد اگر چہ نایاب تو نہیں مگر کم یاب ضرور ہے فی الوقت اس مادہ پرست دور میں دینی تحریر اور عشق رسول میں لکھنے والے کی مجموعی حیثیت آٹے میں نمک کے مانند ہو کر رہ گئی ہے۔ موجودہ دور کی بے راہ روی مخرب اخلاق رسائل وجرائد کی کثرت گلِ بیگانہ کی طرح صحرائے معاشرت میں پھیلی ہوئی ہے، جس سے چشم دریدہ افراد محفوظ ہو کر عارضی سکون حاصل کرنے کی آپ کی مہمیز کلک سے کئی اعلیٰ معیاری کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ مفتی صاحب کی ذات تعارف کے دست نگر نہیں آپ کی علمی وملی خدامت ہی آپ کی شناخت ہے فضل وکمال، زہد وتقویٰ، دیانت وصداقت جیسے عمدہ محاسن کے آپ مالک ہیں ساتھ ہی ساتھ حسن اخلاق کے پیکر بھی، کسی کا بھی خندہ پیشانی سے استقبال کرنا آپ کی سرشت میں داخل ہے جہد ناقص کرتے ہیں ایسے پر آشوب حالات میں دینی کتاب کی تصنیف وتالیف جہاد بالقلم کے مترادف ہے۔ میرے دیرینہ رفیق ومحسن حدیث الس عالم دین نکتہ رس مفتی قوم وملت کے درد کو احساس کرنے کرنے والے جماعتی انتشار وآپسی اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کرنے والے باوقار سنجیدہ فکر کے مالک ادیب شہیر حضرت علامہ ومولانا مفتی الحاج محمد علاؤ الدین رضوی صدر وسربراہ اعلیٰ محکمہ شرعیہ میرا روڈ مہاراشٹر وادئ علم وفن کے زیرک شہسوار ہیں۔ کتاب ''جان ہے عشق مصطفیٰ'' عاشقان مصطفےٰ کے

لیے روحانی غذا بھی ہے اور سینے میں عشقِ رسول کا چراغ روشن کرنے کا سامان بھی، ویرانِ دلوں کو باغِ رسالت کے گلبن عشق سے رچا اور بسانے کا سبب بھی، خفتہ مقدر کو بیدار کرنے کا ذریعہ بھی، اس دورِ پرفتن میں فرنگی تہذیب وتمدن کی طرف گامزن دینی واسلامی معلومات سے بے بہرہ اور عشقِ رسول کی چاشنی سے نا آشنا افراد کے لیے آبِ حیات ہے موجودہ دور میں جہاں عشقِ رسول اور محبت اولیا پر قدغن لگانے کی جہد مسلسل اور اہانت رسول کے لیے مغربی ممالک میں دشمن اسلام افراد کوشاں وسرگرداں ہوں ایسے حالات میں آپ نے کتاب لکھ کر بلاشبہ آندھی کے دوش پر دیا روشن کیا ہے، اس مادہ پرست دور میں لوگ نام ونمود کے لیے نمائشی کاموں میں اپنا مال وزر گنگا جمنا کے دھارے کی طرح بہاتے ہیں لیکن دینی کتاب کی اشاعت کے لیے جعد الیدین بن جاتے ہیں اگر کسی شیر دل مصنف نے جوئے شیر لانے کے مصداق عرقِ جبیں زیر پالا کر کسی تصنیف کو منصۂ شہود پر لاتے ہیں تو چند نسخے فروخت ہونے کے بعد باقی کتابیں پارچہ دیرینہ کی طرح الماری میں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں ایسے حالات میں مفتی صاحب نے شیر دلی کا ثبوت دیتے ہوئے کتاب کو منظر عام لائے، کتاب کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے گلستان احادیث وتواریخ کی سیر کر کے رنگ برنگ کے گل ولالہ کو اپنے دامن میں اکٹھا کر کے ایک ماہر گل چیں کی طرح عشق رسالت کا ایک حسین گلدستہ عاشقان رسول کے لیے پیش کیا، جس عشق کے رنگ وبو کو زوال نہیں۔

کتاب ہذا میں عشقِ رسول کے واقعات وعاشقان رسول کی جانثاری کے وہ دل دوز و پرسوز حالات کو ضبط تحریر میں لایا جو نئی نسل کی پیاسی روح کے لیے آب زلال ہے، مفتی صاحب کی محنت شاقہ کا اندازہ کتاب کے مطالعہ کے بعد ہی ہوتا ہے آپ کی علمی، فکری آگہی، وسعت مطالعہ، طرز تحریر میں سلاست وراوانی، انتخابات عنوان، اسلوب نگارش میں پختگی، زبان وادب کے رموز سے واقفیت، نوجوان نسل کی اصلاح کا جذبہ ہر علوم وفنون پر عبور، ہر میدان میں دسترس علمی نکتہ پر گہرا تفکر، بے شمار عشق رسول کے واقعات سے آگاہی، ہمہ جہت باریک نگاہ، وادی تفتیش وتحقیق میں طویل مسافت اور تلاش وجستجو پر محنت شاقہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ درس وتدریس اور اصلاح قوم وملت میں گزرا بالخصوص میرا روڈ کی سرزمین پر علم وادب کی بہاریں دینی واصلاحی خدمات بالخصوص مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت قطعی

فراموش نہیں کیا جا سکتا، آپ کی راہ میں بے شمار سنگ وخار آئے۔ لیکن آپ کے پایۂ استقلال میں جنبش نہ آیا ہر ظلم وستم اور لعن وطعن کا آپ نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا، جس سے کامیابی وکامرانی کی راہیں کھلتی چلی گئیں اور ہر ڈگر آپ کے لیے آسان ہو گیا، میں ایک طویل عرصہ آپ کی معیت میں رہا جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ تلخ تجربات ومشاہدات نے آپ کو جبل الاستقامت بنا دیا ہے، مشائخ کی علمی روایت سے آپ کو گہری وابستگی ہے عشق رسول میں جو وافر سرمایہ اکٹھا کیا ہے وہ یقیناً قابل قدر ہے آپ تحریر میں تحیر کا عنصر بھی ہے اور حقیقت پر مبنی بھی، یہ اخلاقی مضامین کا مجموعہ تو نہیں لیکن عشق رسول کے واقعات سے حسن اخلاق کا رنگ ٹپکتا ہے تصوف پر مبنی کتاب تو نہیں کہا جا سکتا لیکن تصوف کا رنگ وبو ہر ہر واقعات سے مترشح ہے، یہ حکیمانہ کتاب تو نہیں لیکن عشق رسول میں پنہاں کوئی واقعہ حکمت سے خالی نہیں یہ جاں بازی اور بہادری پر مشتمل دستاویز تو نہیں لیکن عاشقان رسول کے ہر ہر ادا سے جاں بازی اور بہادری عیاں ہے، اس کتاب میں خاص طور سے جن چیزوں پر زور دیا گیا ہے وہ عشق مصطفیٰ ہے اور عشق مصطفیٰ میں حیات کائنات سمٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

حیات وکائنات کی ضوفشانی بغیر عشق رسول کے مکمل نہیں، یہ ضوفشانی ہی کیا، بغیر عشق رسول کے کوئی عبادت مکمل نہیں ہو سکتی۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے   اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

عشق رسول کے مضامین ایک ایسا جامع دستاویز ہے جس کا مطالعہ سیرت وباطن کو نکھارنے کے لیے صیقل ہے۔

ایک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا   خاک کے ذروں کو ہم دوش ثریا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پہ اوروں کے ہادی بن گئے   کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

محمد ابراہیم آسی

سابق شیخ الحدیث: جامعہ فاروقیہ، میرا روڈ، ممبئی

۱۷ر جمادی الآخر ۱۴۳۵ھ/ ۱۸ر اپریل ۲۰۱۴ء

الف

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کی جانب سے عروہ بن مسعود ثقفی کو بات چیت کرنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بحیثیت نمائندہ بھیجا گیا تھا، عروہ بن مسعود ثقفی نے حضور اقدس جان ایمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غرور اور تکبر کے لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے شان اقدس کے خلاف جملے کہے، نیز کہا کہ آپ کے آس پاس اوباش اور آوارہ لوگ جمع ہو گئے ہیں اور جب وقت آئے گا تو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، عروہ بن مسعود ثقفی نے جاں نثار صحابہ کرام کو بے وفا اور بھاگنے والا کہہ کر صحابہ کرام کے "فنا فِی الرَّسُوْل" کے جذبۂ صادق پر کاری ضرب لگائی تھی، عروہ کی بات سن کر اصدق الصادقین، امام المتقین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جلال آ گیا اور آپ نے عروہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "اُمْصُصْ بَظْرَ الّٰلاتِ۔" یعنی لات (بت کی شرمگاہ چاٹ) آگے آپ نے فرمایا "اَنَحْنُ نَفِرُّ مِنْهُ وَنَدَعُهٗ" یعنی کیا ہم بھاگ جائیں گے اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے؟ عروہ بن مسعود ثقفی نے حضرت صدیق اکبر کی بات پر سر اٹھایا اور کہنے لگا کہ یہ کون ہیں جو ایسی بات کہتے ہیں؟ صحابہ نے بتایا کہ یہ ابوبکر صدیق ہیں، پس عروہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر عروہ بن مسعود حضور اقدس جان ایمان صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا اور دوران گفتگو بار بار حضور کی ریش مبارک یعنی ڈاڑھی مبارک تک اپنا ہاتھ لے جاتا اور کچھ گستاخانہ حرکتیں کرتا، عروہ کو اس طرح گستاخانہ لہجے میں بات کرتا دیکھ کر حضرت مغیرہ بن

شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ میں لال ہو گئے اور انہوں نے اپنی تلوار کے کندے اس کے سر پر مار کر فرمایا کہ "او بے ادب! اپنے ہاتھ کو بچا کے رکھ اور حد سے تجاوز نہ کر۔" عروہ بن مسعود ثقفی نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ صحابہ نے بتایا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں، عروہ نے اپنی نازیبا حرکت تھوڑی ہی دیر میں، دو عاشقوں کی زجر و توبیخ سے سہم کر ترک کر دی، اور گستاخانہ طرز گفتگو چھوڑ کر سنجیدگی سے بات کرنے لگا، ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بات چیت کے دوران عروہ بن مسعود گوشۂ چشم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود صحابہ کرام کو دیکھ رہا تھا اور صحابہ کرام کے جذبہ ادب و تعظیم اور پاس و لحاظ عظمت رسول کا مشاہدہ کر رہا تھا، صحابہ کرام کا اکرام و توقیر دیکھ کر وہ حیران و ششدر تھا۔

ڈوب تو بحر فنا میں پھر بقا پائے گا تو قبل از بحر فنا بحر بقا ملتا نہیں

جب عروہ بن مسعود مشرکوں کے گروہ میں واپس گیا تو اس نے کہا کہ اے گروہ قریش! میں بڑے بڑے متکبر و مغرور سلاطین و بادشاہوں کی مجلسوں میں رہا ہوں، میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں گیا ہوں اور ان کی خلوت و جلوت میں رہا ہوں، لیکن میں نے ان میں سے کسی بادشاہ کے کسی خدمت گار کو ایسا ادب و احترام کرتے نہیں دیکھا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب ان کا ادب و احترام کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے دہن مبارک سے لعاب شریف نکالتے ہیں تو صحابہ اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے رخساروں پر ملتے ہیں، جب کسی ادنیٰ اور معمولی کام کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کے لیے بزرگ ترین صحابہ بھی سبقت کرتے ہیں، جب ان کے حضور کوئی بات کرتا ہے تو وہ آواز کو پست کر کے بات کرتا ہے، اور جب وہ گفتگو فرماتے ہیں تو تمام لوگ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے ہیں اور ان کے روئے مبارک پر کوئی نگاہ نہیں جما سکتا، جب وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی زمین پر نہیں گرتا بلکہ صحابہ اسے بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور اس کے حصول میں ایسی سبقت کرتے ہیں کہ جھگڑے تک کی نوبت آ پہنچتی ہے اور ایسا گمان گزرتا ہے کہ اس پر خونریزی شروع ہو جائے گی، جب ڈاڑھی شریف اور سر میں کنگھا فرماتے ہیں اور کوئی موئے مبارک جسم شریف سے الگ ہوتا ہے تو اس کی عزت و احترام کے ساتھ تبرک

جان کر صحابہ اپنے پاس محفوظ کر لیتے ہیں، یہ وہ حالات ہیں جن کا میں نے اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔

نظر نظیر نہ آیا نظر کو کوئی کہیں
جچے نہ غلماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں
بصر کے ساتھ بصیرت بھی خوب روشن ہو
لگاؤں خاک قدم بار بار آنکھوں میں

عروہ بن مسعود نے مذکورہ بالا باتیں کہنے کے بعد قوم قریش کے سامنے صحابہ کرام کی شجاعت، مردانگی، یک جہتی، اولوالعزمی، جوشِ جہاد، عالی ہمتی، شوقِ شہادت، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایثار و محبت کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی قسم! میں نے ایسا لشکر دیکھا ہے جو تم سے کبھی منہ نہ موڑے گا، میدان جنگ میں یہ تم سب کو مار ڈالیں گے اور تم پر غالب آجائیں گے۔

مریضِ عشق کا بیمار بھی کیا ہوتا ہے
جتنی کرتا ہے دوا درد سوا ہوتا ہے
آستانے کے گداؤں کے لیے رحمت ہے
اور اعدا پہ شہا قہر خدا ہوتا ہے

(سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب، ج ۱، ص ۱۰۰۱ تا ۱۰۲۱۔ بحوالہ، مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ ج ۲، ص ۳۵۳ تا ۳۵۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی استقامت

حضرت حسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتقال سے پہلے اہل مدینہ اور اس کے اطراف سے ایک لشکر تیار فرمایا جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس لشکر کا امیر بنایا، ان حضرات نے ابھی خندق بھی پار نہیں کی تھی کہ حضور کا انتقال ہو گیا، حضرت اسامہ لوگوں کو لے کر ٹھہر گئے اور حضرت عمر سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے

پاس واپس جائیں اور ان سے (ہمارے لیے واپس آنے کی) اجازت لیں کہ وہ مجھے اجازت دیں تو سب لوگ مدینہ واپس چلے جائیں کیونکہ میرے ساتھ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام لشکر میں ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ کہیں مشرکین خلیفہ رسول اللہ پر اور حضور کے گھر والوں اور مسلمانوں کے گھر والوں پر اچانک حملہ نہ کر دیں اور انصار نے کہا اگر حضرت ابوبکر ہمارے جانے کا ہی فیصلہ کریں تو ان کو ہماری طرف سے یہ پیغام دیکر مطالبہ کریں کہ وہ ہمارا امیر ایسے آدمی کو بنا دیں جو عمر میں حضرت اسامہ سے بڑا ہو، چنانچہ حضرت عمر حضرت اسامہ کا یہ پیغام لے کر گئے اور حضرت ابوبکر کو جا کر حضرت اسامہ کی ساری بات بتا دی، حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ اگر کتے اور بھیڑیے مجھے اُچک لیں (مجھے مدینہ سے اٹھا کر لے جائیں یا مجھے پھاڑ ڈالیں) تو بھی میں حضور کے فیصلہ کو واپس نہیں لے سکتا۔

مئے محبتِ محبوب سے یہ ہیں سر سبز بھری ہوئی ہے شراب طہور آنکھوں میں

پھر حضرت عمر نے کہا مجھے انصار نے کہا تھا کہ میں آپ کو ان کا یہ پیغام پہنچا دوں کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کا امیر ایسے آدمی کو بنا دیں جو عمر میں حضرت اسامہ سے بڑا ہو، حضرت ابوبکر بیٹھے ہوئے تھے یہ سن کر ایک دم جھپٹے اور حضرت عمر کی داڑھی پکڑ کر کہا اے ابن الخطاب! تیری ماں تجھے گم کرے (یعنی تم مر جاؤ) حضور نے تو ان کو امیر بنایا ہے اور تم مجھے کہہ رہے ہو کہ میں ان کو امارت سے ہٹا دوں۔

جما ہوا ہے تصور میں روضۂ والا بسے ہوئے ہیں وہ لیل و نہار آنکھوں

حضرت عمر وہاں سے نکل کر لوگوں کے پاس آئے لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا کر آئے؟ حضرت عمر نے کہا چلو اپنا سفر شروع کرو، تمہاری مائیں تمہیں گم کریں، آج تو مجھے تمہاری وجہ سے خلیفہ رسول اللہ کی طرف سے بہت کچھ برداشت کرنا پڑا، پھر حضرت ابوبکر خود ان لوگوں کے پاس آئے، اور ان لوگوں کو خوب ہمت دلائی اور ان کو اس طرح رخصت کیا کہ حضرت ابوبکر خود پیدل چل رہے تھے اور حضرت اسامہ سوار تھے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر کی سواری کی لگام پکڑ کر چل رہے تھے حضرت اسامہ نے کہا اے خلیفہ رسول اللہ! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا پھر میں بھی نیچے اتر کر پیدل

چلتا ہوں، حضرت ابوبکر نے کہا اللہ کی قسم! نہ تم اترو گے اور اللہ کی قسم! نہ میں سوار ہوں گا، اس میں حرج ہے کہ میں تھوڑی دیر اپنے پاؤں اللہ کے راستہ میں غبار آلود کرلوں کیونکہ غازی جو قدم بھی اٹھاتا ہے اس کے لیے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے سات سو درجے بلند کیے جاتے ہیں اور اس کے سات سو گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ جب حضرت ابو بکر ان کو رخصت کر کے واپس آنے لگے، تو انہوں نے حضرت اسامہ سے کہا اگر آپ مناسب سمجھو تو حضرت عمر کو میری مدد کے لیے یہاں چھوڑ جاؤ، چنانچہ حضرت اسامہ نے حضرت عمر کو مدینہ حضرت ابوبکر کے پاس رہ جانے کی اجازت دے دی۔

(حیاۃ الصحابہ، ج ۱، ص ۵۴۷ تا ۵۴۸، ابن عساکر ج ۱، ص ۱۱۷۔ وکنز العمال ج ۵، ص ۳۱۴)

تصلب فی الدین

علامہ ابن کثیر رقم طراز ہیں: جب مسلمان مردوں کی تعداد اڑتیس ہوگئی تو حضرت ابوبکر نے بارگاہ رسالت پناہ میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! اب ہمیں کھل کر میدان میں نکل آنا چاہیے اور تبلیغ اسلام کا فریضہ پوری قوت سے انجام دینا چاہیے۔

حضور نے فرمایا اے ابوبکر! ابھی ہماری تعداد بہت کم ہے حضرت صدیق کا اصرار جاری رہا یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم کے حجرہ سے نکل کر حرم شریف کے صحن میں اپنے غلاموں کی معیت میں تشریف لے آئے اور تمام مسلمان مسجد کے کونوں میں بکھر گئے اور اپنے اپنے قبیلہ میں جا کر نشستیں سنبھال لیں، جب سب لوگ بیٹھ گئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے، دنیائے اسلام کا سب سے پہلا خطیب صدیق اکبر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دینے کے لیے کھڑا ہوا، کافر، صدیق اکبر کے اس خطبہ کو سن کر آگ بگولہ ہو گئے اور مشتعل ہو کر ابوبکر صدیق اور باقی مسلمانوں پر ہلہ بول دیا اور ان کو خوب مارا اور پیٹا، ابوبکر پر تو ان کا غصہ بڑا شدید تھا چنانچہ آپ کو دھکا دے کر زمین پر گرایا، اوپر چڑھ گئے، پاؤں سے لتاڑتے اور ڈنڈوں سے زدوکوب کرتے رہے اتنے میں بدبخت عتبہ بن ربیعہ آگیا اس نے اپنے بھاری بھرکم جوتے اتارے اور ان سے آپ کے چہرے پر پے

در پے ضربیں لگانے لگا اور آپ کے پیٹ پر چڑھ کر کودنے لگا آپ کا چہرہ سوج کر پھول گیا یہاں تک کہ ناک اس سوجن میں نظر ہی نہیں آتی تھی۔

نہ دیکھا تھا جو چشم گردوں نے اب تک
الٰہی! بندے نے تیرے وہ ستم اب سہا ہے

آپ کے قبیلہ بنی تمیم کو معلوم ہوا تو انہوں نے مشرکین کو دھکے دے کر حضرت ابوبکر سے دور ہٹایا اور آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے گھر لے آئے، آپ کی موت میں کسی کو شک نہ تھا، پھر بنو تمیم مسجد حرام میں واپس آئے اور اعلان کر دیا کہ اگر ابوبکر مر گئے تو ہم عتبہ کو ضرور تہ تیغ کر دیں گے، یہ اعلان کرنے کے بعد پھر وہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے جہاں وہ مدہوش پڑے تھے آپ کے والد ابو قحافہ اور آپ کے قبیلہ والے آپ کو بلاتے تھے لیکن آپ کوئی جواب نہیں دیتے سارا دن غشی طاری رہی جب سورج غروب ہونے لگا تو آپ کو کچھ ہوش آیا، اور پہلا جملہ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ "**ما فعل رسول الله صلی الله علیه وسلم**" مجھے بتاؤ میرے آقا، میرے ہادی کا کیا حال ہے۔

یہ سن کر ان لوگوں نے آپ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور ملامت کرنے لگے پھر وہ لوگ وہاں سے واپس جانے کے لیے اٹھے اور آپ کی والدہ ام الخیر کو کہا کہ خیال رکھنا انہیں ضرور کچھ کھلانا پلانا، جب والدہ اکیلی آپ کے پاس رہ گئیں اور اصرار کرنا شروع کیا کہ آپ کچھ بولیں، آپ نے پھر وہی جملہ دہرایا "**مافعل رسول اللّٰہ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم**" کہ اللہ کے پیارے رسول کا کیا حال ہے۔ والدہ نے کہا بخدا! مجھے تیرے صاحب کے بارے میں کوئی خبر نہیں کہ ان کا کیا حال ہے، آپ نے کہا کہ اماں! ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور حضور کے بارے میں اس سے دریافت کرو۔

پریشاں ہوں پریشانی کرو دور   پریشاں سا پریشاں دل میرا ہے

آپ کی والدہ وہاں سے نکل کر ام جمیل کے پاس آئیں اسے کہا کہ ابوبکر تجھ سے محمد بن عبداللہ کے متعلق پوچھتا ہے اس نے جواب دیا نہ میں ابوبکر کو جانتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ کو، اگر تو پسند کرے تو میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلی جاتی ہوں، ام الخیر نے

کہا بہت بہتر چنانچہ ام جمیل ان کے ساتھ ان کے گھر آئی، دیکھا کہ ابو بکر مدہوش پڑے ہیں اور نزع کی حالت ہے۔ام جمیل آپ کے قریب گئی اور رونا چیخنا شروع کر دیا اور کہا بخدا! جس قوم نے تیرے ساتھ یہ بہیمانہ سلوک کیا ہے بیشک وہ فاسق و فاجر اور کافر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور ان سے انتقام لے گا۔لیکن صدیق اکبر نے اس سے بھی وہی سوال کیا:''مافعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم '' کہ میرے آقا کا کیا حال ہے ام جمیل نے کہا کہ یہ آپ کی ماں سن رہی ہے۔آپ نے جواب دیا اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، مطمئن ہونے کے بعد ام جمیل نے کہا سالم صحیح۔ کہ حضور صحیح و سلامت ہیں، آپ نے پوچھا، حضور کہاں ہیں اس خاتون نے بتایا کہ حضور دار ابن ارقم میں ہیں، اپنے آقا کی خیریت کی خبر سن کر آپ کے (ہوش ٹھکانے لگ گئے) کہا، بخدا میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ ناز میں حاضری کا شرف حاصل نہ کروں گویا آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حضور کی خیریت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے ان دونوں خاتونوں نے کچھ دیر انتظار کیا یہاں تک کہ لوگوں کی آمد و رفت ختم ہوگئی سناٹا چھا گیا وہ آپ کو لے کر گھر سے نکلیں حضرت صدیق اکبر ان پر ٹیک لگائے ہوئے حضور کی بارگاہ میں پہنچے۔

یہ حال زار ہے فرقت میں تیرے مضطر کا
کہ اشک آتے ہیں بے اختیار آنکھوں میں

فَلَكَبَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَهٗ وَاَكَبَّ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَرَقَّ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِقَّةً شَدِيْدَةً۔

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر پر جھک گئے اور ان کو بوسے دینے لگے اور مسلمان بھی ان پر جھک گئے اور آپ کی حالتِ زار کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل رحیم پر بڑی رقت اور گداز طاری ہوئی۔''

یہاں کیوں کر نہ دل آرام پائے جہاں آرامِ جان و دل میرا ہے

صدیق اکبر نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان جائیں مجھے کوئی

تکلیف نہیں سوائے ان جوتیوں کی ضربوں کے جو عتبہ نے میرے چہرے پر ماری ہیں۔

وَ هٰذِهٖ اُمِّیْ مَبَرَّةٌ بِوَلَدِهَا وَاَنْتَ مُبَارَكٌ فَادْعُهَا اِلَى اللّٰهِ وَادْعُ اللّٰهَ لَهَا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّسْتَنْقِذَهَا بِكَ مِنَ النَّارِ۔

یہ میری ماں برہ اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہے حضور سراپا برکت ہیں اسے اللہ کی طرف بلائے اور اس کے لیے اللہ تعالٰی سے دعا فرمائیں مجھے امید ہے حضور کی برکت سے اللہ تعالٰی اسے آگ سے نجات دے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی کی جناب میں اس کی ہدایت کے لیے التجا کی پھر اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی چنانچہ وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔

پھر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مہینہ تک دار بنی ارقم میں قیام فرما رہے۔اور خفیہ طریقہ سے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔

رہے جلوہ تمہارا دل کے اندر میرے پیارے یہ دل کا مدعا ہے

(ضیاء النبی، ج ۲، ص ۲۳۹ تا ۲۴۰، بحوالہ، السیرۃ النبویہ لابن کثیر ج ۱، ص ۴۳۹ تا ۴۴۱، السیرۃ النبویہ زینی دحلان ج ۱، ص ۲۱۰ تا ۲۱۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عجز

روایت ہے کہ ایک اعرابی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں، حضرت ابوبکر نے جواب دیا نہیں! تو اس نے کہا کہ پھر آپ کیا ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا کہ: خالفہ ہوں، حضرت کے بعد۔

خالفہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی گھر میں تمام لوگوں میں ایسا ہو جس میں کوئی صلاحیت نہ ہو، چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں، صدیق اکبر کو ادب واحترام نے اس کی اجازت نہ دی کہ اپنے کو اس لفظ کا مصداق سمجھیں اس کو ایسے طور سے بدلا کہ خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی قائم رہا۔ (روح البیان مترجم، ج ۵، پ: ۹، ص ۳۵۴)

چہ نسبت خاک را با عالم پاکت کہ اے مولی

گدائے بے نوا ہم ہیں شہ عرش آستاں تم ہو

حضرت ابو بکر کا عشق رسول حضرت ابوہریرہ کی روایت کی روشنی میں

فرزند صدیق اکبر حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ، جنگ بدر میں مشرکین مکہ کے ہمراہ کفار قریش کی طرف سے لشکر اسلام سے زور آزمائی میں مصروف تھے۔ مشرف باسلام ہونے کے بعد ایک روز شفیق باپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں پدر بزرگوار! جنگ بدر میں ایک ساعت ایسی بھی آئی۔ کہ آپ میری تلوار کی زد میں آگئے تھے اگر میں چاہتا تو بڑی آسانی سے آپ کو تہ تیغ کر سکتا تھا، لیکن رشتۂ ابوت نے میری کلائی تھام لی۔ اور میں نے آپ کی طرف سے صرف نظر کر لیا۔ صدیق اکبر کے جذبۂ عشق نے انگڑائی لی۔ محبت رسول نے تیور بدلا۔ اور عشق رسول میں ڈوبی ہوئی ایک پر جلال آواز اُبھری، وہ تمہارا کفر تھا جس نے تمہیں پدری رشتہ کی یاد دلائی، اور تمہارے جذبہ مبارزت پر خونی رشتہ غالب ہو گیا۔ واللہ! اگر میرے ساتھ یہی معاملہ پیش آتا اور تم میری تلوار کی زد میں آجاتے تو محبت رسول غالب آتی اور تلوار اپنا کام کر جاتی۔ چشم فلک بھی دیکھ لیتی کہ رسول کی خاطر ایک شفیق باپ نے اپنے چہیتے بیٹے کی گردن اڑا دی۔ (عقائد اہل سنت، ص ۱۸۴، بحوالہ، ابن عساکر)

وہی مجھے نظر آئیں جدھر نگاہ کروں انہیں کا جلوہ رہے آشکار آنکھوں میں

قابل صد احترام ہے جذبۂ صدیقی کہ دل کی گہرائیوں سے ابھرتا ہے اور کائنات کو انگشت بدنداں کر دیتا ہے، صدیقی عشق رسول کی عظمت نرالی شان رکھتی ہے مال اپنا ہوتا ہے مگر محبت کہتی ہے اسے اپنا نہ کہو، تو صرف محبوب ہے، بقیہ سب کچھ محبوب کا۔ حضرت صدیق کے اس جذبے کی ترجمانی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کرتی ہے ان کی روایت کے مطابق سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا ''سرمایۂ ابو بکر سے زیادہ مجھے کسی کی دولت سے فائدہ نہیں پہنچا'' سرکار کے اس فرمان سے آتش محبت کو ہوا لگی اور دبی ہوئی چنگاری شعلہ جوالہ بن گئی، عشق صدیقی میں ہیجان برپا ہوا۔ اور دریائے محبت بشکل آنسو آنکھوں سے ابل پڑا۔ گریہ سامانی کرتے ہوئے عرض کیا۔ اے میرے آقا! محبوب ومحب میں

میرا، اور تیرا کیسا، میں بھی آپ کا اور میرا سب کچھ آپ کا، بہت پہلے ابوبکر کا تن، من، دھن سب آپ پر قربان ہو چکا ہے۔ اب ابوبکر کا حال کیسا۔؟ (عقائد اہل سنت، ص ۱۸۴۔ بحوالہ احمد)

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس　　صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضرت صدیق اکبر کی زندگی کا ایک ایک لمحہ رضائے رسول اور عشق مصطفےٰ میں گذرتا تھا، آپ کی پسند و ناپسند سے بھی ہم آہنگ ہوئی تھی، اس کا اندازہ ہم کو اس سے ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کا ایمان قبول کرنا رسول کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور تھا، اور دائرہ اسلام میں ان کا داخلہ رسول کی مسرت وشادمانی کا سبب اور انبساط وخوشی کا باعث تھا۔ سرکار آرزو فرماتے تھے کہ کاش چچا ابو طالب دولت ایمان سے ہمکنار ہو جائیں، حضرت صدیق پر جب یہ حقیقت منکشف ہوئی تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا، یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات وحدہٗ لاشریک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ابو طالب کا شرف ایمان سے مشرف ہونا میرے لے میرے والد ابو قحافہ کے دائرۂ اسلام میں آنے اور غلامی رسول قبول کرنے سے زیادہ عزیز و محبوب ہے، کیونکہ مجھے وہی محبوب ہے جو سرکار کو محبوب ہے مجھے وہی پسند ہے جو سرکار کو پسند ہے۔ میری ساری مسرت وشادمانی سرکار کی رضا سے وابستہ ہے۔ جب ابو طالب کا ایمان قبول کرنا سرکار کو عزیز ہے تو بھلا میں اسے ناپسند کرنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہوں۔

نہ ہوتے تم نہ ہوتے وہ کہ اصل جملہ تم ہی ہو
خبر تھے وہ تمہاری میرے مولیٰ مبتدا تم ہو

(عقائد اہل سنت، ص ۱۸۵۔ بحوالہ، شفا شریف)

حالت نماز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو عمرو بن عوف میں صلح کرانے کی غرض سے تشریف لے گئے، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ مؤذن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور پوچھا: کہ اگر آپ نماز پڑھائیں تو

میں اقامت کہوں؟ فرمایا: کہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ صفوں میں گھسے اور (پہلی) صف میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ دوران نماز اِدھر اُدھر توجہ نہ کرتے تھے۔ جب لوگوں نے کثرت سے تالیاں بجانا شروع کیں تو مڑ کر دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو۔ حضرت ابوبکر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر اللہ کا شکر ادا کیا، پھر پیچھے ہٹنے لگے یہاں تک کہ صف میں شامل ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ جب نماز کے بعد صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا: اے ابوبکر! میں نے تجھے حکم دیا اور تو اپنی جگہ کھڑا کیوں نہیں رہا؟ عرض کیا: ابوقحافہ کے بیٹے کی کیا مجال کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا: تم لوگوں نے اتنی کثرت سے تالیاں کیوں بجائیں؟ جب کسی کو نماز میں کوئی حاجت پیش آ جائے تو اسے چاہیے کہ سبحان اللہ کہے۔ جب وہ سبحان اللہ کہے گا تو اس کی طرف توجہ ہو جائے گی۔ تالی کا اشارہ تو عورتوں کے لیے ہے۔

(صحیح بخاری، ج ۱، ص ۹۴ کتاب الاذان، باب من دخل لیؤم الناس)

اسود کہتے ہیں کہ ہم ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے، نماز کی پابندی اور اس کی عظمت و اہمیت کا ذکر ہو رہا تھا تو انہوں نے فرمایا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں تھے تو نماز کا وقت ہوا۔ اذان ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ابوبکر نرم دل آدمی ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہونگے تو نماز نہ پڑھا سکیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ فرمایا: تو یہی جواب عرض کیا گیا، تیسری بار پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا اور فرمایا: تم یوسف علیہ السلام والیوں کی طرح ہو، چنانچہ ابوبکر نماز پڑھانے کے لیے نکلے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ افاقہ محسوس فرمایا، آپ دو آدمیوں کا سہارا لے کر نکلے۔ وہ منظر اب بھی میری نگاہوں کے سامنے ہے کہ تکلیف کی شدت سے پاؤں زمین پر گھسیٹتے چلے جا رہے

تھے۔ابوبکر نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ کھڑا رہنے کا اشارہ کیا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا گیا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئے۔اعمش (حدیث کے راوی) سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور ابوبکر آپ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی؟ تو انہوں نے سر کے اشارے سے جواب دیا، ہاں!

(صحیح بخاری، ج۱،ص۹۱ کتاب الاذان باب حد المریض ان یشھد الجماعۃ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار خادم اور صحابی تھے، بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیماری کے ایام میں لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، پیر کا دن تھا لوگ نماز میں صفیں باندھے کھڑے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کا پردہ ہٹایا اور ہمیں دیکھنے لگے۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔چہرہ قرآن کا ورق معلوم ہوتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ہمیں اس قدر خوشی ہوتی کہ ہم نے فتنہ میں پڑ جانے کا ارادہ کر لیا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صف میں شامل ہونے کے لیے پیچھے ہٹنے لگے، ان کا خیال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لانے والے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کر لو اور پردہ نیچے گرا دیا، اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔(صحیح بخاری، ج۱،ص۹۶،کتاب الصلوٰۃ،باب اھل العلم والفضل احق بالامامۃ۔صحیح مسلم، ج۱۔ص۱۷۹،کتاب الصلوٰۃ باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر۔)

پروفیسر سید ریاض حسین شاہ، کتاب ”صحابۂ کرام کا جذبۂ حب رسول ﷺ“ میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد ایک نفیس تبصرہ کرتے ہیں، ایمان وایقان کی تازگی کے لیے آپ بھی پڑھ لیجیے لکھتے ہیں: جس حجرہ کا پردہ ہٹا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دیکھا وہ اس محراب سے بائیں جانب کچھ فاصلہ پر ہے جہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے نماز پڑھا رہے تھے۔دوران نماز کعبہ کی جانب متوجہ شخص اپنی بائیں جانب کسی کے موجود ہونے کو محسوس تو کر سکتا ہے مگر وہ

کھڑا ہے۔لبوں پر مسکراہٹ ہے۔چہرہ قرآن کا ورق معلوم ہوتا ہے، یہ باتیں اس وقت نہیں کہی جاسکتیں جب تک کہ نگاہ اس کی زیارت نہ کریں۔

ففهمنا ان نفتتن من الفرح برؤية النبي صلى الله عليه وسلم۔ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ دیگر صحابہ کا بھی یہی حال تھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مصلیٰ سے پیچھے ہٹنا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی حجرہ سے باہر تشریف نہیں لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پوری کر لینے کا حکم اشارے کے ساتھ دینا اور اسے سب صحابہ کرام کا دیکھنا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ اس وقت صحابہ کی نگاہیں قبلہ کی جانب سے ہٹ کر رخ مصطفی عليه التحية والثناء کی زیارت میں مصروف ہوگئیں تھیں۔ (صحابۂ کرام کا جذبۂ حب رسول، ص ۴۱ تا ۴۷)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوشی

"حضرت برا رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو ایک چرواہے کے پاس سے گزرے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاس لگی تھی، فرماتے ہیں۔میں نے تھوڑا سا دودھ دوہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا حتی کہ میں خوش ہوگیا۔ (صحيح مسلم، ج۲، كتاب الاشربة، باب جواز شرب اللبن)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رازدارِ نبوت ہیں

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

عَبْدٌ خَيَّرَهُ بين ان يؤتيه زهرةَ الدنيا وبين ما عنده فاختار ما عنده۔

اللہ نے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو دنیا کی دولت لے لے اور چاہے تو اللہ کے

ہاں کی نعمتیں، تو اس بندہ نے اخروی نعمتوں کو اختیار کر لیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رونے لگے۔ (وہ سمجھ گئے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی طرف اشارہ ہے۔) اور عرض کیا:

فدیناک بابائنا و امهاتنا۔ ہم اپنے والدین سمیت آپ پہ قربان۔

(صحیح مسلم ج ۲، کتاب الفضائل من فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ)

آپ کو ہر لحظہ، ہر آن پاس رسول کا خیال رہتا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کچھ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی تیاری شروع کر دی، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا: ابو بکر ٹھہر جاؤ، مجھے امید ہے کہ مجھے بھی اجازت ملے گی: حضرت ابو بکر بولے:

"او ترجوه بابی انت۔ میرا باپ آپ پہ قربان، کیا آپ کو بھی امید ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں میں جواب دیا تو یہ رک گئے۔

تقریباً چار ماہ کے بعد دوپہر کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر خلاف معمول تشریف لائے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

فداله بابی وامی والله ان جاء به فی هذه الساعة الامر۔

میرے ماں باپ آپ پہ قربان ہوں، اس وقت کسی خاص کام سے ہی تشریف لائے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس جو لوگ ہیں انہیں ذرا علیحدہ ہو جانے کا کہو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

انما هم اهلك بابی انت یارسول الله۔

یارسول اللہ ﷺ میرے باپ قربان ہو جائیں، یہ سب آپ ہی کے گھر والے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا: مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے، تو فوراً بولے فالصحبة بابی انت یا رسول الله! میرے باپ قربان ہو جائیں، رفاقت کا شرف

مجھے حاصل ہوگا۔

فرمایا: ہاں! حضرت ابوبکر نے دو اونٹنیاں جو اسی غرض کے لیے تیار رکھی تھیں، ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا۔

فخذ بابی انت یا رسول اللہ احدی راحلتی ھاتین۔

میرے باپ قربان ہو جائیں یہ ایک سواری آپ لے لیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: قیمت دے کر لوں گا، سامانِ سفر باندھا گیا اور ہجرت کے لیے دونوں روانہ ہو گئے۔(صحیح بخاری، ج۲، کتاب اللباس، باب التقنع)(سر ڈھانکنا)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد کے ساتھ بارگاہ نبوی میں

سرور انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مسجد حرام میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت صدیق اکبر اپنے بوڑھے باپ کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے لے آئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو فرمایا ”اے ابوبکر! تم اس شیخ کو گھر میں رہنے دیتے، تا کہ میں خود اس کے پاس چل کر جاتا۔“

صدیق اکبر نے عرض کی، یارسول اللہ! یہ میرے والد کا حق تھا کہ وہ چل کر حضور کی خدمت اقدس میں شرف باریابی حاصل کرتا بجائے اس کے کہ حضور اس کے پاس چل کر تشریف لے جاتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوقحافہ کو اپنے سامنے بٹھایا، پھر ان کے سینہ پر دست مبارک پھیرا، پھر فرمایا، اسلام لے آؤ، چنانچہ ابوقحافہ نے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کیا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کو ان کے والد کے اسلام قبول کرنے پر ہدیہ تبریک پیش کیا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیق اکبر کو یہ فرمانا کہ آپ نے شیخ کو گھر میں ہی رہنے دیا ہوتا کہ میں اس کے پاس چل کر جاتا، اس سے حضرت ابوبکر کی عزت افزائی مقصود تھی، صحابہ کرام میں یہ شرف بھی حضرت صدیق اکبر کو نصیب ہوا کہ ان کی چار پشتیں مشرف باسلام ہوئیں اور ان کو صحابی بننے کا اعزاز نصیب ہوا، حضرت ابوقحافہ، آپ کے صاحبزادے

ابو بکر صدیق، حضرت صدیق کے صاحبزادے عبد الرحمٰن، اور ان کے صاحبزادے محمد، یہ چاروں مشرف باسلام ہوئے اور نبی الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے صحابی بننے کا بھی انہیں شرف نصیب ہوا۔

دوسری طرف سے بھی آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ابو قحافہ، آپ کے صاحبزادے ابو بکر صدیق، ان کی صاحبزادی اسماء اور اسماء کے صاحبزادے عبد اللہ بن زبیر ان چاروں کو بھی صحابی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ (ضیاء النبی، ج ۴، ص ۴۷۵، بحوالہ، سیرۃ الامام ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۵)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کمال ایمان وعشق

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان سارے صحابہ میں سب سے زیادہ کامل تھا۔ جس کا ثبوت بہت سے واقعات سے ملتا ہے۔ حدیبیہ میں جن شرطوں پر صلح ہوئی ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کے مسلمانوں یا کافروں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو وہ واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ابھی صلح نامہ پر طرفین کے دستخط نہیں ہوئے کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ جو مسلمان ہو چکے تھے مکہ معظمہ سے گرتے پڑتے اور اپنی ایڑیاں گھسیٹتے ہوئے حدیبیہ مقام پر مسلمانوں کے درمیان آگئے۔ سہیل بن عمرو جو ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باپ تھا اور کفار مکہ کی طرف سے صلح کی گفتگو کرنے کے لیے حدیبیہ آیا ہوا تھا۔ جب اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو کہا کہ ابو جندل کو آپ میری طرف واپس کر دیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو صلح نامہ پر فریقین کے دستخط ہی نہیں ہوئے۔ لہٰذا یہ معاہدہ تمہارے اور ہمارے دستخط ہو جانے کے بعد ہی نافذ ہوگا۔ اس نے کہا تو جائیے ہم آپ سے صلح نہیں کریں گے حضور نے فرمایا اے سہیل! ابو جندل کو میرے پاس رہنے کی تم اپنی طرف سے اجازت دیدو اس نے کہا میں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔

جب حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اب میں پھر مکہ لوٹا دیا جاؤں گا تو انہوں نے صحابہ کرام سے فریاد کی اور کہا اے مسلمانو! دیکھو! میں کافروں کی طرف لوٹایا جا رہا

ہوں۔ حالانکہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور آپ لوگوں کے پاس آ گیا ہوں اور حضرت ابو جندل کے بدن پر کافروں کی مار کے جو نشانات تھے آپ مسلمانوں کو وہ نشانات دکھا دکھا کر رونے لگے۔ تو مسلمانوں کو بڑا جوش پیدا ہوا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور عرض کیا۔ کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کیوں نہیں؟ یعنی ہاں! میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ پھر حضرت عمر نے عرض کیا۔ کیا ہم حق پر نہیں اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ حضور نے فرمایا کیوں نہیں؟ یعنی بیشک ہم حق پر ہیں اور کفار باطل پر ہیں۔ اس جواب پر حضرت عمر نے کہا تو پھر ہم دین کے معاملہ میں دب کر کیوں صلح کریں؟ حضور نے فرمایا اے عمر! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کی نافرمانی کبھی نہیں کر سکتا اور میرا مددگار وہی ہے۔ پھر حضرت عمر نے کہا کیا آپ یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کریں گے؟ حضور نے فرمایا ٹھیک ہے مگر ہم نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔ حضرت عمر نے کہا کہ ہاں یہ صحیح ہے آپ نے اسی سال کے لیے نہیں فرمایا تھا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بھی اسی قسم کی گفتگو کی۔ تو حضرت صدیق اکبر نے فرمایا اِلْزَمْ غَرْزَهٗ۔ یعنی ان کی رکاب تھامے رہو اور ان کے دامن سے لگے رہو بیشک وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ان کا معاون اور مددگار ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔

صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حدیث شریف کی دو مشہور کتابیں ترمذی اور ابوداؤد میں ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز ہم لوگوں کو اللہ کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرنے کا حکم دیا اور حسن اتفاق سے اس موقع پر میرے پاس کافی مال تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر حضرت ابوبکر سے آگے بڑھ جانا کسی دن میرے

لیے ممکن ہوگا تو وہ آج کا دن ہوگا۔ میں کافی مال خرچ کر کے آج ان سے سبقت لے جاؤں گا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں تو میں آدھا مال لیکر خدمت میں حاضر ہوا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِكَ۔ یعنی اپنے گھر والوں کے لیے تم نے کتنا چھوڑا؟ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آدھا مال ان کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کچھ ان کے پاس تھا سب لے آئے۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ما ابقیت لاھلك۔ یعنی اے ابوبکر! اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فقال ابقیت لھم اللہ ورسولہ۔ یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ان کے لیے میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میرے اور میرے اہل وعیال کے لیے اللہ ورسول کافی ہیں۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قُلْتُ لَا اَسْبَقُهٗ اِلٰی شَیْءٍ اَبَدًا۔ یعنی میں نے اپنے دل میں کہا کہ کسی چیز میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر میں کبھی سبقت نہیں لے جاسکوں گا۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۵۶)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس روز میرے والد بزرگوار حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام سے مشرف ہوئے اس روز آپ کے پاس چالیس ہزار دینار موجود تھے اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس ہزار درہم تھے۔ آپ نے یہ سارا مال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر خرچ کر دیا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جس روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور جب آپ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئے تو اس مال میں سے آپ کے پاس صرف پانچ ہزار باقی رہ گئے تھے۔ مکہ معظمہ میں آپ نے ۳۵ ہزار درہم مسلمان غلاموں کے آزاد کرنے میں اور اسلام کی مدد کرنے میں خرچ کر ڈالا تھا۔

حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر

فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ راہِ خدا میں چالیس ہزار دینار خرچ کیے۔ دس ہزار رات میں، دس ہزار دن میں، دس ہزار چھپا کر اور دس ہزار علانیہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (پ۳ ع۶)

وہ جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر ان کے لیے ان کا نیک ہے ان کے رب کے پاس ان کو نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔ (کنز الایمان)

ترمذی شریف میں ہے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے بھی میرے ساتھ احسان کیا تھا میں نے ہر ایک کا احسان اتار دیا علاوہ ابوبکر کے احسان کے۔ انہوں نے میرے ساتھ ایسا احسان کیا ہے جس کا بدلا قیامت کے دن ان کو خدائے تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا:

وَمَانَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ۔

یعنی اور اگر کسی کے مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا ہے جتنا فائدہ ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۵۵)

اور شب معراج کی صبح بہت سے مشرکین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کو کچھ خبر ہے؟ آپ کے دوست محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہہ رہے ہیں کہ انہیں رات کو بیت المقدس اور آسمان وغیرہ کی سیر کرائی گی ہے۔ آپ نے کہا کیا واقعی وہ ایسا فرما رہے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا ہاں وہ ایسا ہی کہہ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

اِنِّیْ لَاُصَدِّقُهٗ بِاَبْعَدَ مِنْ ذٰلِكَ۔

اگر وہ اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس اور حیرت انگیز خبر دیں گے تو بیشک میں اس کی بھی تصدیق کروں گا۔

حضرت ابوبکر کے عشق رسول پر حضرت عمر کی گواہی

مشکوۃ شریف ص ۵۵۶، میں ہے کہ ایک روز حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا گیا تو وہ رونے لگے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن رات میں جو عمل اور بہترین کام کیے ہیں کاش میری پوری زندگی کا عمل ان کی ایک رات دن کے عمل کے برابر ہوتا۔ ان کی ایک رات کا عمل تو یہ ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی رات غار ثور پر پہنچے (جو تقریباً ڈھائی کلومیٹر بلند ہے) تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا:

وَاللّٰہِ لَا تَدۡخُلُہٗ حَتّٰی اَدۡخُلَ قَبۡلَکَ۔

قسم خدا کی آپ غار میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ کے پہلے میں نہ داخل ہو جاؤں۔

تاکہ اگر کوئی موذی چیز سانپ وغیرہ ہو تو اس سے تکلیف مجھ کو پہنچے اور آپ محفوظ رہیں۔ پھر آپ غار کے اندر داخل ہوئے اور اس کو خوب صاف کیا۔ اور جب غار کے اندر ان کو کچھ سوراخ نظر آئے تو ان کو انہوں نے اپنی لنگی سے کپڑا پھاڑ کر بھر دیا اور دو سوراخوں پر انہوں نے اپنی ایڑیاں لگا دیں۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب آپ اندر تشریف لائیے۔ حضور غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔

ابھی حضور آرام ہی فرما رہے تھے کہ اسی حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں میں سوراخ کے اندر سے سانپ نے کاٹ لیا مگر آپ نے حرکت نہیں کی اور اسی طرح بیٹھے رہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھ نہ کھل جائے لیکن سانپ کے زہر کی انتہائی تکلیف کے سبب آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر گرے۔ حضور کی آنکھ کھل گئی اور آپ سے دریافت فرمایا ابوبکر کیا ہوا: قَالَ لُدِغۡتُ فِدَاکَ اَبِیۡ وَاُمِّیۡ۔ عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھ کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ حضور رحمت اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا تو فوراً ان کی تکلیف جاتی رہی مگر عرصہ دراز

کے بعد سانپ کا وہی زہر پھر لوٹ آیا جو آپ کے وصال کا سبب بنا یعنی اسی زہر کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔ (خطبات محرم ص ۸۳)

حضرت ابوبکر کے لیے حضور کے شگفتہ پھول

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور ان کی عظمت کے اظہار میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا:

مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ۔

اگر کسی کے مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا ہے جتنا فائدہ ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔

اور یہ حدیث شریف بھی ترمذی میں ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

اَنْتَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ وَ صَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ۔

غار ثور میں تم میرے ساتھ رہے اور حوض کوثر پر بھی تم میرے ساتھ رہو گے۔

اور ترمذی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میرے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا:

اَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔ تجھے اللہ نے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی روز سے میرے والد محترم کا نام عتیق پڑ گیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶)

اور ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اَمَا اِنَّكَ یَا اَبَا بَكْرٍ اَوَّلُ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ۔

اے ابوبکر سن لو کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہو گے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کسی شخص کی نیکیاں اتنی بھی ہیں جتنی کہ آسمان پر ستارے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں! عمر کی نیکیاں اتنی ہی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میں نے پوچھا اور ابو بکر کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ حضور نے فرمایا عمر کی ساری نیکیاں ابو بکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ (مشکوۃ شریف، ص ۵۶۰)

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حُبُّ اَبِیْ بَکْرٍ وَشُکْرُہٗ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ اُمَّتِیْ۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۰)

ابو بکر سے محبت کرنا اور ان کا شکر ادا کرنا میری پوری امت پر واجب ہے۔

اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور سلام کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اور عمر بن خطاب کے درمیان کچھ باتیں ہو گئیں پر میں نے نادم ہو کر ان سے معذرت طلب کی لیکن انہوں نے معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ سن کر حضور نے تین بار ارشاد فرمایا کہ اے ابو بکر اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضور کی بارگاہ میں آ گئے، ان کو دیکھتے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کا رنگ بدل گیا۔ حضور کو رنجیدہ دیکھ کر حضرت عمر دو زانوں بیٹھے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ان سے زیادہ قصور وار ہوں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ اِلَیْکُمْ فَقُلْتُمْ کَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ صَدَقْتَ وَوَاسَانِیْ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ فَھَلْ اَنْتُمْ تَارِکُوْالِیْ صَاحِبِیْ۔

جب اللہ نے مجھے تمہاری جانب مبعوث فرمایا تو تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا مگر ابو بکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے میری غمخواری و مدد کی، تو کیا آج تم لوگ میرے ایسے دوست کو چھوڑ دو گے؟

اور اس جملہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو بار فرمایا۔ (تاریخ الخلفا،ص ۳۷)

اور حضرت مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عقیل بن ابی طالب نے کچھ سخت کلامی کی مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کی قرابت داری کا خیال کرتے ہوئے حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ نہیں کہا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پورا واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پورا ماجرا سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجلس میں کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اَلَا تَدْعُوْنَ لِیْ صَاحِبِیْ مَا شَانُکُمْ وَشَانُہٗ فَوَاللّٰہِ مَامِنْکُمْ رَجُلٌ اِلَّا عَلٰی بَابِ بَیْتِہٖ ظُلْمَۃٌ اِلَّا بَابُ اَبِیْ بَکْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی بَابِہِ النُّوْرَ فَوَاللّٰہِ لَقَدْ قُلْتُمْ کَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ صَدَقْتَ وَاَمْسَکْتُمُ الْاَمْوَالَ وَجَادَلِیْ بِمَالِہٖ وَخَذَلْتُمُوْنِیْ وَوَاسَانِیْ وَاتَّبَعَنِیْ۔ (تاریخ الخلفا،ص ۳۷)

اے لوگو! سن لو، میرے دوست کو میرے لیے چھوڑ دو۔ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ اور ان کی حیثیت کیا ہے؟ تمہیں کچھ معلوم ہے؟ خدائے ذوالجلال کی قسم تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر نے میری تصدیق کی۔ تم لوگوں نے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا۔ ابوبکر نے میرے لیے اپنا مال خرچ کیا اور تم لوگوں نے میری مدد نہیں کی مگر ابوبکر نے میری غمخواری کی اور میری اتباع کی۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

جس رات حضرت صفیہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں تو حضرت ابوایوب انصاری اس خیمہ کے باہر ساری رات جاگ کر پہرہ دیتے رہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ان کے پاؤں کی آہٹ سنی فرمایا کون ہے؟ عرض کی گئی، یہ ابوایوب ہیں۔ حضور نے انہیں طلب فرمایا اور پوچھا ''تم کیوں خیمہ کے آس پاس چکر لگا رہے ہو؟'' انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس جنگ میں صفیہ کے چچا، باپ اور خاوند کو مجاہدین اسلام نے قتل کیا تھا اور یہ خاتون نومسلمہ ہے، مجھے اس سے خدشہ ہوا کہ کوئی ناشائستہ حرکت نہ کرے۔ چنانچہ میں رات

بھر جاگ کر پہرہ دیتا رہا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس غلام کی اس ادائے جاں نثاری پر بہت خوش ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں التجا کی۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْ اَبَا اَیُّوب کَمَا بَاتَ یَحْفَظُنِیْ۔

اے اللہ! جس طرح ابوایوب رات بھر میری حفاظت میں جاگتا رہا ہے، الٰہی تو بھی اس کی حفاظت فرما۔ (ضیاء النبی ج ۴، ص ۲۴۶ - الہ "تاریخ الخمیس"، ج ۲ ص ۵۷)

مستِ مے الفت ہے مدہوشِ محبت ہے　　فرزانہ ہے دیوانہ دیوانہ ہے فرزانہ

مدینہ منورہ میں سب سے پہلے حضور کی مہمانی کا شرف

حضور اقدس ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں ہر ایک کی دلی تمنا تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمانی کا شرف مجھے حاصل ہو، یہ شرف بالآخر حضرت ایوب انصاری کے حصے میں آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مکان کے نچلے حصے میں قیام پسند فرمایا، ایک دن اتفاقاً اوپر چھت پر پانی سے بھرا ہو گھڑا ٹوٹ گیا، چھت چونکہ پختہ نہ تھی، حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال آیا مبادا چھت ٹپکے اور پانی نیچے جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی، میاں بیوی کے پاس ایک ہی لحاف تھا اسے بہتے ہوئے پانی میں ڈال دیا تا کہ پانی اس میں جذب ہو جائے اس کے بعد میاں بیوی نے کونوں میں دبک کر رات بسر کی، صبح حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور رات کا قصہ بیان کیا اور پھر درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُوپر کی منزل پر تشریف رکھیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر ٹھہرنا قبول فرمالیا۔

(روح البیان، ج ۵۔ پ ۹، ۱۰، ص ۳۵۲)

دل تپا سوزِ محبت سے کہ سب میل چھٹے　　تپنے کے بعد ہی تو سونا کھرا ہوتا ہے

محبت رسول میں بقیہ پوری عمر کچا لہسن نہیں کھایا

حضرت ایوب کی دیوانگی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کے کاشانہ اقدس پر سرکار

کے قیام کے دوران میں گھر کے اندر جو کچھ پکتا سب رسول کی بارگاہ میں پیش ہو جاتا، سرکار اس میں سے حسب اشتہا تناول فرما لیتے تھے، جب بچا ہوا کھانا گھر پہنچتا تو رسول کے متوالوں کا حال قابل دید ہوتا تھا، عشق رسول میں سرشار خاندان کھانے میں رسول کے نشان انگشت تلاش کر کے وہیں سے لقمہ لینے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک روز بارگاہ رسالت سے کھانا واپس آیا، نشانہائے انگشت کی تلاشی ہوئی مگر ایک نشان بھی نہ ملا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ! آج آپ نے کھانا تناول نہیں فرمایا، خدانخواستہ طبیعت تو ناساز نہیں ہے، رسول نے ارشاد فرمایا کھانا نہ کھانے کا سبب یہ ہے کہ آج کھانے میں کچا لہسن پڑا ہوا ہے اور کچا لہسن مجھے پسند نہیں، عرض کیا یا رسول اللہ! جب آپ کو کچا لہسن پسند نہیں تو میں بھی آج سے کبھی کچا لہسن استعمال نہیں کروں گا۔ اور پھر انہوں نے زندگی کے اخیر لمحہ تک کچے لہسن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

(عقائد اہل سنت، ص ۱۹۱ تا ۱۹۲، جواہر البحار شریف)

یہاں حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ کا حسین تبصرہ بھی ملاحظہ کرلیں۔ لکھتے ہیں: عشق و محبت کی یہی وہ منزل ہے جہاں کھری کھوٹی محبت بے نقاب ہو جاتی ہے، عقل کہتی ہے کہ یہ ضروری نہیں کھانے پینے کے معاملہ میں اپنی پسند کو رسول کی پسند کا پابند کیا جائے، اور محبت کہتی ہے کہ وہ عقل والوں کا شیوہ ہوگا، اصل محبت کا انداز فکر تو یہ ہے کہ محبوب کی ناپسند کی طرف نگاہ اٹھانا بھی توہین محبت ہے۔ لہسن حرام نہیں ناجائز نہیں، اس کے استعمال میں کوئی شرعی قباحت نہیں مگر جب محبوب نے اسے ناپسند فرما دیا تو محبت کے لیے اس کا استعمال نازیبا ہے۔ (عقائد اہل سنت، ص ۱۹۲)

حضرت ابوایوب سختیاتی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت ابوایوب سختیاتی کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ لوگوں کو ان کی حالت پر رحم آجاتا۔

(عرفان رضا در مدح مصطفیٰ، ج ۲، ص ۱۵۷)

حقیقت میں نہ بیکس ہوں نہ بے بس ہوں نہ ناطاقت
میں صدقے جاؤں مجھ کمزور کے تاب و تواں تم ہو

اونٹ کی حضور سے وفا شعاری

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتے چلتے بنی نجار کے باغ تک جا پہنچے، باغ میں ایک اونٹ تھا، جو آدمی وہاں جاتا وہ اس پر حملہ کر دیتا۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو اونٹ کو بلایا وہ اپنے ہونٹ زمین پر گھسیٹتا خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کے بیٹھ گیا، امام کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کی مہار لے آؤ" حضور نے بنفس نفیس مہار ڈال کر مالک کے حوالے کر دیا۔ پھر حاضرین کی طرف نگاہ التفات فرمائی اور کان نبوت سے یہ موتی بکھرے، کہ سرکش جنوں اور سرکش انسانوں کے بغیر جو چیز بھی زمین و آسمان میں ہے وہ جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ (جامع کرامات اولیاء، ص ۳۶۳)

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

جنگ اُحد میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پشت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنا دیا تھا، تیر ابو دجانہ کی پشت کو چھید رہے تھے، لیکن انہیں جنبش بھی نہ ہوتی تھی۔ (کاروان مدینہ، ص ۱۵۵)

یہ وہ عشاق ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید میں یوں آیا ہے: رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

یہ ان نفوس قدسیہ میں سے ہیں جنہوں نے دعوتِ اسلامیہ کو ابتدا میں قبول کیا اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا مردانگی سے مقابلہ کیا، آپ کا نام جندب بن جنادہ تھا، یہ

بنی غفار قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، طبعی طور پر کفر و شرک سے دل برداشتہ تھے، بعثت نبوت سے تین سال قبل آپ نماز پڑھا کرتے تھے جدھر اللہ تعالیٰ نے چاہا منہ کر کے کھڑے ہو جاتے اور اپنی عقل و فہم کے مطابق اپنے معبود برحق کی تسبیح و تحمید کر کے اپنے دلِ بے قرار کی تسلی کا اہتمام کر لیا کرتے، انہیں اطلاع ملی کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے انہوں نے اپنے بھائی اُنیس کو کہا کہ مکہ جا کر اس شخص سے ملاقات کرو، اور اس کی دعوت کے بارے میں معلومات حاصل کرو، اور واپس آ کر مجھے بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے، اُنیس مکہ گئے چند روز وہاں قیام کیا جب واپس آئے تو ابوذر نے ان سے پوچھا سناؤ کیا دیکھ کر آئے ہو۔

اُنیس نے جواب دیا! کہ میں نے ایک شخص کی زیارت کی ہے جو نیکی کا حکم دیتا ہے اور بُرائی سے منع کرتا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی راہنمائی کے لیے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے وہ مکارم اخلاق کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔

ابوذر نے پوچھا! لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

اُنیس نے بتایا! لوگ تو اسے شاعر، کاہن اور ساحر کہتے ہیں بخدا! وہ سچا ہے، لوگ جھوٹے ہیں۔

ابوذر نے اپنے بھائی کو کہا! کہ میرے اہل و عیال اور کاروبار کا خیال رکھنا میں بذات خود اس ہستی کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔

اُنیس نے حامی بھر لی، اور ساتھ ہی اپنے بھائی کو نصیحت کی کہ اہل مکہ سے محتاط رہنا۔

ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے ایک توشہ دان میں کھانے کا سامان رکھا ہاتھ میں عصا تھاما اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا، ساری مسافت پیدل طے کر کے مکہ پہنچا، میری جان نہ پہچان، میں نے سیدھا حرم شریف کا رخ کیا، میں اس شخص کو نہیں جانتا تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور جس کی زیارت کا شوق کشاں کشاں مجھے یہاں لے آیا تھا، اور کسی سے حضور کے بارے میں پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا، مبادا کسی مشکل میں پھنس جاؤں، میں انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ رات ہو گئی، میں وہی لیٹ گیا مجھے علی مرتضیٰ نے دیکھا

آپ سمجھ گئے کہ میں مسافر ہوں میرا یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں اس لیے حرم شریف میں فروکش ہو گیا ہوں آپ نے مجھے اپنے پیچھے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا، چنانچہ میں آپ کے پیچھے چل پڑا، راستہ میں نہ آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے خود کچھ بتایا، رات آپ کے ہاں بسر کی، صبح ہوئی، تو اپنا توشہ دان اٹھایا اور حرم میں آ کر ڈیرا ڈال دیا دوسرا دن بھی گزر ہوا، مجھے کل کی طرح بے خاں نماد یکھ کر اپنے ساتھ لے گئے، راستہ میں سکوت طاری رہا نہ انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ مین نے اپنے بارے میں از خود کچھ بتایا، دوسری رات بھی گزر گئی، صبح کا اُجالا ہوا، تو اپنا سامان اٹھا کر حرم میں آ گیا، جب تیسرے دن کا سورج بھی غروب ہو گیا اور شام کے دھندلکے نے اپنی چادر پھیلانی شروع کر دی اور میں فرشِ حرم پر آرام کرنے کی غرض سے لیٹنے کی تیاری کرنے لگا تو پھر شاہ مرداں علی مرتضیٰ آتے ہوئے دکھائی دِیے، میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا، جب ہم منزل پر پہنچے تو آپ نے مہر سکوت توڑتے ہوئے دریافت کیا کہ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا ہے۔

میں نے عرض کی! اگر آپ میرے ساتھ پختہ وعدہ کریں کہ آپ میرا راز فاش نہیں کریں گے اور میری راہبری کریں گے تو میں اپنی آمد کا مقصد بیان کرتا ہوں، آپ نے مجھے رازداری کا یقین دلایا تو میں نے سارا ماجرا کہہ سنایا، میری بات سن کر آپ نے فرمایا، بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، صبح میں تمہیں اپنے ساتھ ان کی خدمت میں لے جاؤں گا، صبح ہوئی تو حسب وعدہ آپ مجھے ساتھ لے کر جانے کے لیے تشریف لائے، مجھے فرمایا تم چپکے چپکے میرے پیچھے چلتے آنا، اگر مجھے کوئی خطرہ محسوس ہوا تو میں اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا جس طرح میں لوٹے سے پانی بہار ہا ہوں، یا اپنی جوتی کا تسمہ درست کر رہا ہوں، اور اگر کوئی خطرہ نہ ہوا تو میرے پیچھے اطمینان سے چلے آنا۔

حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ سیدنا علی آگے آگے چلتے رہے، میں آہستہ آہستہ ان کے پیچھے پیچھے، چنانچہ آپ کی معیت میں میں حضور سرور کائنات کی بارگاہ میں حاضر ہوا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے سامنے اسلام پیش فرمائیں، حضور پر نور نے بڑے دلنشین پیرایہ

میں اسلام کی حقیقت سے مجھے آگاہ کیا حضور کی ہر بات میرے دل میں اترتی چلی گئی، جب حضور کا ارشاد اختتام پذیر ہوا تو میرا بختِ خفتہ بیدار ہو چکا تھا، میرے تاریک دل میں ایمان کی نورانی شمع جگمگانے لگی تھی، شکوک وشبہات کا سارا غبار چھٹ گیا تھا، اسی وقت اور اسی جگہ حضور کے دست ہدایت بخش پر میں نے اسلام کی بیعت کی، حضرت ابوبکر بھی خدمت اقدس میں حاضر تھے، انہوں نے درخواست کی کہ حضور اپنے جان نثار غلاموں سمیت آج رات میرے کلبہ حزین میں رونق افروز ہوں اور ماحضر تناول فرمادیں، حضور نے اپنے عاشق صادق کی اس درخواست کو قبول فرمایا، رات کا کھانا سرور کائنات حضرت ابوذر اور دیگر احباب نے کاشانہ صدیقی میں تناول فرمایا، ابوذر کہتے ہیں کہ میں زندگی میں پہلی مرتبہ طائف کے زبیب (خشک میوہ) کھانے سے لطف اندوز ہوا۔

مرشد کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے نوآموز مرید کو دو خصوصی نصیحتیں فرمائیں۔

بَایَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا تَاْخُذَہٗ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ وَعَلٰی اَنْ یَّقُوْلَ الْحَقَّ وَلَوْ کَانَ مُرًّا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان باتوں پر ان سے بیعت لی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے نیز وہ حق بات کہیں گے خواہ وہ کتنی کڑوی ہو۔ (ضیاء النبی ج ۱، ص ۲۴۵ بحوالہ، السیرۃ النبویہ زینی دحلان ج ۱، ص ۱۹۱ تا ۱۹۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ہدایت کی کہ وہ یہاں (مکہ میں) ابھی اپنے ایمان کو ظاہر نہ کریں اور اپنے قبیلہ کے پاس واپس چلے جائیں اور انہیں اسلام کی دعوت دیں، جب ہمارے فتح یاب ہونے کی تمہیں اطلاع ملے تو پھر میرے پاس آجانا، آپ نے عرض کی یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں تو مشرکین کے مجمع میں جاکر اپنے ایمان لانے کا اعلان کروں گا، چنانچہ ایک روز جب قریش کے قبائل حرم شریف میں اپنی مجلسیں جما کر بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابوذر آئے اور پورے زور کے ساتھ اعلان کر دیا۔

اشهد ان محمدا رسول الله۔

ابوذر کہتے ہیں قریش یہ سن کر بھڑک اٹھے اور مجھ پر ہلّہ بول دیا، جو چیز کسی کے ہاتھ میں آئی، لکڑی، ڈھیلا، ہڈی، پتھر، اس سے مجھے زدوکوب کرنے لگے، یہاں تک کہ میں غش کھا کر گر پڑا، اتنے میں عباس آ گئے، انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا تو پہچان لیا، اور انہیں جھڑکتے ہوئے کہا، کم بختو! یہ کیا کر رہے ہو، یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے، جسے مار مار کر تم نے ادھ موا کر دیا ہے، تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے تجارتی قافلوں کا راستہ ان کے علاقہ سے گزرتا ہے، تب ان لوگوں نے مجھے چھوڑا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں اٹھ کر زمزم کے کنوئیں کے پاس گیا، اس کے پانی سے اپنے جسم پر لگا ہوا خون دھویا، جوں توں کر کے رات گزری، صبح ہوئی تو جنون عشق نے پھر مجبور کیا کہ کفار کے بھرے مجمع میں اپنے محبوب کی رسالت کا پھر اعلان کروں، اس کے جرم عشق میں پیٹا جاؤں، اور میرے انگ انگ سے خون کی ندیاں رواں ہوں چنانچہ دوسرے روز قریش حسب دستور جب اپنی محفلیں جما کر بیٹھ گئے تو میں نے اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے نعرہ لگایا: اشھد ان محمد ا رسول اللہ: میں نے یہ اعلان کر کے گویا بھڑوں کے چھتہ میں پتھر مار دیا، یہ سنتے ہی سب بپھر گئے اور غضبناک ہو کر مجھ پر ٹوٹ پڑے مکوں، گھونسوں، سوٹیوں اور پتھروں سے میری خوب مرمت کی جگہ جگہ سے خون بہنے لگا غش کھا کر پھر گر پڑا حضرت عباس پھر میرے لیے نجات کا فرشتہ بن کر آ پہنچے، ان کو خوب ڈانٹا، اور انہیں بتایا کہ جس شخص پر تم یہ زیادتی کر رہے ہو یہ اس قبیلہ کا فرد ہے جس کے علاقہ سے تمہارے تجارتی کارواں گزرتے ہیں اس طرح مجھے ان سے چھٹکارا ملا۔

میں اپنے وطن واپس آ گیا، اپنے بھائی کو حضور کی بارگاہ اقدس میں شرف باریابی حاصل کرنے اور ایمان لانے کا واقعہ بتایا اس نے کہا میں تو پہلے ہی اس دین کو قبول کر چکا ہوں، دونوں بھائی اپنی والدہ کے پاس گئے اسے حالات سے مطلع کیا وہ نیک بخت خاتون بھی پہلے ایمان لانے پر آمادہ ہو چکی تھی ان کی دعوت کی دیر تھی، کہ انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا پھر حضرت ابوذر اپنے قبیلہ غفار کے پاس گئے انہیں اس دین حنیف کو قبول کرنے کی تلقین کی، نصف قبیلہ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور دوسرے نصف نے اس

وقت اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ رونق افروز ہو چکے تھے۔

(ضیاء النبی ج ۲، ص ۲۴۳ تا ۲۴۷، السیرۃ النبویہ زینی دحلان، ج ۱، ص ۱۹۳)

حضرت ابو ذر کی سچائی کی گواہی حضور دے رہے ہیں

مرشد کامل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس صداقت شعار نیاز مند کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا۔

مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ (اَلسَّمَاءُ) وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ (اَلْاَرْضُ) اَصْدَقُ مِنْ اَبِیْ ذَرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ جن پر نیلگوں آسمان سایہ فگن ہے اور جنہیں گرد آلود زمین نے اٹھایا ہوا ہے ان میں سے سب سے زیادہ سچا ابو ذر ہے۔ (ضیاء النبی، ج ۲، ص ۲۴۷)

حضرت ابو ذر کا ملائکہ میں مشہور و معروف ہونا

ایک دفعہ جبریل بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ ابو ذر غفاری آ گئے۔ جبرئیل نے عرض کی یہ ابو ذر ہیں جو آ رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کیا "تم ملائکہ ابو ذر کو پہچانتے ہو؟" انہوں نے کہا کہ وہ یہاں سے زیادہ ہمارے ہاں مشہور ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا، کس وجہ سے انہیں یہ فضیلت ملی ہے۔ انہوں نے عرض کی، ایک تو یہ اپنے آپ کو اپنے دل میں چھوٹا سمجھتے ہیں، دوسرا قل ھو اللہ احد کی کثرت سے قرأت کرتے ہیں۔ (ضیاء القرآن ج ۵، ص ۱۴۳ تا ۱۴۷، بحوالہ تفسیر کبیر)

حضرت ابو مسعود بدری انصاری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

رسالت کے مدنی عہدِ باسعادت کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک صحابی رسول کو اپنے ایک غلام کی کسی حرکت پر غصہ آ گیا اور انہوں نے اس کو کوڑے سے پیٹنا شروع کر دیا۔ اتنے میں انہوں نے اپنے پیچھے دور سے ایک آواز سنی لیکن وہ اس آواز کو پہچان نہ سکے۔ جب وہ آواز

قریب ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ آواز دینے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''یہ غلام اتنا تیرے قابو میں نہیں جتنا تو خدا کے قابو میں ہے (یا یہ کہ جس اللہ نے تم کو اس غلام پر قادر کیا ہے وہ اس کو تم پر بھی قادر کر سکتا ہے۔'')

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر ان صاحب رسول کے ہاتھ سے کوڑا گر گیا اور انہوں نے ندامت آمیز لہجے میں عرض کیا:

''یا رسول اللہ میں آئندہ کبھی کسی غلام کو نہ ماروں گا اور اس غلام کو میں اللہ کے لیے آزاد کرتا ہوں۔''

یہ صاحب رسول جن کو خیر الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر ادب و احترام ملحوظ تھا کہ حضور کا اشارہ پاتے ہی ساری زندگی کے لیے کسی غلام پر ہاتھ اٹھانے سے توبہ کر لی اور جس غلام پر ہاتھ اٹھایا تھا اس کو فوراً صرف رضائے الٰہی کی خاطر آزاد کر دیا۔

یہ حضرت ابو مسعود بدری انصاری تھے۔ (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص: ۵۹۰)

حضرت ابوطلحہ رضی رضی اللہ عنہ کا ذوق جہاد اور عشق رسول

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے سورت برأت پڑھنی شروع کی جب اللہ تعالیٰ کے اس قول اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا۔ پر پہنچے تو فرمایا مجھے تو یہی نظر آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم جوان ہوں یا بوڑھے دونوں حالتوں میں اللہ کے راستے میں نکلیں، اے میرے بیٹو! (اللہ کے راستے میں جانے کے لیے) مجھے تیار کرو، مجھے تیار کرو، ان کے بیٹوں نے ان سے کہا، اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک رہے یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد کیا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد کیا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا (آپ تو اللہ کے راستے میں بہت جا چکے ہیں، اب آپ نہ جائیں) آپ ہمیں اپنی طرف سے جہاد میں جانے دیں، انہوں نے فرمایا

نہیں، تم لوگ مجھے (جہاد میں جانے کے لیے) تیار کرو، چنانچہ جہاد میں انہوں نے سمندر کا سفر کیا اور سمندر ہی میں ان کا انتقال ہو گیا، اور سات دن کے بعد ان کے ساتھیوں کو ایک جزیرہ ملا جس میں انہیں دفن کیا (اتنے دن گزرنے کے باوجود) ان کے جسم میں ذرا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ ان کا جسم گلنے سے محفوظ رہا یہ ان کی کرامت ہے۔

(حیاۃ الصحابۃ، ج ا،ص ۵۸۵، الاستیعاب، ج ا،ص، ۵۵۰)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت ابو عبیدہ کو مکہ میں اول سے آخر تک اس سخت تجربہ سے سابقہ رہا جو مسلمانوں کے ساتھ پیش آیا۔ آپ نے اولین مسلمانوں کے ساتھ اس سنگینی و سختی، تنگی و ترشی اور الم و حزن کو برداشت کیا جو روئے زمین پر کسی دین کے پیروکاروں کو پیش نہیں آئے۔ جناب ابو عبیدہ اس آزمائش میں ثابت قدم رہے اور ہر موقع پر اللہ و رسول کی تصدیق کا دم بھرتے رہے۔ لیکن غزوۂ بدر کے روز پیش آنے والی سخت صورتحال اپنی سنگینی میں اس قدر شدید ہے کہ سوچنے والے اس کے متعلق سوچ سکتے ہیں نہ تصور کرنے والے اس کے بارے میں تصور کر سکتے ہیں۔

بدر کے روز جناب ابو عبیدہ دشمن کی صفوں میں اس طرح پہنچے تھے جس طرح موت سے بے خوف آدمی خطرات میں کود پڑتا ہے۔ مشرکین نے آپ کی یہ ہیبت ناک کیفیت دیکھی تو سہم گئے۔ آپ موت سے بے پروا ہو کر میدان جنگ میں چکر لگا رہے تھے۔ قریش مکہ کے شہسوار آپ کی اس بے باکانہ جرأت کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ جب بھی آپ کے ساتھ سامنا ہوتا تو پہلو بچا کر نکل جاتے لیکن ایک آدمی ہر طرف آپ کی آڑے آ رہا تھا اور آپ اس کا سامنا کرنے سے گریز کر رہے تھے۔

اس آدمی نے حملہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی جبکہ آپ مسلسل اس سے دور رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس آدمی نے آپ کے تمام راستوں کو مسدود کر کے رکھ دیا اور آپ اور اللہ کے دشمنوں کی لڑائی میں رکاوٹ بن کر کھڑا ہو گیا۔ جب آپ کا گھیرا تنگ ہو گیا تو آپ

نے اس آدمی کے سر پر تلوار کا زبردست وار کیا جس نے اس کی کھوپڑی کو دو حصوں میں بانٹ دیا اور آدمی زندگی کی بازی ہار کر زمین پر گر پڑا۔

قارئین محترم! آپ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے یہ قتل ہونے والا آدمی کون تھا۔؟

گزشتہ سطور میں کہا گیا ہے کہ جناب ابوعبیدہ کو جو تجربہ ہوا وہ سوچنے والوں کی سوچ اور تصور کرنے والوں کے تصور سے بہت بلند ہے۔!

جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ آدمی جناب ابوعبیدہ کا باپ عبداللہ بن جراح تھا تو آپ کا دل دہل جائے گا اور دماغ شل کر رہ جائے گا۔! (نقوش صحابہ، ص ۵۱ تا ۵۲)

قارئین محترم! جناب ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باپ کو نہیں بلکہ اپنے باپ کی شخصیت میں موجود شرک کو قتل کیا تھا۔ اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ اور آپ کے باپ کے بارے میں فرمایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (المجادلہ: ع:۳، آیت:۲۲)

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں، یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا۔ اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی، اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی،، یہ اللہ کی جماعت ہے سنتا ہے! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔ (کنزالایمان)

غزوہ اُحد میں آپ فتح کے لیے نہیں بلکہ مشرکین کی تباہی کے لیے معروف قتال تھے۔ البتہ اس سے بلکہ ہر چیز سے زیادہ انہیں یہ بات عزیز تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

زندگی کو خطرے میں نہ پڑنے دیا جائے اس لیے آپ نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ آپ میدان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و جوار ہی میں رہیں گے۔ معرکہ گرم ہوا تو آپ بھی شرک و وثنیت کے ان لشکروں پر تلوار زنی میں مشغول ہو گئے جو بغاوت و عداوت کا اظہار کرتے ہوئے آئے تھے اور اللہ کے نور (دین اسلام) کو بجھانا چاہتے تھے۔

دوران قتال جب بھی صورت حالات آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کر دیتی اور آپ مصروف قتال ہوتے تو نظریں اپنی تلوار کے واروں پر نہیں بلکہ اس جگہ پر رکھتے جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرما ہوتے۔ حضرت ابوعبیدہ کے لیے بڑے قلق و اضطراب کے لمحات ہوتے۔ پھر جب بھی جناب ابوعبیدہ کو دکھائی دیا کہ کوئی خطرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہو رہا ہے تو آپ فوراً اپنی جگہ چھوڑ دیتے۔ چھلانگیں لگاتے ہوئے آتے اور دشمن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے سے پہلے ہی الٹے قدموں بھگا مارتے۔

انہی سنگین لمحات میں سے ایک لمحہ وہ بھی ہے جب جنگ اپنے نقطہ عروج پر تھی اور جناب ابوعبیدہ کو دشمن کے جتھے نے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اس دوران آپ کی نظریں شقرے جیسی تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی جگہ پر گڑی ہوئی تھیں۔ قریب تھا کہ آپ اس وقت اپنے ہوش گم کر بیٹھتے جب آپ نے دیکھا کہ مشرکین کے ہاتھوں سے ایک تیر نکل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جا لگے گا۔ آپ نے تیزی سے ان محاصرین میں تلوار یوں چلائی گویا یہ ''ایک'' نہیں بلکہ ''ایک سو'' تلوار چل رہی ہو اور دشمن کو منتشر کر کے دم لیا۔ پھر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب لپکے تو آپ کے چہرہ مبارک سے پاکیزہ خون کو بہتے دیکھا اور دیکھا کہ رسول امین اپنے دست مبارک سے خون پونچھ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں:

كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ۔

وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو سرخ کر دیا ہو جبکہ وہ (نبی) انہیں ان کے رب کی طرف بلاتا ہو۔

غزوۂ احد کے روز جب مسلمان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور مشرکین کے ایک شخص نے

یہ للکار لگائی کہ مجھے محمد کے بارے میں بتاؤ! مجھے محمد کے بارے میں بتاؤ! تو اس وقت حضرت ابوعبیدہ ان دس آدمیوں میں سے ایک تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حفاظتی حصار میں لیے ہوئے تھے تاکہ مشرکین کے تیروں کو اپنے سینوں کی ڈھال سے روک سکیں۔

اس معرکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ پیشانی زخمی ہوگئی۔ خود کی دو کڑیاں رخسار میں دھنس گئیں۔ اختتام معرکہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کڑیوں کو نکالنے کے لیے آگے بڑھے تو جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی کہ: میں تمہیں قسم دے کر یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ یہ کام میرے لیے چھوڑ دو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ مطالبہ مان لیا۔ حضرت ابوعبیدہ کڑیاں نکالنے کے لیے آگے بڑھے تو آپ کو یہ تشویش لاحق ہوئی کہ اگر ہاتھ سے ان کڑیوں کو نکالیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی۔ پھر آپ نے اپنے سامنے کے دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر ایک کڑی کو کھینچ کر باہر نکال دیا مگر آپ کا اپنا دانت بھی ٹوٹ کر نیچے گر پڑا۔ پھر آپ نے دوسری کڑی کو اپنے سامنے کے دوسرے دانتوں سے پکڑا اور باہر کھینچ لیا اور آپ کا دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ (نقوش صحابہ، ص ۵۲، ۵۶)

حضرت ابوعقیل انصاری اور دیگر صحابی رضی اللہ عنہم کا عشق رسول

ان اکابر صحابہ میں جنہوں نے اپنی دولت کے ڈھیر حضور کے قدموں میں لگا دیے، ان کے علاوہ فقرا صحابہ کا ایثار بھی بڑا ایمان افروز تھا، حضرت ابوعقیل انصاری نے جب اپنے آقا کو اللہ کے راستہ میں اپنا مال قربان کرنے کی تلقین کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے گھر پر نظر ڈالی تو گھر میں کوئی چیز نہ تھی جو وہ پیش کر سکتے، وہ ایک یہودی کے پاس گئے اور اس کے ساتھ یہ طے کیا کہ وہ کنوئیں سے ڈول نکال نکال کر اس کے باغ کو سیراب کریں گے، اور وہ اسے دو صاع کھجور دے گا، ساری رات آپ ڈول نکالتے رہے، صبح کے وقت تک انہوں نے سارے باغ کو سیراب کر دیا، اس یہودی نے آپ کو دو صاع کھجور دی، آپ ایک صاع کھجور اپنے اہل و عیال کے لیے گھر چھوڑ آئے اور ایک صاع اپنے آقا کی خدمت میں نذر کر دیا،

اس کریم آقا نے اس کی دل شکنی نہیں کی کہ ایک صاع کھجور لے کر آئے ہو، اس سے کتنے لشکر کی ضرورت پوری ہوگی، بلکہ اس کی دلجوئی اور عزت افزائی کرتے ہوئے ایک صحابی کو حکم دیا کہ یہ کھجور جو ابوعقیل لے کر آیا ہے، اٹھالو اور جتنے ڈھیر سامان خوردونوش کے جمع ہو چکے ہیں دو دو کھجوریں ہر ایک ڈھیر پر رکھتے جاؤ، اس شخص کے خلوص کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے صدقات کو بھی قبول فرمائے گا۔ (ضیاء النبی ج ۴، ص ۵۹۶، بحوالہ رحمۃ للعلمین ج ۱، ص ۱۳۶)

حضرت پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں: مخلص اہل ایمان نے جب آقا علیہ الصلوٰۃ و السلام سے اس جہاد میں شمولیت کی دعوت سنی تو وہ بصد مسرت وخلوص بڑے جوش وخروش سے مجاہدین کے اس لشکر میں شریک ہو گئے اور اپنی حیثیت سے بھی بڑھ کر مالی ایثار کا مظاہرہ کیا لیکن یہاں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو جاں نثاروں کے اس لشکر میں شریک نہیں ہوئے، یہ سب ایک قماش کے لوگ نہ تھے، بعض ان میں سے وہ تھے جنہوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کے دلوں میں نفاق کا روگ تھا، یہ لوگ خود بھی اس لشکر میں شریک نہ ہوئے اور دوسرے لوگوں کو بھی جہاد میں شرکت کرنے سے روکا کرتے، وہ مسلمان کو بھی کہتے "لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ" کہ سخت گرمی سے لو چل رہی ہے، سورج آگ برسا رہا ہے، اتنی شدید گرمی میں مت نکلو، آرام سے گھروں میں بیٹھے رہو، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ (سورہ توبہ: ۸۱)

تم فرماؤ جہنم کی آگ سب سے سخت گرم ہے کسی طرح انہیں سمجھ ہوتی۔ (کنزالایمان)

دیکھنے کی ہے ساری بہار آنکھوں میں

امام طبرانی نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ایک صحابی کے بارے میں روایت نقل کی جسے پڑھ کر انسان جھوم اٹھتا ہے کہ ایک حضور کے صحابی تھے جو آپ کے پُرانوار چہرۂ اقدس کو اس طرح ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے کہ فینظر الیه لا یطرف وہ آنکھ جھپکتے ہی نہ تھے۔

ایک دن حضور نے ان سے پوچھا: مابالك۔ "اس طرح دیکھنے کی کیا وجہ ہے؟" دست بستہ عرض کرنے لگے یارسول اللہ! میرے ماں باپ قربان

انی اتمتع بك بالنظر الیك۔ (ترجمان السنۃ، ۱: ۳۶۵ بحوالہ طبرانی)

میں آپ کی زیارت سے لذت حاصل کر کے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔

اس روایت میں ینظر الیه لا یطرف (اس طرح دیکھ رہا تھا کہ آنکھ بھی نہ جھپکتا) اور انی اتمتع بك بالنظر (آپ کی زیارت سے لذت حاصل کر رہا ہوں) کے دونوں جملے بار بار پڑھیے اور ان خوش بخت عشاق پر رشک کیجیے جن کی ہر ہر ادا نے انسانیت کو عشق و محبت رسول کا درس دیا۔ (شرح سلام رضا، ص ۲۱۱)

محمد ہیں متاع عالم ایجاد سے پیارا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی آپ کا چہرۂ اقدس دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھا۔

انك احب والدی ومن عینی ومنی وانی لاحبك بداخلی و خارجی وسری و علانیتی۔ (تاریخ ابن کثیر، ۲، ۱۴۹)

آپ مجھے میرے والدین، میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ آقا میرے ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں آپ ہی کی محبت کی حکمرانی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا:

کیف کان حبکم لرسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم۔

صحابہ کو آپ کی ذات سے کس قدر محبت تھی۔

آپ نے فرمایا:

کان رسول اللّٰہ احب الینا من اموالنا واولادنا وآبائنا وامھاتنا واحب الینا من الماء البارد علی الظما۔ (الشفاء، ۲، ۵۶۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے اموال، اولاد، اباء واجداد وامہات سے بھی

زیادہ محبوب تھے کسی پیاسے کو شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے جو محبت ہوتی ہے ہمیں اس سے کہیں بڑھ کر اپنے آقا سے محبت تھی۔

صحابہ کے ایثار کی ایک عمدہ مثال

ایک دن حضور نے صحابہ کو کہا کہ میں ایک جماعت ایک مہم پر بھیج رہا ہوں۔ تم سب کے سب صدقہ دو۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: یارسول اللہ! میرا نصف مال حاضر ہے اور نصف میرے اہل خانہ کے لیے ہے۔

ایک اور صحابی ایک صاع کھجوریں لے آیا اور کہا یارسول اللہ! آج مجھے پانی کے ڈول کھینچنے کی مزدوری دو صاع ملی تھی ایک گھر چھوڑ آیا ہوں۔ منافقین نے عبدالرحمٰن بن عوف کے متعلق کہا کہ یہ صدقہ ریاست و حکومت کے لیے دے رہا ہے۔

اور دوسرے صحابی کے متعلق کہنے لگے خدا اور رسول ایک صاع کھجوروں سے بے نیاز ہے۔ جبرئیل امین پیغام لے کر آئے۔ "الذین یلمزو المطوعین من مومنین فی الصدقات۔" (شواہد النبوۃ ص ۲۱۸)

اب یہ نکتہ قابل غور ہے کہ صحابہ کرام یہ سب کچھ جو کہہ رہے ہیں کیا یہ حد کے اندر ہے یا حد سے بڑھ کر ہے؟ یقیناً یہ حد سے بڑھ کر ہے۔ اور اسی چیز کا حکم قرآن سے دیا جا رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی بامراد ہوئے۔ (کنزالایمان)

تعزیز اور تعظیم میں فرق ہے، تعظیم حد کے اندر رہ کر کیے جانے والے ادب کو کہتے ہیں جبکہ حد سے بڑھ کر مبالغے کے ساتھ کی جانے والی تعظیم کو تعزیز کہتے ہیں۔ امام مبرد نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے۔ الغرض صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و ادب میں مبالغہ کرتے

تھے، حد سے بڑھ جاتے تھے، یہی حقیقت میں ایمان ہے۔ مستحکم ایمان اسی کا ہے جو ادب رسول اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حد سے بڑھ جائے یہی وہ سبق ہے جو صحابہ کرام نے امت کو دیا ہے۔ (ایمان کا مرکز و محور ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۴۹)

آنکھوں کی ٹھنڈک دیدارِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ اپنے آقا کے حضور کہا کرتے یارسول اللہ!

انی اذا رأیتك طابت نفسی وقرت عینی۔ (سیدنا محمد رسول اللہ، ص ۴۰۷)

جب میں آپ کو دیکھ لیتا ہوں دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ ایک صحابی کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ان کی بینائی جاتی رہی۔ لوگ ان کی عیادت کے لیے گئے اور افسوس کا اظہار کرنے لگے۔ انہوں نے جواب میں کہا:

کنت اریدبھاالانظر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاما اذا قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوااللہ مایسرنی ان بھما بظبی من ظبا تبالہ۔ (الادب المفرد للبخاری، ۱۴۱)

مجھے ان کی آنکھوں سے فقط اس لیے محبت تھی کہ ان کے ذریعے مجھے اپنے پیارے آقا کا دیدار نصیب ہوتا اب چونکہ آپ کا وصال ہو گیا اس لیے اگر مجھے ہرن کی آنکھیں بھی مل جائیں تو مجھے کیا خوشی؟

انصار کی بیویوں کا عشق رسول

ایک مرتبہ ایک بڑھیا نبی کی خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوئی کہ اللہ کے رسول میں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہوں مگر یہاں کی عورتوں کا برتاؤ میرے ساتھ اچھا نہیں ہے۔ مجھے یہ عورتیں عام طور پر سخت وست سناتی رہتی ہیں مجھ سے نرمی کا برتاؤ نہیں کرتیں۔

آپ اگران عورتوں سے چل کر میری سفارش کر دیں گے تو میری یہ مشکل حل ہو جائے گی۔
اس بڑھیا کی فریاد سن کر آپ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے یہ بڑھیا ایک ایسے گھر میں لے گئی جہاں یہ سب عورتیں جمع تھیں۔ بڑھیا نے جا کر اپنی مالکاؤں کو اطلاع دی، آپ نے گھر کے احاطے میں داخل ہو کر تمام عورتوں کو زور سے سلام کیا۔ مگر تمام عورتوں نے سن کر خاموشی اختیار کی جواب تو دیا مگر دل ہی دل میں دیا۔ آپ نے پھر زور سے سلام کیا۔ عورتیں پھر خاموش رہیں۔ آپ نے خیال فرمایا کہ عورتوں نے سنا نہیں اس لیے پھر زور سے سلام کیا۔ تیسری بار سلام سن کر تمام عورتیں ایک آواز ہو کر بولیں۔ وعليك السلام ورحمة الله يا رسول الله! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ اے انصار کی بیویو! میں نے تمہیں سلام کی تو تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیا تمہیں میری آواز نہیں پہنچی تھی۔ سب نے عرض کیا۔ اللہ کے نبی! ہم نے آپ کا ہر سلام سنا اور ہر سلام کا جواب بھی دیا۔ مگر ہم نے خاموشی سے جواب دیا تا کہ آپ کی زبان مبارک سے بار بار ہمارے لیے سلامتی کی دعا نکلے۔ اللہ کے نبی عورتوں کی یہ عقیدت کا انداز سن کر مسکرا دیے۔

آپ نے فرمایا کہ میں اس بوڑھی کی سفارش لے کر آیا ہوں۔ کہ تم لوگ اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا کرو۔ آج اس کو کام پر آنے میں دیر ہو گئی۔ اس کو ڈر ہوا کہ تم لوگ اس کو سزا دو گی اس لیے یہ مجھے ساتھ لائی ہے۔

اللہ کے نبی کی سفارش اس بڑھیا کے بارے میں سن کر عورتوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول! آپ جس کے سفارشی ہوں تو ہم بھلا اس سے کام کیسے لے سکتے ہیں۔ آپ گواہ رہیں کہ ہم ابھی سے ان کو آزاد کرتے ہیں۔ (داعیٔ اعظم، ص ۱۳۵)

ہم اللہ کے رسول کی تقسیم پر راضی ہیں

جب مسلمان غزوۂ حنین میں فتح مند ہو کر واپس لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کو مسلمانوں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ ایک روز مؤلفۃ القلوب کا خصوصی اہتمام

کیا۔ اس میں وہ لوگ تھے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس متالفانہ عمل سے ان کی دلجوئی کرنا چاہی۔ اس طرح آپ نے حاجتمند سپاہیوں کو بھی کچھ دیا۔ اور وہ لوگ جو اسلام پر پختہ تھے انہیں ان کے اسلام کے حوالے کر دیا اور ان کو غنائم میں سے حصہ نہ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محض عطا ہی ایک ایسا شرف تھا جس کی خواہش وتمنا ہر مسلمان کو تھی جبکہ غنائم کا معاملہ تو اور زیادہ اہم تھا کیونکہ مسلمانوں کی معیشت میں اس کو بہت بڑا دخل حاصل تھا۔ اس صورت حال میں انصار نے اصرار کے ساتھ مطالبہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فے اور غنیمت سے حصہ کیوں نہیں دیا؟

انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی قوم کو ایک دوسرے کے ساتھ اس معاملہ پر سرگوشی کرتے سنا تو آپ نے بھی اپنی کھلی ڈھلی اور بے لاگ طبیعت کی بنیاد پر اس مؤقف کو اختیار کر لیا اور فوراً بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو جو مال فے حاصل ہوا اور اس میں آپ نے جو کچھ کیا ہے اس پر انصار کا یہ محلہ آپ کے بارے میں اپنے دلوں میں کچھ رکھتا ہے۔

آپ نے اپنی قوم میں تقسیم کیا ہے اور عرب قبائل کو بھی بڑے بڑے عطیات دِیے ہیں لیکن انصار کے اس محلے میں اس سے کچھ نہیں پہنچا۔''

یوں اس بے لاگ آدمی نے جو کچھ اس کے اور اس کی قوم کے دل میں تھا سب کچھ کہہ ڈالا اور اپنے موقف کی دیانتدارانہ صورت حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے پوچھا:

وَاَیْنَ اَنْتَ مِنْ ذٰلِكَ یَا سَعْدُ.

''سعد! تم اس معاملے میں کہاں ہو؟''

یعنی یہ تو تمہاری قوم کی رائے ہے، تمہاری رائے کیا ہے؟

حضرت سعد نے وضاحت وصراحت میں جواب دیا: ''میں اپنی قوم سے باہر نہیں ہوں۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَنْ اِجْمَعْ لِیْ قَوْمَكَ.

”تو پھر اپنی قوم کو میرے لیے جمع کرو۔“

حضرت سعد نے اپنی قوم کو جمع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو قوم کے رنجیدہ چہروں پر نگاہ ڈالی اور تبسم تاباں کے ساتھ ابتسام فرمایا۔ پھر شفقت و محبت کے پھول یوں تقسیم کیے:

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ ...... مَقَالَةٌ بَلَغَتْنِیْ عَنْكُمْ وَجِدَةٌ وَجَدْتُمُوْهَا عَلَیَّ فِیْ اَنْفُسِكُمْ ...... ؟؟ اَلَمْ آتِیْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ ...... ؟؟ وَاَعَالَةٌ، فَاَغْنَاكُمُ اللّٰهُ ..... ؟؟ وَاَعْدَاءً، فَاَلَّفَ اللّٰهُ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ ..... ؟؟

”اے انصار کے گروہ!

مجھے تمہاری طرف سے یہ بات پہنچی ہے کہ تم میرے خلاف اپنے دلوں میں کچھ پاتے ہو؟ کیا میں تمہاری گمراہی کی حالت میں تمہارے پاس نہیں آیا کہ اللہ نے تمہیں ہدایت دے دی ؟ کیا تمہاری تنگ دستی کی حالت میں تمہارے پاس نہیں آیا کہ تمہیں اللہ نے غنی کر دیا ؟ کیا تمہاری باہمی دشمنی کی حالت میں تمہارے پاس نہیں آیا کہ تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا؟“

انصار نے کہا: کیوں نہیں ! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے بڑے محسن اور مفضل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا تُجِیْبُوْنِیْ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ۔ اے گروہ انصار مجھے جواب کیوں نہیں دیتے ؟

انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا احسان اور فضل ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ شِئْتُمْ لَقُلْتُمْ، فَلَصَدَقْتُمْ وَصُدِّقْتُمْ: اَتَیْتَنَا مُكَذَّبًا، فَصَدَّقْنَاكَ. وَمَخْذُوْلًا، فَنَصَرْنَاكَ. وَعَائِلًا، فَاَسَیْنَاكَ. وَطَرِیْدًا، فَاٰوَیْنَاكَ. اَوَجَدْتُمْ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ فِیْ اَنْفُسِكُمْ فِیْ لُعَاعَةٍ مِنَ الدُّنْیَا تَاَلَّفْتُ بِهَا قَوْمًا لِیُسْلِمُوْا، وَوَكَلْتُكُمْ اِلٰی اِسْلَامِكُمْ ...؟؟

اَلَا تَرْضَوْنَ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَنْ یَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِیْرِ، وَتَرْجِعُوْا اَنْتُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی رِحَالِکُمْ؟؟

فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ، لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَکُنْتُ امْرَءً ا مِنَ الْاَنْصَارِ۔ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ شِعْبًا لَسَلَکْتُ شِعْبَ الْاَنْصَارِ۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ..... وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ ..... وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ.....!!

ہاں اللہ کی قسم تم جو چاہو کہو تم سچ ہی کہو گے اور تمہاری تصدیق بھی ہوگی کہ... تم جھٹلائے ہوئے ہمارے پاس آئے تو ہم نے تمہاری تصدیق کی......تم بے یار و مددگار آئے تو ہم نے تمہاری نصرت کی......تم قبیلہ و کنبہ کے بغیر آئے تو ہم نے تمہاری غمخواری کی......تم ملک سے نکالے ہوئے آئے تو ہم نے تمہیں پناہ دی۔

اے گروہ انصار! کیا تم دنیا کے اس ایک گھونٹ کی خاطر میرے خلاف دل میں کچھ رکھتے ہو جس گھونٹ کے ساتھ میں نے قوم کی اس لیے تالیف قلب کی ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تمہیں تمہارے اسلام کے حوالے رہنے دیا؟

اے انصاریو! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اونٹ بکریاں لے جائیں اور تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اپنے گھروں کو لے جاؤ؟

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا آدمی ہوتا!

اگر لوگ کسی گھاٹ پر چلتے تو میں انصار کی گھاٹی پر چلتا......اے اللہ! انصار پر رحم فرما......انصار کی اولادوں پر رحم فرما......اور انصار کی اولادوں کی اولادوں پر رحم فرما!!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطاب سنا تو انصار اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں بھیگ گئیں۔ جلیل و عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نے ان کے دلوں کو سکون و سلامتی، روحوں کو دولت و ثروت اور نفسوں کو خیر و عافیت سے بھر دیا اور وہ سب اور حضرت سعد بن عبادہ پکار اٹھے:

"ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر راضی ہیں۔" (نقوش صحابہ، ص ۴۹۴۔۴۹۸)

انصاری بچیوں کے اظہارِ عشق کا عجیب وغریب انداز

حضرت مالک بن عوف اور حضرت حسان بن ثابت وغیرہ کا تو خیر بڑے بڑے صحابہ کبار میں شمار ہے۔ لیکن حضور کے علم غیب کا مسئلہ دور صحابہ میں اتنا مشہور اور اس قدر شہرۂ آفاق تھا کہ ننھی ننھی بچیاں بھی اپنے اشعار اور گیتوں میں حضور کے علم غیب کے نغمے گایا کرتی تھیں، چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ: حضرت ربیع بنت معوذ بن عفرا فرماتی ہیں کہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میری شادی کے دن میرے گھر تشریف لائے، تو بچیاں دف بجا بجا کر میرے ان باپ داداؤں کا مرثیہ پڑھنے لگیں جو جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے، اسی درمیان میں اچانک ایک لڑکی نے نعت شریف کا یہ مصرع پڑھنا شروع کر دیا۔

"وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَافِيْ غَدٍ۔" فَقَالَ دَعِيْ هٰذِهٖ وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ۔

ہمارے درمیان وہ نبی ہیں جو کل آئندہ میں ہونے والی باتوں کو جانتے ہیں۔ حضور نے بچی کی زبان سے یہ مصرع سن کر فرمایا کہ اس مصرع کو رہنے دو، اور وہی کہو جو کہہ رہی تھیں۔

(مشکوٰۃ باب اعلان النکاح)

ذرا غور فرمائیے کہ یہ انصار کی بچیاں ہیں جو نہایت بے تکلفی کے ساتھ یہ مصرع گاتی ہیں کہ

وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَافِيْ غَدٍ

یعنی نبی غیب داں ہیں جو کل آئندہ کی بات جانتے ہیں۔ (قرآنی تقریریں، ص ۱۲۴)

آفتاب رسالت کا مدینہ منورہ میں نزول اجلال پر اہل مدینہ کا جوش وولولہ

اصحاب سیر اور ماہرین فن حدیث رحمہم اللہ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق باشندگان طیبہ نے سنا کہ مکہ سے مدینہ روانہ ہو گئے ہیں۔ وہاں کے تمام مسلمان قبلۂ جمال اور کعبۂ اقبال کے استقبال کے لیے صرہ کی طرف

باہر جاتے اور حضرت اجلال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کرتے، جب ہوا شدید گرم ہو جاتی گھروں کو لوٹتے، جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں نزول اجلال فرمایا، حسب سابق مدینہ کے لوگ مراسم خدمت بجالاکر اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ اتفاقاً مدینہ کا ایک یہودی قلعہ کی چھت پر کسی کام کے لیے آیا ہوا تھا، اس نے دیکھا کہ سید کائنات اور سند مخلوقات صلی اللہ علیہ وسلم خیر و برکات اور فوز و نجات کی معیت میں دور سے چلے آرہے ہیں، اور آپ کے چاند سے رخساروں کی شعاع خورشید تاباں کی مانند اس بیابان میں چمک رہی ہے اور آپ کا سرو قد سفید ملبوس میں جنت جاوید کی فضا میں طوبیٰ کی مانند خراماں خراماں چلا آرہا ہے، تو یہودی ضبط نہ کرسکا بے اختیار پکار اٹھا۔

یا معشر العرب هذا احدکم الذی تنتظرونه۔

یہ رہا وہ بخت و اقبال جس کے تم منتظر تھے۔

اپنے اقبال و اجلال کا سایہ اس سرزمین کے خوش قسمت باشندوں کے سروں پر ڈالتے ہوئے اور اس ہدایت کے قابل میدان میں مہربانی و عنایت کے جھنڈے کو سربلند کیے ہوئے ہے۔ یہ مبارک خبر آناً فاناً تمام شہر میں پھیل گئی، تمام لوگوں، مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں نے خود کو بہترین لباس و اسلحہ سے آراستہ کیا، فرحت و انبساط کے گھوڑوں پر سوار میدانِ جمعیت میں پہنچے، چنانچہ صرہ کے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی، اور شرائطِ آداب بجالائے۔ کہتے ہیں کہ وہ سرور و راحت اور عیش و آرام جو اس روز مدینہ اور اہل مدینہ کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے حاصل ہوا تھا، ایسا ہرگز کبھی میسر نہیں ہوا۔ بعض لوگوں نے تو دف بجا کر ان اشعار کو پڑھا۔

طلع البدر علینا   من ثنیة الوداع
وجب الشکر علینا   ما دعی للہ داع

جب عمرو بن نجاری کے قبیلہ کی طرف متوجہ ہوئے بنی نجار کی عورتوں اور لڑکیوں نے یہ اشعار گائے:۔

نحن جوار من بنی نجار   فجند اللہ محمد من جار

حضور کی آمد پر حبشی اپنی نیزہ بازی کے کرتب دکھاتے تھے، مدینہ نے اس سے پہلے کبھی بھی ایسی روشنی اور خوبصورتی کو نہیں دیکھا تھا اس روز لوگ تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے کہتے تھے، جاء! رسول الله جاء! قصہ مختصر یہ کہ اس روز ہر چھوٹے بڑے پر اس قدر فرحت وانبساط اور خوشی وشادمانی کا غلبہ تھا جسے قلم لکھنے سے قاصر اور زبان بیان کرنے سے عاجز آ گئی۔ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حالات کو اس طرح مشاہدہ فرمایا، خوش ہو کر فرمایا، خدا گواہ ہے کہ میں تمہیں دلی دوست رکھتا ہوں، تم میں سے عام لوگوں کو میں گروہ خواص میں سمجھتا ہوں، ائمہ دین کہتے ہیں کہ یہ روز، روز شنبہ تھا اور ربیع الاول کا مہینہ تھا، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مہینہ کی کون سی تاریخ تھی، بعض اول، بعض دوم اور بعض کہتے ہیں کہ بارہ تاریخ تھی لیکن متاخرین کا اختیار کردہ مسلک یہ ہے کہ روز دوشنبہ بارہ ربیع الاول تھی، اور فارسیوں کی مہینوں میں سے چوتھی ماہ تیرا، اور رومیوں کے سن کے حساب سے ایلول مہینہ کی بارہ تاریخ، سکندر رومی کی تاریخ سے سات سو تینتیس اور بعثت سے چودہواں سال تھا، واللہ اعلم۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ کے لوگ آپس میں گفتگو کرنے لگے لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات ہم بنی نجار میں رہیں گے، کیونکہ یہ لوگ عبد المطلب کی والدہ کے بھائی ہیں، کیونکہ ہاشم بن عبد مناف نے اس قبیلہ کی سلمی نامی عورت سے شادی کی تھی، عبد المطلب اسی سے متولد ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ متوجہ ہوئے اور عزم وارادہ کی باگ بنی عمرو بن عوف کے قبیلہ کی طرف پھیر دی اور کلثوم بن الہدم جو عرب اور اہل اسلام میں سے ایک رئیس تھا، کے گھر نزول اجلال فرمایا اور ایک روایت کے مطابق سعید بن خثیمہ کے چونکہ اہل وعیال نہیں تھے کے ہاں قیام فرمایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے محلہ شیخ قبیلہ بنی الحارث میں قیام پذیر ہوئے۔

ایک روایت کے مطابق صعب بن یساف اور ایک قول کے مطابق خارجہ بن زید کے ہاں ٹھہرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبا میں تشریف لے جانے کے بعد باقی انصار بھی آپ کی قیام گاہ قبا میں جمع ہونے لگے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسند پر خاموش تشریف

فرماتے۔امیر المؤمنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کی خبروخیریت معلوم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ایک جماعت جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی تھی اس مجلس میں خادم مخدوم میں تمیز نہ کر سکے۔چنانچہ تحفہ وسلام ودعا امیر المؤمنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں پہنچاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرماتے، یہاں تک وہ سورج کی شعاعیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ اقبال پر پڑنے لگیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر آفتاب رسالت کے سایہ کا انتظام کیا، اس سبب سے حاضرین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا، اس کے بعد وہاں کے تمام باشندے مسلسل اور متواتر سید السادات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور انواع واقسام کی تعریف ونعت کہتے رہے، ان میں سے حسان بن ثابت نے اپنے بہترین قصیدہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں آپ کو چند اشعار سنائے یہ دو اشعار اس قصیدے سے ہیں۔

منت من الله يوم حللت فينا	منت خدا یرا کہ بما آمدی و برد
ووجهك اذهب ظلم الليالي	نور ہدایت تو ظلام ضلال را
فكنت كرامة نزلت علينا	بودی کرامتے تو کرفیم از رخت
بايمن طائر بحسن نالي	بر خویشتن خجستہ و فرخندہ فال را

(معارج النبوۃ ج ۱، ص ۲۲ تا ۲۶)

ایک انصاری عورت کا عشق رسول

جب اُحد کی جنگ ہوئی تو مدینہ شریف میں ایک بڑی ناخوش گوار سی خبر آئی، وہ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر تھی۔یہ سنتے ہی ایک انصاری عورت گھر سے نکلتی ہے۔ اُس کو اِس سلسلے میں بڑی تشویش ہے۔سامنے سے ایک دستہ آرہا ہے، اُس سے پوچھتی ہے:

ما فعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔

محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟

افواہ کے لفظ نہیں بولتی، آپ کا حال پوچھتی ہے کہ حال کیا ہے؟ تو کہنے لگے تعلق

اخوک تمہارا تو بھائی شہید ہو گیا۔

اب یہ پوچھتی نہیں کہ بھائی کہاں شہید ہوا؟ لاشہ کہاں پڑا ہے اور کس انداز میں ہے؟ آگے جاتی ہے، پھر ایک وفد آتا ہے، اُن سے پوچھتی ہے:

ما فعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم۔

اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟

وہ کہتے ہیں: قتل ابوک۔ تمہارا تو والد بھی شہید ہو گیا۔

اب یہ صنفِ نازک ہے، دو تیر غم کے چبھ گئے ہیں، مگر پھر بھی رُکی نہیں، آگے جاتی ہے، اب اُن کے بارے میں نہیں پوچھتی بلکہ پھر بھی یہ ہی پوچھتی ہے: ما فعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم. مجھے یہ بتاؤ میرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟

تو آگے سے خبر ملتی ہے: قتل زوجک۔ تمہارا تو خاوند بھی شہید ہو گیا۔

اب تین شہادتوں کی خبر مل گئی۔

اصیب زوجها و اخوها وابوها۔ باپ بھی، بھائی بھی اور زوج بھی سارے شہید ہو گئے۔ یہی عورت کے سہارے ہوتے ہیں، اُس کے سارے سہارے ختم ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی ابھی شکست نہیں کھائی، کہتی ہے مجھے یہ بتاؤ:

ما فعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم. میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟

صحابہ کرام نے کہا: هو بحمد اللّٰہ کما تحبین۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں جیسے تم چاہتی ہو، ویسے ہی ہیں۔ اللہ کے فضل سے بالکل دُرست ہیں اور ٹھیک ہیں۔

کہنے لگی: ارونیه حتی انظر الیه۔ مجھے ایک بار دِکھاؤ، تب مجھے چین آئے گا۔

اگرچہ یقین ہے کہ صحابہ کرام سچ بولتے ہیں مگر کہنے لگی مجھے دکھاؤ۔

جس وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چمکتا ہوا چہرہ دیکھا تو کہتی ہے: کل مصیبة بعدک جلل۔ (عیون الاثر: ۲/۴۳)

یارسول اللہ! میرا سہارا میرا خاوند نہیں، میرا سہارا میرا باپ نہیں...... میرا سہارا میرا بھائی

نہیں۔ میرا دونوں جہاں میں سہارا تم ہو اوراگر تم صحیح ہو تو مجھے کون سا غم پریشان کر سکتا ہے۔

تمہارے دَم سے ہے آباد میرا گلشنِ ہستی
جو تم ہو تو خزاؤں کا کوئی خطرہ نہیں مجھ کو

اس خاتون کا عشق دیکھو! اس انداز میں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے وہ ساری شہادتوں کے غم ایک طرف کر کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ٹھیک ٹھاک ہونے والی خوشی سارے غموں پر غالب آ گئی ہے۔

(سالنامہ اہل سنت ممبئی، ۲۰۱۲ء، ص ۹۳، تا ۹۴۔ مضمون، ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی)

دل و دماغ کی تازگی کے لیے اسی واقعہ کو حضرت مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کے اسلوب و بیان میں بھی ملاحظہ کر لیں:

جنگ اُحد میں ایک انصاری صحابیہ کے شوہر، والد، بھائی رسول کے قدموں میں اپنی متاع زندگی ڈال کر منصب شہادت پر فائز ہو گئے، خونی رشتے کی کتنی اہم ہستیوں نے رفاقت توڑ دی، ان کا دل بے قرار ہے مگر باپ بھائی اور شوہر کے لیے نہیں بلکہ رسول خدا کے لیے، انہیں معلوم ہے کہ ان حضرات نے رفاقت سے منہ موڑ لیا ہے، دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، مگر انہیں کوئی غم نہیں ہے، اضطرابی ہے تو رسول کی خیریت کے لیے، صحابہ سے دریافت کیا میرے آقا کس حال میں ہیں، مجھے محبوب کی خیریت سے آگاہ کرو، کہہ دیا گیا بحمد اللہ! تمہاری منشاء کے مطابق رسول خیریت سے ہیں، مگر بے قرار دل کو سکون نہیں ملتا، مجھے سرکار کو دکھاؤ، بغیر دیکھے محبت کی اضطرابی نہیں جائے گی، بغیر دیدار کے قلب مضطر کو سکون نہیں ملے گا، صحابہ نے انہیں سرکار کی بارگاہ میں حاضر کر دیا، لو محبوب سامنے ہیں خوب جی بھر کے زیارت کر لو، اس عاشق زار خاتون نے عقیدت و محبت کے گراں بہا جوہر بکھیر دیے، شوہر شہید ہو گئے ہونے دو، باپ کی گردن کٹ گئی کوئی غم نہیں، بھائی کا ساتھ چھوٹ گیا کوئی پرواہ نہیں، محبوب خیریت سے ہیں تو ہر مصیبت دور ہے، آقا کی خیریت سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا خیریت ہو سکتی ہے۔ (عقائد اہل سنت، ص ۱۹۷، بحوالہ، شفا شریف)

ایک انصاری لڑکی کا عشق رسول

ایک دفعہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے فرمایا ''تم اپنی بیٹی میرے حوالے کردو'' صحابہ کرام کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہ تھی کہ حضور کی کسی خواہش کو پورا کریں، وہ انصاری باغ باغ ہو گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے لیے نہیں خبیب رضی اللہ عنہ کے لیے یہ پیغام دے رہا ہوں خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ ان کی جاو بے جا ظرافت کی وجہ سے پسند نہ کرتے تھے، اُن کا نام سن کر متامل ہوئے اور عرض کی میں ذرا لڑکی کی والدہ سے مشورہ کرلوں، ماں نے خبیب کا نام سنتے ہی انکار کر دیا، لیکن لڑکی بولی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے انکار کرنا مناسب نہیں، میرے متعلق حضور نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے آگے سر تسلیم خم ہے، مجھے امید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی میں خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا۔ (روح البیان، ج ۵، پ ۹، ۱۰۔ ص: ۳۵۱)

ایک انصاری صحابیہ کا عشق رسول

ایک صحابیہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اضطرابی قلب بڑھتی جارہی ہے، سوزِ محبت نے طبیعت کو بے چین کر رکھا ہے، زیارت رسول کے لیے دل تڑپ رہا ہے روضۂ رسول ہی دکھائیے تاکہ قلب مضطر کو سکون نصیب ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تسکینِ قلب کی خاطر قبر انور کھول دی، بارگاہ حسن میں عشق کی جولانیت دیکھئے کہ حسن کی چوکھٹ پر عشق کا سر خم ہے آنکھوں سے سیل محبت رواں ہے، محبوب کی جدائی میں گریہ سامانی ہو رہی ہے۔ اے اللہ! اب یہ جدائی ناقابل برداشت ہے، مجھے میرے محبوب کے پاس پہنچا دے۔ سوز عشق نے باب اجابت کو کھٹکھٹایا رحمت خداوندی جھومی اور عشق کی فریاد کو آغوشِ رحمت میں جگہ مل گئی چشم عالم نے بھی دیکھ لیا کہ حسن کی بارگاہ میں ایک عاشقِ زار نے محبوب کی جدائی کی تاب نہ لا کر دم توڑ دیا۔

(عقائد اہل سنت، ص ۱۹۷، تا ۱۹۸، بحوالہ، شفا شریف)

میں یہ نہیں کہتی کہ اس کے رنگ کالے کو دیکھ

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت سیاہ فام تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اسلام کے جانثاروں میں شمار ہونے لگے، ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا: سعد شادی کیوں نہیں کر لیتے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ جیسے کالے کلوٹے کو لڑکی دینا کون پسند کرے گا، آپ نے فرمایا جاؤ! قبیلہ ثقیف کے سردار سے جا کر کہو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے، مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دو، سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر پیغام پہنچایا، سردار اُن کی صورت دیکھ کر بہت برہم ہوا کہ اپنی خوبصورت بیٹی کا نکاح اس سے کر دوں، سعد رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر واپس جانے لگے تو پردے کی اوٹ سے آواز آئی جانے والے ذرا ٹھہر جا! وہ ٹھہر گئے، پھر آواز آئی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے میرے ساتھ نکاح کرنے کو بھیجا ہے اگر یہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تو بسرو چشم قبول ہے، اُس کے بعد اُس سعادت مند بیٹی نے باپ کو سمجھایا آپ نے بُرا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا بُرا مانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا، آپ اس کے کالے رنگ کو نہ دیکھیں بلکہ اس کے بھیجنے والے کو دیکھیں۔

میں یہ نہیں کہتی کہ اس کے رنگ کالے کو دیکھ
میں یہ کہتی ہوں کہ اس کے بھیجنے والے کو دیکھ

اسلام تو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کا نام ہے بہتر ہے کہ آپ بارگاہ رسالت میں جا کر معافی مانگیں، بیٹی کی باتوں کا باپ کے دل پر اثر ہوا اور بات سمجھ میں آگئی کہ واقعی مجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہے، چنانچہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معذرت کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی، اور بالآخر کالے سعد کی شادی عرب کے اسی معزز سردار کی خوبصورت بیٹی سے ہوگئی، کتنی خوش نصیب تھی وہ بیٹی اور کتنا خوش نصیب تھا وہ باپ جس نے اپنی دختر حضور اقدس کے قدموں میں نثار کردی۔

(روح البیان، ج ۵، پ ۹، ۱۰، ص ۳۵۱)

حضور کی شان حلیمی

طبرانی بیہقی، ابن حبان اور حاکم وغیرہ کی مشہور روایت ہے کہ مدینہ کے یہودی علماء میں سے جو لوگ اسلام لائے ان میں سے ایک صاحب نے اپنا واقعہ اسلام لانے کے بعد بیان کیا، کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقط چہرہ ہی دیکھ کر نبوت کی تمام علامتیں نظر آ گئی تھیں، بس دو علامتیں ایسی تھیں جس کا اندازہ مجھے نہیں ہو سکا! یہ کہ اس کا حلم اس کے غصے پر غالب ہو، اور ۲ اس کے ساتھ جس قدر زیادہ جہالت کی جائے اسی قدر اس کی حلیمی بڑھتی نظر آئے، چنانچہ میں نے تدبیریں سوچیں کہ ان دونوں باتوں کے سلسلے میں آپ کو آزماؤں، اس سلسلے میں میں نے آپ سے کچھ کھجوروں کا سودا کیا، یعنی کھجوریں اُدھار اور قیمت پیشگی، جو میں نے ادا کر دی، اور پھر ابھی کھجوروں کی ادائیگی کے مقررہ وقت میں دو تین دن باقی تھے کہ میں تقاضہ کرنے کے لیے پہنچ گیا اور آپ کی قمیص اور چادر کو بُری طرح پکڑ کر اور خشمناک نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے کہا کہ محمد! تم اپنے ذمہ کا حق ادا نہیں کرو گے؟ قسم خدا کی تم بنی عبدالمطلب ہو ہی ٹال مٹول کرنے والے، حضرت عمر جو موجود تھے اس پر قابو سے باہر ہو کر بولے کہ او دشمنِ خدا! کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم سے وہی کچھ کہہ رہا ہے جو میں سن رہا ہوں۔؟

قسم بخدا! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کا لحاظ نہ ہوتا تو تیری گردن اڑا دیتا، مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت یہ تھی کہ آپ نے بڑے سکون، وقار اور مسکراہٹ کے ساتھ حضرت عمر کی اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے فرمایا: عمر! "مجھے اور اِسے جس چیز کی ضرورت تھی وہ یہ تھی کہ تم مجھے بہتر ادائیگی اور اس کے بہتر ڈھنگ سے تقاضے کی نصیحت کرتے، اچھا اب جاؤ، اور میری طرف سے اس کی ادائیگی کر دو اور اپنے غصے کے بدلے میں بیس صاع زیادہ دو۔" اس کے بعد صاحب واقعہ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عمر کو اصل بات بتائی کہ میں نے کس غرض سے یہ سب کیا تھا، اور پھر کہا کہ میں تمہارے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ:

"رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا"

(مجھے ہے حکم اذاں، ص ۸۲، الفرقان ج ۵، شمارہ ۷، ۸)

حضور کی نوازشات

حاکم یوقنا حضرت عبداللہ جب بھی حضرت ابوعبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو فصیح عربی زبان میں گفتگو فرماتے تھے، حالانکہ حاکم یوقنا عرب زبان سے بالکل ناواقف تھے، جنگ کے دوران حضرت ابوعبیدہ کے ساتھ جنگ کے امور کے متعلق جب بھی گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی، مترجم کے واسطے سے گفتگو کی تھی، لیکن اچانک ان کو فصیح وبلیغ عربی زبان میں گفتگو کرتے دیکھ کر بہت تعجب ہوا، حضرت ابوعبیدہ نے حاکم یوقنا سے فرمایا کہ میری معلومات کے مطابق تم عربی زبان نہیں جانتے ہولیکن اچانک اس طرح عربی زبان میں گفتگو کرنا کہاں سے حاصل ہوا؟ حاکم یوقنا نے جو جواب دیا اس کو علامہ واقدی قدس سرہ کی کتاب سے نقل کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

”پس کہا یوقنا نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ آیا تعجب کرتے ہو تم اے سردار! اس حال سے، ابوعبیدہ بن الجراح نے کہا ہاں، یوقنا نے کہا کہ میں شب گزشتہ کو فکر اور اندیشہ کرتا تھا تمہارے کام میں کہ کیوں کر مدد اور غلبہ لے گئے تم لوگ ہم پر، حالانکہ کوئی گروہ تم سے زیادہ ضعیف ہمارے نزدیک نہ تھا، پس جب دل میں ڈالا میں نے تمہارے معاملہ کو تو سو گیا میں۔ پس دیکھا میں نے ایک شخص کو روشن تر چاند سے۔ پس پوچھا میں نے کیفیت ان کی، پس کہا گیا مجھ سے کہ یہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پس گویا میں سوال کرتا ہوں کہ اگر یہ نبی صادق ہیں تو درخواست کریں اپنے پروردگار سے کہ آگاہ اور تعلیم کر دیوے مجھ کو پروردگار ساتھ زبان عربی کے۔ پس گویا اشارہ فرماتے ہیں وہ میری طرف اور درخواست کی اپنے پروردگار سے اس امر کی۔ پس بیدار ہو گیا میں اس حال میں کہ زبان عربی میں کلام کرتا تھا۔“ (سرکٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب، ج۲، ص ۲۵۳، فتوح الشام، ص ۳۲۸)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

”ابولبابہ بن عبدالمنذر“ یہ حضور شہنشاہ مدینہ کے دربار میں بڑے باوقار بلکہ دربار

نبوت کے ایک خاص راز دار تھے، جنگ خندق کے بعد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین دشمنِ اسلام قبیلہ بنو قریظہ کا محاصرہ فرمایا، تو ان یہودیوں نے تنگ آ کر بارگاہ رسالت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیجیے تا کہ ہم لوگ ان سے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ مشورہ کریں، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے سے پہلے ان یہودیوں سے بڑا گہرا دوستانہ تعلق تھا، بلکہ حضرت ابولبابہ کے کچھ اہل وعیال اور جائداد و مال بھی اسی قلعہ میں تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ کو بھیج دیا، قلعہ کے یہودی ان کو دیکھ کر رونے لگے، اور ان سے مشورہ کیا کہ کیا ہم لوگ پیغمبر اسلام کے فیصلہ کو قبول کر کے قلعہ کا پھاٹک کھول دیں؟ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت ابولبابہ کو اپنا راز دار سمجھ کر پہلے ہی ان یہودیوں کے بارے میں اپنے فیصلہ سے مطلع فرما دیا تھا، کہ یہ یہودی اللہ ورسول کے بدترین دشمن ہیں، لہٰذا ان کی سزا قتل کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتی۔ جب یہودیوں نے حضرت ابولبابہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اپنی پرانی دوستی اور اپنے اہل وعیال اور جائداد و مال کا خیال کر کے سرکار مدینہ ﷺ کا راز فاش کر دیا، اور اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اشارے سے یہودیوں کو بتا دیا کہ سرکار مدینہ نے تمہارے بارے میں قتل کا فیصلہ فرما لیا ہے۔

حضرت ابولبابہ نے دربار نبوت کے ایک مخفی راز کو فاش کیا، اُدھر فوراً ہی حضرت جبریل امین رب العالمین کا عتاب سے بھرا ہوا فرمان لے کر زمین پر اتر پڑے اور رحمۃ للعالمین پر یہ آیت نازل ہو گئی۔ کہ

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ (انفال، آیت ۲۸)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت، اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہے۔ (کنز الایمان)

خود حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابھی میرے قدم اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہیں پائے تھے کہ میرے ضمیر نے مجھے جھنجھوڑا کہ بلاشبہ اس وقت میں نے اللہ ورسول کی امانت میں

خیانت کی ہے، اور اللہ و رسول کے ساتھ دغا کر کے میں نے بہت بڑا گناہ کر لیا ہے، چنانچہ حضرت ابولبابہ اپنے اس گناہ عظیم کے تصور سے لرزہ براندام ہو گئے، اور اپنے اس جرم پر نادم و پشیماں ہو کر مدینہ منورہ بھاگے، اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون میں رسی سے جکڑ کر بندھوا لیا، اور قسم کھالی کہ جب تک خداوند کریم میری توبہ قبول نہیں فرمائے گا، اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے مجھے نہیں کھولیں گے، خدا کی قسم نہ میں کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا، چنانچہ دن رات تک یہ مسجد کے ستون سے بندھے رہے، نمازوں اور انسانی حاجتوں کے وقت ان کی بیوی صاحبہ ان کو کھول دیا کرتی تھیں پھر وہی ان کو باندھ دیا کرتی تھیں، بھوک و پیاس کی شدت سے ان کی قوت سماعت جاتی رہی، اور آنکھوں کی روشنی میں بھی کمی آگئی، اسی حالت میں ایک رات جب کہ سرکار مدینہ حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ صبح صادق کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگہاں ہنسی آگئی، بی بی ام سلمہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! خداوند کریم آپ کے دانتوں کو ہمیشہ ہنستا رکھے بھلا اس وقت آپ کو ہنسی کیوں آرہی ہے؟ یہ سن کر رحمت عالم نے ارشاد فرمایا کہ اے ام سلمہ! میں اس خوشی میں ہنس رہا ہوں کہ ابولبابہ کی توبہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوگئی، اور ابھی ابھی مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ:

يَـاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوْااللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (انفال، آیت ۲۹)

اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کر لو اور تمہاری برائیاں اتار دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(کنز الایمان)

یہ سن کر حضرت ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی، حضرت بی بی ام سلمہ کو بے حد خوشی ہوئی، چنانچہ فرط مسرت میں بے تاب ہو کر انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں ابھی ابولبابہ کو بشارت سنا دوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو سنا دو، چنانچہ فوراً ہی حضرت بی بی ام سلمہ نے اپنے حجرے کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر بہ آواز بلند فرمایا کہ اے ابولبابہ! تمہیں یہ بشارت مبارک ہو کہ تمہاری "توبہ قبول ہوگئی" بی بی

سلمہ رضی اللہ عنہا کی آواز کا سننا تھا کہ لوگ اپنے گھروں سے نکل نکل کر مسجد نبوی کی طرف دوڑ پڑے، اور حضرت ابولبابہ کو ستون سے کھولنے لگے، مگر حضرت ابولبابہ نے بھرائی ہوئی آواز میں آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ خبردار! ہرگز ہرگز کوئی مجھے نہ کھولے، خدا کی قسم جب تک خود حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے میرے مجرم و گناہگار دل کو تسلی نہیں ہوسکتی کہ میرے رب کریم نے میری خطا کو معاف فرمادیا ہے، چنانچہ لوگ ہٹ گئے، اور ابولبابہ نماز فجر کے وقت تک بدستور بندھے رہے، اور لوگ ان کے اردگرد کھڑے رحمت عالم کی آمد کا انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد نبوی میں نماز فجر کے لیے تشریف لائے تو ابولبابہ کو پیار و محبت کی نگاہوں سے دیکھ کر پیغمبرانہ انداز مسرت کے ساتھ تبسم فرما کر مسکرانے لگے، سبحان اللہ! پیارے رسول کی مسکراہٹ کا کیا کہنا۔

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑگئی ۔۔۔ یوں لب کشا ہوئے کہ گلستان بنا دیا

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ابولبابہ کی رسیوں کو کھول دیا۔

(صاوی، ج۱، ص۱۲۲)

حضرت ابومحذورہ صحابی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے سر میں پیشانی کے اوپر بالوں کا ایک گچھا رہتا تھا جب وہ اسے کھول کر اس میں کنگھا کرتے تو بالوں کی لٹ زمین بوس ہوجاتی تھی، ان سے دریافت کیا گیا کہ اسے کٹا کیوں نہیں دیتے کیا اس کی بقا میں کوئی حکمت مضمر ہے؟ انہوں نے کہا سبحان اللہ! انہیں کٹانے کا مشورہ دیا جارہا ہے ان بالوں سے میرے آقا کے دستِ مبارک مَس ہوئے ہیں۔ یہی تو میرے سرمایۂ آخرت ہیں، میں انہیں کٹانے کی جسارت کیسے کرسکتا ہوں۔

(عقائد اہل سنت، ص۱۹۶، شفا شریف)

ایک صحابی کا نرالا عشق

ایک دفعہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جوشِ محبت

سے بے تاب ہو گئے آگے بڑھے، آپ کی قمیض کو جو آپ نے زیب تن کر رکھی تھی، ہاتھ سے اُلٹ دیا خود اس کے اندر گھس گئے آپ سے لپٹ گئے اور جسم اطہر کو چوما۔

(روح البیان، ج ۵، پ ۹، ۱۰، ص ۳۳۹)

حضرت ابوموسیٰ اشعری اور عامر اشعری رضی اللہ عنہما کا عشق رسول

آقا لے لو سلام اب ہمارا: جنگ حنین جس کو جنگ ہوازن بھی کہتے ہیں جو ۸ھ میں واقع ہوئی تھی، اس جنگ میں ایک شخص نے کہ جو قوم بنی جشم کا تھا، اس نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے چچا حضرت ابو عامر اشعری کے زانو پر تیر مارا اور وہ تیر ان کے زانو میں بیٹھ گیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس تیر مارنے والے جشمی شخص کے پیچھے پڑ گئے اور اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا، بعدہٗ وہ اپنے چچا ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ان کے زانو سے تیر نکالا، جب تیر نکلا تو اس زخم سے بہت زیادہ خون نکلنے لگا اور حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زندگی سے ناامید ہو گئے تو فرمایا کہ اے بھتیجے! میرا سلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرنا اور التماس کرنا کہ میرے لیے حق تعالیٰ سے بخشش کی دعا فرمائیں۔ (مدارج النبوۃ، اردو، ج ۲، ص ۵۲۴)

واللہ وہ سن لیں گے اور دل کی دوا دیں گے
بے کار نہ جائے گا فریاد و بُکا کرنا

جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر کے لیے روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ فرماتے ہیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا میں نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد اللہ بن قیس!

الا ادلك علی كلمة من كنز من كنوز الجنة۔

۔ تمہیں ایک ایسا کلمہ نہ بتادوں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک ہے۔''

فرماتے ہیں میں نے عرض کیا۔

بلیٰ یا رسول الله فداك ابی وامی۔

''کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔''

فرمایا: لا حول ولا قوة الا بالله۔

(صحیح بخاری، ج اول، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

آپ کی ملاقات باعث صد افتخار ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم!

''اِنِّیْ اِذَا رَأَیْتُكَ طَابَتْ نَفْسِیْ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ۔''

جب میں آپ کی زیارت سے سرفراز ہوتا ہوں تو دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ (سیدنا محمد رسول اللہ ص ۴۰۷۔ عرفان رضا در مدح مصطفیٰ ج ۲، ص ۲۱۰)

حضور آنکھوں میں آئیں حضور دل میں سمائیں
حضور دل میں سمائیں حضور آنکھوں میں

امام عشق ومحبت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی بڑے اچھوتے انداز میں یوں گریہ کناں ہیں:

ہے انہی کے نور سے سب عیاں ہے انہیں کے جلوہ میں سب نہاں
بنے صبح تابش مہر سے رہے پیش مہر یہ جاں نہیں

اس شعر کی تشریح میں مولانا عبدالستار ہمدانی برکاتی لکھتے ہیں ''رہے پیش مہر یہ جاں نہیں''؟ یہ جملہ استفہامیہ ہے۔ آپ سوال کے انداز میں فرما رہے ہیں کہ اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر یعنی مہربانی نہ ہو تو کیا یہ جان باقی رہے گی، کیا ان کی مہربانی کی وجہ سے ہی ہماری یہ جان نہیں؟ بیشک یہ تن وجاں انہی کے طفیل ہے، بلکہ پوری کائنات کی جان

انہی کے صدقہ میں باقی ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تو یہ نظریہ تھا کہ وہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر اپنی حیات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

(عرفان رضا در مدح مصطفیٰ، ج ۲، ص ۲۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور کے لیے پیار ہی پیار

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت بارگاہ رسالت میں گزارتے تھے اور حضور کی زیارت، معیت اور خدمت کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، وہ ہر اس شخص سے بھی محبت کرتے تھے جو حضور کو عزیز ہوتا تھا، ایک مرتبہ حضور نے ان کے سامنے اپنے نواسے حضرت حسن کو اپنی گود میں بٹھا کر فرمایا: الٰہی! میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب بھی حضرت حسن کو دیکھتے تھے تو فرطِ محبت سے ان کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔

''مسند احمد بن حنبل'' میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ حضرت حسن سے ملے تو ان سے کہا، ذرا اپنے جسم سے کپڑا اٹھائیے تاکہ میں اس حصہ پر بوسہ دوں جس پر حضور بوسہ دیا کرتے تھے، انہوں نے کپڑا ہٹا دیا اور حضرت ابو ہریرہ نے ان کی ناف کو چوم لیا۔

اتباع سنت کی یہ کیفیت تھی کہ ہر کام میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ عبادات میں آپ کی نقش قدم پر چلتے تھے اور معاملات میں بھی لفظ بہ لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تعمیل اور آپ کے طرز عمل کا اتباع کرتے تھے ساتھ ہی لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ کسی کو خلاف سنت کام کرتا دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے اور جو کچھ اس بارے میں حضور سے سنا ہوتا وہ سنا دیتے۔ حضور کے وصال کے بعد عمدہ غذا سے صرف اس لیے پرہیز کرتے تھے کہ آپ نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ ایک دفعہ ان کے سامنے بکری کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا گیا۔ انہوں نے یہ کہہ کر اس کے کھانے سے معذرت کر لی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپ نے کبھی

سیر ہو کر جو کی روٹی بھی نہ کھائی۔ (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۱۷۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے جانثاروں سے خوب محبت فرمایا کرتے تھے۔ خواہ کسی رنگ و نسل کے ہی کیوں نہ ہوں۔ مؤرخین حضرت اسامہ بن زید کے حسن وصورت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ بہت کالے یعنی بجنگ اور نہایت چپٹی ناک والے تھے باوجود یکہ حضور ان سے کتنی محبت فرماتے ہیں ذرا آپ بھی دیکھ لیجیے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیت المال سے مسلمانوں میں اموال تقسیم کررہے تھے کہ آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ کی باری آئی تو آپ نے ان کو بھی حصہ دیا۔ پھر حضرت اسامہ بن زید کی باری آئی تو آپ نے انہیں اپنے بیٹے عبداللہ سے دوگنا زیادہ حصہ دیا۔

چونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کے مقام و مرتبہ اور اسلام میں ان کے کارناموں کے لحاظ سے انہیں مال دے رہے تھے۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن عمر کو خدشہ ہوا کہ کہیں میرا مقام دوسری صفوں میں نہ ہو، کیونکہ آپ اپنی اطاعت، جہاد اور زہد و ورع کی بنا پر امید کرتے تھے کہ اللہ کے حضور سابقین میں سے ہوں گے۔ لہٰذا آپ نے فوراً اپنے والد گرامی سے سوال کیا: "آپ نے اسامہ کو مجھ پر فضیلت دی ہے جبکہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اتنے غزوات میں شریک ہوا ہوں کہ اسامہ ان میں شریک نہیں تھے۔؟

حضرت عمر نے جواب دیا:

"اسامہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے اور اس اس کا والد تیرے والد سے زیادہ محبوب تھا!"

یہ حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ ہیں! صحابہ میں حضرت اسامہ کا لقب: الحب بن الحب (محبوب ابن محبوب) تھا۔ اور صحابہ نے آپ کو یہ لقب دینے میں کسی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے جو شدید محبت تھی اس پر ساری دنیا رشک کرتی تھی۔ حضرت اسامہ عمر میں نواسۂ رسول حضرت حسن کے ہم عمر تھے۔ اور حسن اپنے حسن و جمال اور سرخ و سفید رنگت میں اپنے نانا سے بہت زیادہ مشابہ تھے، جبکہ اسامہ سیاہ چمڑی اور چپٹی ناک میں اپنی حبشی ماں سے مشابہ تھے۔ مگر رسول اللہ ان دونوں سے محبت

میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔آپ اسامہ کو اٹھاتے اور اپنی ایک ران پر بٹھا لیتے، پھر حسن کو اٹھاتے اور دوسری ران پر بٹھا لیتے پھر دونوں کو اپنے سینے سے لگاتے اور دعا فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا۔

''اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما!''

حضرت اسامہ سے رسول اللہ کی محبت اس انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ ایک بار جناب اسامہ دروازے کی چوکھٹ سے لغزش کھا کر گر پڑے تو چہرہ زخمی ہو گیا اور زخم سے خون بہنے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو اشارہ کیا کہ زخم سے خون پونچھ دیں مگر انہیں اچھا نہ لگا۔رسول اللہ خود اٹھے اور آگے بڑھ کر اسامہ کے زخم سے خون پونچھنے لگے۔آپ اس وقت محبت وشفقت بھرے الفاظ سے ان کو دلاسہ دے رہے تھے اور چپ کرا رہے تھے۔

آپ کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت زید بن حارثہ وہ شخص ہے جس نے اپنے والدین اور خاندان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی۔جی ہاں یہ وہ شخص ہے جس کو کھڑا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کے سامنے یہ فرمایا تھا:

اُشْھِدُکُمْ اَنَّ زَیْدًا ھٰذَا اِبْنِیْ یَرِثُنِیْ وَاَرِثُہٗ۔

میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ زید میرا بیٹا ہے، یہ میرا وارث بنے گا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔

اس کے بعد حضرت زید کا نام مسلمانوں میں ''زید بن محمد'' معروف ہو گیا۔یہاں تک کہ قرآن کریم نے دور جاہلیت کے اس ''رسم تبنیت'' کو باطل قرار دے دیا۔

یہ حضرت اسامہ ان حضرت زید کے بیٹے ہیں۔رسول اللہ کی کنیز اور آپ کی دایہ حضرت ام ایمن جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

حضرت اسامہ کی ظاہری شکل وصورت قطعاً اس لائق اور اہل نہ تھی کہ انہیں کوئی مقام ومرتبہ ملتا۔مؤرخین نے آپ رضی اللہ عنہ کو اسود (کالے بھجنگ)، افطس (چپٹی ناک والے) لکھا ہے۔

تاریخ نے صرف انہی دو الفاظ کے ذریعے جناب اسامہ کی شکل وصورت بیان کر دی

ہے۔ مگر اسلام کب انسانوں کی ظاہری شکل وصورت کو کوئی اہمیت دیتا ہے؟ یہ دین کیسے اس چیز کو اہم قرار دے سکتا ہے جس کا رسول تو یہ کہتا ہو:

اَلَا رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَا یُوبَهُ لَهٗ، لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَا بَرَّهٗ

کچھ پراگندہ حال اور غبار آلود ایسے بھی ہیں جو دو بوسیدہ کپڑوں کے مالک ہیں اور ان کو کوئی مقام ومرتبہ نہیں دیا جاتا (لیکن) یہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی قسم دے دیں تو اللہ ان کی بات رد نہ کرے گا۔

آپ کی انہی تمام صفات نے آپ کو رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور عزت افزائی سے اتنا کچھ دلا دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ بَعْدَ اَبِیْهِ،وَاِنِّیْ لَا رْجُوْ اَنْ یَکُوْنَ مِنْ صَالِحِیْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهٖ خَیْرًا۔

"یقیناً اس کے والد کے بعد یہ مجھے محبوب ترین لوگوں میں سے ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ تمہارے نیک لوگوں میں سے ہوگا لہٰذا تم اس کے ساتھ بھلا معاملہ کرو۔"

(نقوش صحابہ، ص ۵۰۴)

اسی طرح حضرت امامہ بنت ابو العاص سے حضور کی محبت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت اُمامہ بنت ابو العاص طویل عرصے تک زندہ رہیں، حضور کو ان سے بڑی محبت تھی، ایک دفعہ نجاشی (شاہ حبشہ) نے ایک انگوٹھی حضور کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی۔ آپ نے فرمایا:

"یہ انگوٹھی میں اس کو دوں گا جو مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔"

سننے والوں کا خیال تھا کہ آپ یہ انگوٹھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیں گے لیکن آپ کی مراد بڑوں کی بجائے بچوں سے تھی۔ چنانچہ آپ نے حضرت اُمامہ کو بلایا اور یہ انگوٹھی انہیں پہنا دی۔ بعض روایتوں میں انگوٹھی کے بجائے زریں ہار کا ذکر ہے جو کسی نے ہدیۃً بھیجا تھا۔ حضور نے حضرت اُمامہ کو بلا کر یہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت اُمامہ سے محبت کی یہ کیفیت تھی کہ آپ انہیں بعض اوقات اپنے ساتھ مسجد میں لے جاتے تھے۔ ایک دن آپ اس حالت

میں مسجد میں پہنچے کہ حضرت امامہ دوش مبارک پر سوار تھیں۔ آپ نے اسی حالت میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔ جب رکوع اور سجدے میں جاتے تو ننھی اُمامہ کو آہستہ سے اتار دیتے۔ جب کھڑے ہوتے تو پھر دوش مبارک پر بٹھا لیتے۔ اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی۔

(سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۴۴۹)

حضرت ابان سعدی بن عاص رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

باب توما پر حضرت شرجیل بن حسنہ اپنے لشکر کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ جب حاکم توما نے شدت سے تیر اور پتھر برسائے تو حضرت شرجیل کے ساتھیوں نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور سخت لڑائی لڑی۔ بہت سے مجاہد زخمی ہوئے۔ کسی کا سر پھٹا، کسی کا ہاتھ ٹوٹا، کسی کا پاؤں گھائل ہوا، کسی کے بازو میں تیر گھسا۔ الغرض تمام دروازوں کے مقابلے میں باب توما پر رومیوں کا حملہ بہت شدید تھا۔ حضرت ابان بن سعید بن عاص کو ایک زہر آلود تیر لگا۔ تیر نکال کر حضرت ابان نے زخم پر عمامہ باندھ لیا لیکن تھوڑی ہی دیر میں زہر ان کے جسم میں سرایت کر گیا۔ حضرت ابان بن سعید غش کھا کر گرے۔ مجاہدین ان کو اٹھا کر خیمہ میں لے آئے۔ اور ان کا علاج کرنے کی غرض سے زخم پر باندھا ہوا عمامہ کھولا۔ حضرت ابان کی حالت بہت نازک تھی۔ بچنے کی بہت کم امید تھی۔ زہر کا اثر ان کے جسم سے ظاہر ہو رہا تھا۔ حضرت ابان کو اس امر کا احساس ہو گیا تھا کہ اب زندگی کے آخری لمحات ہیں۔ دار الفنا سے دار البقا کی طرف جانے کا وقت آ گیا ہے۔ مصطفیٰ جا رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار کا شرف حاصل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

جان جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

حضرت ابان بن سعید نے آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا گویا وہ کوئی منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب چمک پھیل گئی۔ اور وہ انگلی اٹھا کر آسمان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پکار اٹھے:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ هٰذَا مَا وَعَدَ

الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ۔''

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں۔ یہ وہ ہے جس کا رحمان نے وعدہ کیا ہے اور رسولوں نے تصدیق کی ہے۔

جان دے دو وعدۂ توحید پر نقد اپنا دام ہو ہی جائے گا

(از:۔امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی)(سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب، ج۱،ص ۳۲۸)

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ایک جنگ کے موقع پر یہودیوں نے مسلمانوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو دروازے بند کر دیے اور مرد وزن چھت پر چڑھ گئے اور مسلمانوں پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے لگے، حضرت اسید بن حضیر نے ان کی اس حرکت پر غضبناک ہو کر فرمایا:

یَا اَعْدَاءَ اللّٰہِ لَا نَبْرَحُ عَنْ حُصُوْنِکُمْ حَتّٰی تَمُوْتُوْا جُوْعًا۔

کہ اے اللہ کے دشمنو! ہم تمہارے قلعوں کا ایسا محاصرہ کریں گے کہ تم بھوکے مرجاؤ گے۔

انہوں نے اپنی دیرینہ دوستی کا واسطہ دیا، آپ نے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان سب تعلقات منقطع ہو گئے ہیں، حضور نے رات وہاں بسر کی، صبح ہوتے ہی ان کے اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور مختلف مقامات پر تیر انداز بٹھادیے، یہود بھی پتھر اور تیر برساتے رہے، مسلمان بھی ان کا مؤثر جواب دیتے رہے، جب ان کی شرارت شدت اختیار کرنے لگی تو حضور کے ارشاد سے مسلمانوں نے انہیں باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا، انہوں نے پتھر برسانے بند کر دیے اور گفتگو کرنے کی اجازت طلب کی جو انہیں بخشی گئی۔ (ضیاء القرآن ج۴،ص ۳۹)

فتنے جو اٹھے مٹا ڈالے روش نے آپ کی کیوں نہ ہو دشمن بھی قائل خوبیٔ رفتار کا

یارسول اللہ! عزت ووقار تو آپ ہی کو زیب ہے

غزوۂ بنی المصطلق میں عبد اللہ بن ابی کا غصہ حرکت میں آیا تو اس نے اپنے ارد گرد

موجود اہل مدینہ سے کہا: ''تم نے ان (مسلمان) کو اپنے علاقہ میں ٹھہرایا ہے اور اپنے مال تک ان میں تقسیم کر دیے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر تم ان کو یہ امداد دینا روک دو جو تمہارے ہاتھوں میں ہے تو وہ کسی اور علاقہ میں جا کر ہی رہیں۔ اللہ کی قسم! اگر ہم (جنگ سے بخیریت) واپس لوٹ آئے تو ہم میں سے عزت والا ذلیل کو یہاں سے نکال دے گا۔''

جلیل القدر صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ بلکہ زہرناک اور سگ گزیدہ منافقت کا اظہار سنا تو ان کا حق تھا کہ آپ اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے۔

جب خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ بڑے ملول ہوئے، اسی دوران حضرت اسید سے آپ کی ملاقات ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا: کیا تمہارے پاس وہ بات پہنچی ہے جو تمہارے ساتھی نے کہی ہے۔؟

حضرت اسید نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا ساتھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نے فرمایا: عبداللہ بن ابی!

حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: اس نے کیا کہا ہے۔؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے یہ دھمکی دی ہے کہ اگر وہ واپس مدینہ آیا تو عزت مند یہاں سے ذلیل کو نکال دے گا۔

حضرت اسید نے کہا: ''اللہ کی قسم! یا رسول اللہ یہ کام آپ کریں گے۔ ان شاء اللہ آپ اس کو یہاں سے نکالیں گے، واللہ! وہ ذلیل اور آپ عزت مند ہیں۔'' (نقوش صحابہ، ص ۷۷)

حضرت اسما بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا عشق رسول

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہ جبہ مبارک حضرت اسماء کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے اسے سر آنکھوں پر رکھا اور جب تک زندہ رہیں اسے اپنی جان کے ساتھ رکھا۔ اگر کبھی گھر میں کوئی علیل ہو جاتا تو اس جبہ مبارک کو دھو کر اس کا پانی مریض کو پلا دیتی تھیں، اس کی برکت سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی، خود حضرت اسماء کو کبھی دردِ سر ہوتا تو اپنے

سر کو ہاتھ میں پکڑ کر کہتیں۔ "الٰہی اگر چہ میں بہت خطا کار ہوں لیکن تیری رحمت اور فضل بے پایاں ہے۔" اللہ تعالیٰ انہیں آرام دے دیتا۔ (تذکار صحابیات،۱۶۴)

وفا شعار بیٹی

ہجرت کے موقع سے ابو جہل، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا، اسماء بنت ابو بکر باہر نکلی۔ ابو جہل نے پوچھا لڑکی! تیرا باپ ابو بکر کدھر ہے؟ وہ بولی بخدا مجھے معلوم نہیں۔ بدزبان و درشت خو، ابو جہل نے ایسا تماچہ کھینچ مارا کہ اسماء کے کان کی بالی نیچے گر گئی۔ (طبری)

یہاں ہجرت کے متعلق ایک چھوٹی سی بات قابل ذکر ہے: اسماء بنت ابو بکر صدیق کہتی ہیں کہ میرے والد جاتے ہوئے گھر سے نقد روپیہ سب اٹھا لے گئے، یہ پانچ یا چھ ہزار روپے تھے، والد کے چلے جانے کے بعد میرے دادا ابو قحافہ نے کہا بیٹی! میں سمجھتا ہوں کہ ابو بکر نے تم کو دوہری تکلیف میں ڈال دیا ہے، وہ خود بھی چلا گیا اور نقد و مال بھی ساتھ لے گیا۔

اسماء بولی نہیں، دادا جان! وہ ہمارے لیے کافی روپیہ چھوڑ گئے ہیں۔

اسماء نے ایک پتھر لیا، اس پر کپڑا لپیٹا اور جس گڑھے میں روپیہ ہوا کرتا تھا، وہاں رکھ دیا اور پھر دادا کا ہاتھ پکڑ کر لے گئی، ابو قحافہ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، کہا دادا جان ہاتھ لگا کر دیکھو کہ مال موجود ہے، بوڑھے نے اسے ٹٹولا اور پھر کہا۔ خیر جب تمہارے پاس سرمایہ کافی ہے، تو اب ابو بکر کے جانے کا چنداں غم نہیں، یہ ابو بکر نے اچھا کیا، اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے لیے کافی انتظام کر گیا ہے۔ اسماء کہتی ہیں کہ یہ تدبیر میں نے بوڑھے دادا صاحب کے اطمینان قلب کے لیے کی تھی، ورنہ والد بزرگ تو سب کچھ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔ (رحمۃ اللعالمین، ج ا، ص ۸۱، ابن ہشام، ج ا، ص ۷۳)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عشق رسول

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں اور

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ابھی کلمہ نہیں پڑھا تھا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں تھیں، جس وقت صلح حدیبیہ کی مدت پوری ہو رہی تھی تو ابوسفیان مدینہ شریف میں سیاسی دورے پر گئے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدت بڑھوانا چاہتے تھے، چونکہ انہیں پتا چل گیا تھا کہ مسلمان پوری تیاری میں مکہ شریف پر حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں اور فیصلہ کر چکے ہیں، اب ادھر کفار کی کمر ٹوٹ چکی تھی، وہ سمجھتے تھے جتنے دن صلح چلتی رہے چلے۔ وہ آئے تاکہ کچھ مدت بڑھائی جائے مگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدت بڑھانے سے انکار کر دیا کہ پہلے جو معاہدہ تھا وہاں تک رہے گا، آگے نہیں چلے گا، ابوسفیان نے کہا میں آیا ہوں تو میری بیٹی یہاں ہے اسے ملتا جاؤں، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ابوسفیان گئے، تو وہاں حجرۂ مبارک میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر لگا ہوا تھا۔

فَلَمَّا ذَهَبَ لِيَجْلِسَ عَلٰى فِرَاشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

جب وہ چلے: کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھیں۔

اب باپ اپنی بیٹی کے گھر میں جائے تو بستر لگا ہوا اس کو کوئی جھجک نہیں کہ وہ بستر پہ بیٹھ جائے، ابوسفیان آگے بڑھے کہ بستر پہ بیٹھوں، طوتہ دونہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر لپیٹ دیا، ابوسفیان حیران رہ گئے، کتنے سالوں کے بعد بیٹی کے ساتھ ملاقات ہوئی اور میں بیٹھنے لگا ہوں تو بیٹی نے بستر ہی اٹھا دیا ہے، ابوسفیان کو دوہرا خیال آیا، اس نے سوچا فیصلہ کروانا چاہیے کہ میری بیٹی نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ کہنے لگے:

یابنیة ارغت هذا الفراش عني۔

اے میری بیٹی! اس بستر کو تم نے میرے بیٹھنے کے قابل نہیں سمجھا یا مجھے اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں سمجھا۔

دونوں پہلو ہو سکتے ہیں، تم سمجھتی ہو کہ میرا باپ قریش کا سردار ہے اور یہ بستر اتنا اچھا نہیں کہ اباجی کو اس پر بٹھاؤں، اس لیے تم نے کنارے کر دیا ہے یا اس لیے ہٹایا کہ یہ بستر بڑا عالی شان ہے اور میں اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔ جس وقت ابوسفیان نے پوچھا تو

حضرت ام حبیبہ کا جواب کتنا عجیب تھا:

قَالَتْ بَلْ هُوَفِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

کہنے لگیں یہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر ہے۔

یہ بات نہیں کہ یہ بستر تمہارے شایان شان نہیں بلکہ اس بستر کے تم مستحق نہیں ہو، تم اس پر نہیں بیٹھ سکتے تمہارا یہ مقام نہیں کہ تم اس بستر پر بیٹھو، مطلب یہ تھا کہ اس پر وہ بیٹھتے ہیں جو اللہ کے عرش پر بھی جا کر بیٹھتے ہیں۔

بَلْ هُوَفِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

یہ اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر ہے۔

وَاَنْتَ اِمْرَءٌ نَجَسٌ۔ اور تم پلید بندے ہو۔ (صفۃ الصفوۃ، ۲۰/۴۶۔ ازواج النبی، ص ۱۶۴)

اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ (سورہ توبہ: ۲۸)

بیشک مشرک پلید ہیں تم سراسر پلید ہو۔ (کنزالایمان)

کون بیٹی اپنے باپ کو یوں کہہ سکتی ہے، یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے دل میں بول رہا تھا، فرمایا میرے باپ! تم باپ تو ہو مگر تم مشرک ہو، پلید ہو اور میں کسی مشرک کو اپنے پاک محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاک بستر پر نہیں بیٹھنے دوں گی۔

قیامت تک کے لیے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں، آج جو کہتے پھرتے ہیں کہ ان میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں، ان کے لیے باقاعدہ یہ سبق رکھا کہ باپ میرا ہے اور معاملہ صرف بستر پر بیٹھنے کا ہے، آگے تو کوئی بات نہیں ہے مگر میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ جس بستر پر میرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھیں، اس بستر کو عام بستروں جیسا سمجھا جائے نہیں بلکہ اس بستر کی بھی کوئی مثال نہیں ہے، اگر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کو بیٹھنے بھی نہیں دیا اور منہ پر ان کو پلید کہا، کافر و مشرک کہا اور بستر کی عظمت کو بیان کیا تو انہوں نے قیامت تک کے لیے اپنی بیٹیوں کو یہ پیغام دے دیا کہ جس پیغمبر کے بستر کی مثال کوئی نہ ہو، اس پیغمبر کے سر کی مثال کیسے ہو سکتی ہے۔

یہ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے دیا ہے اور یہ خواتین اسلام کے لیے آئیڈیل کردار ہے، اگر آج بھی کوئی بیٹی سمجھتی ہے کہ اس کا باپ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے اور گستاخی کرتا ہے تو اس نبیاد پر محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق کو نبھاتے ہوئے اس کو یہ اعلان کرنا چاہیے کہ وہ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس بستر پر بیٹھ جائیں، رب ذوالجلال تو اس بستر کو بھی بے مثال بنا دیتا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ بھی اثر کر گیا اور بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی کلمۂ اسلام نصیب ہوا، اور وہ بھی مومن ہو گئے، اس سے پتا چلا کہ ایمان کوئی کچی لسی کا نام نہیں ہے کہ کافر باپ آجائے یا کافر ماں آجائے، اس کے ساتھ ہو جائے، نہیں نہیں! اسلام نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا ہے۔

محمد ہیں متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر جان و مال اولاد سے پیارا!

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ثابت کیا ابا جی! اگر تم عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو تو پھر عزت والے ابا جی ہو اور اگر تم میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں مانتے تو میں تجھے مشرک کہوں گی، پلید کہوں گی اور کبھی بھی اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بستر پہ نہیں بیٹھنے دوں گی۔

بڑے دربار میں پہنچایا مجھ کو میری قسمت نے
میں صدقے جاؤں کیا کہنا میرے اچھے مقدر کا

(سالنامہ اہل سنت ممبئی، ۲۰۱۲ء ص ۹۱ تا ۹۲، مضمون، ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا عشق رسول

حضرت ام سلمہ کو حدیث سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن بال گندھوا رہی تھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دینا شروع کیا، ابھی زبان مبارک سے **ایھا الناس** ہی نکلا تھا کہ مشاطہ کو حکم دیا کہ ”بال باندھ دو۔“ اس نے کہا۔ ”اتنی بھی کیا جلدی

ہے۔ ابھی تو حضور نے ایھا الناس ہی فرمایا ہے۔'' حضرت ام سلمہ اٹھ کھڑی ہوئیں اپنے بال خود باندھے اور برہمی سے بولیں۔ ''کیا ہم آدمیوں میں شامل نہیں ہیں'' اس کے بعد بڑے انہماک سے پورا خطبہ سنا۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت عقیدت تھی، حضور کے موئے مبارک تبرکاً چاندی کی ایک ڈبیہ میں محفوظ رکھے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ صحابہ میں سے کسی کو تکلیف پہنچتی تو وہ ایک پیالہ پانی سے بھر کر ان کے پاس لاتے وہ موئے مبارک نکال کر اس پانی میں حرکت دے دیتیں۔ اس کی برکت سے تکلیف دور ہو جاتی۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ام سلمہ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں۔

حضور ان کی بات سن کر منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ (الاحزاب :۳۵)

علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ ۱۱ھ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے تو حضرت ام سلمہ حضور کی خبر گیری کے لیے اکثر حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں جاتی تھیں، ایک دن حضور کو بہت علیل دیکھا تو ان کی چیخ نکل گئی۔ حضور نے منع فرمایا کہ مصیبت میں چیخنا مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں۔

ایک مرتبہ ایک ہار پہن لیا، جس میں کچھ سونا بھی شامل تھا۔ حضور نے اس کو ناپسند فرمایا تو اس کو اتار ڈالا (یا توڑ دیا۔)

مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ ۶۱ھ میں جس دن امام حسین نے اپنے عظیم المرتبت رفقاء کے ساتھ دشت کربلا میں جام شہادت نوش کیا۔ حضرت ام سلمہ نے خواب میں دیکھا کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے اور بہت غم زدہ ہیں۔

حضرت ام سلمہ نے پوچھا ''یارسول اللہ کیا حال ہے۔''

فرمایا: ''حسین کے مقتل سے آ رہا ہوں۔''

حضرت ام سلمہ کی آنکھ کھل گئی، بے اختیار رونے لگیں اور بلند آواز سے فرمایا:
''عراقیوں نے حسین کو قتل کیا۔ خدا انہیں قتل کرے، انہوں نے حسین سے دغا کی، خدا ان پر لعنت کرے۔''
(تذکار صحابیات، ۶۴)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا عشق رسول

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کے یہاں تشریف لے جاتے تھے اور دوپہر کو آرام فرمایا کرتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما کر اٹھتے تو محب صادقہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکی پسینے اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کر کے رکھ لیا کرتی تھیں اور اس کو جان و دل سے عزیز رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم کے گھر آرام فرما رہے تھے، جب بیدار ہوئے تو دیکھا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا جبینِ مبارک سے پسینہ پونچھ رہی ہیں، فرمایا: ام سلیم (رضی اللہ عنہا) یہ کیا کر رہی ہو، بولیں برکت حاصل کر رہی ہوں۔ ایک دن رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاس محسوس ہوئی فرمایا ام سلیم (رضی اللہ عنہا) پانی لاؤ، سامنے مشکیزہ لٹک رہا تھا وہ اس میں سے پانی انڈیلنے لگیں تو ارشاد فرمایا: اسے ہی لے آؤ، وہ مشکیزہ لے آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا دہانہ اپنے منہ مبارک سے لگایا اور پانی پیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار رکھ لیا، ایک دن اپنے گھر پر تشریف رکھتی تھیں کہ اسی اثنا میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہا رسول اللہ علیہ وسلم بھوکے ہیں کھانا بھیج دو۔ سنا تو تڑپ اٹھی سب کام کاج چھوڑ کر اپنے محبوب آقا و مولی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کرنے لگیں، جب کھانا تیار ہو گیا تو آپ نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر اپنے بیٹے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دی کہ بارگاہ نبوت میں پیش کر دو، اس وقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں وہاں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا

تو ارشاد فرمایا تم کو ابو طلحہ (رضی اللہ عنہ) نے بھیجا ہے؟

جی ہاں!

فرمایا: کھانے کے لیے؟

عرض کی: جی!

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بمع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے بڑی محبت سے اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور ساری روٹیاں اور سالن لا کر سامنے رکھ دیا۔

ام سلیم رضی اللہ عنہا کا پورا گھر رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گرفتار تھا اور اس کا ثبوت پورے گھر والوں کی قربانی سے ملتا ہے۔ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا خیال رکھتی تھیں، اس کا اندازہ مذکورہ واقعات سے آپ نے لگا لیا ہوگا۔ کاش! ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا خیال اور ان کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھتے۔

(خواتین کا عشق رسول، مولانا محمد شاکر علی نوری، ص ۱۱، ۱۲)

حضرت اُم عُمّارہ رضی اللہ عنہا کا عشق رسول

علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ غزوۂ اُحد ۳ھ میں حضرت عبد اللہ بن زید اپنی والدہ حضرت اُم عُمارہ اور بھائی حضرت حبیب بن زید کے ساتھ شریک ہوئے اور نہایت بہادری سے لڑے۔ ان کی والدہ نے تو اس لڑائی میں ایسی عدیم المثال شجاعت اور استقامت کا مظاہرہ کیا کہ خاتون اُحد کے لقب سے مشہور ہوگئیں۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے مسلمان انتشار کا شکار ہو گئے تو اس وقت حضور کے قریب گنتی کے چند سرفروش باقی رہ گئے۔ اس سے پہلے حضرت اُم عُمارہ دوسری خواتین کے ساتھ مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر مجاہدین کو پلا رہی تھیں اور زخمیوں کی خبر گیری کر رہی تھیں، جب انہوں نے حضور کو خطرے میں دیکھا تو مشکیزہ پھینک کر تلوار اور ڈھال سنبھال لی اور حضور کے قریب پہنچ کر کفار کے سامنے سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار بار بار یورش کر کے حضور کی طرف بڑھتے اور حضرت اُم عمارہ انہیں دوسرے

سرفروشوں کے ساتھ مل کر تیر اور تلوار سے روکتیں اتنے میں ایک مشرک نے تاک کر ان کے سر پر اپنی تلوار کا وار کیا۔ انہوں نے اسے اپنی ڈھال پر روکا اور پھر اس کے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ گھوڑا اور سوار دونوں زمین پر آرہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ماجرا دیکھ رہے تھے، آپ نے حضرت عبداللہ کو پکار کر فرمایا:

''عبداللہ اپنی ماں کی مدد کر۔''

وہ فوراً ادھر لپکے اور تلوار کے ایک ہی وار سے حملہ کرنے والے مشرک کو جہنم واصل کر دیا۔ عین اس وقت ایک دوسرا مشرک تیزی سے ادھر آیا اور حضرت عبداللہ کا بایاں بازو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ حضرت اُم عُمارہ نے اپنے ہاتھ سے حضرت عبداللہ کا زخم باندھا اور پھر فرمایا:

بیٹے جاؤ جب تک دم میں دم ہے لڑو۔

حضور نے ان کا جذبۂ فدویت دیکھ کر فرمایا ''اے اُمِ عُمارہ جتنا حوصلہ تجھ میں ہے اور کسی میں کہاں ہوگا۔''

اسی اثنا میں وہی مشرک جس نے حضرت عبداللہ کو زخمی کیا تھا۔ پلٹ کر پھر حملہ آور ہوا۔ حضور نے حضرت اُم عمارہ سے فرمایا: ''ام عمارہ سنبھلنا، یہ وہی بد بخت ہے جس نے عبداللہ کو زخمی کیا تھا۔'' حضرت اُم عُمارہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹیں اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر متبسم ہو گئے اور فرمایا:

''ام عمارہ تو نے اپنے بیٹے کا خوب بدلا لیا۔''

غرض حضرت اُم عُمارہ اخیر تک اسی طرح سر ہتھیلی پر رکھ کر لڑتی رہیں یہاں تک کہ سخت زخمی ہو گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے جسم پر بارہ زخم لگے۔ لڑائی کے بعد حضور نے خود ان کی مرہم پٹی کروائی اور کئی بہادر صحابہ کا نام لے کر فرمایا:

''واللہ آج اُم عُمارہ نے ان سب سے بڑھ کر بہادری دکھائی۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور فرمایا کرتے تھے کہ اُحد کے دن میں دائیں بائیں جس طرف نظر ڈالتا تھا اُم عُمارہ ہی ام عمارہ لڑتی نظر آتی تھیں۔

(سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ۵۴۶)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا عشق رسول

حضرت ام ایمن کو حضور کی رحلت سے سخت صدمہ پہنچا۔ فرط الم سے نڈھال ہو گئیں ان کا رونا تھمتا ہی نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''رسول اکرم کے لیے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے۔'' حضرت ام ایمن نے جواب دیا۔ ''یہ تو مجھے معلوم ہے۔ روتی میں اس لیے ہوں کہ اب وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔'' یہ سن کر حضرت صدیق اور حضرت فاروق پر رقت طاری ہو گئی اور دونوں رونے لگے۔

یہ روایت صحیح مسلم کی ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ لوگوں نے حضرت ام ایمن کو سمجھایا تو کہنے لگیں۔ ''یہ تو میں جانتی تھی کہ رسول اللہ سے مفارقت ہو گی۔ لیکن رونا مجھے اس بات پر آتا ہے اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔'' (صحیح مسلم، ج ۲، کتاب الفضائل، باب فضائل ام ایمن رضی اللہ عنہا)

حضرت ام ایمن نے نہ صرف حضور کو گودوں کھلایا تھا اور آپ کی پرورش کی تھی بلکہ آپ کے والد، والدہ، دادا اور دوسرے بزرگوں کی آنکھیں بھی دیکھی تھیں، اس لیے حضور ان کی بے حد تعظیم فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ ''میری والدہ کے بعد ام ایمن میری ماں ہیں۔'' چنانچہ حضور انہیں ''امی'' کہہ کر خطاب فرمایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے۔ ''ھذا بقیۃ اھل بیتی'' حضرت ام ایمن کو بھی حضور پر بڑا ناز تھا۔ ایک دفعہ آپ کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کی خدمت میں شربت پیش کیا۔ حضور نے اس کے پینے میں (کسی وجہ سے) عذر کیا (غالباً آپ روزہ سے تھے جس کا اظہار نہ فرمایا) اس پر ام ایمن نے خفگی کا اظہار کیا۔ تاہم حضور نے ان کی باتوں کا مطلق برا نہ مانا۔ حضور کے پاس انصار کے دیے ہوئے بہت سے نخلستان تھے۔ جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر غلبہ حاصل ہوا تو حضور نے انصار کو ان کے نخلستان واپس کرنا شروع کیے ان میں سے کچھ نخلستان حضرت انس بن مالک کے بھی تھے۔ جو حضور نے ام ایمن کو عطا کر دیے تھے۔ جب حضور نے یہ نخلستان

حضرت انس کو واپس لوٹائے اور وہ ان کا قبضہ لینے گئے تو حضرت ام ایمن ان کے واپس دینے میں متردد ہوئیں۔ حضور کو اطلاع ملی تو آپ نے ان باغات سے دس گنا زیادہ عطا فرما کر ام ایمن کو راضی کر دیا۔ (تذکار صحابیات، ص ۱۳۴)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا جذبۂ محبت

ایک مرتبہ سرکار نے اپنی خادمہ حضرت ام ایمن سے فرمایا پیالے میں پیشاب ہے اسے پھینک آؤ، وہ پیالے کو وہاں سے اٹھالے گئیں اور پھینکنے کے بجائے پیشاب کو پی لیا، واپس آنے پر فرمایا پیشاب کیا ہوا؟ عرض کیا پیاس لگی تھی اس لیے پی لیا، آپ نے یہ نہ فرمایا کہ ہمارا پیشاب ناپاک ہوتا ہے، ناپاک چیز کو کیوں پیا، جاؤ منہ کو پاک کرو، آئندہ خبردار ایسا نہ کرنا، بلکہ مسکرائے اور فرمایا کہ:

"اَمَا وَاللّٰهِ لَا یَسْجَعُنَكِ بَطْنُكِ اَبَدًا" قسم خدا کی تیرے پیٹ میں کبھی درد نہ ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تا زیست انہیں پیٹ کے درد کی شکایت نہ ہوئی۔

(عقائد اہل سنت، ص ۲۴۲، سیرت حلبیہ ج ۲، ص ۵۱۵)

حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا کا عشق رسول

ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں:

كانت لا تذكره الاقالت بابي سمعته يقول۔

وہ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتی تھیں تو کہتی تھیں، میرا باپ آپ پہ قربان ہو میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا۔ (صحیح بخاری کتاب الحیض، باب شھود الحائض العیدین)

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ سرکار پیالے میں کدو تلاش کر رہے

ہیں، اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر کدو تناول فرما رہے ہیں، سمجھ گئے کہ آقا کو کدو غایت درجہ مرغوب ہے اسی دن سے وہ بھی کدو کو پسند فرمانے لگے اور ان کے لیے کدو جیسی محبوب و مرغوب غذا کوئی نہ رہی۔ (عقائد اہل سنت، ص ۱۹۶، شفا شریف)

نجاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کی والدہ مشہور صحابیہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں، دس سال تک خدمت اقدس میں حاضر رہے، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس دس سال کے تھے، ان کی والدہ نے خدمت میں لا کر پیش کر دیا، پھر وصال کے بعد ہی ساتھ چھوڑ دیا، غزوۂ بدر جیسے خطرناک موقع پر بھی ساتھ ساتھ تھے مگر لڑنے کے لائق نہ تھے، کسی نے ان سے پوچھا، غزوۂ بدر میں شریک تھے، فرمایا میں کہاں رہتا، ساتھ ہی تھا خدمت کرتا تھا۔

کس کا منہ تکیے کہاں جایئے کس سے کہیے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوحمزہ رکھی، حمزہ ایک ساگ ہے جسے فارسی میں ترہ تیزک اور اردو میں چنسر کہتے ہیں، عربی میں اس کا دوسرا نام جرجیر ہے۔ جو انہیں مرغوب تھا یہ چن چن کر لایا کرتے، ایک دفعہ ذوالاذنین کہہ کے نوازا۔

ایک بار کنواں کھدوایا پانی کھاری تھا، خدمت اقدس میں عرض کیا، سرکار تشریف لے گئے، اس کنوئیں میں لعاب دہن ڈالا اس کنوئیں کا پانی مدینے کے تمام کنوؤں سے زیادہ میٹھا ہو گیا، ان سے بے پناہ محبت فرماتے، احادیث میں بڑے دلچسپ قصے مذکور ہیں۔

ایک دفعہ ام سلیم حاضر ہوئیں، عرض کیا یا رسول اللہ! یہ انس آپ کا خادم ہے اس کے لیے دعا فرمائیں، یہ دعا کی اے اللہ! اس کے مال، اس کی اولاد میں برکت دے، اس کی عمر دراز فرما، اسے بخش دے اس دعا کی برکت یہ ہوئی کہ فرماتے ہیں میں نے اپنی صلبی اولاد دو کم دو سو کو اپنے ہاتھ سے دفن کیا ہے، صرف ان کی اتنی بلکہ اس سے بھی زائد اولاد ہوئی جن میں دو بیٹیاں بقیہ سب بیٹے۔

ان کا باغ ہر سال دو بار پھل دیتا، ایک پھول کا درخت تھا جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔سو سال سے زائد عمر پائی خود فرماتے ہیں کہ زندگی سے اکتا گیا ہوں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آٹھ غزوات میں جنگ کی، وصال کے بعد زمانے تک جہاد کرتے رہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بصرہ آئے تاکہ یہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دیں، بصرہ کے ساکن صحابہ کرام میں سب کے بعد ان کا وصال ہوا، محمد بن سیرین نے غسل دیا ۹۳ھ میں واصل بحق ہوئے، بصرہ کے قریب اپنے محل میں جو طف میں تھا دفن ہوئے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موئے مبارک پاس تھا وصیت فرما گئے تھے کہ اسے میری زبان کے نیچے رکھدینا، ایسا ہی کیا گیا، ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں، ایک سو اڑسٹھ متفق علیہ اور تراسی افراد بخاری سے اور اکانوے افراد مسلم سے ہیں۔اس پائے کے صحابی ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ جیسے کنز الاحادیث نے بھی ان سے حدیثیں اخذ کی ہے۔ (نزہۃ القاری، ج ا، ص ۲۵۸ تا ۲۵۹)

حضور کی پسند ہی اپنی پسند ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی، میں بھی آپ کے ساتھ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شوربے والا کدو لایا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے کدو کے ٹکڑے لے لے کر کھانے لگے، کدو آپ کو پسند بھی تھا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو کدو کے ٹکڑے آپ کے سامنے پیش کرنے لگا اور خود کھانے سے گریز کیا۔ انس کہتے ہیں اس دن سے مجھے کدو سے محبت ہوگئی۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۸۰۔ کتاب الاشربہ باب جواز اکل المرق واستحباب اکل غور)

عشاق سے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک پیاری روایت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارے پاس چراغ روشن کرنے کے لیے کوئی بچہ نہیں ہے اور نہ ہی بلبلانے والا کوئی اونٹ ہے، پھر اس نے چند اشعار پڑھے:

(۱) اَتَیْنَاكَ وَلِعَذْرَاءُ یَدْ مِیْ لِبَانُهَا ۔۔۔ وَقَدْ شُغِلَتْ اُمُّ الصَّبِیِّ عَنِ الطِّفْلِ

(۱) ہم اس حال میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ جوان لڑکی کی چھاتی سے خون بہہ رہا ہے اور بچے کی ماں بچے سے غافل کر دی گئی ہے۔ (قحط سالی کا دور دورہ ہے۔)

۲۔ وَاَلْقٰی بِكَفَّیْهِ الْفَتٰی اسْتِكَانَةً ۔۔۔ مِنَ الْجُوْعِ هَوْنًا لَا یُمِرُّ وَلَا یُخْلِیْ

(۲) جوان آدمی نے بھوک کے ہاتھوں عاجز اور ذلیل ہو کر دونوں ہاتھ گرادیے ہیں۔، نہ تو وہ کہیں جاتا ہے اور نہ ہی جگہ خالی کرتا ہے۔

(۳) وَلَاشَیْءَ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسَ عِنْدَنَا ۔۔۔ سِوَی الْحَنْظَلِ الْعَامِیِّ وَالْعِلْهِزِ الْفَسْلِ

(۳) ہمارے پاس انسانوں کے کھانے کی کوئی چیز نہیں، سوائے عام سے اندرائن اور سوائے علہز کے۔ (وہ کھانا جو قحط کے دنوں میں خون اور اونٹ کی اون سے تیار کیا جاتا ہے۔)

(۴) وَلَیْسَ لَنَا اِلَّا اِلَیْكَ فِرَارُ نَا ۔۔۔ وَاَیْنَ فِرَارُ النَّاسِ اِلَّا اِلَی الرَّسُوْلِ

(۴) آپ کے پاس بھاگ کر آنے کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں اور لوگ بھاگ کر رسول کے پاس ہی جاسکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر مبارک گھسیٹتے ہوئے روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر یوں مصروف دعا ہوئے:

اے اللہ! ہمیں نفع مند، پیداوار بڑھانے والی، وسیع اور ہمہ گیر بارش عطا فرما جو نقصان دہ نہ ہو بلکہ فائدہ مند ہو، دیر کے بعد نہیں بلکہ جلد عطا فرما، جس کے ذریعے تو، تھنوں کو دودھ سے بھر دے، کھیتی کو اگا دے اور مردہ زمین کو زندگی عطا فرما دے اور اے انسانو! اسی طرح تم (قیامت کے دن) زمین سے نکالے جاؤ گے۔

راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی دست اقدس چہرۂ انور پر نہیں پھیرے تھے کہ آسمان نے چھاجوں پانی برسا دیا اور عیال دار لوگ چیختے ہوئے آئے کہ ڈوب

گئے، ڈوب گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: اے اللہ! ہمارے اوپر نہیں بلکہ ہمارے اردگرد پر برسا، پس بادل مدینہ طیبہ سے چھٹ گیا اور تاج کی طرح مدینہ منورہ کا احاطہ کرلیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں۔

(پکارو یارسول اللہ ص، ۷۷)

اللہ اور رسول کے لیے ہجرت کا خصوصی فائدہ

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں انصار میں سے ایک ایسے نوجوان کی عیادت کے لیے گیا جس کی ماں نابینا ہونے کے علاوہ بوڑھی ہوچکی تھی، میں اس کے سرہانے ہی کھڑا تھا کہ اس کا انتقال ہوگیا، میں نے کپڑے سے اس کا چہرہ ڈھانپ دیا اور اس کی نابینا ماں سے کہا خداوند تعالیٰ آپ کو اس مصیبت میں اجر دے، اُس نے پوچھا: کیا میرا بیٹا فوت ہوچکا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! انتقال کرگیا ہے، یہ سنا تو کہنے لگی: اے خدا! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے پیغمبر کی طرف ہجرت کی ہے تو تُو میری ہر سختی و آفت میں فریاد رسی کر، اور اس مصیبت کے بوجھ کو آج میرے لیے پسند نہ فرما، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ابھی باہر بھی نہیں آئے تھے کہ اس کا بیٹا اپنے چہرے سے کپڑا اٹھا کر کھانا کھانے لگا اور ہم نے بھی اس کے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ (شواہد النبوۃ ص ۳۸۹)

اشعریوں اور اہل یمن کا وفد بارگاہ نبوی میں حضرت انس کی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس ایک ایسی قوم آنے والی ہے جن کے دل تم سب سے زیادہ رقیق اور نرم ہیں۔ حضور کے ارشاد کے کچھ دیر بعد اشعریوں کا وفد مدینہ طیبہ میں وارد ہوا، اس وقت وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا۔

غدا نلقى الاحبة محمد و حزبه.

کل ہم پیارے دوستوں سے ملاقات کریں گے یعنی محمد عربی سے اور آپ کے صحابہ سے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

جَاءَ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً وَّاَضْعَفُ قُلُوْبًا وَالْاِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ وَالسَّكِيْنَةُ فِيْ اَهْلِ الْغَنَمِ۔وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي الْفَدَادِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْوَبَرِ قِبَلَ مَطْلَعِ الشَّمْسِ۔

''اہل یمن آ گئے ہیں، ان کے دل بڑے نرم اور رقیق ہیں، ایمان بھی یمنیوں کا ہے اور حکمت ودانائی بھی یمنیوں کا حصہ ہے، تسکین وطمانیت بکریاں پالنے والوں کا شیوہ ہے۔اور اونٹوں کے مالکان میں فخر اور غرور زیادہ ہوتا ہے اور ان کا مسکن مشرق کی طرف ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے چند افراد احاضر ہوئے، حضور انور علیہ السلام نے انہیں فرمایا، اے بنی تمیم! تمہیں بشارت ہو، انہوں نے کہا، آپ نے ہمیں بشارت دی ہے تو ہمیں مال ودولت سے بھی کچھ دیجیے۔ان کی اس مادیت گزیدہ ذہنیت کے باعث حضور کے رُخ انور کی رنگت تبدیل ہوگئی، کچھ دیر بعد اہل یمن کا ایک وفد آیا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بنوتمیم کو بشارت دی لیکن انہوں نے اس بشارت کو قبول نہیں کیا، میں اب تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم اس کو قبول کرو، انہوں نے عرض کی، ہم بصد شوق حضور کی دی ہوئی بشارت کو قبول کرتے ہیں، پھر عرض کیا، یارسول اللہ! ہم دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، ہمیں بتائیے کہ اس کائنات کی تخلیق کی ابتدا کیسے ہوئی؟ فرمایا کہ پہلے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہی تھی، اس کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہ تھی، اس کا عرش پانی کے اوپر تھا، اس نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں تحریر کردیا ہے۔

یہ شرف قبولیت انہیں کیوں ارزانی فرمایا گیا؟ اس کے بارے میں شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں کہ

''حضور کے اولین جان نثار مدینہ طیبہ کے دو قبیلے اوس وخزرج تھے، جن کا اصل وطن یمن تھا، حضور کو ان کے اس اسلامی جذبہ کے باعث ان سے قلبی محبت تھی کیونکہ ان کا آبائی وطن یمن تھا، اس لیے حضور کے قلب مبارک یمن کے خطہ اور اس میں بسنے والے وہاں کے تمام باشندوں کے لے بڑی محبت کے جذبات موجزن تھے۔''

(ضیاء النبی ج ۴، ص ۶۹۸ تا ۷۰۰۔زاد المعاد، ج ۳ ص ۶۱۸ ''خاتم النبیین''، ج ۲، ص ۱۱۵)

اسلام میں رنگ و نسل کا کوئی امتیاز نہیں

امام بیہقی نے حضرت جابر، حضرت انس، عروہ اور موسیٰ بن عقبہ سے مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے اہل خیبر میں سے کسی یہودی کا ایک سیاہ فام غلام تھا جو اس کا ریوڑ چرایا کرتا تھا، جب اس نے دیکھا کہ اس کے مالک کے قبیلہ والوں نے ہتھیار سجا لیے ہیں اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے ہیں تو اس نے ان سے پوچھا، تمہارا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے اسے بتایا کہ ہم اس شخص سے لڑنا چاہتے ہیں جو خیال کرتا ہے کہ وہ نبی ہے، ان یہودیوں کی زبان سے اس حبشی غلام نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر سنا، اس نے اپنا ریوڑ لیا اور اسے چرانے کے لیے باہر لے گیا، مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے، ابن عقبہ کہتے ہیں کہ وہ خود اپنی بھیڑوں کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے گفتگو فرمائی، اس آدمی نے پوچھا، آپ کیا کہتے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور نے فرمایا، میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کی عبادت نہ کرنا، اس غلام نے پوچھا، اگر میں یہ شہادت دے دوں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ رحمت عالم نے فرمایا، اگر تو ایمان لے آئے تو تجھے جنت ملے گی، وہ غلام مسلمان ہو گیا اور عرض کی:

اے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول! میں ایسا شخص ہوں جس کی رنگت کالی ہے، جس کا چہرہ بدصورت ہے، جس سے بدبو اٹھ رہی ہے، میرے پاس کوئی مال بھی نہیں، اگر میں ان یہودیوں کے ساتھ جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ حضور نے فرمایا بے شک۔ اس نے پھر عرض کی، اے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول! یہ بکریاں میرے پاس ان کے مالکوں کی امانت ہیں، میں ان کا کیا کروں؟ حضور نے فرمایا کہ ان کو لشکر سے نکال کر لے جاؤ اور انہیں کنکریاں مار کر ان کے مالک کی طرف بھگا دو، اللہ تعالیٰ تیری امانت تیری طرف سے ادا فرمائے گا، اس نے ایسا ہی کیا، حضور اس کی دیانت داری

کے بارے میں سن کر متعجب ہوئے، وہ بکریاں اکٹھی ہو کر بڑی تیزی سے اپنے مالکوں کی طرف چل پڑیں، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چرواہا انہیں ہانک کر لے جا رہا ہے، چنانچہ ہر بکری اپنے اپنے مالک کے پاس پہنچ گئی، پھر وہ حبشی غلام میدان جنگ کی طرف گیا اور یہودیوں سے لڑنا شروع کیا، اسے ایک تیر لگا جس سے وہ شہید ہو گیا مسلمان ہونے کے بعد اسے ایک سجدہ کرنے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی، مسلمان اسے اٹھا کر اپنے لشکر کی طرف لے گئے، رحمت عالم نے فرمایا، اسے میرے خیمہ میں لے جاؤ۔

چنانچہ اسے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خیمہ میں داخل کر دیا گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو خیمہ میں اس کے پاس گئے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ حَسَّنَ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَطَيَّبَ رِيْحَكَ وَكَثَّرَ مَالَكَ۔

اے حبشی غلام! تیرے چہرے کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت بنا دیا ہے، تیری بدبو کو خوشبو سے بدل دیا ہے اور تیرے مال کو بہت بڑھا دیا ہے۔

حضور نے فرمایا، میں نے دو حوروں کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر لگی گرد و غبار کو جھاڑ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں، اللہ تعالیٰ اُس شخص کے چہرے کو خاک آلود کرے جس نے تیرے چہرے کو غبار آلود کیا ہے اس شخص کو ہلاک کرے جس نے تجھے شہید کیا ہے۔

(ابن کثیر، "السیر النبویہ"، ج ۳، ص ۳۶۱، "امتاع الاسماع"، ج ۱، ص ۲۳۹)

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

آپ کے بعد زندگی بے سود ہے

حضرت انس بن نضر کو بدر میں شریک نہ ہونے کا از حد ملال تھا، ہمیشہ کہتے افسوس! کہ میں کفر و اسلام کے پہلے معرکہ میں شرکت سے محروم رہا، اب اگر خدا نے موقع دیا تو دنیا دیکھے گی کہ شمع جمال مصطفیٰ علیہ اطیب التحیہ والثنا کے پروانے جاں سپاری کا کیسا منظر پیش کرتے ہیں، چنانچہ جنگ اُحد میں شامل ہوئے، لشکر اسلام میں جب کھلبلی مچی اور یہ افواہ پھیل گئی کہ

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو بعض مسلمان دل شکستہ ہو کر بیٹھ رہے، یہ پاس سے گزرے پوچھا، یوں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا حضور شہید ہو گئے، آپ نے انہیں للکارا کہ رسول پاک کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے، آؤ اس بات پر ہم بھی جان دے دیں جس پر حضور نے جان دیدی ہے، پھر تلوار بے نیام کی اور دشمن پر ٹوٹ پڑے، کفار پر پے در پے وار کرتے جا رہے تھے اور زبان سے یہ کہتے جا رہے تھے:

یا سعد ھا وریح الجنة ورب النضر وانی لاجد ریحاھا دون احد۔

اے سعد! نضر کے رب کی قسم! مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے اور مجھے یہ خوشبو کوہ احد کے پیچھے سے آ رہی ہے۔

یہاں تک کہ شہید ہو گئے، جب ان کے زخم گنے گئے تو اسّی سے زیادہ تھے اور کوئی عضو بھی سلامت نہ بچا تھا کہ ان کی پہچان ہو سکے، ان کی ہمشیرہ نے ان کی انگلیوں کے پورے دیکھ کر انہیں پہچانا۔

یہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں جو اس آیت کریمہ کا مظہر اتم ہیں: ارشاد ہے:

وَمَا بَدَّلُوْ تَبْدِيْلًا لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ۔

اور وہ ذرا نہ بدلے تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا صلہ دے۔'' (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ کے ضمن میں حضرت پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں: اور جو لوگ میدان جہاد سے سلامت واپس آئے انہیں اپنے صحیح و سلامت واپس آنے پر خوشی نہیں ہے، بلکہ وہ شہادت سے محرومی کے باعث بڑے غمزدہ اور دل گرفتہ ہیں اور وہ اس سہانی گھڑی کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں جب وہ خونِ شہادت سے سرخرو ہو کر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گے۔

ماجرا دیکھ کے ہوگا یہ کسی کو سکتہ ایک تعجب سے وہ انگشت بدنداں ہوگا

انہی جانثاری کی بے لوث اور بے دریغ قربانیوں کے باعث اسلام کو یہ عزت و شوکت نصیب ہوئی، انہوں نے اپنے خونِ ناب سے آبیاری کر کے شجر اسلام کو سدابہار

بنایا، انہی کی کوششوں کی برکت سے آج ہمیں ایمان کی نعمت نصیب ہے، لیکن امت میں ایک ایسا بدقسمت فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو خود تو اسلام کے لیے کچھ کر نہیں سکتے، الٹا اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اسلام کے لیے باعثِ ننگ و عار ہیں، ہر قدم خلافِ شریعت اٹھاتے ہیں، سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تارک ہیں، شکل، عمل، سیرت اور کردار سے اسلام کا منہ چڑا رہے ہیں، لیکن ان وفا شعار غلامانِ مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثنا اور دین کے جوانمرد سپاہیوں پر زبانِ طعن دراز کرنا کمالِ ایمان خیال کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ان اولوالعزم ہستیوں کو جتنا بُرا کہیں گے اتنا ہی ان کے گناہ جھڑیں گے اور ان کے رتبے بلند ہوں گے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

مئے بدعت سے ہے سرشار ایسا
کہ سب کچھ اس کو بدعت سوجھتا ہے

زبانِ قدرت تو ان کی تعریف میں رطب اللسان ہے، قرآن کے صفحات تو ان کی پاک باطنی کی شہادت دے رہے ہیں، فرشتے ان کی شجاعت، بسالت، سخاوت اور عدالت کی قسمیں کھا رہے ہیں، حوریانِ فردوس ان کی راہ میں اپنی آنکھیں بچھانے کے لیے بیتاب ہیں۔ اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا بے عمل انسان ان پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آتا۔ (ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۳۶ تا ۳۷)

یہی اندھیرا اگر اور بھی کچھ روز رہا
تو مسلماں کا نشاں بھی نہ نمایاں ہوگا

حضرت ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ایام تبلیغ وارشاد میں ابوالحشیر انس بن رافع مکہ آیا، اس کے ساتھ بنی عبدالاشہل کے بھی چند نوجوان تھے جن میں ایاس بن معاذ بھی تھا، یہ لوگ قریش کے ساتھ اپنی قوم خزرج کی طرف سے معاہدہ کرنے آئے تھے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور فرمایا۔

”میرے پاس ایسی چیز ہے، جس میں تم سب کی بہبود ہے، کیا تمہیں کچھ رغبت

ہے؟'' وہ بولے۔ایسی کیا چیز ہے؟'' فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں، مخلوق کی طرف مبعوث ہوں، بندگانِ خدا کو دعوت دیتا ہوں کہ خدا ہی کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں، مجھ پر خدا نے کتاب نازل کی ہے۔'' پھر ان کے سامنے اسلام کے اصول بیان فرمائے اور قرآن مجید بھی پڑھ کر سنایا۔ایاس بن معاذ جو ابھی نوجوان تھا سنتے ہی بولا۔اے قوم میری بخدا! یہ تمہارے لیے اس مقصد سے بہتر ہے، جس کے لیے تم یہاں آئے ہو۔

انس بن رافع نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر اٹھایا، اور ایاس کے منہ پر پھینک ماری اور کہا :بس چپ رہ! ہم اس کام کے لیے تو نہیں آئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے، یہ واقعہ جنگ بعاث سے، جو اوس وخزرج میں ہوئی، پہلے کا ہے، ایاس واپس جا کر چند روز کے بعد مر گیا، مرتے وقت اس کی زبان پر تسبیح، وتحمید وتہلیل وتکبیر جاری تھی، مرحوم کے دل میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسی وعظ سے اسلام کا بیج بویا گیا تھا، جو مرتے وقت پھل پھول لے آیا تھا۔ (رحمۃ اللعالمین، ص ۶۴، طبری، ص ۲۳۴)

حضرت اُویس قرنی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت اویس قرنی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے والہانہ عشق تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللعالمین فرمایا کرتے تھے،'' یمن کی طرف سے مجھے محبت کی نسیم آتی ہے کیونکہ وہاں میرا دوست اویس قرنی رہتا ہے۔'' آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ ستر ہزار فرشتے پیدا کرے گا جن کی اشکال خواجہ اُویس قرنی جیسی ہوں گی، اور ان کے جلوس میں خواجہ صاحب کو بہشت کی طرف لے جایا جائے گا، ساری کائنات یہ منظر دیکھے گی، مگر کوئی شخص پہچان نہ پائے گا کہ اصل خواجہ قرنی کون ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس طرح دنیا میں ان کو لوگوں سے چھپائے رکھا، اسی طرح روز قیامت کو بھی ان کو غیروں کی نگاہوں سے دور اور محفوظ رکھے گا، کیونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرے دوست میری قبا کے نیچے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو کوئی پہچان نہیں سکتا، خواجہ اُویس قرنی کو ماسوائے چند ایک صحابہ کرام کے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔

خواجہ اُویس قرنی، طلوعِ اسلام سے پہلے اس دنیا میں تشریف لا چکے تھے، خواجہ صاحب عہدِ طفولیت میں ہی والد کی شفقت سے محروم ہو گئے، اس لیے ان کو بچپن میں ہی محنت مزدوری کرنا پڑی، آپ لوگوں کے اونٹ اُجرت پر چرایا کرتے تھے اور اس اُجرت سے اپنا اور اپنی ضعیف اور نابینا والدہ کا پیٹ پالا کرتے تھے، اس کے علاوہ جو تھوڑی سی رقم بچ رہتی اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے، آپ کی زندگی کے شب و روز اسی طرح گزر رہے تھے کہ یمن تک اسلام کے نام لیوا پیدا ہو گئے، جب آپ کو اسلام اور آنحضرت کے متعلق خبر ملی تو آپ فوراً اسلام لے آئے، آپ کے اندر نورِ ہدایت کی شمع ہدایت تو خدا نے پہلے سے ہی روشن کر رکھی تھی، اعلان نبوت اور اشاعت اسلام نے اس شمع ہدایت کو جلا بخشی، آپ رسول اللہ کے دیوانے اور شیدائی بن گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اُویس قرنی کو اسلام کی دولت سے اللہ تعالیٰ نے خود روشناس کرایا ہے اور یہ خدا کے رحم و فضل کا اعجاز ہے کہ وہ میرا نادیدنی عاشقِ صادق بن گیا۔'' خواجہ اُویس قرنی کو قربِ رسول اور دیدار حبیب کا بڑا اشتیاق تھا، مگر آپ کو چشم باطنی کے اشارے سے آنحضرت نے مدینہ آنے سے روکے رکھا، اس کی دو وجوہات تھیں، ایک تو خواجہ صاحب کی والدہ ضعیف اور بصارت سے محروم تھیں، انہیں اکیلا چھوڑنا ناممکن تھا، دوسرے ان پر ہر وقت جذب طاری رہتا تھا، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواجہ صاحب کو حکم دیا کہ آپ ہر وقت میری چشم باطنی کے سامنے ہیں لہٰذا آپ مدینہ آنے کی بجائے اپنی والدہ کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہیں۔

غزوۂ احد میں کفار کے حملہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دانت شہید ہو گئے، تمام مسلمانوں کو اس بات کا بہت صدمہ ہوا مگر جس عاشق رسول نے اس صدمے کو حقیقی شکل میں محسوس کیا اس کو دنیا حضرت خواجہ اُویس قرنی کے نام سے جانتی ہے۔

خواجہ اُویس قرنی فرماتے ہیں۔ ''جب مجھے معلوم ہوا میرے آقا سردار دو عالم کے دو دانت مبارک شہید ہوئے ہیں تو مجھے یہ بالکل معلوم نہ تھا کہ آنجناب کے کون سے دندان مبارک شہید ہوئے ہیں مگر آپ کی موافقت نے مجھے بے چین کر دیا، میں نے پہلے ایک

دانت توڑا پھر مجھے خیال ہوا شاید یہ والا دانت نہ ٹوٹا ہو، پھر دوسرا توڑا، پھر تیسرا توڑا، غرضیکہ جوں جوں جنونِ موافقت شدت اختیار کرتا گیا، میں دانت توڑتا چلا گیا، حتیٰ کہ سارے دانت توڑ ڈالے۔'' اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کے اس عاشق دلگیر کی یہ ادا بڑی پسند آئی اور اس کے لیے کیلے کا درخت پیدا کیا کیونکہ ٹوٹے دانتوں کے ساتھ سوائے نرم کیلوں کے اور کوئی چیز کھانا ممکن نہ تھا۔ (قصص الاولیاء، ص ۱۵ تا ۱۶۔ بحوالہ سہیل یمنی)

حضرت اُویس قرنی کی بارگاہ نبوی میں مقبولیت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یمن میں ایک ہمارا غلام ہے وہ والدہ کی خدمت کی وجہ سے ہمارے ساتھ ملاقات نہ کر سکا تم میں سے جس کی ملاقات بھی اس کے ساتھ ہو اسے کہنا'' فلیستغفر لکم۔ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرے۔'' (المسلم باب فضائل اویس القرنی)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اویس ربیعہ و مضر کی بکریوں کے برابر میری امت کی شفاعت کرے گا، جب تم اس سے ملو تو میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ میری امت کے لیے دعا کریں۔ (کشف المحجوب، ص ۱۲۹)

جب اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے ساری زندگی اس دعا کو وظیفہ بنا لیا'' اے اللہ تمام مومن مرد اور تمام مومنہ عورتوں کو بخش دے۔'' اعلیٰ حضرت نے اسی راہ پر چلتے ہوئے سلام کے آخر میں تمام امت کے لیے دعا کی ہے، کاش ہمارا بھی یہ وظیفہ ہو جائے۔

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں — شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام
کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور — بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کی قدسی کہیں ہاں رضا — مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

امام اہل محبت نے اللہ و رسول کی بارگاہ میں اپنی دلی اور آخری خواہش کا اظہار کیا ہے کہ اس دنیا میں جس طرح مجھے اپنے رؤف و رحیم آقا کی بارگاہ میں سلام پڑھنے اور لکھنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے اسی طرح قیامت کے روز بھی آپ کا قرب نصیب ہو اور جب آپ کی

محشر میں تشریف آوری ہوتو مجھے حکم ہوا اے احمد رضا! اب تو وہ سلام پڑھ جس کا مطلع ہے۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

(شرح سلام رضا، ص ۵۶۲)

حضرت اُویس قرنی اور گناہ گاروں کی شفاعت

سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حج کے موقع پر باہر سے آنے والوں کے ایک مجمع میں گئے اور لوگوں کو کھڑے ہونے کے لیے کہا، اس کے بعد آپ نے فرمایا تمام کے تمام بیٹھ جائیں مگر کوفہ کے لوگ کھڑے رہیں، پھر آپ نے کوفہ والوں کو بھی بیٹھ جانے کی اجازت دی مگر کوفہ والوں میں سے قبیلہ مراد کے لوگ کھڑے رہے، آپ نے فرمایا: مراد والے بھی بیٹھ جائیں مگر ان میں صرف وہ کھڑے رہیں جو قرن سے آئے ہیں، سارے لوگ بیٹھ گئے مگر ایک شخص اُنیس نامی جو اُویس کے چچا تھے اور قرن سے آئے تھے کھڑے رہے، امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ اُویس کو پہچانتے ہیں؟ اُنیس نے کہا: آپ اس کے متعلق کیوں دریافت کرتے ہیں؟ اے امیر المؤمنین! وہ تو ایک غریب دیوانہ سا آدمی ہے، حضرت عمر روئے اور فرمایا: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایسے ہی لوگوں کی شفاعت سے قیامت کے روز لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ (شرح سلام رضا، ص ۵۶۸)

حضرت اُویس قرنی کی قبر قدرتی طور پر تیار تھی

ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی تو میں کوفہ میں گیا مجھے حضرت اُویس قرنی سے ملنے کے علاوہ کوئی کام نہ تھا، اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں دریائے فرات کے کنارے جا پہنچا، میں نے لوگوں سے آپ کا حلیہ دریافت کرلیا تھا، میں نے سلام عرض کیا، مجھے جواب ملا، مصافحہ کرنے کی کوشش کی لیکن آپ نے ہاتھ کھینچ لیا، میں نے کہا: اُویس! یرحمك الله، غفرلك كيف انت رحمك الله. یہ بات کہتے ہی میں زور زور

سے رونے لگا، چونکہ مجھے آپ سے بہت محبت ہوگئی تھی، میری حالت دیکھ کر حضرت اویس رونے لگے، تھوڑی دیر کے بعد ہم خاموش ہوئے تو آپ نے فرمایا:

حیاک اللّٰہیا ھرم بن حیان، میرے بھائی تمہارا کیا حال ہے؟ آپ کو میری طرف کس نے راہنمائی کی ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے، میں نے پوچھا آپ کو میرا، اور میرے باپ کا نام کس نے بتایا؟ مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا اس کے بعد بہت سی باتیں ہوئیں لیکن آخر بار جو نصیحت کی اس میں فرمانے لگے: حضور کا وصال ہوگیا، حضرت ابوبکر صدیق رخصت ہوگئے، میرے بھائی حضرت عمر کا انتقال ہوگیا، میں نے کہا: حضور! حضرت عمر تو ابھی زندہ ہیں، فرمایا: نہیں مجھے ابھی ابھی مطلع کیا گیا ہے کہ حضرت عمر شہید ہوگئے ہیں، پھر اس قسم کی باتیں کرتے رہے اور دعائے خیر کر کے مجھے اجازت دی اور ساتھ ہی کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، میں آج کے بعد آپ کو نہ مل سکوں گا، یہ کہتے ہوئے روانہ ہوگئے، میری خواہش تھی کہ چند قدم آپ کے ساتھ چلوں، آپ نے مجھے اجازت نہ دی اور دوڑنا شروع کر دیا، میں آپ کے پیچھے روتا اور دوڑتا رہا حتی کہ کوفہ کے کوچوں گلیوں میں آگئے لیکن طلب بسیار کے باوجود میں انہیں نہ پا سکا، ابھی چند ہفتے گزرے تھے کہ میں نے خواب میں ایک دو بار زیارت کی، کہتے ہیں کہ آپ آذربائیجان کی جنگ میں شریک مجاہدین اسلام تھے کہ شہید ہوگئے دوستوں نے چاہا کہ کفن پہنا کر دفن کریں مگر ایک پتھر کے پاس پہنچے تو ایک قبر قدرتی طور پر تیار تھی، کفن تیار کرنا چاہا تو آپ کے کپڑوں میں کفن تیار پڑا تھا ایسا دکھائی دیتا تھا کہ یہ کفن انسانی ہاتھوں سے نہیں بنا تھا، چنانچہ آپ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔

(شواہد النبوۃ، ص، ۳۹۸ تا ۳۹۹)

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

شرح فقہ اکبر میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ہارون رشید کے دستر خوان پر کدو پک کر آیا۔ کسی نے کہا کدو حضور علیہ السلام کو مرغوب تھا، دوسرے نے کہا لیکن مجھے پسند نہیں اس پر امام ابو یوسف نے قتل کے ارادے سے تلوار نکال لی اور حکم فرمایا کہ

تو مرتد ہو گیا کیونکہ تو نے اپنی بے رغبتی کا حضور علیہ السلام کے مقابلہ میں ذکر کیا۔ اس نے توبہ کی تب چھوڑا۔ (شان حبیب الرحمٰن، ص ۲۵)

حضرت امام ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ لکھتے ہیں: ہمارے دور کے توحید کے ٹھیکیداروں کے لیے سابق دور کے ایک حنفی امام نے ''سورۂ نور'' کی آیت ''لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا'' کے تحت لکھا کہ:

لاتدعوا محمدا صلى الله عليه وسلم باسمه ولكن وقروه وعظموه وقولوا يا رسول الله ويانبى الله ويا اباالقاسم۔

حضور علیہ السلام کا نام لے کر نہ پکارو بلکہ عزت و تعظیم و توقیر و تکریم سے پکارو، مثلاً کہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یا اس طرح پکارو، یا نبی اللہ! یا ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم!

آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی نیکی کی بات سمجھائے اس کی تعظیم و تکریم ضروری ہے یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اسی سے استاد کے حقوق کا پتہ چلتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم و فضل بخشا ہے ان کے بھی عوام پر حقوق ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ان کے القاب عزت و عظمت کے ساتھ بیان کیے جائیں۔

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ ہم اہل سنت پر لازم ہے کہ ہم اپنے مشائخ اہل ارشاد کا ذکرِ خیر بہتر اور برتر القاب سے یاد کریں ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی لغت میں ان کے جائز القاب جس طرح چاہے بیان کرے اس لیے کہ جب ہمیں روکا ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کی خالی اسماء سے نہ پکاریں، تو باطنی اور معنوی آباء یعنی مشائخ طریق کے لیے بطریق اولیٰ ضروری ہے کہ ان کے خالی اسماء بیان نہ کریں بلکہ انہیں اعلیٰ و اکمل القاب سے یاد کریں۔ (لیکن جدت پسند لمبے چوڑے القاب سے نہ صرف گھبراتا ہے بلکہ اس سے مذاق کرتا ہے۔)

(روح البیان، ج ۵۔ پ ۹، ۱۰، ص ۲۸۱)

روضۂ اقدس کی حاضری پروانۂ نجات ہے

ہمیں خبر دی ابو القاسم عبدالرحمٰن بن مکی نے، انہیں ابو القاسم خلف بن عبد الملک نے، انہیں ابو محمد نے، انہیں حاتم بن محمد نے، انہیں ابو عمر مقری نے، انہیں ابو محمد بن قاسم نے، انہیں عبداللہ بن محمد بصری نے، انہیں ابو بکر احمد بن محمد فضل اہوازی نے، انہیں ابو شبل محمد بن نعمان بن شبلی باہلی نے، انہوں نے فرمایا:

میں مدینہ منورہ میں داخل ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اعرابی اپنے اونٹ کو تیز دوڑاتے ہوئے آیا، اسے بٹھا کر اس کا گھٹنا باندھا، پھر روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر بڑے اچھے انداز میں سلام عرض کیا اور بڑی حسین دعا مانگی، عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی وحی کے ساتھ مختص فرمایا اور آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں اولین اور آخرین کا علم جمع کر دیا، اور اپنی کتاب میں فرمایا اور اس کا ارشاد یقیناً برحق ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُو اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. (پ:٥، سورہ :النساء آیت :٦٤)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (کنز الایمان)

پھر روضۂ اقدس کی طرف متوجہ ہو کر درج ذیل اشعار پڑھے۔

(۱) يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

(۱) اے وہ بہترین ہستی جن کا جسد اقدس اس میدان میں دفن کیا گیا تو اس کی خوشبو سے میدان اور ٹیلے مہک اٹھے۔

(۲) اَنْتَ النَّبِيُّ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ عِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا مَازَلَّتِ الْقَدَمُ

(۲) جب پلِ صراط پر قدم لڑکھڑا جائیں گے تو آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔

(۳) نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ   فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمِ

(۳) میری جان فدا ہو اس روضۂ اقدس پر جس میں آپ تشریف فرما ہیں، اس میں سراپائے پاک دامنی ہیں اور اس میں پیکرِ جود و کرم ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

پھر وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو گیا، میں کسی شک اور شبہ کے بغیر کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ مغفرت حاصل کر کے گیا ہے، اور اس سے زیادہ بلیغ کوئی درخواست نہیں سنی گئی۔

محمد بن عتبی نے یہ واقعہ بیان کیا اور اس کے آخر میں بیان کیا کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی تو مجھے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے مجھے فرمایا: عتبی اس اعرابی سے جا کر ملو اور اسے خوش خبری سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا ہے۔

(پکارو یا رسول اللہ، ص ۵۱ تا ۵۲، القربۃ الی رب العلمین فی الصلوٰۃ علی سید المرسلین، ج ۱، ص ۱۶)

حضرت احمد بن قضویہ رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت احمد بن قضویہ بڑے ماہر تیر انداز اور مشہور غازیانِ اسلام میں سے ہیں فرماتے ہیں:

مَا مَسَسْتُ الْقَوْسَ بِيَدِيْ بِغَيْرِ وُضُوْءٍ مُنْذُ بَلَغَنِيْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ الْقَوْسَ بِيَدِهٖ۔ (عقائد اہل سنت، ص ۲۴۶)

میں نے یہ کمان بے وضو نہیں چھوا جب سے مجھے خبر ملی کہ حضور علیہ السلام نے اسے اپنے مبارک ہاتھوں سے چھوا ہے۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

حضرت ابو ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہر مومن پر واجب ہے کہ جب آپ کا تذکرہ کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکر خیر

ہو، تو وہ خشوع وخضوع کا مظاہر کرے اور آداب بجالائے، حرکات سے باز رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیبت وجلال کو ایسے ہی اپنے اوپر طاری کرے جیسا کہ اگر وہ بنفسہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو کرتا، اور جیسا کہ اللہ نے ہمیں ان کا ادب سکھایا ہے۔''

(سہ ماہی افکار رضا اپریل تا جون، ۲۰۰۶ء ص، ۱۹، مضمون، علامہ شہزاد مجددی)

احمد بن یحییٰ دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کا دین کے لیے عزم محکم

منقول ہے کہ احمد بن یحییٰ دمشقی ایک روز اپنی ماں باپ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا قصہ چل نکلا ان کے والدین نے فرمایا: بیٹے! ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے قربان کرتے ہیں۔ جاؤ! دین حاصل کرو۔ احمد بن یحییٰ نے باگاہ الٰہی میں عرض کی: اے الٰہ العالمین! اب بجز تیرے میرا کوئی حامی کار نہیں، پھر کعبہ میں جا کر خوب روئے، اسی طرح چوبیس بار کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر بار بار روئے، اس کے بعد پھر والدین کی زیارت کے لیے گھر واپس آئے، دمشق میں پہنچ کر باپ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا والد صاحب گھر پر نہیں تھے، اندر سے ماں بولی، تو کون ہے؟ اس نے کہا آپ کا بیٹا احمد ہوں۔ بی بی نے کہا: ہمارا ایک بیٹا تھا اسے ہم نے راہِ خدا میں دے دی ہے تم کون ہو جاؤ ہم احمد محمود نامی بیٹوں کو نہیں جانتے۔ (کذا قال شیخ الاسلام قدس سرہ)

(۱) ماہر چہ داشتیم فدائے تو کردہ ایم
جانرا اسیر بند ہوائے تو کردہ ایم

(۲) ماکردہ ایم ترک خود و ہر دوکون نیز
واینکہ کردہ ایم بروئے تو کردہ ایم

(روح البیان، ج۵، پ۹۔۱۰، ص۱۳۳)

ہمارے ہاں جو کچھ تھا وہ ہم نے تیرے اوپر قربان کردیا یہاں تک کہ جان بھی تیرے اوپر فدا کردی ہے ہم نے اپنی خودی مٹادی بلکہ ہردو جہانوں کا تصور بھی دل سے ہٹادیا جو کچھ کیا ہے صرف تمہاری خاطر کیا ہے۔

حضرت احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

روایت ہے کہ ایک دن آپ اولیا اللہ کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ آپ شاداں وفرحاں پکار اٹھے کہ اللہ عزوجل نے مجھے الہام فرمایا ہے کہ اے احمد! اپنے نانا مصطفیٰ کی زیارت کرو، وہاں ایک امانت ہے جو تمہیں عنایت کی جائے گی۔

آپ در اقدس سے حجاز مقدس کے لے تیار ہو گئے۔ (لوگ) اطراف واکناف سے اکٹھا ہو گئے۔ اس مقدس قافلہ میں اپنے وقت کے جلیل القدر مشائخ عظام موجود تھے۔ ان بزرگ ہستیوں میں شیخ جلیل احمد زعفران، شیخ معظم حیوۃ ابن قیس ساحران، شیخ اکمل زاہد ابن شیخ منصور بطائی ربانی، شیخ مکرم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور شیخ ابوالبرکات اوران حضرات کے علاوہ دوسرے مشائخ عظام بھی موجود تھے۔ جب گنبد خضریٰ پر نظر پڑی سواری سے اتر کر برہنہ پا چلنے لگے۔ چہرۂ اقدس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس چوکھٹ پر رکھا اور کھڑے ہو کر قبرِ انور کی جانب متوجہ ہو کر عرض کیا ''السلام علیک یا جدی'' روضہ انور سے آواز آئی ''وعلیکم السلام یا ولدی'' جب سنا تو مارے خوشی کے آپ کی آواز بندھ گئی اور دو زانو بیٹھ گئے۔ درود وسلام کے بعد دوشعر پڑھے۔ (عربی)

ترجمہ: یارسول اللہ! میں دور دراز مقام سے اپنی روح کو اپنا نائب بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجتا تھا جو آپ کے در اقدس کو بوسہ دیتی تھی۔ اب میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں، آپ اپنے دست مبارک کو باہر کیجیے تاکہ میں اپنے لبوں سے بوسہ دوں۔

جب آپ نے شعر مکمل کر لیے تو قبر انور سے چادر مبارک ہٹ گئی، آنکھیں چندھیا گئیں، دل مدہوش ہو گئے، غیب کے دروازے کھل گئے، نور ونکہت کی بارش ہونے لگی، قبر اس نور سے شق ہو گئی، غوث اعظم سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ عنہ کے لیے آپ کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس کو باہر نکالا۔ جس کی روشنی پورے حرم میں پھیل گئی۔ سید احمد کبیر رفاعی نے بصد خلوص دستِ اقدس کو بوسہ دیا، تمام لوگ مشاہدہ فرما رہے تھے۔"

(عشرۂ مبصرہ، ص ۴۲)

شیخ قطب یگانہ وغوث زمانہ شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی نے روایت کیا ہے، فرمایا کہ اس محفل کرامت میں میں بھی موجود تھا جس میں اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دست بوسی کے ذریعہ شیخ احمد کبیر رفاعی کی کرامت و بزرگی کا اظہار کیا، یعقوبی کہتے ہیں میں نے اپنے شیخ حضرت جیلانی سے عرض کیا: حضور حاضرین کو اس کرامت و بزرگی سے حسد نہیں ہوا تو یہ سوال سن کر حضرت غوث صمدانی رونے لگے اور جواب دیا اے ابن ادریس! اس پر تو ملأ اعلیٰ (فرشتوں) نے بھی رشک کیا ہے، ایک اور طریقے سے، مجھ سے امام قوصی نے بیان کیا، ان سے شیخ قطب الدین خزانچی نے، ان سے شیخ رکن الدین سنجاری نے، ان سے ان کے شیخ عدی بن مسافر نے اور ان کے خادم شیخ علی بن موھوب نے بیان کیا ہے، دونوں فرماتے ہیں کہ:

حج والے سال ہم مسجد نبوی میں تھے تو دیکھا کہ شیخ احمد بن رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجرۂ طیبہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہیں اور کچھ عرض کر رہے ہیں جسے بہت سے حضرات نے یاد رکھا اور نقل کیا ہے اور جیسے ہی آپ کی گفتگو ختم ہوئی فوراً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک قبر شریف سے باہر نکلا اور شیخ رفاعی نے اس کا بوسہ دیا، ہم جملہ حاضرین کے ساتھ اس (روح پرور اور ایمان افروز) منظر کو دیکھ رہے تھے (شیخ عدی کے خادم) ابن موہوب کہتے ہیں کہ: خدا کی قسم! گویا اب بھی وہ نظارہ میرے سامنے ہے، جب سفید گورا معتدل ہاتھ قبر مبارک سے باہر نکلا جس کی انگلیاں خوب لمبی لمبی تھیں گویا بجلی چمک رہی ہو، حرم و اہل حرم گویا سبھی رقص کناں ہوں۔ لوگ سلطان محمد اور جلال احمدی سے اس قدر مرعوب ولرزاں وترساں تھے اور (اس معجزۂ گرامی) سے اس طرح حیرت زدہ تھے گویا قیامت آنے والی ہو، لوگ حیرت ودہشت میں بے قرار و بے اختیار اٹھ بیٹھ رہے تھے، کبھی اللہ کی تکبیر و بڑائی بولتے تو کبھی حضور اکرم پر صلاۃ وسلام بھیجتے۔

یہ بات معروف ہے کہ حضرت رفاعی کی یہ منقبت مسلمانوں کے درمیان درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے، اس کی سندیں عالی اور بلند مرتبہ ہیں اور اس کی روایتیں صحیح ہیں، تمام راویوں کا اس کی صحت وصداقت پر اتفاق ہے، اور اس کا انکار منافقت کی نشانیوں میں سے ہے۔

(ماہنامہ جام نور دہلی، مارچ ۲۰۰۶ ص ۱۸، ۱۹۔ مضمون: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری)

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ زبردست عاشق رسول تھے ان کی حیات زندگی کا ورق ورق عشق رسول اور اطاعت رسول سے رنگین ہے یہ آواز اسی سوز عشق کی ہے۔فرماتے ہیں:

کمال محبت کی نشانی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ پوری طرح عداوت رکھی جائے، محبت میں دوغلے پن کی گنجائش نہیں ہے، محب، محبوب کے مخالفوں سے کسی بھی وجہ سے صلح نہیں کرسکتا اور دو متضاد محبت جمع نہیں ہوسکتیں کیونکہ اجتماع ضدّین محال ہے، ایک کی محبت دوسرے کی عداوت کو مستلزم ہے۔ (مکتوب ۱۶۵ دفتر اول)

محبت کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ محبوب کی ہر ہر ادا کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیا جائے۔اسے ضرورت میں شامل کرلیا جائے۔اس کی اداؤں کی تکمیل کے لیے ہر خطرناک محاذ سے گزرا جائے۔دیکھئے! حضور کا اپنے محب سے کس قسم کے مطالبات ہیں۔فرماتے ہیں :کہ جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور فرمایا: جس نے میری سنت سے انحراف کیا وہ مجھ سے نہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ کوئی لاکھ محبت کی راگنی الاپتا رہے کچھ نہیں ہوتا۔جب تک پوری طرح شریعت کا پابند نہ ہوجائے۔حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ سامی، فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مطابعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال محبت رکھنے کی فرع ہے۔ کیونکہ محب جس سے چاہتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے۔(مکتوب ۱۶۵ دفتر اول)

حق سبحانہ وتعالیٰ نے اطاعت رسول کو عین اپنی اطاعت کہا، اسی تاکید وتحقیق کی خاطر لفظ قد وارد ہوا۔تاکہ کوئی بوالہوس ان اطاعتوں میں فرق نہ کرے۔(مکتوب ۱۶۵ دفتر اول)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت مولانا نجیب اشرف صاحب رضوی رقم طراز ہیں:

"شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ کو سرکار دو

عالم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد عشق تھا، اگر کوئی شخص نعتیہ اشعار پڑھتا تو بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے، آخر فرقت کا غم لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔

کبھی بابِ رحمت کے پاس بیٹھے روتے رہتے، کبھی مواجہہ شریف کے پاس آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتے، کبھی گنبد خضرا پر نگاہیں جماتے۔ کبھی ریاض جناں میں بیٹھے التجائیں کرتے:

کرم یا محمد کرم یا محمد ! کہ در پر تمہارے غریب آگیا ہے

ہر صبح وشام اسی بے قراری کے ساتھ گزرتی، ایک دن باب مجیدی کے قریب بیٹھے بیٹھے یوں استغاثہ پیش کرنے لگے:

کر کے نثار آپ پر گھر بار یا رسول اب آپڑا ہوں آپ کے دربار یا رسول
عالم نہ متقی ہوں نہ زاہد نہ پارسا ہوں امتی تمہارا گنہ گار یا رسول
ذات آپ کی تو رحمت وشفقت ہے سر بسر میں گرچہ ہوں تمہارا خطاوار یا رسول
ہو آستانہ آپ کا امداد کی جبیں اوراس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسول

یہ استغاثہ لکھا اور دن بھر روتے رہے، اسی شب آپ کو زیارت کا شرف حاصل ہو گیا۔ بے انتہا مسرور ہوئے اور دوسرے دن حاضر ہو کر عرض کیا:

مشرف گرچہ شد جامی زلطفش خدایا ایں کرم بارِ دگر کن

(پکارو یارسول اللہ، ص ۳۰)

حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ، سچے عاشق رسول تھے، تہجد کے وقت اپنا نعتیہ کلام بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پیش کرتے اور صبح تک روتے رہتے، ہجر وفراق کی کیفیت حد سے گزر گئی تو مدینہ شریف حاضر دربار ہوئے، گنبد خضرا کے انوار وتجلیات کے فانوس سے محبت کی روشنی، دل ونگاہ کو منور کر رہی تھی، طالب دید کے نیاز، عشق کا مجسمہ بنے ہوئے تھے، ایسی ساعت سعید کی کیفیات کو سمیٹتے ہوئے عرض گزار ہوئے

"فاران کے بت کدے کو دارالسلام بنانے والے مجھے بھی شرف زیارت عطا کیجیے۔" رات بھر بے قرار رہے، صبح مواجہہ شریف میں رات کی کمائی یوں پیش کرنے لگے۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں　　تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا　　تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

رات بھر دربار گوہر بار میں حاضری دی اور زیارت کی درخواست گزاری، اسی شب جمال جہاں آرا کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں، جب آپ کا قافلہ مدینہ طیبہ سے الوداع ہونے لگا تو بے اختیار پکار اٹھے۔

مشرف گرچہ شد جامی زِلطفش　　خدایا ایں کرم بارِ دگر کن

(پکارو یارسول اللہ، ص ۳۱)

غرض فاضل بریلوی کی ذات کسی تعارف کا محتاج نہیں آپ کا عشق رسول جگ ظاہر ہے جس کی توثیق آپ کے بیان و عمل اور حدائق بخشش سے ہوتی ہے۔ جہاں آپ نے عشق کی بہاریں اردو زبان وادب کی شاعری میں لٹائی ہیں اور اہل شعر وادب سے داد و تحسین حاصل کیں وہیں آپ نے عربی اور فارسی زبان وادب میں بھی خوب طبع آزمائی کیں اور اس زبان کو بھی آپ نے عشق رسول کی حرارت سے گرمایا۔ مولانا مفتی ولی محمد رضوی اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں: "اعلیٰ حضرت اپنے قلم سے احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا، فتح ونصرت کے پرچم گاڑ دیے، عشق رسول کے چراغ کو فروزاں کیا، رگ رگ میں عشق حبیب بسایا اور اسی کی تعلیم دیتا رہا۔ خود فرمایا "اگر میرے دل کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو ایک پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوگا۔" (الملفوظ، ج ۳، ص ۸۸)

انہوں نے مختلف زبانوں میں خدا اور رسول کی حمد و ثنا کی اور اپنے معاصرین پر سبقت لے گئے۔ آیئے بطور نمونہ فارسی زبان میں ان کے نعتیہ اشعار ملاحظہ کریں اور دل و دماغ کو سرشار کریں۔

(۱) مصطفیٰ نور جناب امر کن   آفتاب برج علم من لدن
(۲) معدن اسرار علام الغیوب   برزخ بحرین امکان وجوب

(۱) پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم امر کن فرمانے والی ذات باری تعالیٰ کا آپ نور ہیں، علم لدنی کے آپ برج آفتاب ہیں۔

(۲) غیب جاننے والے خدا کے رازوں کی آپ کان ہیں، امکان و وجوب کے سمندروں کے آپ برزخ ہیں۔

۳۔ بادشاہ عرشیاں و فرشیاں   جلوہ گاہ آفتاب کن فکاں
۴۔ راحت دل قامت انبیائے او   از دو عالم و الہ شیدائے او
۵۔ جان اسمٰعیل بر رویش فدا   از دعا گویاں خلیل مجتبیٰ
۶۔ گشت موسیٰ دو طویٰ جو یان او   ہسب عیسیٰ از ہوا خوہاں او

(۳) عرش والوں، فرش والوں کے آپ بادشاہ ہیں، کن فکاں کے آفتاب کی آپ جلوہ گاہ ہیں۔

(۴) آپ کا قد مبارک حسین وجمیل دل کی راحت ہے، دونوں جہاں والے اور خود اللہ آپ کو چاہتا ہے۔

(۵) حضرت اسمٰعیل علیہ الاسلام کی پیاری جان آپ پر فدا ہے، بزرگ خلیل علیہ السلام آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔

(۶) مقام طویٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کے طالب ہوئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی چاہت والے ہیں۔

۷۔ بندگانش حور و غلماں و ملک   چاکرانش سبز پوشاں فلک
۸۔ مہر تابان علوم لم یزل   بحر مکنونات اسرار ازل
۹۔ ذرہ زاں مہر بر موسیٰ دمید   گفت من باشم بعلم اندر فرید

(حدائق بخشش کا تحقیقی جائزہ ص ۵۲۳)

(۷) حور و غلماں جنتی اور فرشتے آپ کے غلام ہیں، آسمان پر سبز پوش پہننے والے آپ کے خادم ہیں۔

(۸) لم یزل کے علوم کے چمکنے والے آفتاب ہیں، اسرار ازل کے پوشیدہ خزانوں کے آپ سمندر ہیں۔

(۹) اس آفتاب کا ذرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر چمکا تو فرمانے لگے کہ میں علم میں یگانہ ہوں۔ (سہ ماہی سنی دعوت اسلامی ممبئی، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء ص:۴۳ مضمون: مفتی ولی محمد رضوی)

فاضل بریلوی نے اردو شاعری کو عشق رسول کی ساری بہاریں نذر کر دیں کہ جس کی مٹھاس و چاشنی سے اہل اردو صبح قیامت تک اپنے آپ کو دور نہیں کر سکتے اب آیئے جناب منیر نظامی کی زبان میں فاضل بریلوی کے چند منتخب اشعار کا خلاصہ پیش کیے دیتے ہیں پڑھیے اور عشق رسول میں شرابور ہوتے جایئے لکھتے ہیں:

عشق رسول اتنا قیمتی سرمایہ ہے کہ اس کے بالمقابل جتنا بھی ثمن ہو وہ کمتر ہے یہ دولت جسے بھی مل جاتی ہے اس کی دنیا بھی سنور جاتی ہے اور عاقبت بھی، اسے ہر نوع کا آرام و سکون مل جاتا ہے یہی الفت رسول اکسیر جان ہے جس سے اضطرابی کیفیت دور ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو ۔

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

عشق مجازی میں ایک محب اپنے محبوب کے اندر کوئی عیب دیکھنا یا سننا پسند نہیں کرتا بلکہ اگر محبوب کی ذات میں فی نفسہ کوئی عیب بھی موجود ہو تو وہ خوبی میں بدل جایا کرتا ہے تو بھلا عشق حقیقی میں یہ باتیں کب روا ہوں گی۔ امام عشق و محبت ارشاد فرماتے ہیں ۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور وہ بھی اس جناب میں جو باعث تخلیق عالم ہے جس کے دم سے دنیا کا وجود ہے جو بنائے کون و مکاں ہے۔

غایت و علت سبب بہر جہاں تم ہو سبب
تم سے بنا تم بنا تم پہ کروڑوں درود

سرکار کی عظمت ورفعت اور شان وشوکت کا اندازہ لگانا اہل فرش کی طاقت وقوت سے باہر ہے، سرکار کی حقیقت کی معرفت میں عقل حیران ہے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے نہیں جانا اس کی ترجمانی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کی ہے۔

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے
جان مراد اب کدھر ہائے تیرا مکان ہے

عشق کا کمال اگر دیکھنا ہو تو اعلیٰ حضرت کی ذات کا جائزہ لو ایک عاشق صادق کی تمنا بلکہ اس کا ایمان یہ ہوتا ہے کہ اپنے محبوب کے تلووں سے لپٹ جائے غیر کا منہ نہ دیکھے یہی حسرت وتمنا سرکار اعلیٰ حضرت کو بھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پر چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

مصطفیٰ جان رحمت جان ایمان ہیں ایمان کے اندر کمال بغیر محبت شہر یار ارم کے کیسے حاصل ہوسکتا ہے ایمان میں پختگی بغیر الفت تاجدار حرم کے کیسے آسکتی ہے۔ اسی لیے تو فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا عشق بول پڑا۔

اللہ کی سر تابقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتا تا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

جو دل محبت رسول سے خالی ہو جو عظمت رسول کا قائل نہ ہو جو جھوٹی محبت کا دعویٰ کرتا

ہو جو ذکر خدا بغیر ذکر حبیب کے کرنا چاہتا ہو ایسوں کے لیے فرمایا۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو
واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے
نور الہ کیا ہے محبت رسول کی
جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک وخر کی ہے

ہر عضو کا کوئی نہ کوئی کام ہے مثلاً آنکھ کا کام دیکھنا، کان کا کام سننا، ناک کا کام سونگھنا وغیرہ دل اور سر بھی الگ الگ دو عضو ہیں ان کا کام اہل عشق و محبت کے نزدیک کیا ہے سرکار اعلیٰ حضرت سے سنیے۔

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

سرکار کے عشق میں دل کی وارفتگی اور کیفیت ملاحظہ ہو۔

ارے اے خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا
نہ کوئی گیا نہ آیا
ہمیں اے رضا تیرے دل کا پتہ چلا بمشکل
در روضہ کے مقابلہ وہ ہمیں نظر تو آیا
یہ نہ پوچھ کیسا پایا

بلکہ سرکار کی محبت میں سرکار کے شہر مقدس سے بے پناہ عشق و محبت ہے۔ فرماتے ہیں۔

لے رضا سب چلے مدینے کو
میں نہ جاؤں ارے خدا نہ کرے

آگے چل کر عالم بے خودی میں فرماتے ہیں۔

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

اور پھر یہ بے قراری ایسی بڑھی کہ بڑھتی چلی گئی اور صبر کی تمنا بھی نہیں کرتے بلکہ ارشاد فرماتے ہیں۔

سنگ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

سرکار کی گلی سے جانے کو بے عقلی کی دلیل بتاتے ہیں ملاحظہ ہو۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

سرکار کی رحمت و رافت اور نظر کرم دیکھ کر دل نے آواز دی۔

اب تو نہ روک اے غنی عادتِ سگ بگڑ گئی
میرے کریم پہلے ہی لقمۂ تر کھلائے کیوں

شہر محبوب اور سرزمین مقدس کی قدر و منزلت اور ادب و احترام کا طریقہ سرکار اعلیٰ حضرت کی ذات سے سیکھئے۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

او! مدینے کی مسافر غفلت سے باز آ۔

ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

مکہ اور مدینہ کی افضلیت میں بحث چھڑ گئی عقل نے کہا مکہ پر خانہ خدا آباد ہے فضیلت اس کو حاصل ہونی چاہیے۔ عشق نے آواز دی مدینہ پر روضۂ رسول ہے عظمت و بزرگی اس کو ملنی چاہیے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فیصلہ فرماتے ہیں۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

اسی عشق کی بدولت تو جہنم سے چھٹکارا ملے گا۔

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے

جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے
جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

روضہ رسول کی زیارت کے بعد کی کیفیت بھی دیدنی ہے۔

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے
عشاق روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے
اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے

سرکار آپ کی غلامی میری زندگی کی معراج ہے، تو ہی میرا ماویٰ اور ملجا ہے، تو میرا آقا میں تیرا غلام، آقا کو تصرف کا اختیار ہے چاہے تو رکھے یا اپنے در سے نکال دے مگر یا رسول اللہ! تیرا غلام بننا پسند ہے۔

اگر رانی وگر خوانی غلامم انت سلطانی
دگر چیزے نمی دانم اغثنی یا رسول اللہ
ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے
توئی خود سازو سامانم اغثنی یا رسول اللہ

غلامی مصطفیٰ کا پٹا گلے میں ڈالنے کا فائدہ بھی ملاحظہ ہو۔

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے تیرے لیے امان ہے

سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی زیست کا مقصد بھی ملاحظہ کیجیے۔

دہن میں زباں تمہارے لیے بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے اٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے
صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے رضا کی زباں تمہارے لیے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پرواروی تھی کیا کیسے قافیے تھے

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، جنوری ۲۰۰۱ء، ص ۶۸ تا ۷۱۔ مضمون: محمد منیر نظامی)

آپ یقیناً سچے عاشق رسول تھے آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق نبوی سے سرشار تھا آپ کا سینہ تو عشق رسول کا گنجینہ تھا ایک موقع سے آپ فرماتے ہیں۔

بحمد اللہ! اگر قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر **لا الہ الا اللہ** اور دوسرے پر **محمد الرسول اللہ** ہوگا۔

آپ کی محبتِ رسول ضرب المثل ہے

حضور صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم کی محبت مغز قرآں، روح ایماں، جان دیں ہے، اور اگر اس محبت کی گرمی نہ ہو تو عقائد و افکار بے معنی ہوتے ہیں، اعمال و افعال کیف و سرور سے تہی لگتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نزدیک اس محبت کی کیا اہمیت ہے، ملاحظہ کیجیے:

''ایک وقت درویشوں کی جماعت بیٹھی تھی، اس فقیر نے اپنی محبت کی بناء پر جو آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں سے ہے ان سے اس طرح کہا کہ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس طور پر مسلط ہوئی کہ حق سبحانہ کو اس واسطے سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے۔ حاضرین اس بات سے حیرت میں پڑ گئے لیکن مخالفت کی مجال نہ تھی۔ یہ بات حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمہ کی اس بات سے خلاف ہے جو انہوں نے آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں کہی تھی کہ حق تعالیٰ کی محبت اس طور پر مسلط ہوگئی ہے کہ آپ کی محبت کے لیے جگہ باقی نہیں رہی۔ یہ دونوں باتیں اگرچہ سکر کی خبر دیتی ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے۔ انہوں نے عین سکر میں یہ بات کہی اور میں نے ابتدائے صحو میں۔ ان کی بات مرتبہ صفات میں ہے اور میری بات مرتبہ ذات سے رجوع کے بعد کی ہے۔''

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضرب المثل ہے۔

آپ کی زبان وقلم سے جتنے حرف نکلے، تمام کے دامن سے محبت شہ والا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

اور جب عالم فانی سے رخصت ہوئے تو اپنے علم وعمل پر کوئی ناز نہیں تھا، ناز تھا تو بس محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیر رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

آپ نے ایک جگہ قرآن وحدیث کا نچوڑ بیان کیا ہے:

"عبادت ان کی کفر، اور بے ان کی تعظیم حبط (برباد، ناقابل اعتبار، منہ پر مار دیے جانے کے قابل) ایمان ان کی محبت وعظمت کا نام۔

آپ کے عشق نے بھی یہی درس دیا کہ جو شخص لا الـہ الا اللّٰہ پر ایمان کا دعویٰ رکھے اور محـمـد رسول الله صلى الله عليه وسلم کو نہ مانے وہ ایسے ہی توحید کی گواہی دیتا ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بھیجا، وہ ہرگز اللہ نہیں۔ اللہ یقیناً وہ ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا۔ (ملفوظات، ج ۲، ص ۲۰۴)

گویا وہی مجدد پاک والی بات کہ اللہ تعالیٰ کو اس لیے مانو اور دوست رکھو کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف بلایا ہے، یعنی توحید کو رسالت ونبوت کے حوالے سے سیکھو، جو توحید، رسالت ونبوت کے بغیر مانی جائے وہ قابل قبول نہیں جیسا کہ ابلیس کا جذبہ توحید رد ہوا۔

(مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی، ص ۱۵۹)

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی محبوب مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے اپنی روح وضمیر کی دنیا کو شاد آباد رکھا۔ فرماتے ہیں:

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے
حی و باقی جن کی کرتا ہے ثنا

مرتے دم تک ان کی مدحت کیجیے
ذکر ان کا چھیڑیے ہر بات میں
چھیڑنا شیطاں کا عادت کیجیے
مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں
ذکر آیات ولادت کیجیے
کیجیے چرچا انہیں کا صبح و شام
جان کافر پر قیامت کیجیے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
یا رسول اللہ کی کثرت کیجیے
جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا
یاد اس کی اپنی عادت کیجیے

آپ کی محبت یہ گوارا نہیں کرتی کہ خدا تعالیٰ کے ذکر سے اس کے محبوب گرامی کے ذکر کو جدا کر دیا جائے۔ خود خدا بھی یہی چاہتا ہے "اذا ذکرت ذکرت معی" یعنی اے محبوب جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں تیرا ذکر ہوگا۔ اسی حدیث کو سامنے رکھ کر فرماتے ہیں:

ذکرِ خُدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو
واللہ ذکر حق نہیں، کنجی سقر کی ہے

اسی طرح آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پاک کے جواز پر زبردست دلائل دِیے کہ یہ ذکر محبوب کی بہترین صورت ہے، آپ کا رسالہ "اقامۃ القیامہ" اسی موضوع پہ لکھا گیا ہے۔ انعقاد میلاد پر آپ کا عزم دیکھئے۔

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولا کی دھوم
مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

(مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی، ص ۱۶۳)

"بوجہ اطلاق آیات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی

حسن و محمود رہے گی۔ اور خاص خاص طریقوں کے لیے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو۔ ہر طرح امر مستحسن ہے۔ ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہے۔"

بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب لکھتے ہیں:

جب حرم محترم مدینہ میں داخل ہو احسن یہ ہے کہ سواری سے اتر پڑے، سر جھکائے، آنکھیں نیچی کیے چلے، ہو سکے تو برہنہ پائی بہتر بلکہ:

جائے سراست اینکہ تو پامی نہی
پائے نہ بینی کہ کجا می نہی

"جب در اقدس پر حاضر ہو، صلوٰۃ وسلام عرض کر کے قدرے توقف کرے گویا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے اذن حضوری کا طالب ہے۔ اس وقت جو، ادب و تعظیم واجب ہے مسلمان کا قلب خود واقف ہے۔ زنہار زنہار اس مسجد اقدس میں کوئی حرف چلا کر نہ کہے۔ یقین جان کہ وہ مزار اطہر و انوار میں بحیات ظاہری دنیاوی حقیقی ویسے ہی زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے۔ ائمہ دین فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایک ایک قول و فعل بلکہ دل کے خطروں پر مطلع ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب ﷺ
اس برے مذہب پہ لعنت کیجیے

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ بھی حضور جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پہ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پہ لگاتے تھے۔ (مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی، ص ۱۷۴)

آپ نے محبوب کائنات کے رخ زیبا کا نقشہ صرف ایک شعر میں ایسا کھینچا کہ وہ حروف مقطعات کو جمال مصطفیٰ کا آئینہ بنا دیا۔ لکھتے ہیں:

ک گیسو، ہ دہن، ی ابرو آنکھیں ع ص
کھٰیٰعٓصٓ ان کا ہے چہرہ نور کا

آپ کے دل میں حضور کی محبت اس طرح رچ بس گئی ہے کہ مدینہ طیبہ سے منسوب ہر ہر چیز سے غایت درجہ محبت فرماتے ہیں خواہ سگان مدینہ ہی کیوں نہ ہو، خود ہی فرماتے ہیں۔

پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضا
ان سگان کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جاں نثار و وفادار غلام کے خلاف معاندین نے محاذ آرائی کی، ان پر طرح طرح کے ناروا الزام عائد کیے، لیکن اس مرد حق آگاہ نے ان الزام تراشیوں کے خلاف کسی قسم کی جوابی کارروائی سے خود کو دور رکھا، البتہ جب کسی نے ایسا جملہ کہا جس سے ناموس رسالت پر ہلکی سے بھی آنچ آتی ہوئی محسوس ہوئی تو یہ غلام صادق تلملا جاتا اور فوراً لوح وقلم کا سہارا لے کر شاتمانِ رسول کے خلاف صف بندی کر کے ان کی بے ہودہ گوئی و ہرزہ سرائی کا معقول و مدلل دندان شکن جواب دیتا، وہ اپنا دفاع نہ کرتے اپنی محبت کی آبرو سلامت رکھتے وہ خود رقم طراز ہیں" واللہ العظیم وہ بندۂ خدا بخوشی راضی ہے اگر یہ دشنامی حضرات بھی اس کے بدلے پہ راضی ہوں کہ وہ اللہ و رسول کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگالیں کہ روزانہ اس بندہ خدا کو پچاس ہزار مغلظہ گالیاں سنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں، اگر اس قدر پہ بھی پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط ہے کہ اس بندہ خدا کے ساتھ، اس کے باپ دادا اکابر علما قدست اسرارہم کو گالیاں دیں تو ایں ہم برعلم اے خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آباء واجداد کی آبرو بدگویوں کی بدزبانی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سپر ہو جائے۔ یہی وہ ہے کہ بدگو حضرات اس بندۂ خدا پر کیا کیا طوفان بہتان، اس کے ذاتی معاملات میں اٹھائے ہیں، اخباروں، اشتہاروں میں طرح طرح کی گڑھتیوں سے کیا کیا خاکے اڑائے ہیں، مگر وہ اصلاً قطعاً التفات نہ کرتا، نہ جواب دیتا، وہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مجھے اس لیے عطا ہوا کہ بعونہ تعالیٰ عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کروں، حاشا کہ اسے اپنی ذاتی حمایت میں ضائع ہونے دوں، اچھا ہے کہ جتنی دیر مجھے برا کہتے ہیں محمد رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگویوں سے تو غافل رہتے ہیں۔

فان ابی ووالدی وعرضی لعرض محمد منکم وفاء

شیفتگی ووارفتگی کا جو مزاج و منہاج ہمیں فاضل بریلوی کی حیات کے حوالے سے تاریخ کے اوراق میں ملتا ہے اس سے عہدِ صحابہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ملک العلماء حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری ''حیات اعلیٰ حضرت'' میں تحریر فرماتے ہیں:

جب کوئی صاحب حج بیت اللہ شریف کر کے خدمت میں حاضر ہوتے، پہلا سوال یہی ہوتا کہ سرکار میں حاضری دی؟ اگر اثبات میں جواب ملا تو فوراً ان کے قدم چوم لیتے اور اگر نفی میں جواب ملا پھر مطلق تخاطب نہ فرماتے، ایک بار ایک حاجی صاحب حاضر ہوئے، چنانچہ حسب عادت کریمہ یہی استفسار ہوا کہ سرکار میں حاضری ہوئی، وہ آبدیدہ ہو کر عرض کرتے ہیں ہاں حضور! مگر صرف دو روز قیام رہا، آپ نے فوراً قدم بوسی فرمائی اور ارشاد فرمایا: ''وہاں کی سانسیں بھی بہت ہیں، آپ نے تو بحمد للہ دو دن قیام فرمایا۔''

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

امام احمد رضا نے عشق جمال مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی شمع پر خود کو پروانہ وار نثار کر دیا اور اس جذبۂ جاں نثاری میں خود کو بے نام و نشان بنا دیا، لیکن جو شمع پر خود کو نثار کر دیتا ہے وہ خود شمع کا ایک روشن حصہ بن کر تاریکی میں روشنی کا سامان فراہم کرنے لگتا ہے اور پھر مٹتے مٹتے نام ہو ہی جاتا ہے، آج ملک و بیرون ملک میں امام احمد رضا کی زندگی کے روشن و تابناک گوشوں پہ عصری جامعات میں تحقیق کے دروازے کھل چکے ہیں۔ مخالفین و معاندین نے منصوبہ بندیوں کے ساتھ ان کے خلاف تحریک چلائی اور بے بنیاد الزامات عائد کیے، من گڑھت باتیں منسوب کیں، ان کی شخصی و علمی وجاہت کو پروپیگنڈوں کے زور پہ مسخ کرنے کی کوشش کی، ان کی کردار کشی کی لیکن...... ع

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

(ماہنامہ جام نور، دہلی، اپریل ۲۰۰۶ء، ص ۵۶ تا ۵۷، مضمون: ملک الظفر سہسرامی)

عشق رسول علیہ التحیۃ والثناء امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی زندگی کا مرکزی

نقطہ تھا، ان کے شب و روز کا تجزیاتی مطالعہ کرنے والوں پر یہ گوشہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ عنوان سیدی فاضل بریلوی کی حیات کا کارنامہ بنا، آپ کی اس وارفتگی، شیفتگی اور عشق سحر خیز اقرار واعتراف تو ان کے سخت سے سخت تر مخالف کو بھی رہا جبھی تو وہ یہ اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکے، ”حقیقت میں جسے لوگ امام احمد رضا کا تشدد قرار دیتے ہیں وہ بارگاہ رسالت میں ان کے ادب واحتیاط کی روش کا نتیجہ ہے“ (مولانا اشرف علی تھانوی راوی مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بحوالہ امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، کوثر نیازی) امام احمد رضا خاں کی بخشش تو انہیں فتوؤں کے سبب ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا ”احمد رضا! تمہیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا“ (بیان مولانا ادریس کاندھلوی، راوی مولانا کوثر نیازی)

(ماہنامہ جام نور، دہلی، اپریل ۲۰۰۶ء، ص ۵۶، مضمون: ملک الظفر سہسرامی)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے عشق رسول کے حوالے سے اہل سنت و جماعت کے بے باک مقرر وخطیب اور مصنف حضرت علامہ عبدالستار ہمدانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

"لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" سے بارگاہ رسالت کا ادب سیکھا اور سکھایا۔ لب کشائی کی جرأت کرنے والوں کو ”اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ“ کی وعید صریح سے ڈرایا۔ "لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" سے حدود ادب کا خط استواء کھینچا۔ "يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ" سے بارگاہ رسالت کا ادب واحترام یاد کرایا۔ ”وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ" سے مقام رسالت کی بلندی ثابت کر کے ”ان سا نہیں انساں وہ انسان ہیں یہ“ کا، اکسیری پیغام دیا ”اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" کا صحیح مفہوم اخذ کر کے ”ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ“ کا ایمان افروز درس دیا۔ وہ عاشق رسول تھا، عشق رسول میں دیوانہ تھا۔ لیکن ایسا فرزانہ تھا کہ ”سجدے کو دل ہے بے قرار“ کے جوش جوں پر اس نے ”رو کیے سر کو روکیے“ سے ہوش حدود کی لگام لگا کر ”ہاں یہی امتحان ہے“ کہہ کر پاس شریعت ملحوظ رکھا اور غلو سے محفوظ رہا۔ اپنی محبت کے جذبے کو اس نے جوش الفت اور ہوش شریعت کی سرحدوں کے مابین محدود رکھا اور

یہاں تک فرمایا کہ "اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ"
"كُلُّهُمْ يَطْلُبُوْنَ رَضَائِيْ وَاَنَا اَطْلُبُ رَضَاكَ" کی ترجمانی ایسے نفیس انداز میں کی کہ۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

عشق رسول اس کے دل کی دھڑکن، اس کی حیات کا واحد سبب و مقصد تھا، اس کے جسم کا ہر ہر رونگٹا محوِ عشق رسول وثنائے رسول تھا۔ اس کی آنکھوں میں صرف عشق رسول کے جلوے سمائے ہوئے تھے۔ وہ زندہ تھا صرف روحِ عشقِ رسول کے سبب۔ اس کی زندگی کا مقصد پرچمِ عظمتِ رسالت کو لہرانا اور موت کی خواہش بھی دیدارِ رخِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شرف حاصل کرنے کے لیے۔

جان دے دو وعدۂ دیدار پر
نقد اپنا دام ہو ہی جائے گا

اور

قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی

یہ صدائے دل اس کی آرزو اور تمنا کی نشاندہی کر رہی تھی۔ دیار نبی کے مقابل جنت کی فضا بھی جس کا دل بہلا نہ سکے اور وہ مضطرب ہو کر یوں پکار اٹھے کہ۔

جنت کو حرم سمجھا آتے تو یہاں آیا
اب تک کے ہر ایک کا منہ کہتا ہوں کہاں آیا

بلکہ مدینہ سے بچھڑ کر جینا اور جی لینے کا تصور ہی اس کے لیے جان لیوا تھا کیونکہ۔

طیبہ سے ہم آتے ہیں کہیے جو جناں والو
کیا دیکھ کے جیتا ہے جو واں سے یہاں آیا

اپنے آقا کا مقدس آستانہ جس کے لیے جائے قرار، جائے پناہ، جائے سکون، جائے

امن وامان تھا۔ "ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفرو الله" ہی سے اس نے بہانگ دہنگ یہ کہا کہ۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

اسی در سے اس نے سب کچھ پایا۔ پوری کائنات اسی در سے تو پل رہی ہے۔ اسی درِ مقدس کی یاد نے اسے ہر لحہ بے چین و بے قرار بنا رکھا تھا۔

جان و دل ہوش و خرد، سب تو مدینہ پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

یہاں اس کے لیے سب کچھ تھا۔ کائنات کی سب سے محبوب ترین، سب سے بلند درجہ زمین کا وہ حصہ جہاں پر آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدس مآب آرامگاہ ہے، اس مقدس حصے نے پوری زمین کو شرف بخشا۔

خم ہو گئی پشت فلک اس طعن زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

یہاں پر وہ مچل مچل کر رویا، یہاں سے وطن واپس جانے کا خیال تک اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

یہ رائے کیا تھی وہاں سے پلٹنے کی اے نفس
ستم گر الٹی چھری سے ہمیں حلال کیا

اور یہ کہ۔

ہو گیا دھک سے کلیجا میرا
ہائے رخصت کی سنانے والے

یہیں پر اسے پڑا رہنا تھا، چاہے اپاہج بن کر پڑا رہنا پڑے۔ یہ ناتوانی بھی محبوب و مقبول ہے۔ یہ ناتوانی کاش سبب بن جائے دائمی طور پر یہاں ٹھہر جانے کا۔ اسی لیے تو تھا کہ۔

اسی در پر تڑپتے ہیں مچلتے ہیں بلکتے ہیں
اٹھا جاتا نہیں کیا خوب اپنی ناتوانی ہے

اپنے آقا کا دیار اسے اتنا محبوب تھا کہ اس مقدس سرزمین کی عظمت و رفعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ پکار اٹھا کہ۔

حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

اپنے آقا کے مقدس شہر کی گلیوں کا اپنے آپ کو گدا کہنے کے ساتھ ساتھ شاہان دنیا کو بھی اس در مقدس کا منگتا قرار دیتے ہوئے وہ گنگنا اٹھا کہ۔

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

مدینہ منورہ کا ذرہ ذرہ اس کے لیے جاں افزا، اور روح پرور تھا، یہاں کی ہر شے اس کے لیے محبوب، محترم، معظم، مخدوم اور قربان ہونے کے لائق تھی۔ ارے! وہ تو اپنے آقا کے مقدس بلد کے سگانِ در کی خدمت میں اپنے دل کا ٹکڑا بطور تحفہ پیش کرنے کے لیے ہمیشہ آرزومند رہا اور یہاں تک کہا۔

پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضا
ان سگانِ کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

بلکہ وہ دل کے ٹکڑے سگانِ درِ محبوب کی نذر لائے ہوئے یہاں تک کہتا ہے کہ۔

دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں
اے سگانِ کوچۂ دلدار ہم

اور ایک مقام پر تو یہاں تک اظہار محبت کرتے ہوئے کہا کہ۔

رضا کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

وہ عشق کی اعلیٰ و ارفع منزل پر پہنچ چکا تھا۔ اس منزل پر پہنچنے کے بعد ہر عاشق کی یہی تمنا

ہوتی ہے کہ۔

نصیب دوستاں گران کے در پر موت آنی ہے
خدا یوں ہی کرے پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے

یقیناً یہاں پر مرنے والے کے لیے حیات جاودانی اور دخول جنت دائمی ہے اور یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے طیبہ میں مر جانے کا جذبہ اور ولولہ اس انداز سے بیان کیا کہ۔

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی شان اقدس میں عشق کے مہکتے پھول کھلاتے رہنا ہی اس کے قلب کا سکون تھا۔ یادِ محبوب میں وہ اتنا بے چین و بے قرار تھا کہ اس کی حیات اسی پر منحصر تھی۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

ہجر کی آگ میں اس کا دل جل کر کباب ہو چکا تھا۔ اسی لیے تو کہہ اٹھا کہ۔

جلی جلی بو سے اس کی پیدا ہے سوزشِ عشق چشم والا
کبابِ آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے

نعت گوئی کی راہ میں اس نے مداحِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقش قدم پر چلنا اختیار کیا۔ اسی نقش قدم پر چلتے چلتے اس نے ''حسان الہند'' کا لقب پایا۔ قرآن سے اس نے نعت گوئی کا مزاج پایا اور یہ کہا کہ۔

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

اسرار و رموز حروف مقطعات کی عقدہ کشائی کرتے ہوئے عشق رسول کے جام چھلکاتے ہوئے کہا کہ۔

ک گیسو، ہ دھن، ی ابرو، آنکھیں ع ص
کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا

آیات قرآنی میں بیان شدہ وہ مثالیں کہ جو بظاہر سمجھ میں نہیں آتی تھیں اس کی تفہیم صحیح دیتے ہوئے کہا کہ۔

ہے کلام الٰہی میں شمس وضحیٰ تیرے چہرۂ نورِ فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

اور ایک جگہ تو اتنی بہترین تشریح فرمائی کہ۔

شمع دل، مشکوۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

حدیث قدسی ''لو لا لما خلقت الافلاک '' کی ترجمانی میں اس کا نفیس انداز تو دیکھو کہ

وہ جو نہ تھے، تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہوں
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

جیسے ایمان افروز الفاظ اس کی قلم کی نوک سے نکل کر زمین قرطاس پر ریحان بہشت کا سماں باندھ رہے ہیں ''انا من نور اللّٰہ وکل من نوری '' کا مفہوم صحیح بیان کرتے ہوئے وہ چہچہا اٹھا کہ۔

وہی نورِ حق وہی ظل رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب

"قد جائکم من اللّٰہ نور ''میں اسے اپنے آقا کی عظمت کا نور مبین ہی نظر آیا اور۔

تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

جیسا نورانی قصیدہ مرقوم فرما کر نور ایمان کو ضیاء بخشی۔ نور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلوؤں سے وہ چمک اٹھا۔ نور مصطفیٰ کے جلوؤں میں وہ ایسا گم ہو گیا کہ۔

جس کو ان کے مکاں کا پتہ مل گیا
بے نشاں، بے نشاں، بے نشاں ہو گیا

کیونکہ وہ یہی چاہتا تھا، اپنے رب سے یہی مانگتا تھا کہ۔

ایسا گمادے ان کی وِلا میں خدا ہمیں

ڈھونڈھا کریں پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

لیکن بے نشاں ہونے کے باوجود اس کا نشاں مٹا نہیں کیونکہ

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

اور اس کا نام ایسا بلند ہوا کہ اس کا نام معیارِ اہل سنت بن گیا۔ حق و باطل کے درمیان اس کا نام ''فاروق'' کی حیثیت حاصل کر گیا۔ اس کا نام سنتے ہی صفِ باطل میں ماتم چھا جاتا ہے۔ دشمنان رسول اس کا نام سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔ اس کی قلم میں ''جلال فاروقی'' اور ''شجاعت حیدری'' کی جھلک نظر آتی ہے۔ اور وہ بارگاہ رسالت مآب کے گستاخوں کو اپنی قلم کی برق باری سے آگاہ کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

ذکر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کینہ اور بغض رکھنے والے شاتم اور شریر گروہ کے قلعے یہ کہہ کر اس نے منہدم کر دیے کہ

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم
مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

باطل فرقوں کے قلعے گرانے میں وہ ایسا شجاع تھا کہ اس کے قلم کی ہیبت ''سیف اللہ'' کی طرح باطل کے دلوں پر چھائی ہوئی تھی، اس کی قلم کی ضد میں جو بھی دشمن خدا و دشمن رسول آیا، اس کی حالت یہ ہوتی کہ

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے، کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے، کہ یہ وار وار سے پار ہے

رضا کے نیزے کی مار کا زخم کبھی بھرا ہے، نہ کبھی بھرے گا، کیونکہ اس نے اپنے ذاتی دشمنوں پر کبھی بھی وار نہیں کیا۔ بلکہ اپنے ذاتی دشمنوں کو تو اس نے دعائیں دی اور ان کی ہدایت کے لیے بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہو کر التجائیں کیں اور یہاں تک کہا کہ

حسد سے ان کے سینے پاک کر دے
عبث ان کے دل میں غل ہے یا غوث

اور

کر دو عدو کو تباہ، حاسدوں کو رو سیاہ
اھلِ ولا کا بھلا تم پہ کروڑوں درود

البتہ! دشمن رسول کو کبھی نہیں بخشا۔ نہ اس کی کوئی رعایت کی۔ ''الحب للہ والبغض للہ'' کی زندہ نظیر بن کر بارگاہ رسالت کے گستاخوں پر وہ قہر جبار کی بجلی کی مانند ٹوٹ پڑا اور یہاں تک کہ کہا کہ۔

ذکر ان کا چھیڑیے ہر بات میں
چھیڑنا شیطاں کا عادت کیجیے

حق اور باطل کی قلمی جنگ میں اس نے باطلوں کو دلیری سے للکارا۔

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے

باطل طاقتوں کے سامنے وہ تن تنہا مقابل تھا۔ وہ صرف ایک تھا۔ مخالفین کی تعداد کثیر تھی۔ اعدائے دین، حاسدین اور نفس پرور عناصر اس کے مقابلے میں متحد تھے۔ لیکن وہ یہ کہہ کر۔

اک طرف اعدائے دیں، ایک طرف حاسدیں
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروڑوں درود

اپنے آقا کی بارگاہ میں استغاثہ کرتا تھا اور اپنے آقا و مولیٰ کی اعانت پر اتنا مشاق تھا کہ زبان حال سے یہ کہتا تھا کہ ع

پلہ ہلکا ہی سہی، بھاری ہے بھروسہ تیرا

دنیاداروں نے اس کے خلاف ایک منظم محاذ تشکیل دیا تھا اور اس کو نیست و نابود کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے لیکن اسے اپنے آقا و مولیٰ کی پشت پناہی اور دستگیری پر کامل یقین و

اعتماد تھا۔ جس کا اظہار کرتے ہوئے ہی اس نے کہا کہ۔

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا
بول بالے میری سرکاروں کے

مخالفین کو اہل دُوَل وثروت کا تعاون حاصل تھا۔ حکومت کی پشت پناہی میسر تھی۔ سیاسی جماعتوں کی حمایت شامل حال تھی۔ اس کے باوجود اس کا بال بیکا تک نہ ہوا۔ وہ ان اہل دول وثروت وصاحب اقتدار کے سامنے کبھی نہیں جھکا، نہ ان کی مدح وثنائی کی بلکہ۔

کروں مدح اہل دُوَل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

کہہ کر دنیا کو اعتراف کرا دیا کہ۔

ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دنیا کا تاج
جس کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں

اس کی قوت، طاقت، حمایت ونصرت کا سب سے بڑا مدار اپنے آقا ومولیٰ کے فضل وکرم پر تھا۔ اور اس وجہ سے بہت ہی قوی تھا۔ کیونکہ اس نے آپنے آقا ومولیٰ سے اتنا زیادہ پایا تھا کہ اپنے آقا کی عطا کے مقابلے میں وہ دنیا کے داتاؤں کو ہیچ سمجھتا تھا اور اسی لیے اس نے علی الاعلان للکارتے ہوئے کہا کہ۔

کون دیتا ہے، دینے کو منہ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

(امام احمد رضا: ایک مظلوم مفکر، ص ۱۹-۲۵)

ایک دفعہ حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی نے عرض کیا کہ حضور کی کتابوں میں وہابیوں، دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کے عقائد باطلہ کا رد ایسے سخت الفاظ میں ہوا کرتا ہے کہ آج کل جو تہذیب کے مدعی ہیں وہ چند سطریں دیکھتے ہیں، بیزار ہو جاتے ہیں، اس طرح وہ حضرت کے دلائل و براہین کو بھی نہیں دیکھ پاتے اور ہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں، لہٰذا اگر حضور نرمی اور خوش بیانی سے وہابیوں اور دیوبندیوں کا رد فرمائیں تو نئی

روشنی کے دلدادہ بھی حضور کی کتابوں کے مطالعہ سے مشرف ہوں۔آپ یہ گفتگو سن کر آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا: مولانا تمنا یہ تھی کہ احمد رضا کہ ہاتھ میں تلوار ہوتی اور احمد رضا کے آقا ومولیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی گردنیں ہوتیں اور اپنے ہاتھوں سے ان کا سر قلم کرتا اور اس گستاخی وتوہین کا سدّ باب کرتا لیکن تلوار سے کام لینا تو اپنے اختیار میں نہیں۔ہاں اللہ نے قلم عطا فرمایا ہے تو میں قلم کی سختی کے ساتھ ان بے دینوں کا ردّ اس لیے کرتا ہوں تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی وبدبیانی کرنے والوں کو اپنے خلاف شدید ردّ دیکھ کر مجھ پر غصہ آئے پھر جل بھُن کر مجھ کو گالیاں دیں اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گالیاں بکنا بھول جائیں، اسی طرح میری اور میرے آباو اجداد کی عزت وآبرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت جلیل کے سپر ہو جائے۔

(سہ ماہی امجدیہ، جنوری تا مارچ، ۲۰۰۸ء ص ۵۲، مولانا عبدالمبین خان مصباحی)

شیخ صالح کمال نے اعلیٰ حضرت کے عشق رسول کو دیکھ کر یوں فرمایا

حضرت مولانا شیخ صالح کمال کی اعلیٰ حضرت سے شدید محبت کا ایک موقع پر یوں بھی اظہار ہوا کہ اعلیٰ حضرت مکہ مکرمہ کے ایام علالت میں ایک روز مولانا سید اسماعیل خلیل اور مولانا شیخ صالح کمال سے فرمایا کہ روضۂ انور پر ایک نگاہ پڑ جائے پھر دم نکل جائے، یہ سن کر دونوں علمائے کرام کا رنگ متغیر ہوگیا۔اور حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا:

ہرگز نہیں بلکہ آپ روضۂ انور پر اب حاضر ہو کر پھر حاضر ہوں، پھر حاضر ہوں، پھر مدینہ طیبہ میں وفات نصیب ہو۔(ماہ نامہ جام نور، دہلی مارچ ۲۰۰۷ء ص ۱۸۔مضمون: محمد عطاء الرحمٰن قادری)

حضرت شاہ صوفی آبادانی کے ایک مرید کا عشق رسول

نواب صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت سے بیعت ہوئے چند روز ہوئے تھے، میں ایک دن دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔دوستوں نے کہا آپ حضرت شاہ آبادانی سے بیعت ہوگئے ہیں۔آپ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی کہ نہیں۔

دوستوں نے یہ بات ظرافت کے ساتھ طنزیہ لہجے میں کہی جس کا مجھے بے حد ملال ہوا اور دل کو تکلیف پہنچی اسی افسوس میں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف وکرم اور حضرت قطب الارشاد کی توجہ اس فقیر کے شامل حال ہوئی اور غنودگی طاری ہوئی اور نیند آنے لگی ہر چند چاہا کہ نیند غالب نہ آئے مگر ایسا نہ ہوسکا، چارو نا چار نیند کے غلبے سے بستر پر گر گیا اور سرہانے سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ میں جامع مسجد کے قریب گلی میں گھر کی طرف جا رہا ہوں، ایک شخص پیچھے دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا کہ اے شخص پیچھے لوٹ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاروں صحابہ کبار کے ساتھ جامع مسجد میں تشریف لے جا رہے ہیں تم جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرو اور اپنے دل کو جمال جہاں آرائے حضور صلی اللہ علیہ سلم سے منور کرو اور خاکِ قدم رسول کو آنکھوں کا سرمہ بناؤ ان بزرگ کی زبان سے خوش خبری سن کر جامع مسجد کی طرف دوڑتا ہوا آیا میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد کی سیڑھیوں پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ حضرت علی مرتضٰی اور حضرت ذوالنورین دائیں طرف اور حضرت شیخین (حضرت سیدنا ابوبکر صدیق و حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہما) بائیں جانب ہیں اور درمیان میں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر سلام کیا اور چاہا کہ اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھ دوں اور قدم شریف کو بوسہ دوں اور خاک مبارک سے اپنی آنکھوں کو روشن کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست حق پرست سے میرے سر کو اٹھایا۔ آپ چاروں صحابہ کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئے میں سرور انبیاء اور چاروں صحابہ کبار کے جمال جہاں آرا کو بڑے غور سے دیکھ رہا ہوں خاص کر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے چہرۂ مبارک کو غور سے دیکھا رہا ہوں اور تعجب کر رہا ہوں کہ عجب حقیقت ہے کہ اکثر لوگ آپ کی صورت کو دیکھے بغیر کہتے ہیں کہ آپ بڑی مونچھیں رکھتے تھے لیکن اس وقت آپ کی مونچھیں چھوٹی اور کتری ہوئی دیکھ رہا ہوں، آپ کی شکل مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہے لوگ بغیر دیکھے آپ پر بہتان لگا رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کے زیارت آثار شریف تشریف لے گئے اب میں دیکھتا ہوں کہ آثار شریف (تبرکات حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی جگہ آپ کی قبر

مبارک ہے۔ صحابہ کرام چاروں طرف باادب دست بستہ کھڑے ہیں۔ میں بھی باادب ہاتھ باندھے کھڑا ہوں۔ یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھے بیدار کیا میں نے دوستوں سے کہا کہ تمہارے طعن وطنز سے مجھے ابھی ابھی زیارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی میں نے دوستوں سے پورا خواب بیان کیا، اس خواب سے احباب حضرت کے معتقد ہو گئے۔ یہ حضرت کی کرامتوں میں سے یہ ایک بڑی کرامت ہے۔

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ ابتدائے سلوک میں حج مبارک کا شوق ہوا، تو شوق دن بہ دن بڑھتا گیا جب شوق بہت بڑھ گیا تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ مجھے حج مبارکہ پر جانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت نے فرمایا ابھی عمل کرو پھر حج کو جانا ہمیں بھی حج کی آرزو ہے، غلبۂ شوق واشتیاق زیارت کعبہ میں حضرت سے بار بار عرض کرتا۔ آپ فرماتے پہلے صاحب خانہ سے آشنائی وشناسائی پیدا کرو۔ اس کے بعد حج کو جانا، حضرت کے اس ارشاد پر پاس ادب سے میں کہہ نہ سکا مگر شوق دن بہ دن بڑھتا گیا دو تین دن بعد حضرت کی خاص محبت وعنایت دیکھ کر میں نے دوبارہ عرض کیا اور منت وسماجت کی۔ آپ نے فرمایا اگر حج مبارک کے تمام ارکان یہیں ادا ہو جائیں تو کیا ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت کی توجہ سے اگر ایسا ہو جائے تو سبحان اللہ حضرت کا گھر میرے لیے کعبہ ہے۔ ع

بگرد کعبہ کہ بگردم کہ کوئے یار من کعبہ است

آپ نے فرمایا بہتر ہے خدا قادر مطلق ہے اس کے بعد مجھے اپنے سامنے بٹھا کر تین بار اپنا ہاتھ میرے قلب پر رکھا اور رخصت کیا۔ شب میں دیکھا کہ فقیر کو بیت اللہ شریف لے جایا گیا ہے اور میں وہاں طواف کر رہا ہوں۔ طواف کعبہ کے بعد صفا مروہ میں سعی کی اور میدان عرفات کی زیارت کی اس کے بعد میں نے ایک شخص کو بیت اللہ شریف کے دروازہ پر کھڑا دیکھا اس نے اس فقیر سے کہا کہ ایک دن آپ نے راہ حق میں ایک پیسہ خیرات کیا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور وہ امانت کے طور پر کعبہ شریف میں رکھ دیا تم اس کو دیکھو اس کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو۔ جب آسمان کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ اس کعبہ کے مقابل ایسا ہی کعبہ شریف آسمان کے اوپر ہے اس کی بھی میں نے زیارت کی اسی زیارت

میں مصروف تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ آپ کی حج مبارک کی آرزو پوری ہوئی، حضرت کی زبان مبارک سے یہ سن کر مجھ پر رقت طاری ہوئی اور میں نے آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ اس کے بعد کئی بار زیارت بیت اللہ شریف سے مشرف ہوا۔ ع

''بگرد کعبہ کہ بگردم کہ کوئے یار من کعبہ است''

(تذکرہ آبادانیہ، ص ۸۹، ۹۱ بحوالہ نور القلوب)

حضرت مولانا سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مدینہ طیبہ کے نجدی قاضی نے کہا کہ آپ روضہ اقدس پر حاضری کے وقت بیت اللہ شریف کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ کیا آپ قبر رسول کو کعبہ سے افضل مانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا صرف کعبہ ہی نہیں بلکہ عرش اعظم سے بھی افضل مانتا ہوں، اس نے دلیل طلب کی، تو آپ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے عبد مشکور ہیں اور چوتھے آسمان پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور شکر میں مصروف ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لئن شکرتم لازیدنکم ''اگر تم شکر بجالاؤ تو میں ضرور نعمتوں میں اضافہ کردوں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مراتب میں ترقی یہ ہونی چاہیے تھی کہ شکر الٰہی کی بدولت عرش الٰہی پر پہنچا دیا جاتا، حالاں کہ وہ قیامت کے قریب زمین پر تشریف لائیں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں محو استراحت ہوں گے۔ ثابت ہوا کہ روضہ مقدسہ آسمانوں، بلکہ عرش اعظم سے بھی افضل ہے۔ یہ استدلال سنکر قاضی دم بخود رہ گیا۔

(مقالات سعیدی، ص: ۲۸۹، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک اسٹال لاہور)

غزالی زماں کے ایک مناظرے کی روداد خود غزالی زماں کی زبانی نقل کرتے ہوئے مولانا مفتی ابراہیم القادری بیان کرتے ہیں کہ:

''غزالی زماں نے قادیانیوں کے خلاف اپنی خدمات کے ضمن میں ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ میں کمسن تھا۔ ابھی میری داڑھی نہیں تھی۔ میں قادیان گیا اور قادیانی علما سے مناظرہ

کیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کہ بخاری شریف کی حدیث ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور گزشتہ انبیائے کرام کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے مکان بنایا فاکملھا اس نے اسے مکمل کیا اور حسین بنایا مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے حسن تعمیر پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش یہ اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ہی وہ اینٹ ہوں۔"

میں نے قادیانی علما سے پوچھا کہ نبوت کی عمارت میں فقط ایک اینٹ کی گنجائش تھی جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا کر دیا۔ اب تم بتاؤ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو کہاں ڈالو گے، وہ سب خاموش ہو گئے، اور سوچ میں پڑ گئے پھر ان میں سے ایک بولا عزیز بات یہ ہے کہ جب عمارت بنائی جاتی ہے تو اس کا پلستر بھی نہیں کر سکتے۔ تو ہم مرزا کا پلستر کر دیں گے، میں نے کہا تم مرزا صاحب کا پلستر بھی نہیں کر سکتے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واکملھا۔ بنانے والے نے عمارت کو مکمل کر دیا اور پلستر کے بغیر عمارت مکمل نہیں ہو سکتی۔ پھر ایک اور نے ہمت کی اور وہ کہنے لگا کہ دیکھیں عزیز ٹھیک ہے کہ پلستر کے بغیر عمارت مکمل نہیں ہوتی مگر عمارت کا رنگ و روغن بھی تو کیا جاتا ہے، مرزا صاحب کا رنگ و روغن کر دیں گے۔ میں نے کہا کہ تم مرزا صاحب کا روغن بھی نہیں کر سکتے۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاحسنھ، بنانے والے نے عمارت کو حسین و جمیل بنایا اور عمارت کا حسن رنگ و روغن ہے۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ:

"میرے اس استدلال نے ان کی زبانوں کو بند کر دیا اور وہ لاجواب ہو گئے، اور کوئی بات نہ کر سکے۔" (حیات غزالی زماں، ص ۶۵) (ماہنامہ جام نور دہلی دسمبر ۲۰۱۱ء ص ۲۱ مضمون، ارشاد عالم نعمانی)

حضرت مولانا افتخار احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا افتخار احمد کو حج بیت اللہ اور زیارت روضہ مقدس کا بہت اشتیاق تھا، زندگی بھر اس مقدس سفر کے لیے دعائیں لیتے رہے۔ اشتیاق و شوق دن بدن بڑھتا ہی جا رہا تھا، آخر آپ

کی قسمت نے انگڑائی لی اور حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ رفیق سفر شاگرد رشیداور رشتہ دار مولانا محمد اسحاق قادری صاحب آپ کے ساتھ تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ کراچی میں آپ کی طبیعت بہت خراب تھی مگر مکہ معظمہ میں طبیعت ایسی صحیح ہوگئی جیسے آپ بیمار تھے ہی نہیں۔ احسن طریقے سے حج ادا کیا سارے ارکان ادا فرمائے۔ اس سال ۹ ذی الحجہ جمعۃ المبارک کو تھی، جس کو ''حج اکبر'' سے موسوم کرتے ہیں۔

حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ حاضری دی یہاں محبوب پاک کے قدموں میں گنبد خضرا کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں طبیعت بہت ہی زیادہ اچھی بہتر ہوگئی۔ حسب معمول ظہر کی نماز کے بعد آرام کرتے تھے اور یہی معمول کراچی میں بھی تھا۔ لیکن ہفتہ کے روز ظہر کے بعد ہوٹل کی طرف تشریف لے گئے پھر مولانا اسحاق سے کہنے لگے مجھے پھر روضہ اقدس لے چلو۔ عرض کی قبلہ! ابھی تو آرہے ہیں عصر میں جائیں گے تھوڑی دیر آرام کر لیتے ہیں۔ فرمایا: آرام بہت کرلیا، جلدی لے چلو۔ مسجد نبوی میں پہنچے۔ مولانا اسحاق صاحب رقمطراز ہیں: مجھے فرمانے لگے مجھے ریاض الجنۃ لے چلو، مجھے منبر رسول کے پاس لے چلو اس وقت میں نے حضرت کی عجیب کیفیت دیکھی صرف عاشق کو نہیں ایک عشق کو میں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا منبر رسول کے پاس پہنچنے کے بعد اس کے بوسے لیے رو رو کر گڑ گڑا کر اپنے گناہوں کی معافیاں مانگنے لگے پھر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار پر حاضری دی وہاں خوب درود و سلام پڑھا اور دعائیں مانگیں اور باب البقیع سے جب نکلے تو سامنے گنبد خضریٰ کو دیکھا سخت دھوپ میں اس کھلے صحن میں کھڑے ہوئے گنبد خضرا کو دیکھنے لگے شہادت کی انگلی اٹھائی اور ایمان مفصل و ایمان مجمل، کلمہ شہادت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں قرآن مقدس کی آیات کریمہ مثلاً:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآئُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلَ لَوَجَدُوْا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (النساء:۶۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا

مہربان پائیں۔(کنزالایمان)

کی تلاوت کی آخر میں انگلی ہلا ہلا کر عرض کیا اے سبز گنبد کے مکیں آقا! اے قلب عاشقان کے تسکین آقا! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ بے شک اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

مجرم بلائے آئے ہیں جاؤک ہے گواہ　　پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

میں نے عرض کی حضرت دھوپ ہے یہ کلمات طیبات سایہ میں کھڑے ہو کر تلاوت کریں لیکن وہ نہ مانے پھر میں ان کو اسرار سے باب بلال سے، مسجد نبوی میں لے گیا ان کے معمول کے مطابق میں نے عرض کی حضرت چلیں کافی وقت ہو گیا ہے آپ کے آرام کا وقت ہے چل کر آرام فرمالیں، رات میں بھی جلدی اٹھ جاتے ہیں۔فرمانے لگے آرام بہت کر لیے ہیں۔میں نے پھر عرض کیا لیکن وہ نہ مانے اور فرمانے لگے عصر کے بعد چلیں گے پھر کچھ دیر بعد بیٹھ کر تلاوت میں مصروف ہو گئے، عصر کے بعد جب باب بلال سے نکل چلے سامنے کھلے صحن میں گنبد خضریٰ کے پاس محبوب رب العالمین کے مبارک قدموں میں اچانک گر پڑے کچھ ہی دیر بعد حدود حرم ہی میں جسم سے روح نکل گئی۔

یاالٰہی! ایسی ساعت بھی میسر ہو کبھی　　جان رہ جائے نکل کر سبز گنبد دیکھ کر

بروز ہفتہ، ۱۲/ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۰/ اپریل ۱۹۹۹ء حرم نبوی میں ۴۵ رسال کی عمر میں انتقال کیا اور دوسرے روز اتوار کے بعد نماز فجر جنت البقیع میں سپرد خاک کیے گئے۔

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۹۲۔۹۳)

ملک الشعرا خواجہ اکبر وارثی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

اکبر وارثی مرحوم کے کلام کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ اس دور میں کسی کے کلام کو حاصل نہ تھی۔ان کے ''میلاد اکبر'' کو بہت بڑی مقبولیت حاصل تھی۔

ہندوستان کے شہروں کی طرح دیہات میں بھی بڑی عقیدت و محبت سے پڑھا جاتا تھا۔ مرد و زن کو کتاب حفظ تھی گھر گھر میں بچوں کو یاد کروائی جاتی گھر گھر میلاد اکبر سے درس ہوتے تھے، ایک کتاب کھول کر پڑھنے لگتا، حاضرین مجلس غور و خوض سے سماعت فرماتے۔ اس طرح میلاد اکبر نے مصلح مبلغ کی طرح گھر گھر اسلام و سنیت کے تبلیغ کا بحسن و خوبی سے فریضہ انجام دیا۔ میلاد اکبر نے گھر گھر حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ روشن کیے۔ یہ مقبولیت عامہ محبوبیت کی دلیل ہے، جس کو عوام الناس نے دل میں بسالیا آنکھوں پر اٹھالیا اس سے واضح ہوا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اکبر وارثی کو اپنا محبوب بنالیا تھا تبھی تو یہ عقیدت و محبت کے نظارے ہونے لگے تھے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس سے سب کو اتفاق ہوگا کہ خواجہ اکبر وارثی کی شہرت کے پس پشت اخبارات، رسائل، جرائد، خصوصی شمارے سیمینار اور کانفرنس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ بغیر کوشش و کاوش انسانی کے انہیں رب کریم نے مقبولیت کی بلندی کو پہنچا دیا تھا۔

میلاد اکبر کا سن تصنیف ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء ہے۔ جس کا اظہار مولانا حافظ محمد خلیل الدین حافظ رئیس و آنریری مجسٹریٹ نے اپنے قطعہ تاریخ میں کیا ہے جو بطور تقریظ لکھا گیا تھا۔

چھاپ دو حافظ کی بھی تاریخ طبع   اب چھپی روداد میلاد حضور

اکبر وارثی مرحوم میلاد خوان و نعت گو شاعر کے حوالے سے ہندوستان میں شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے قریہ قریہ، نگر نگر، بستی بستی، گھر گھر محفل میلاد برپا کر کے عوام الناس کے قلوب و اذہان میں حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع کو روشن کیا۔

یا نبی سلام علیک   یا رسول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک   صلوٰۃ اللہ علیک

کی صدائے دلنواز بلند کی۔ مسلمان گھر گھر میں اختتام محفل میلاد/نعت پر قیام فرماتے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار معلی میں صلوٰۃ و سلام کے گجرے پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں: ”اس سے زیادہ نہ کوئی سلام آج تک پڑھا گیا، نہ سنا گیا، پاک و ہند کا شاید ہی کوئی مسلمان ہو جس کی کان اس سے آشنا نہ ہوں۔ درود و سلام

کے عنوان سے اردو میں درجنوں نظمیں لکھی گئی ہیں۔خود اکبر وارثی کے سلام کی تقلید میں سینکڑوں سلام منظر عام پر آئے لیکن سادگی وصفائی، اثر وتاثیر اور قبول عام کے لحاظ سے کوئی بھی اکبر کے کلام کو نہیں پہنچا۔

حضرت خواجہ اکبر وارثی نے ۶؍رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ بمطابق ۲۰؍مئی ۱۹۵۳ء بروز بدھ لیاقت آباد کراچی میں انتقال کیا اور میوہ شاہ قبرستان (لیاری) میں مدفون ہوئے۔

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۱۰۱، ۱۰۳، بحوالہ تذکرۂ شعرائے میرٹھ ص، ۲۵۳)

ادیب اہل سنت ادیب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

ادیب رائے پوری کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے نعتیہ ادب کے سلسلہ میں سب سے پہلا "ماہنامہ نوائے نعت" کراچی سے ۱۹۸۰ء کو جاری کیا۔آپ کی ادارت میں اس ماہنامہ نے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے ۸ سال مکمل کیے۔اپنوں کی لاتعلقی وعدم دلچسپی کی وجہ سے یہ ماہنامہ بند ہو گیا۔

۱۹۷۰ء کو پاکستان نعت کونسل کی نیاد رکھی گئی۔اس ادارے کے تحت عظیم الشان نعتیہ خدمات انجام دی گئی یادگار تقریبات کا اہتمام ہوتا رہا۔اس ادارے کے زیر اہتمام ہونے والی تقریبات نے وطن عزیز میں فروغ نعت کے حوالے سے کلیدی کردار ادا کیا۔۱۹۸۰ء سے قبل کونسل کو جناب قمرالدین احمد انجم (مرحوم) کے سپرد کر دیا گیا۔

۱۹۸۰ء، کو "پاکستان نعت اکیڈمی" کے نام سے ایک نئے ادارہ کی بناد رکھی گئی۔ پاکستان نعت اکیڈمی کے بانی وصدر ادیب رائے پوری نے اس اکیڈمی کے تحت برصغیر (پاک ہندو بنگلہ دیش) کی تاریخ میں سب سے پہلی "عالمی نعت کانفرنس" ۱۹۸۲ء، کو کراچی میں منعقد کی۔اپنی نوعیت کے حوالے سے ہونے والی اس منفرد کانفرنس میں امریکہ، یورپ، مشرق وسطیٰ، ساؤتھ ایشیاء، افریقہ اور برصغیر کی معروف شخصیات نے شرکت کی۔

۱۹۸۴ء کو پاکستان نعت اکیڈمی کے زیر اہتمام برطانیہ کے تین شہروں لندن، برمنگھم اور بریڈفورڈ میں عالمی نعت کانفرنس کے تین یادگار اجتماعات منعقد کیے گئے۔اس کے علاوہ

دسمبر۱۹۸۴ء، میں ویسٹ انڈیز کے شہر "ٹرینی ڈاڈ" میں "نعت کانفرنس" منعقد ہوئی۔ اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ اس شہر کی پہلی نعت کانفرنس تھی جسے خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔

سلور جوبلی ایوارڈ ۱۹۹۲ء، برصغیر میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی نعتیہ ایوارڈ تقریب تھی، جس میں ایک سوایوارڈ تقسیم کیے گئے۔ پہلی مرتبہ کسی ایک چھت کے نیچے دنیائے نعت کے تقریباً تمام ملکی وغیر ملکی اور برصغیر میں نعت کے موضوع پر پی، ایچ، ڈی کرنے والی شخصیات نے شرکت کی۔ شعرائے کرام، نعت خواں حضرات، ریڈیو، ٹی وی کے پروڈیوسرز، مختلف انجمنوں کے صدروسربراہ اور دیگر معززین کو چیئر مین سینٹ آف پاکستان جناب وسیم سجاد صاحب نے انعامات تقسیم کیے۔ دنیائے نعت میں ادیب رائے پوری کی اس نمایاں نعتیہ خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

شعری تازگی، توانا لہجہ، موثر انداز، وسیع مطالعہ اور قدیم وجدید اسالیب پر گرفت آپ کی شاعری کے بنیادی ماخذ ہیں۔ آپ کے کلام کو شعروادب کے حلقوں میں بے انتہا پسند کیا جاتا ہے۔ آپ کی زیادہ تر نعتیں مقبولیت کے مقام پر فائز ہیں۔ ادیب ایک پختہ اور کہنہ مشق نعت گو شاعر کی حیثیت رکھتے تھے۔ نمونہ کلام پیش خدمت ہے:

تیرے ذکر سے مری آبرو
تیری شان جل جلالہ
تو میرے کلام کا رنگ و بو
تیری شان جل جلالہ
ہزار سال دعا میں رہے، مگر محروم
جو درمیان محمد کو واسطہ نہ کرے
وہی ہے دامن رحمت میں سروردیں کے
جوان کی عید منانے پہ منہ برا نہ کرے
اے ماہ کامل حسن تمام

خیر البشر پہ لاکھوں سلام

خیر البشر پہ لاکھوں سلام لاکھوں درود اور لاکھوں سلام
عرش بریں تک چرچا ترا شمس و قمر ہیں صدقہ ترا
رحمت کا در کھلا ہے دربار مصطفیٰ میں بن مانگے مل رہا ہے دربار مصطفیٰ میں
سینہ پہ ہاتھ رکھ کر میں دل کو ڈھونڈتا ہوں دل مجھ کو ڈھونڈتا ہے، دربار مصطفیٰ میں

آج اشک میرے نعت سنائیں تو عجب کیا
سن کر وہ مجھے پاس بلائیں تو عجب کیا
دیدار کے قابل تو نہیں چشم تمنا
لیکن وہ کبھی خواب میں آئیں تو عجب کیا
نہ زاد سفر ہے نہ کوئی کام بھلے ہیں
پھر بھی مجھے سرکار بلائیں تو عجب کیا
حاصل جنہیں آقا کی غلامی کا شرف ہے
ٹھوکر سے وہ مردوں کو جلائیں تو عجب کیا
وہ حسن دو عالم ہیں ادیب ان کے قدم سے
صحرا میں اگر پھول کھل آئیں تو عجب کیا

فاصلوں کو خدا را مٹا دو رخ سے پردہ اب اپنے اٹھا دو
جالیوں پر نگاہیں جمی ہیں وجد میں آئے گا سارا عالم
جب پکاریں گے یا غوث اعظم وہ نکل آئیں گے جالیوں سے
اور قدموں پہ گر جائیں گے ہم پھر کہیں گے کہ بگڑی بنا دو
جالیوں پر نگاہیں جمی ہیں

آپ کا سب سے پہلا "مجموعہ نعت" ہے جو ۱۹۷۷ء کو آپ نے خود شائع کیا۔
مدینہ منورہ کی حاضری کے موقع پر جب ادیب نے یہ کتاب حضرت قطب مدینہ کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے فرمایا نعت گوئی ایک مقدس فن ہے جس سے وہی شاعر حقیقی

طور پر عہدہ برآ ہو سکتا ہے جس کے دل میں عشق رسالت مآب کارفرما ہو، ایمان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نام ہے جب تک دل میں ایمان کی روشنی نہ ہو، طبیعت اس طرف مائل نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ مبارکباد کے مستحق ہیں، جو اس وقت مشعل نعت ہاتھوں میں اٹھائے تاریکیوں کو روشنیوں میں بدل رہے ہیں۔ الحاد، بے دینی اور بے یقینی نے روحانی اقدار پر قبضہ جما رکھا ہے، اس شر کا مقابلہ کرنے کے لیے شہنشاہ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے پہلو، اور حب رسول کی تبلیغ، وقت کا سب سے اہم تقاضہ ہے۔ عزیز ادیب رائے پوری سلمہ اس فریضہ کو نہایت عقیدت، جذبے اور محبت سے انجام دے رہے ہیں۔ مجھے جس قدر بھی ان کا کلام دیکھنے اور سننے کا موقع ملا، اس میں والہانہ عقیدت، ذوق وشوق، سوز وگداز اور جذبات کی گہرائی پائی جاتی ہے، وہ اپنے ان پاکیزہ جذبات کے ساتھ ساتھ زبان و بیان پر پوری دسترس رکھتے ہیں، اور شعری محاسن سے بھی خوب واقف ہیں۔

میری دعا ہے کہ مولائے کریم از طفیل سید کونین، صاحب قاب قوسین ادیب کے ذوق وشوق میں ترقی فرمائے اور ان کا کلام مقبول بارگاہ رسالت مآب ہو۔ آمین ثم آمین

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۱۱۱۔۱۱۵)

سید شاہ اظہار اشرف کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا سید اظہار اشرف سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ سرکار کلاں فی البدیہہ شاعر تھے۔ آپ نے نعت، منقبت، رباعیات، غزل اور سلام پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کا شعری مجموعہ ''اظہار عقیدت'' کراچی (پاکستان) سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ شعری روایت سلطان مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی سے ہوتی ہوئی مولانا سید شاہ اشرفی الجیلانی تک پہنچی ہے۔ آپ کی شاعری کا مرکزی خیال ذاتِ مصطفیٰ ہے۔ یا وہ جملہ اشخاص جن کی نسبت کسی بھی طرح ذاتِ مصطفیٰ سے ہے۔ مثلاً صحابۂ کرام، ازواج مطہرات، اہل بیت، روضۂ انور، مسجد نبوی، مکہ و مدینہ، کعبہ اور شب معراج وغیرہ۔ ''اظہار عقیدت'' سے چند گل بوٹے پیش خدمت ہیں۔ عشق رسول میں ڈوبا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

میری زندگی کا مقصد تیرے عشق سے ہے حاصل
کسی اور سے محبت نہ ہوئی نہ ہے نہ ہوگی

وطن سے محبت فطری ہے۔ اسلامی تعلیمات بھی محبت کا درس دیتی ہے۔ مولانا اظہار اشرف کی نگاہ میں اصل حب الوطنی تاجدار مدنی کی محبت میں پنہاں ہے:

کیوں کر نہ مدینے کے تقدس پہ ہو قربان
مومن کی یہی اصل میں حب الوطنی ہے

(ماہنامہ ماہ نور، جون ۲۰۱۲، ص ۲۰، مضمون، پرویز اشرفی)

حضرت مولانا سید شاہ اشرف حسین رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضور پرنور اشرف الاولیاء قدس سرہ کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کی انہوں نے اپنے والد ماجد کو حج کرایا اور حج وزیارت کے ساتھ خدمت گذاری کی سعادت بھی حاصل فرمائی۔ تین بار حج وزیارت کا شرف حاصل ہوا، حضور پرنور قدسی منزلت مخدوم الاولیاء قدس سرہ نے بیان فرمایا کہ مدینہ منورہ میں بوقت حاضری چشم سر سے آپ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار حاصل ہوا، عالم مدینہ منورہ حضرت مولانا آل احمد محدث دربار رسالت میں آپ کا اعزاز واحترام دیکھ کر گرویدہ ہوئے، اور آپ کی سعیت میں کچھوچھا شریف حاضر ہوئے۔

(حیات مخدوم الاولیاء، ص ۱۷)

حضرت مولانا شاہ اعظم حسین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا علی حسین نے لکھا ہے کہ: آپ کو محفل میلاد شریف سے غایت عشق تھا، ہر ہفتہ اپنے گھر میں مجلس میلاد منعقد کرتے تھے، جب نواب صدیق خان برسر اقتدار آئے اور روش اسلاف سے گریز کر کے غیر مقلدیت کے فروغ میں کوشاں ہوئے تو آپ بھی ان کی زد میں آئے عین مجلس میلاد میں سپاہی پہنچ گئے اور آپ کو پکڑ کر لے گئے، آپ فرماتے تھے کہ اس دن سے زیادہ سخت دن پھر مجھ پر نہیں گزرا۔ صاحب مجلس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرم سے

مختصر گفتگو کے بعد آپ چھوڑ دیے گئے، اس کے بعد بھی آپ کے معمول میں تو کوئی فرق نہیں، مگر صدیق حسن خان کا زوال شروع ہو گیا، یہاں تک کہ مدار المہامی سے الگ کر دیے گئے، ان کے بعد نواب عبد اللطیف کلکتوی مدار المہام مقرر ہوئے تو انہوں نے آپ کو میر منشی کا عہدہ سپرد کیا، نواب عبد اللطیف حضرت شاہ صاحب خیر آبادی کی دیانت داری اور راست بازی کے بے حد مداح و معترف تھے، آپ ریاست بھوپال کے متبحر اور نامور عالم و مصلح مانے جاتے تھے، والی ریاست نواب سلطان جہاں بیگم نے اپنی روانگی حج سے پہلے ۱۳۲۱ھ میں آپ پر غایت اعتماد اور اعتراف تقدس کی بنا پر آپ کو مدینہ منورہ تحائف وغیرہ دے کر روانہ کیا، تا کہ آپ رمضان المبارک میں والی ریاست کے قیام کا بندوبست کریں، سلطان جہاں بیگم کو آپ سے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔

۱۳۲۶ھ میں استعفیٰ دے کر مدینہ منورہ جا بسے حرم شریف نبوی میں حدیث شریف کا درس دیتے اور باقی کتابیں گھر پر پڑھاتے تھے، آپ کا سلسلۂ بیعت و ارشاد مدینہ، شام، دمشق وغیرہ میں کافی وسیع تھا، ۱۳۳۷ھ میں آپ کا وصال ہوا، جنۃ البقیع میں سیدنا ابراہیم جگر گوشہ عالم ما کان وما یکون (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوار میں دفن کیے گئے۔ (تذکرۂ علمائے اہل سنت، ص ۳۵، ۳۶)

حضرت مولانا سید امیر اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

پیکر علم و فضل، زبدۃ الحکماء حکیم محمد موسیٰ امرتسری لاہوری نے آپ کی ایک خصوصیت کا ذکر کیا ہے کہ مولانا اجمیری جنوری ۱۹۲۶ء میں بعارضۂ فالج مریض ہو گئے، نومبر ۱۹۲۶ء میں مولانا لاہور تشریف لائے اور میرے مطب میں وارد ہوئے، میں نے انہیں بغور دیکھا، مگر بظاہر وہ اچھے بھلے تھے، فالج کا کوئی اثر نہ تھا، مولانا مجھ سے اشاروں میں باتیں کرنے لگے، مگر میری سمجھ میں نہ آیا، بلانے کی کوشش کی تو ایک لفظ بھی صحیح ادا نہ ہوا، قلم کاغذ پیش کیا کہ جو کہنا چاہتے ہیں لکھ دیں، گرفت کے باوجود کچھ نہ لکھ سکے، اس کے بعد میں نے عرض کیا، حضرت کوئی لفظ زبان سے ادا بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے باآواز

بلند قراء کی مانند پڑھا الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول الله وسلم علیك یا حبیب الله پھر درود شریف پڑھا، خفیف سے بھی لکنت نہ تھی، یہ کیفیت آپ پر آخری دم تک طاری رہی، یہاں تک کہ بوقت سہ پہر بروز چہارشنبہ چہارم شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ مطابق ۶/اکتوبر ۱۹۷۰ء کو اپنے وطن میں فوت ہوئے، حکیم محمد موسیٰ مدظلہ نے ''شمع ہدیٰ خموش ہے'' ہجری تاریخ نکالی۔ (تذکرۂ علمائے اہل سنت، ص ۴۱)

حضرت مولانا آل احمد پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

۱۲۴۳ھ میں حرمین شریفین کے ارادے سے گھر سے نکلے، ایک سال کلکتہ میں قیام کیا، ۲۷/رجب المرجب ۱۲۴۴ھ میں حرمین مکرمین میں حاضر ہوئے، وہاں پر آپ نے تین سال تک قیام کیا۔ حضرت شیخ الاسلام سید احمد زینی دحلان وغیرہ سے آپ نے سندات حدیث حاصل کیں، ۱۲۴۷ھ میں ہندوستان آئے، اور حیدرآباد میں مولانا میر شجاع الدین مرحوم کے مدرسہ میں مدرس ہو گئے، ۱۲۵۱ھ میں پھلواری وطن پہنچے۔ اس وقت سند ارشاد پر حضرت فائز تھے، ان سے استفادۂ باطنی کیا، ایک سال بعد قصد بنارس کیا، مزارات مقدسہ کی زیارت کرتے ہوئے جون پور پہنچے، حضرت استاذ العلما امام الحکما مولانا ہدایت اللہ خاں قادری رام پوری المتوفی ۱۳۲۶ھ نے آپ سے سند حدیث حاصل کی۔ ۱۲۶۴ھ میں پھر عرب کے قصد سے سفر کیا بغداد مقدس، کاظمین، نجف اشرف کی زیارت کرتے ہوئے مکہ معظمہ حاضر ہوئے، ۱۲۷۲ھ میں آپ کی اپنے چچا مولانا شاہ محمد حسین سے ایک روز طواف سے فراغت کے بعد ملاقات ہوئی، ۱۲۷۲ھ تا ۱۲۸۵ھ مدینہ طیبہ میں درس حدیث میں مشغول رہے، ۱۲۸۵ھ میں حضرت شاہ علی حبیب نصر ابن حضرت فرد نے تحصیل حدیث کے لیے پھلواری بلایا، اور سبقا سبقا تمام کتب صحاح و مسانید پڑھ کر سند حاصل کی ۱۲۸۸ھ میں واپس تشریف لے گئے۔

مولانا شاہ آل احمد از حد وارفتہ حال تھے، بادۂ حب نبی سے سرشار رہتے، مولانا شاہ علی حبیب نصر نے جب تحصیل حدیث کی غرض سے آپ کو بلایا، آپ نے تامل فرمایا، اور عرض

کیا، کہ ڈرتا ہوں کہ کہیں وہاں کا پیوند خاک نہ ہو جاؤں، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے سر پر دست مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا ''تم پھر مدینہ واپس آجاؤ گے'' اس روز سے آپ نے اتنے حصے کے بالوں کو نہیں کٹوایا، ۲۶ رمضان المبارک ۱۲۹۵ھ میں مولانا کا انتقال ہوا جنت البقیع میں مدفن ہے۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۴۸، ۴۹)

ڈاکٹر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا محمد بخش مسلم اپنے ایک مضمون ''علامہ اقبال غلام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''نگاہ مصطفیٰ'' علامہ کی التجا اللہ تعالیٰ سے:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر　　روز محشر عذر ہائے من پذیر
یا اگر بینی حسابم نا گزیر　　از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر
مکن مدسوا، حضور خواجہ مارا　　حساب من ز چشم او پنہاں گیر

اے اللہ تو ہے غنی بے پروا، میں ہوں فقیر، قیامت کے دن میرے عذروں کو قبول فرما، اگر میرا حساب لازمی ہو تو یہ کرم کر کہ حساب یوں لے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ دیکھ لیں، میرے آقا مجھے حضور کے سامنے رسوا نہ فرمانا میرا حساب ان سے چھپا کر لینا۔

میں نے دیکھا کہ علامہ اپنی کوٹھی میں گھوم رہے تھے سر کے بالوں کو کھینچ رہے تھے، آنسوؤں کا مینھ برسا رہے تھے، اور چلا چلا کر کہہ رہے تھے، از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر، از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر۔ یہ اس شخص کا حال تھا جو بہر نوع صاحب کمال تھا۔ آگاہ ماضی تھا۔ آشنائے حال تھا۔ زائر استقبال تھا۔ مسلمانوں کی پستی پر پُر ملال تھا۔''

(مبلغ تحریک پاکستان، مولانا محمد بخش مسلم، بی، اے، ص ۲۸)

علامہ کے عشق رسول کا اندازہ آپ علامہ کے اس شعر سے لگا سکتے ہیں۔

محمد عربی کا برُوئے ہر دو سرا است
کس کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی آبروئے ہر دو عالم ہے جسے آپ کے در کی

خاک بننے میں فخر نہیں اس کے سر پہ خاک۔ (مجھے ہے حکم اذاں، ص ۱۵)

غلام بھیک نیرنگ لکھتے ہیں "اقبال کا تعلق حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات سے اس قدر نازک تھا کہ حضور کا ذکر آتے ہی ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی، اگرچہ وہ فوراً ضبط کر لیتے تھے۔"

(مضمون "اقبال کے بعض حالات،" مشمولہ رسالہ اقبال لاہور، اکتوبر ۱۹۵۸ء، ص ۳۰)

پروفیسر سلیم چشتی رقمطراز ہیں: "میں اپنے ذاتی مشاہدے کی بناء پر بھی کہہ سکتا ہوں کہ جب کبھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ان کی زبان پر آتا تو معاً ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ اقبال عشق رسول میں اس قدر ڈوب گئے تھے کہ جب عاشقان رسول کا تذکرہ کرتے اس وقت بھی آبدیدہ ہو جاتے۔"

(مضمون، اقبال اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشمولہ ماہنامہ بصیر کراچی مئی ۱۹۸۲ء، ص ۶۸)

اقبال، یادِ رسول اور درود سلام

انہوں نے کہا کہ مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوں اور کوئی حضور آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات بیان کرے۔ اور یادِ رسول اس کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان کا قلب، نبوت کا خود مظہر ہو جائے یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے جو کیفیت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس سے ہوئی تھی۔ وہ آج ہمارے قلب کے اندر پیدا ہو جائے۔" (آثار اقبال از: دستگیر رشید، ص ۳۰۶)

توہین رسول کے خلاف جہاد

۱۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو لاہور کی شاہی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے اقبال نے کہا "اصل مقصد توہینِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج ہے۔ امید ہے کہ آپ اس مقصد کو پیش نظر رکھیں گے اور سب سے پہلے صرف اس کے لیے جدوجہد کریں گے۔ جدوجہد سے پہلے اپنی تمام قوتیں جمع کر لیں۔"

(روزگار فقیر جلد دوم ص ۷۲)

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

اقبال بعد از وصال بھی سرکار علیہ السلام کے لیے حیات مانتے تھے۔وہ نیاز الدین خان کے نام ایک خط میں تحریر کرتے ہیں۔''میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اس طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ کرام ہوا کرتے تھے۔'' (انوار اقبال مرتبہ: بشیر احمد ڈار، ص ۴۵،۴۶)

اقبال مدنی آقا کی محبت سے سرشار دل رکھتے تھے،اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اپنا معالج گردانتے۔

چنانچہ صلاح الدین برنی کے نام ۱۳ر جون ۱۹۳۶ء کے ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں کہ وہ تقریباً دو سال سے بیمار تھے ایک شب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شفایابی کے لیے منظوم فریاد کی۔صبح ہی سے ان کی آواز میں نمایاں تبدیلی ہوگئی اور رنگ وروپ نکھرنے لگا۔ (ملخصا، اقبال نامہ حصہ اول، ص ۴۱۴)

اقبال سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر پاک سے زیادہ جینا نہیں چاہتے تھے۔اور آخر اس عاشق رسول کی تمنا اور دعا قبول ہوئی یعنی وہ ۶۱ ربرس کی عمر میں فوت ہوئے۔

(روزگار فقیر جلد دوم ص ۸۲)

یہ تمام واقعات اس بات کے غماز ہیں کہ وہ (اقبال) سرکار کے عاشق صادق تھے۔

نوٹ: ۱۹۳۴ء میں مسجد وزیر خان کے آخری فیصلہ کن مناظرے کا اہتمام کیا گیا تھا۔حضور حجۃ الاسلام قبلہ قدس سرہ بہ نفس نفیس لاہور تشریف لے گئے تھے۔اور مولوی اشرف علی تھانوی کو خصوصی دعوت فکر دینے کے لیے ڈبہ رزرو کروا کے ان کی آمد کا انتظار کیا گیا تھا۔لیکن باوجود اصرار کے وہ نہیں آئے۔اس موقع پر کسی مقام پر حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کی ملاقات ہوئی۔حضرت موصوف نے اقبال کے سامنے دیوبندیوں کی عبارتیں پڑھیں تو اقبال نے بیساختہ کہا کہ''مولانا یہ ایسی عبارت گستاخانہ ہیں کہ ان لوگوں پر آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا؟ ان پر تو آسمان ٹوٹ پڑنا چاہیے۔

(مولانا محمد منشا تابش قصوری، دعوت فکر، ص ۳۵ مطبوعہ مرید کے شیخوپورہ پاکستان ۱۹۸۲ء)

حواریان دیوبند کے اس عبارات گستاخانہ پر ڈاکٹر اقبال کا یہ کہنا کہ ان لوگوں پر آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا؟ ان پر تو آسمان ٹوٹ پڑنا چاہیے۔ اس سے بڑھ کر ان حواریان دیوبند سے نفرت و بیزاری کیا ہوسکتا ہے۔ یقیناً آپ گستاخان رسول سے متنفر تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے۔

ڈاکٹر اقبال کے بارے میں حضور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں کا فرمان ملاحظہ ہو:
ایک بار کسی شخص نے سرکار مفتی اعظم سے اقبال کے کفر کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے یہ شعر ع

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بو لہبی است

کہا ہو اسے کافر کیسے کہا جائے۔

(سہ ماہی افکار رضا ممبئی اکتوبر تا دسمبر، ۲۰۰۱ء، ص ۵۱ مضمون ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی مقالہ ''امام احمد رضا اور ڈاکٹر اقبال'' میں لکھتے ہیں: خود راقم مفتی منظر اسلام مولانا مفتی محمد فاروق صاحب اس بات کے گواہ ہیں کہ اس موقع پر اور صاحبان موجود تھے ویسے مرید رضا، مانا میاں مرحوم پیلی بھیتی نے لکھا ہے کہ انجمن نعمانیہ ہند لاہور کے ایک اجتماع میں اقبال نے اعلیٰ حضرت سے نیاز حاصل کیا تھا۔ اور اپنی ایک نعت سنائی تھی، جسے آپ نے پسند فرمایا تھا۔ (حضرت مانا میاں سوانح اعلیٰ حضرت بریلی، ص ۵۷، مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۰۔ ملخصاً۔)

اور محترم راجہ رشید محمود صاحب مدیر ماہنامہ ''نعت'' لاہور نے اپنی کتاب ''اقبال اور امام احمد رضا'' میں دونوں حضرات کے اشعار اور واقعات سے دونوں کے عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مماثلت دکھائی ہے۔ اقبال سنی القعیدہ تھے۔ اور ان کا مسلک وہی تھا جو مسلک اعلیٰ حضرت تھا۔ یا جسے آج ہم مسلک اعلیٰ حضرت کہتے ہیں۔

شاعر بلانوش اختر شیرانی کا عشق رسول

عرب ہوٹل میں ایک دفعہ بعض کمیونسٹ نوجوانوں نے جو بلا کے ذہین تھے شاعر بلانوش اختر

شیرانی سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی۔ اس وقت تک وہ دو بوتلیں چڑھا چکے تھے اور ہوش قائم نہ تھے، تمام بدن پر رعشہ طاری تھا، حتیٰ کہ الفاظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے تھے۔ ادھر ''انا'' کا شروع سے یہ حال تھا کہ اپنے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔ جانے کیا سوال زیر بحث تھا۔ فرمایا مسلمانوں میں تین شخص اب تک ایسے پیدا ہوئے جو ہر اعتبار سے ''جی نی اس'' (GENIUS) بھی ہیں اور کامل الفن بھی۔ پہلے ابوالفضل، دوسرے اسد اللہ خاں غالب، تیسرے ابوالکلام آزاد۔ شاعر وہ شاذ ہی کسی کو مانتے تھے۔ ہمعصر شعراء میں جو واقعی شاعر تھا اسے بھی اپنے سے کمتر خیال کرتے تھے۔ کمیونسٹ نوجوانوں نے فیض کے بارے میں سوال کیا، طرح دے گئے، جوش کے متعلق پوچھا، کہا وہ ناظم ہے، سردار جعفری کا نام لیا، مسکرادیئے۔ فراق کا ذکر چھیڑا ہوں ہاں کرکے چپ ہو گئے۔ ساحر لدھیانوی کی بات کی، سامنے بیٹھا تھا۔ فرمایا، مشق کرنے دو۔ ظہیر کاشمیری کے بارے میں کہا، نام سنا ہے۔ احمد ندیم قاسمی؟ فرمایا ''میرا شاگرد ہے''! نوجوانوں نے دیکھا کہ ترقی پسند تحریک ہی کے منکر ہیں تو بحث کا رخ پھیر دیا۔ حضرت! فلاں پیغمبر کے بارے میں کیا خیال ہے۔۔۔۔۔۔؟'' آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، نشہ میں چور تھے۔ زبان پر قابو نہیں تھا۔ لیکن چونک کر فرمایا: ''کیا بکتے ہو؟'' ''ادب و انشا یا شعر و شاعری کی بات کرو'' کسی نے فوراً ہی افلاطون کی طرف رخ موڑ دیا۔ ان کے مکالمات کی بابت کیا خیال ہے؟ ارسطو اور سقراط کے بارے میں سوال کیا۔ مگر اس وقت وہ اپنے موڈ میں تھے۔ فرمایا ''اجی پوچھو یہ کہ ہم کون ہیں۔ یہ ارسطو، افلاطون یا سقراط آج ہوتے تو ہمارے حلقے میں بیٹھتے، ہمیں ان سے کیا کہ ان کے بارے میں رائے دیتے پھریں۔'' اس لڑکھڑائی ہوئی آواز سے فائدہ اٹھا کر ایک ظالم قسم کے کمیونسٹ نے سوال کیا: ''آپ کا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اللہ اللہ ایک شرابی، جیسے کوئی برق تڑپی ہو، بلور کا گلاس اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا۔ ''بدبخت! ایک عاصی سے سوال کر رہا ہے، ایک سیہ رو سے پوچھتا ہے! ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے؟'' تمام جسم کانپ رہا تھا، ایکا ایکی رونا شروع کیا گھگی بندھ گئی۔ تم نے ایسی حالت میں یہ نام کیوں لیا؟ تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ گستاخ! بے ادب!

''با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار''

''اس شریر سوال پر توبہ کرو۔تمہارا خبثِ باطن سمجھتا ہوں۔خود قہر وغضب کی تصویر ہو گئے۔
اس نوجوان کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، اس نے بات کو موڑنا چاہا، مگر اختر کہاں سنتے
تھے۔اسے اٹھوادیا، پھر خود اٹھ کر چلے گئے، تمام رات روتے رہے، کہتے تھے یہ لوگ اتنے نڈر
ہو گئے ہیں کہ آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں۔میں گنہگار ضرور ہوں لیکن یہ مجھے کافر
بنادینا چاہتے ہیں۔(مجھے ہے حکم اذاں، ص ۱۷ تا ۱۸)

اللہ ورسول سے محبت کرنے والے پر لعنت بھیجنا منع ہے

ایک مسلمان جس کا نام عبداللہ الحمار تھا، اس نے شراب پی۔حضور نے اس کی جوتوں سے
مرمت کی اور لوگ موجود تھے انہیں بھی حکم دیا کہ اسے جوتے ماریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس
کے بارے میں کہا، اس پر خدا کی لعنت ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر کو ایسا کہنے سے
منع فرمایا۔اور ارشاد فرمایا ''فانہ یحب اللہ ورسولہ۔'' کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے
محبت کرتا ہے اس لیے اس پر لعنت مت بھیجو۔ (ضیاء النبی، ج۴، ص ۲۳۸)

حضرت ابوالخیر نور اللہ نعیمی قادری اشرفی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

فقیہ اعظم حضرت ابوالخیر نور اللہ نعیمی قادری اشرفی رحمہ اللہ تعالیٰ بانی دارالعلوم حنفیہ
فریدیہ بصیر پور ضلع اوکاڑہ (پاکستان) حدیث شریف پڑھاتے پڑھاتے نبی کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں کچھ اس طرح محو ہو جاتے کہ جیسے یہاں نہیں بلکہ گنبد خضرا کے
سائے میں قیام کیے دست بستہ بارگاہِ حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صلوٰۃ وسلام
پیش کر رہے ہیں اور جب محویت کے نشہ سے سرشار ہوتے تو یوں پکار اٹھتے:

نہ مرنا یاد آتا ہے نہ جینا یاد آتا ہے
محمد یاد آتے ہیں مدینہ یاد آتا ہے

(پکارو یارسول اللہ، ص ۳۲)

حضرت پیر سید احمد خالد شامی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ نے مسقط کے قیام کا ایک واقعہ سنایا کہ میں وہاں کے ایک رئیس حاکم کا مہمان تھا جو کہ ''شیعہ مذہب'' کا پیروکار تھا۔ بڑے بڑے مجتہد وہاں اکٹھے تھے۔ یہ لوگ سیدوں کی بہت عزت کرتے ہیں مجھ سے بھی انہوں نے ملاقات کی اور علمی گفتگو رہی خدا کے فضل سے مجھے علمی لحاظ سے بھی انہوں نے بہتر پایا اور سید ہونے کی بنا پر بھی عزت کی اور یہ گمان کرنے لگے کہ شاید میں بھی شیعہ ہوں۔

آخر انہوں نے میرے مذہب کے بارے میں جستجو شروع کر دی مگر میں بات ٹال دیتا اور کوئی دوسرا موضوع چھیڑ دیتا۔ ایک روز دربار میں بہت سے مجتہد جمع تھے اور میرا میزبان رئیس بھی وہاں موجود تھا۔ وہاں ایک بحث جو ایک گھنٹہ تک جاری رہی میں نے انہیں قائل کر لیا اور پھر کھڑے ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کی اور اس کے بعد اپنا عقیدہ ظاہر کر کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعریف و توصیف بیان کی۔ بس پھر کیا تھا کہ انہوں نے تلواریں میان سے نکال لیں اور مجھ پر حملہ آور ہوئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی کہ ان کا رئیس اٹھ کر درمیان میں آ گیا اور مجھے بچا لیا اور سب مجمع کو چلے جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد وہ رئیس مجھے اپنی قیام گاہ میں لے گیا اور کہا کہ یا ابن رسول اللہ! آپ کو خوف نہ ہوا کہ آپ نے ان لوگوں کے سامنے صحابہ کی تعریف کر دی۔ میں نے جواب میں کہا: ''حق ظاہر کرنے میں خوف کیا آخر حق حق ہوتا ہے۔'' وہ سن کر بہت خوش ہوا اور اس روز اس نے کسی اور سے ملاقات نہ کی بلکہ منع کر دیا کہ آج کوئی ملنے نہ آئے اور اسی روز رات کو اس نے چار سوار بطور محافظ ہمراہ دے کر اور کچھ تحائف دے کر مجھے رخصت کیا اور کہا کہ اب آپ کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ ان چاروں محافظوں کو تاکید کی کہ خبردار! میرے مہمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، وہ محافظ مجھے خطرے کے حدود سے باہر تک چھوڑ کر واپس ہوئے۔

ایک بار آپ سندھ میں تھے کہ کسی بدنصیب نے حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

شان مبارک میں گستاخی کر دی۔ آپ جلال میں آ گئے۔ اس قدر طیش میں آئے کہ کسی کو بھی آپ کے سامنے بولنے کی مجال نہیں تھی۔ حتی کہ نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ آپ اسی حالت میں اٹھے اور وضو کرنے لگے۔ قریب ہی قاضی عزیز اللہ ھکڑو (ساکن بٹھی بہرام تحصیل میرو خان ضلع لاڑکانہ) کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ حضور اتنے خفا ہو گئے ہیں ہم نے یہ نئی بات دیکھی ہے۔ درویش میں اتنا غصہ تو نہیں ہونا چاہیے۔ آپ نے (دل کی بات جان لی) وضو کرتے ہوئے قاضی صاحب سے فرمایا: "قاضی صاحب! ہم شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی کا کوئی لفظ نہیں سن سکتے۔ اس لیے ہم اپنی عقیدت اور طبیعت سے مجبور ہیں۔" یہ سن کر قاضی صاحب حیرت میں پڑ گئے اور خاموش ہو گئے۔

(تذکرہ شاہی ص ۱۸۱۔ انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۵۹، ۶۰)

مولانا سید محمد اکرام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا اکرام الدین کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت اور بزرگان دین کی عقیدت سے معمور تھا۔ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور آپ کی شان میں ہدیۂ عقیدت پیش کیا اور استعانت و استمداد کی، چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

بدرگاہ جنابت آمدہ یا شاہ جیلانی — منور شد دلم از پر توِ انوارِ ربانی
غریبم بے نوا افتادہ ام بیمار در کویت — نظر فرما بحالم حضرت محبوب سبحانی

آپ شعر و سخن کا بہترین ذوق رکھتے تھے اور اختر تخلص کرتے تھے۔ ان کے کلام میں زیادہ تر نعت و منقبت کا پہلو نمایاں ہے۔ درج ذیل مشہور قصیدہ نعتیہ آپ ہی کے فکر عالی کا نتیجہ ہے۔

تیری الفت میں مر مٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں
تیرے کوچے میں ہونا دفن جنت اس کو کہتے ہیں
تجھی کو دیکھنا، تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا

حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں تیرے رہنا، عبادت اس کو کہتے ہیں
بنایا مشرکوں کو عاشق توحید یکدم میں
یہ ہے شان نبوت اور رسالت اس کو کہتے ہیں
ادھر ایماء ہوا شہ کا اُدھر بخشے گئے عاصی
شفاعت اس کو کہتے ہیں وجاہت اس کو کہتے ہیں
زہے طغیاں کہ دریا سے نبی کے پیارے بچوں کو
نہ دی ایک بوند پانی کی شقاوت اس کو کہتے ہیں
سگ درگاہ جیلاں مجھ کو حق کردے تو شاہوں سے
کہوں دنیا کے کتو! بادشاہت اس کو کہتے ہیں
تر مفتون جاں دادہ، تیرا عاشق تیرا شیدا
تیرا مضطر تیرا اختر ہدایت اس کو کہتے یں

(تذکرۂ اکابر اہل سنت، ص۹۱)

حضرت قاری احمد حسین فیروزپوری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور یاد میں شب و روز محو رہتے، آپ کی تقریروں میں یہ عنصر ہمیشہ نمایاں رہتا اور سننے والے کیف و سرور اور لذتِ محبت میں گم ہو جاتے، آپ کو بارہا خواب میں اور بعض اوقات عالم بیدری میں جمال جہاں آرا کے دیدار کا شرف حاصل ہوا۔ نوعمری کا زمانہ تھا، کیا دیکھتے ہیں کہ خواب میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہیں اور ایسی پیاری نعت عرض کر رہے ہیں جو پہلے انہیں یاد نہ تھی، بیدار ہونے پر تجسس پیدا ہوا کہ یہ نعت کس کی لکھی ہوئی ہے۔ ایک دن اتفاقاً حدائق بخشش (امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا نعتیہ دیوان) دیکھ رہے تھے کہ اس میں وہی نعت مل

گئی جو آپ نے خواب میں دربار رسالت میں پیش کی تھی، اب تو قاری صاحب کو فاضل بریلوی قدس سرہ سے بے انتہا محبت ہوگئی، اسی عقیدت کی بنا پر ایک دفعہ بریلی شریف حاضر ہوئے، فاضل بریلوی قدس سرہ کے مزار پر انوار پر حاضری دی اور چند دن وہاں قیام کیا۔
(تذکرۂ اکابر اہل سنت، ص ۴۱)

حضرت مولانا شاہ احمد نورانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

۱۹۷۳ء..... میں ۳۰ رجون کے قومی اسمبلی کے اجلاس میں قادیانیوں اور لاہوری گروپ کو غیر مسلم قرار دینے میں نہ صرف پیش پیش رہے بلکہ اس مسودہ کی تیاری میں کلیدی کردار ادا کیا آپ کے ساتھ اس وقت قومی اسمبلی میں علامہ عبد المصطفیٰ الازہری (۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء) اور سینٹرل مولانا مفتی محمد ظفر علی نعمانی صاحب (م۔۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء) بھی پیش پیش تھے۔
مولانا نورانی اور ان کے ہم مسلک رفقاء نے اس مسودہ میں مسلمان کی تعریف کے جو الفاظ لکھے وہ ملاحظہ کیجیے:
''مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر لحاظ سے آخری نبی مانتا ہو۔'' مولانا نورانی صاحب کے اس عظیم کارنامہ پر تاریخ برصغیر قیامت تک ان کو ''امام تحریک اور دافع فتنۂ قادیانیت'' کے خطاب سے یاد کرتی رہے گی، اس عظیم خدمت کا اعجاز اور برکات تھیں کہ آقا و مولیٰ، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غلام مرد مجاہد کو دنیا کے کسی خطہ میں بھی کوئی قادیانی کوئی زک نہ پہنچا سکا جبکہ ملک سمیت دنیا کے ہر گوشے میں آپ بغیر کسی مسلح محافظ کے ۴۰ رسال قادیانیوں کے خلاف مہم چلاتے رہے۔
۱۹۷۶ء..... میں تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے سلسلہ میں پورے ملک کا طوفانی دورہ کیا اور اس کو مقبول فرمایا، اس دوران آپ پر قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا، ملک میں شریعتی نظام کے قیام کی جدوجہد میں آپ نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔
عشق رسول آپ نے ورثہ میں پایا تھا آپ کے جد امجد حضرت مولانا عبد الحکیم جوش

میرٹھی تھے ان کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول کی جھلک صاف محسوس کر سکتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

خوش نصیب ایسی عطا ہوں میرے مولیٰ آنکھیں
دیکھیں جی بھر کے جمال شہہ بطحا آنکھیں
ہوں شرف جو زیارت سے رخِ انور کی
ایسی دے اپنی عنایت سے خدایا آنکھیں
آرزوئے درِ احمد میں جو بیتاب ہے جوش
شوق سے دیکھتی ہیں سوئے مدینہ آنکھیں

یہ تو دادا کا کمال ہے اب بڑے صاحبزادے کو بھی دولت کیسے منتقل فرمارہے ہیں ذرا آپ بھی دیکھ لیجئے آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مختار احمد صدیقی میرٹھی نذرانہ عشق محبت یوں پیش کرتے ہیں۔

اللہ اللہ وہ جمال شہِ بطحا دیکھو — نور حق جلوہ نما ہے رخ زیبا دیکھو
اسم اللہ کا مظہر ہے وہ جمالِ احمد — قابل دید ہوں آنکھیں تو یہ جلوہ دیکھو
جن کو فردوس بریں کی ہو تمنا مختار — ان سے کہدو کہ چلو پہلے مدینہ دیکھو

(ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی، جون ۲۰۰۲ء، ص ۱۹، ۲۰)

حضرت علامہ احمد مختار میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی عظیم نعمت ہے۔ نعت گوئی نہایت نازک صنف ہے اس خاردار وادی سے کامیاب نکل جانا بڑی سعادت کی بات ہے۔ حضرت علامہ احمد مختار میرٹھی کامیاب نعت گو شاعر تھے آپ کو نعت گوئی ورثے میں ملی تھی۔ آپ کے والد ماجد حضرت علامہ عبدالحکیم جوش میرٹھی بلند پایہ شاعر تھے۔

محمد صلاح الدین سعیدی اپنے تحقیقی مقالہ ''امام نورانی اور ان کا خاندان'' میں لکھتے ہیں: انیسویں صدی ہجری میں صوفی حمید الدین صدیقی خجندی کی نسل میں سے میرٹھ میں دو بھائیوں ''علامہ عبدالحکیم جوش میرٹھی اور مولوی اسماعیل میرٹھی نے تو شعر و شاعری کے ساتھ

اپنے آباؤاجداد کی طرح رشد وہدایت کی مسند کو بھی رونق بخشی لیکن مولوی اسماعیل میرٹھی نے فقط اردو شعر وادب کی خدمت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا دونوں بھائی اپنے اپنے شعبے میں استاد مانے جاتے تھے۔ حضرت احمد مختار میرٹھی کا مجموعۂ کلام یا دیوان تو نہیں گزرا ہاں مختلف کتابوں میں آپ کے چند اشعار نظر سے گزرے۔ ذیل میں وہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن سے حضرت موصوف کی نعت گوئی پر درک وکمال جانا جاسکتا ہے۔ اپنے آقا دو عالم کے داتا، مکین گنبد خضریٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کرتے ہوئے یوں نغمہ سنج ہیں۔

اللہ اللہ وہ جمالِ شہ بطحا دیکھو
نور حق جلوہ نما ہے رخِ زیبا دیکھو
اسمِ اللہ کا مظہر ہے جمالِ احمد
قابل دید ہوں آنکھیں تو یہ جلوہ دیکھو
جن کو فردوس بریں کی ہو تمنا مختار
ان سے کہہ دو کہ چلو پہلے مدینہ دیکھو

اپنے رب کے حضور مناجات کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

مجھے اس کا جلوہ دکھا دے خدایا
جسے تو نے آئینہ اپنا بنایا
خدا نور ہے آسمان و زمین کا
محمد ہے اس نور کا پہلا سایہ
الٰہی بحق شفیع قیامت
میرے سر پہ ہو ابر رحمت کا سایہ
یہ مختار عاصی بھی پہنچے مدینہ
کوئی راہ ایسی بتا دے خدایا

عاشق رسول سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ السامی نے اپنے اس چہیتے خلیفہ کا تذکرہ "الاستمداد" میں ان الفاظ میں فرمایا۔

مجبور احمد مختار ان کو کرتا ہے مر جاتے یہ ہیں

اعلیٰ حضرت اما احمد رضا کے اس شعر سے جہاں مبلغ اسلام حضرت احمد مختار میرٹھی کا علمی مقام ومرتبہ واضح ہوتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے پاس ایسے دلائل قاہرہ رکھتے ہیں جو دشمنان خدا اور رسول پر برق خاطف بن کر گرتے ہیں اور شریعت کے موقف کو اتنے محکم انداز میں باطل کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ باطل کو سوائے خاموشی کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ (ماہنامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئی، فروری ۲۰۱۱ء ص ۲۵)

حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

ایک مرتبہ مجھ فقیر (راقم الحروف) سے ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی مقیم حال میرا روڈ ممبئی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ایک جلسے کی روداد بیان کر رہے تھے کہ:

''جب میں جامعہ اشرفیہ میں زیرِ تعلیم تھا اور اشرفیہ کو ایک جنریٹر کی ضرورت تھی حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے وعظ وخطاب کے لیے علامہ رئیس القلم کو حکم فرمایا۔ چوں کہ علامہ حافظ ملت کے پس خوردہ تیز اسی جامعہ کے پروردہ تھے، اس لیے اشرفیہ کی تمام ضرورتوں کا آپ کو بخوبی علم تھا۔ اور اہلِ مبارک پور کے مزاج وآہنگ سے بھی واقف تھے۔

اب کیا تھا، حضرت رئیس القلم کھڑے ہوئے، حمد وصلوٰۃ کے بعد یوں گویا ہوتے ہیں:

برادرانِ اسلام! ہم میں سے ہر کوئی یہ جانتا ہے کہ اُسے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ قبر کی ہولناکیوں سے دوچار ہونا ہے۔ رَب، دینِ اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سوالات کے مراحل سے گذرنا ہے۔ کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو نیک عمل کے ذریعہ اللہ عزوجل کی رضا کے طالب ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین ،دینِ حنیف کی وسعت، تبلیغ واشاعت کے لیے جامعہ کو ایک جنریٹر دے کر یہاں کے مہمانانِ رسول کے تعلیمی فروغ میں اللہ عزوجل کے یہاں اپنا نام درج کرائیں۔ مجلس سے ایک صاحب دل کھڑا ہوا۔ اور باآوازِ بلند اپنی طرف سے جنریٹر دینے کا اعلان کر دیا۔ پھر کچھ دیر عشقِ رسول کے حوالے سے گفتگو ہوتی رہی۔ گستاخانِ رسول سے اُمت مسلمہ کو بچنے اور

دور رہنے کے اسباب وعوامل گنائے۔ یہ بھی بتایا کہ جس کسی کو بھی تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے متنفر پاؤ تو وہ تمہارا کتنا ہی قریبی رشتہ دار، اُستاد، پیر، ماں، باپ غرضیکہ وہ کوئی بھی ہو ایسوں سے ہر طرح کا رشتہ منقطع کرلو، یہی تقاضۂ ایمان ہے، شیوۂ مومن ہے۔ پھر آپ نے یہ مصرعہ

ڈال دی قلب میں عظمتِ مصطفیٰ

تقریباً بیس سے بھی زائد بار پڑھا۔ اسٹیج پر رونق افروز علما، مشائخ اور سامعین بھی آپ کے ساتھ پڑھتے رہے۔ آنکھیں موسلا دھار بارش کی طرح پانی برسا رہی تھیں۔ جسے دیکھو سب اشک بار آنکھوں سے یہی مصرعہ پڑھے جارہے ہیں

ڈال دی قلب میں عظمتِ مصطفیٰ

آخر میں فرمایا:

سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام۔"

گویا آپ زبان حال سے بفیضِ اعلیٰ حضرت مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ (مؤلف)

حضرت قاضی سید احسن الزماں ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

پرتاثیر بیان کی وجہ سے آپ سلطان الواعظین کے لقب سے ملقب ہوئے، ایک مرتبہ شدت بیماری سے سینہ اور گلے میں اتنا درد ہوگیا کہ آواز بند ہوگئی، آپ بڑے پریشان ہوئے، اچانک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدار سے نوازا اور آپ کے گلے، سینے اور منہ پر دست مبارک پھیرا اور ارشاد فرمایا! گھبراؤ مت، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منہ کھولو، آپ نے منہ کھولا تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ میں دم کردیا۔ آپ نیند سے بیدار ہوئے تو گھر کو معطر پایا، آپ سمجھ گئے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے، اس واقعہ کے بعد آپ جتنا بھی وعظ فرماتے کبھی نہیں تھکتے۔ آپ سختی سے شریعت پر عمل کرتے اور پابند سنتِ رسول تھے۔ (ماہنامہ "معارف رضا" کراچی، جون ۲۰۰۳ء، ص ۲۷)

ابوالحسن بن سمعون کو حالت بیداری میں زیارت رسول کا شرف

ابن باطیش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اثبات کرامات اولیاء'' میں یہ واقعہ ابو طاہر محمد عارف کی زبانی یوں نقل کیا ہے: کہ میں حضرت ابوالحسن بن سمعون رحمہ اللہ تعالیٰ کی محفل وعظ میں موجود تھا۔ حضرت ابوالفتح قواس کرسی کے پہلو میں بیٹھے تھے، انہیں اونگھ آئی اور وہ سو گئے، ابن سمعون نے ایک ساعت بھر وعظ کا سلسلہ منقطع فرمایا ابوالفتح جاگے سر اٹھایا تو ابن سمعون نے انہیں فرمایا آپ نے نبی علیہ السلام کی زیارت ابھی خواب میں فرمائی ہے؟ جواب ملا جی ہاں! فرمانے لگے اسی لیے میں نے سلسلہ کلام بند کر دیا تھا کہ آپ بے قرار نہ ہوں، اور خواب کا سلسلہ نہ ٹوٹے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کے وقت عالم بیداری میں ابن سمعون رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی زیارت کی اور ابوالفتح خواب میں مشرف ہوئے، آپ ۳۸۷ھ میں واصل بحق ہوئے اور گھر میں ہی مدفون ہوئے پینتیس (۳۵) سالوں کے بعد انہیں وہاں سے منتقل کرنا پڑا تو ان کے کفن کو بھی خبر نہ تھی کہ زمانہ گزر گیا (یعنی وہی بات ہوئی کہ قبر نے بھی قیامت تک امانت کی طرح رکھا۔ نہ ایک موکم ہوا، ان کا نہ ایک تارِ کفن بگڑا۔ امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ انہیں امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دفن کرنے کے لیے نکالا گیا تھا آپ کا کفن اسی طرح آواز دیتا تھا (تازہ تھا) جس طرح دفن کرتے وقت تھا۔ (جامع کرامات اولیاء، ص ۴۹۷)

زندہ رہیں تو حاضریِ بارگہ نصیب　　مر جائیں تو حیات ابد عیش گھر کی ہے

حضرت حافظ محمد احسان الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

ایک موقع پر آپ نے یوم وصال کے متعلق فرمایا: ''میں بارگاہ رسالت و بارگاہ غوثیت کا غلام ہوں۔ اسی نسبت کے بھروسے پر مجھے امید ہے کہ میرا انتقال یوم عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا یا پھر یوم غوث اعظم یا یوم امام اعظم اگر یہ تینوں ایام نہ ہوئے تو میرا انتقال اس دن ہوگا جس دن میرے پیر و مرشد حضرت محدث اعظم نے وصال فرمایا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۱۲ ربیع الاول شریف کو حسب سابق یوم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات ادا کر کے نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد سہ پہر پونے چار بجے ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہوئے دربار مصطفیٰ میں پیش ہو گئے۔ (حیات محدث اعظم پاکستان، ص ۳۶۶)

حضرت پیر سید امانت علی شاہ نظامی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت پیر صاحب شعر وسخن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے اور نظامی تخلص کرتے تھے۔ ۱۹۵۶ء میں اہل وعیال سمیت حج وزیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے، آپ نے دربار رسالت میں منظوم ہدیۂ عقیدت پیش کیا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:۔

السلام اے مقتدا و پیشوا　　السلام اے مبتدا و منتہیٰ
السلام اے راز دارِ امرِ کن　　السلام اے واقفِ علمِ لدن
السلام اے مظہر علم و شہود　　السلام اے مظہر نور وجود
این نظامی گنہگار و فقیر　　السلام اے ناظر قلب حقیر

سلام کا حرف حرف عشق رسول سے نہایا ہوا ہے۔ (تذکرۂ اکابر اہل سنت، ص ۹۱)

حضرت شیر بہار مفتی محمد اسلم رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

دنیا میں اَن گنت انسان آئے اور چلے گئے مگر زمانے نے کچھ ہی لوگوں کو یاد رکھا۔ انہیں میں ایک نام پیر طریقت رہبر شریعت حضور شیر بہار حضرت العلام الحاج مفتی محمد اسلم رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ حضور شیر بہار کی زیست کے جن لمحات کا مطالعہ کیا جائے تو عشق رسول کا دریا موجزن ملتا ہے۔ ان کی تحریر وتقریر گفتگو کا لب ولباب عشق رسول ہی ہوتا تھا۔ حتی کہ کوئی تعویذ لینے آتا خلاف شرع کچھ دیکھ لیتے تو فوراً تاکید فرماتے اور سمجھاتے۔ حیات کی چاشنی محبت سے ہے۔ اور محبت رسول کا کیا کہنا یہ محبت اس قدر ضروری امر ہے کہ اس کے بغیر ایمان ہی کامل نہیں ہوسکتا ایمان کا کمال اس میں پوشیدہ ہے کہ حضور نور مجسم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اپنے ماں،

باپ، اولاد اور تمام دنیا کی محبت پر غالب آجائے محبت کے کچھ اصول ہیں جن سے محبت کیا جائے ان کی ہر حکم پر عمل پیرا ہوں۔

حضور شیر بہار ایسے عاشق رسول تھے کہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق رسول کی سر فرازی میں غوطہ زن رہا کرتا تھا۔ بہت زیادہ مصروفیات کے باوجود کبھی نمازیں قضا نہیں ہوئیں۔ جماعت کا التزام فرمایا۔ سفر، حضر، ہر جگہ نماز کا اہتما کیا۔ کبھی کبھی جلسہ سے رات کو تین یا چار بجے واپسی ہوتی راستے کا تھکان چہرے پر عیاں ہے پھر بھی نماز فجر جماعت سے ادا فرماتے جو معمولات ہیں اس کی تکمیل کے بعد آرام فرماتے۔ کوئی موسم ہو، رات میں ہی غسل فرماتے اور تہجد کی نماز ادا فرماتے۔ تہجد کی نماز کے بعد ذکر و وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ ان کی معمولات میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا۔ فجر کے بعد سے تقریباً ۱۱ بجے دن تک اور ظہر کے بعد سے عصر تک دور دراز سے ضرورت مند آتے انہیں تعویذات سے نوازتے۔ کبھی تعویذ کے نام پر ایک پیسہ نہیں لیا کرتے تھے۔ راقم الحروف کے سامنے ایک شخص تعویذ لینے کے بعد کچھ رقم دینا چاہا تو فرمایا آپ کس لیے یہ رقم دے رہے ہیں اس آدمی نے کہا تعویذ لیا ہوں اس لیے نذرانہ دے رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں تعویذ کے نام پر کوئی پیسہ نہیں لیتا ہوں اس لیے یہ روپیہ آپ رکھ لیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

یونہی آپ کے دارالافتا میں پورے ملک سے سوالات آتے۔ بڑی جانفشانی سے تحقیق و تدقیق فرما کر لاینحل مسائل کا حل تلاش کر کے جوابات عنایت فرماتے۔ مگر کبھی فتاویٰ کے نام پر ایک پیسہ نہیں لیا ان کی زندگی وقف تھی قوم کی ضرورت کے لیے یا پھر جامعہ قادریہ کے لیے۔ کسی سے کچھ لیا بھی تو جامعہ قادریہ کے لیے۔ وہ اپنی زندگی میں کبھی اپنے بچوں کے لیے فکر مند نہیں ہوئے کبھی ان کو یہ فکر نہیں تھی کہ میرے بچوں کا کیا ہوگا۔ مگر جامعہ قادریہ کے لیے ہمیشہ فکر مند رہے۔ ایک عمارت تیار ہوئی دوسری عمارت کی فکر ستانے لگی۔ کبھی باب ''مفتی اعظم ہند'' تو کبھی ''رضا مسجد'' کی عمارت کے لیے کوشاں رہے۔ یہاں تک کہ جامعہ قادریہ سے ہی سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔

حضور شیر بہار کی تقریر کا عنوان زیادہ تر عشق رسول ہوتا یا پھر گستاخ رسول کی تردید۔

لوگ حالات کو دیکھ کر گفتگو کرتے ہیں مگر شیر بہار کی خصوصیت تھی حالات جتنے بھی پیچیدہ ہوں مگر گفتگو وہی فرماتے، جو عشق رسول سے لبریز ہوتی۔یہی وجہ تھی کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم اور عشق رسول کا پیغام سنانے میں عزم وحوصلہ کی چٹان بن جایا کرتے تھے۔اور بڑے سے بڑا دشمن رسول کی زبان گنگ ہو جایا کرتی تھی۔ایک عاشق رسول کے لیے وہ لمحہ نہایت فرحت وانبساط کا سامان فراہم کرتا ہے جب ذکر مدینہ چھڑ جایا کرتا ہے حضرت علامہ الحاج محمد تسیم الدین رضوی نائب مہتمم جامعہ قادریہ حج وزیارت کے مبارک ومسعود سفر پر تشریف لے جا رہے تھے۔جب حضور شیر بہار سے ملاقات کے لیے آئے تو شاہزادہ حضور شیر بہار حضرت حافظ وقاری محمد عرفان رضا نے نعت شریف پڑھنا شروع کیا۔میں مدینے چلا۔پھر کرم ہو گیا۔میں مدینے چلا۔آواز ایسی تھی کہ دل کھینچا ہوا مدینے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ادھر حضور شیر بہار کی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ ہر دیکھنے والا محسوس کر رہا تھا کہ فراق محبوب میں آنکھیں ساون بھادو کی طرح برس رہی ہیں۔ آنکھوں سے آنسو کے قطرات فراق مدینہ میں گرتے جا رہے ہیں۔ایک عاشق رسول اپنے عشق کی تپش اشکوں کی شکل میں اپنے محبوب کی بارگاہ میں نذر گزار رہا ہے۔زمانہ دیکھ کر حیرت واستعجاب کے سمندر میں غوطہ زن ہے کہ جس کے کروفر اور رعب وداب کے سامنے بڑے بڑے طفل مکتب کی حیثیت رکھتے ہیں وہ عزم وارادہ کا چٹان فراق طیبہ میں کس قدر بے چین وبے قرار ہے۔ایک عاشق کے لیے ذکر رسول سے زیادہ محبوب کیا ہو سکتا ہے۔جو پوری دنیا کو محبوب سے محبت کا درس دے رہا ہو وہ خود کتنی تڑپ اور وارفتگی شوق دل کے نہاں خانہ میں سجائے ہوگا۔ذکر مدینہ چھڑ جاتا تو حضرت کی کیفیت وہی ہوتی جو ایک عاشق رسول کے غم والم کی داستان ہوتی ہے۔

حضرت العلام مفتی محمد احسن رضوی شاہزادہ حضور شیر بہار کی شادی کے موقع پر حضرت حافظ وقاری فرشی کمال نے قصیدہ بردہ شریف پڑھا تھا۔وہ قصیدہ جو رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ کا مقبول ہے۔اشعار پڑھے جا رہے ہیں حضور شیر بہار کی کیفیت بدلتی جا رہی ہے ایسا محسوس ہو رہا ہے ایک عاشق صادق اپنے محبوب کے ذکر جمیل کو سن کر اتنا بے

چین و بے خود ہے کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا ہے۔ اپنے عشق کو آنسوؤں کی زبان دے کر دل کو تسلی دے رہا ہو۔ یہی وہ جذبات و احساسات ہیں جسے دیکھ کر زمانہ محو حیرت ہے۔ ملت کا یہ پاسبان اور قوم کا محافظ اپنے عشق کی پاسداری کس سنہرے انداز سے کر رہا ہے۔ محبوب کی ہر اداؤں کو اپنے لئے مشعل راہ بنائے ہوئے ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جس کی وجہ سے ہر محاذ پر نتائج و خطرات سے بے پرواہ ہو کر کامیاب و کامران تھے۔ اپنے محبوب کی تسلیم و رضا کو اپنی زیست کا ماحصل تصور کر رکھا تھا جب بھی حالات کے پیچ و خم میں الجھے تو صرف ایک ہی نعرہ رہا۔ **اغثنی یا رسول اللہ۔**

حضور شیر بہار دشمن رسول کے لیے شمشیر آبدار تھے، دشمن رسول حضور شیر بہار کے نام سے کانپ جاتا تھا۔ بہار کے کسی علاقہ میں دشمن رسول مکر و فریب کا لبادہ اوڑھ کر سرکشی کرنے کی کوشش کرتا تو حضور شیر بہار تشریف لے جا کر مکر و فریب کا پردہ چاک کر دیا کرتے تھے۔ اور وہ دندان شکن جواب عنایت فرماتے کہ دشمن کو راہ فرار کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ حضور شیر بہار جس طرح دشمن رسول کے لیے ننگی تلوار کی طرح تھے یونہی اپنوں میں جو بدعمل ہیں ان کے ساتھ بھی بڑی سختی کے ساتھ پیش آتے اور خلاف شرع کوئی کام دیکھ لیتے تو فوراً ناراضگی کا اظہار فرماتے۔ (جلوۂ شان حق، ص ۲۱۸ تا ۲۲۰۔ مضمون، مولانا محمد رضا امجدی)

☆☆☆

ب

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔آپ فرماتے ہیں کہ ''اے بلال! یہ کیا ظلم ہے کہ کبھی ہماری زیارت کو نہیں آتے'' اسی وقت حضرت بلال اپنی سواری کے ذریعہ مدینہ کے قصد سے روانہ ہو گئے، جب قبر شریف پر پہنچے تو اشکبار ہو کر عاجزی کے ساتھ روئے، سر نیاز خاک پر رکھا، حضرت سیدنا امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجرہ سے باہر نکلے، ان کو گود میں لے کر سر اور آنکھوں کو چوما، تھوڑے دنوں پہلے ہی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دار البقاء کو تشریف لے جا چکی تھیں۔لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اذان سننے کی خواہش کی۔سب نے مشورہ کیا کہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما فرمائیں تو حضرت بلال کو اذان کہنے سے گریز نہ ہوگا، ورنہ حضرت بلال نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہیں کہی ہے، حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلال سے چاہا تھا کہ اذان پکاریں، لیکن حضرت بلال نے کہہ دیا تھا کہ امیر المؤمنین! آپ نے مال دے کر مجھے خریدا اور راہ خدا میں آزاد کر دیا یہ سب آپ نے اپنے لیے کیا تھا یا خدا کے لیے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میں نے خدا کے لیے کیا تھا، حضرت بلال نے کہا کہ اب بھی مجھ کو خدا ہی کے لیے چھوڑ دو تا کہ میں خود مختار رہوں، مجھ میں اب اتنی طاقت نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کے لیے اذان کہوں۔اس کے بعد حضرت بلال ملکِ شام چلے گئے تھے، اور وہاں

سے اب زیارت کرنے کو مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جب امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت بلال سے فرمایا کہ اذان کہیے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی چھت پر جس جگہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں کھڑے ہوتے تھے وہیں چڑھے۔ جب ''الله اکبر الله اکبر'' کہا، تو لوگوں میں شور مچ گیا۔ گو تمام شہر مدینہ حرکت میں آ گیا جب ''اشهد ان لااله الاالله'' کہا تو، تزلزل بہت زائد ہو گیا، ساکنانِ مدینہ میں گریہ وزاری اور شور بہت زیادہ پیدا ہو گیا۔ جب ''اشهد ان محمد. ارسول الله'' فرمایا ایک دوسری قیامت قائم ہو گئی، کوئی عورت، مرد، خورد و کلاں مدینہ میں ایسا نہ تھا جو گھر سے باہر نہ نکل آیا ہو اور رو یا نہ ہو، گویا کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کا دن تازہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ انتہائی بے چینی اور غم کی وجہ سے اذان کو پورا نہ کر سکے اور اُتر آئے۔'' (عرفان رضا در مدح مصطفیٰ، ص ۴۳۱، جذب القلوب، ص ۲۳۰)

حضرت بلال کا ہزار تشدد کے باوجود ایمان پر استقامت پذیری

روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیہ بن خلف حمجی کے غلام تھے اور اس کے خالہ زاد تھے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حمامہ اور والد رباح نامی تھے، اور وہ بھی اُمیہ کے غلام تھے، اُمیہ بہت مالدار آدمی تھا، اس کے کئی بیٹے اور بارہ غلام تھے، لیکن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ سب سے زیادہ چاہتا تھا، اسے اپنے بت خانہ کا انچارج بنایا ہوا تھا، خدا تعالیٰ نے جب حضرت بلال کو دولت ایمان سے نوازا، بُت خانہ میں خدا تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے۔ دوسرے تمام لوگ بتوں کو سجدہ کرتے، لیکن وہ خدا کو سجدہ کرتے تھے۔ جب اُمیہ کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے پوچھا:

اتسجد لرب محمد صلی الله علیه وسلم.''

کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو سجدہ کرتے ہو؟

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

اسجد الله الكبير المتعال.

میں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہوں۔

امیہ اس بات سے مشتعل ہو گیا اور آپ پر تشدد کرنے لگا۔ کہتے ہیں کہ جب آفتاب نصف النہار پر پہنچ جاتا اور گرمی کی شدت سے زمین تنور کی مانند تپتی ہوئی ہوتی اسے مکہ کے کھلے میدان میں لے جاتا اور ننگا کر کے سخت دھوپ اور گرم ریت پر ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیتا، اور ایسے گرم پتھر کہ جن پر گوشت بھن جائے اس کے سینہ، پشت اور پہلو پر رکھتا اور گرم ریت اس پر ڈالتا اور تکلیف دیتا تھا۔ تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے برگشتہ ہو کر لات و عزّیٰ پر ایمان لے آئے۔ لیکن ان تمام تکالیف کے باوجود آپ کی زبان پر احد احد کے الفاظ جاری ہوتے، یعنی میں خدا وحدہ لاشریک کی پرستش کرتا ہوں، کبھی آپ کو کانٹوں پر کھینچتے یہاں تک کہ کانٹے ان کے گوشت پوست میں سے گزرتے اور ان کی ہڈیوں کو لگتے مگر آپ احد احد پکارتے۔ اسی حالت میں ورقہ بن نوفل (ایک نصرانی موحد) آپ کے پاس سے گزرا، جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حالت میں دیکھا، کہا اے بلال! توحید سے ہرگز منہ نہ پھیرنا اور یہ اشعار پڑھے:۔

لاتعبدن الٰھا غیر ربکم　　　فان دعاکم فقولوا بینا جدد

مسخر کل من تحت السماء　　　لاینبغی ان یساوی ملکه احد

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرا، وہ دوزخی کتا اس طریق سے آپ کو عذاب دے رہا تھا اور کہتا تھا: ”تو کہہ میں لات وعزّیٰ پر ایمان لایا۔“ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ”میں لات وعزّیٰ سے بیزار ہوا۔“ اس خبیث کا غصہ اور زیادہ ہو جاتا، اچانک میں نے دیکھا وہ دوزانو ہو کر آپ کے سینہ پر بیٹھ گیا اور آپ کا گلا گھونٹنے لگا یہاں تک کہ سانس کی آمد و رفت منقطع ہو گئی، اور حرکت جاتی رہی، میں نے سمجھا ختم ہو گئے، جس کام کے لیے میں جا رہا تھا اسے پورا کر کے شام کے وقت واپس آیا تو آپ ابھی تک بیہوش پڑے ہوئے تھے، اچانک ہوش میں آ گئے، لعین نے کہا: ”کہو میں لات اور عزیٰ پر ایمان لایا۔“ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور احد احد کہتے تھے۔ انتہائی ضعف کی وجہ سے بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

امام اوحدی نے کعب سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں میں نے اس شخص سے سنا جس نے بلال سے سنا تھا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ خبیث یعنی اُمیہ نے ایک روز مجھے موسم گرما میں باندھ کر تمام رات اسی حالت میں رہنے دیا، پھر دوپہر کے وقت ننگا کر کے دھوپ میں سنگریزوں پر ڈال دیا اور گرم پتھر لا کر میرے سینہ پر رکھ دِیے، جس سے میں بیہوش ہو گیا، معلوم نہیں کس شخص نے وہ پتھر میرے سینہ سے دور کیے، مجھے جب ہوش آیا تو شام ہو چکی تھی، میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا وہ مصیبت بھی کیسی نعمت ہے جس میں محبوب کی یاد ہو، عارف درویش جانتا ہے کہ بلا و محنت، نعمت و عطا کا پھل ہے، اور جسم و مال اور جان کا نقصان سرمایۂ کمال اور عزت و جلال کا زیور ہے، جسمانی مجاہدہ اور ریاضت آئینۂ جان کے لیے جلا کا باعث ہے۔ حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بس ریاضت را بجاں شو مشتری — چوں سپردی تن بخدمت جاں بری
در ریاضت بایدت بے اختیار — سر بنہ شکر انہ را اے کامگار

چوں حقت داد آں ریاضت شکر کن
تو نکردی او کشید از امر کن

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی بیان ہے کہ ایک روز اس خبیث نے مجھ پر ظلم ڈھایا کہ بالوں کی ایک پچاس گز لمبی رسی میری گردن میں ڈال کر مکہ کے لڑکوں کو پکڑا دی مجھے اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کھینچتے پھرتے یہاں تک کہ میری گردن زخمی ہوگئی، اس کے بعد خدا تعالیٰ نے مجھے ان کے ہاتھ سے نجات دلائی۔

روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت عذاب دیا جا رہا تھا اور انہیں پتھروں کی نیچے رکھا ہوا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے انہیں اس حال میں دیکھا، آپ کا دل اس پر کڑھا، آپ نے فرمایا: اے اُمیہ! اس غلام کو عذاب دینے سے تیرا کون سا کام سنورتا ہے، خدا سے ڈر اور اس سے اپنا ہاتھ روک لے۔ امیہ کہنے لگا: میرا غلام ہے جسے میں نے اپنا مال دے کر خریدا ہے، مجھے اسے سزا دینے کا حق پہنچتا ہے، آپ نے فرمایا: وہ آدمی جو لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو اس کو دُکھ دیتا ہے، یہ کس قدر ظلم ہے جو تو

اس پر روار کھے ہوئے ہے۔ امیہ نے کہا: ابو قحافہ کے بیٹے! تو نے ہی اسے نقصان کی راہ پر ڈالا ہے اور بتوں کی عبادت سے روکا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ترغیب دی ہے، اب اسے اس عذاب سے چھڑا، اگر تیرے دل میں رحم ہے تو اسے مجھ سے خرید لے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے غنیمت جانا، فرمایا میں نے ایک سفید نصرانی غلام اور دس اوقیہ سونا دے کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے لے لیا، اس کے بعد امیہ ہنسنے لگا۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا تو کیوں ہنستا ہے؟ کہنے لگا: خدا کی قسم! تو نے بہت نقصان اٹھایا، قسم بخدا! اگر تو مجھے اسے ایک درہم میں خریدتا تو بھی میں اسے بیچ دیتا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے بہت عمدہ سودا کیا ہے۔ اگر تو مجھے اسے اس ایک غلام کے بدلے میرا تمام مال طلب کرتا تو میں دے دیتا اور اسے لے لیتا، پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنی چادر مبارک سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرد وغبار کو جھاڑا، اور اس کے آقا کے سامنے ہی نیا لباس پہنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور فرمایا:

یا معشر قریش اشھدوا انہ حر لوجہ اللہ تعالیٰ،

گواہ رہو کہ میں نے اسے خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے آزاد کر دی ہے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں سورۃ "والیل اذا یغشی" نازل فرمائی، قیامت تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر محراب و منبر پر پڑھا جاتا رہے گا اور آپ کو اس صفت سے یاد کیا کریں گے۔ (فاضل بریلوی نے خوب کہا۔

چراغِ مسجد و محراب و منبر
ابو بکر و عمر، عثمان و حیدر

(معارج النبوۃ، ج۲، ص۲۵۷ تا ۲۶۰)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واحزناہ کی جگہ واطرباہ کہنا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہیں، بچنے کے آثار مفقود ہو چکے ہیں، قریب مرگ

ہیں، عالم جاں کنی کو دیکھ کر ان کی بیوی تڑپ اٹھیں، اور ان کی غم میں ڈوبی ہوئی آواز اُبھری، واحزناہ ہائے حزن وملال، کہ رفیق زندگی ساتھ چھوڑ رہا ہے میری کائنات اجڑ رہی ہے۔ گوش بلال میں یہ درد بھری آواز پہنچی تو آپ نے فوراً اس کی تردید کی، غم کی کیا بات ہے۔ واطرباہ وائے خوشیوں کا ہجوم، کہ کل میں اپنے محبوب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی محبوب جماعت کے زیارت کا شرف حاصل کروں گا یہ تو مقام خوشی ہے، نہ کہ غم۔

(عقائد اہل سنت، ص ۱۹۵، شفا شریف)

مومن بھلا انتقال سے خوف ہی کیوں کھائے اسے قبر میں زیارت رسول کا جو شرف حاصل ہونے والا ہے اور یہ مقام حزن وملال نہیں بلکہ مقام مسرت وشادمانی ہے۔ دیکھئے! بارندامت کا بار اٹھانے والا آقا اپنے گنہگاروں کی شفاعت کس طرح کرتے ہیں۔

بارِندامت کا بار اٹھانے والے آقا

ابوبکر آجری فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابوالطیب کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمیں جعفر صائغ نے مدینۃ المنصور (بغداد شریف) کی جامع مسجد کے ایک ستون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پڑوس میں اس ستون کے پاس ایک فاسق وفاجر شخص رہتا تھا، ایک دن اس نے مجلس میں آکر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو سلام کیا۔ امام احمد نے اسے صحیح طرح سے جواب نہیں دیا اور ناخوشی کا اظہار کیا۔ اس شخص نے کہا: اے ابوعبداللہ! آپ مجھ سے ناخوش کیوں ہیں؟ آپ کو میرے بارے میں جو کچھ معلوم ہے، ایک خواب دیکھنے کے بعد میں اس سے توبہ کر چکا ہوں، امام احمد بن حنبل نے فرمایا: تم نے کیا خواب دیکھا ہے۔؟

کہنے لگا: مجھے خواب میں جان جہاں، سرور کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح زیارت ہوئی، کہ آپ زمین کے ایک بلند حصے پر تشریف فرماہیں اور بہت سے لوگ نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک شخص اٹھ کر شفیع روز محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ حضور! میرے لیے دعا فرمائیں آپ ہر ایک کے لیے

دعا فرماتے ہیں، یہاں تک کہ میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا، میں نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا، لیکن اپنے برے اعمال کی بنا پر شرما گیا اور مجھے اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

پیکر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فلاں تو اُٹھ کر ہمارے پاس کیوں نہیں آتا اور ہم سے دعا کی درخواست کیوں نہیں کرتا؟ تاکہ ہم تیرے لیے بھی دعا کریں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے کرتوت بہت بُرے ہیں جن کی بنا پر میں شرمندہ ہوں اور میرا سربارِ ندامت سے جھکا ہوا ہے، یہ شرمساری مجھے کھڑا ہونے سے روک رہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر شرم تجھے کھڑا ہونے سے روک رہی ہے تو ہم تمہیں کہتے ہیں کہ اٹھ کر ہم سے درخواست کرو ہم تمہارے لیے دعا کریں گے۔ (سبحان اللہ کیا لطف وکرم ہے) کیونکہ تم ہمارے کسی صحابی کو گالی نہیں دیتے۔ میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا، آپ نے میرے لیے بھی دعا فرمائی، میں بیدار ہوا تو مجھے اپنے تمام بُرے مشاغل سے نفرت ہو چکی تھی۔ امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شاگردوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ اس حکایت کو یاد کرلو اور اسے بیان کرو کیونکہ یہ فائدہ مند ہے۔ (پکارو یارسول اللہ، ص ۵۳ تا ۵۴، طبقات الحنابلہ ج ۱، ص ۱۱۸)

بیمار کا عشق اور حضور کی کرم نوازی

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے: فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے اپنے محبوب رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں کو دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا۔ آپ گرجا میں بھی تشریف لے گئے، وہاں بہت سے یہودی جمع تھے، اور ایک یہودی انہیں تورات پڑھ کر سنا رہا تھا، جب تورات کے اس مقام پر پہنچے جہاں حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی صفت مبارک تھی تو چپ ہو گئے، کنیسہ (گرجا) کے گوشے میں ایک بیمار آدمی پڑا ہوا تھا، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، چپ کیوں ہو گئے ہو؟ بیمار بولا کہ ایک عظم المرتبت نبی کی صفت تک پہنچ کر چپ ہو گئے ہیں، پھر وہ مریض گھسٹتا ہوا آیا اور تورات کو پڑھتے ہوئے حضور مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی مدح وثنا تک پہنچا اور کہنے لگا، حضور! یہ آپ کی اور آپ کی امت کی صفت ومدح ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اس ذاتِ عالی کے رسول ہیں، اور معبودِ برحق صرف

ذات خداوندی ہے، یہ کہہ کر وہ بیمار عالم جاودانی کو سدھارا، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کو ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کو کپڑے میں لپیٹو۔امام احمد نے یہ حدیث پاک روایت فرمائی ہے۔ (جامع کرامات اولیاء، ص ۳۰۵)

حضرت باسل بن منجائل رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

باسیل بن منجائیل کتب سابقہ اور خصوصاً انجیل کے زبردست عالم تھے، انہوں نے حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بحیرا نام کے راہب کے صومعہ میں دیکھا تھا، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف صرف بارہ سال کی تھی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ملک شام کے سفر پر گئے تھے، ملک شام کے مشہور شہر بصریٰ کے قریب ایک گاؤں میں عیسائیوں کا ایک صومعہ (گرجہ) تھا، اس صومعہ میں بحیرا نام کا ایک راہب رہتا تھا، جو توریت انجیل اور دیگر آسمانی کتابوں اور ملاحم کا زبردست عالم تھا، اس کا شمار یہود و نصاریٰ کے احبار میں ہوتا تھا، بحیرا راہب بڑا ہی زاہد اور عابد شخص تھا اور ہر وقت وہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا تھا۔ اپنے صومعہ سے بہت کم باہر نکلتا تھا البتہ ملک حجاز سے آنے والا قوم عرب کا کوئی قافلہ اس کے صومعہ کے قریب ٹھہرتا تھا، تو بحیرا راہب اپنے صومعہ سے باہر نکل کر اس قافلہ کے پاس آتا اور قافلہ کے ہر شخص کو بنظر غائر دیکھتا، گویا اسے کسی کی تلاش تھی اور وہ کسی کو کھوج رہا تھا لیکن ہر مرتبہ وہ مایوس اور ناکام ہو کر اپنے صومعہ میں واپس لوٹتا۔

لیکن ۵۸۲ء میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے ساتھ اس صومعہ کے قریب آکر ٹھہرے، تو صومعہ سے نکل کر بحیرا راہب قافلہ کے قریب آیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بادل نے آپ پر سایہ کیا ہے اور جس درخت سے ٹیک لگا کر آپ بیٹھے ہیں وہ درخت سرسبز و شاداب ہو گیا ہے اور ہر حجر و شجر آپ کو سلام کر رہا ہے، بحیرا راہب یہ دیکھ کر خوشی میں جھوم اٹھا اور اس کو یقین ہو گیا کہ عرصۂ دراز سے جس کی مجھ کو تلاش تھی اور جو ذات گرامی میری زندگی کا مقصد تھی وہ مقصد آج پورا ہو رہا ہے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

(از: امام عشق ومحبت، حضرت رضا بریلوی)

بحیرا راہب نے پورے قافلہ کو دعوت کی، قافلہ کے تمام لوگ بحیرا راہب کے صومعہ میں گئے لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف نہیں لے گئے، بحیرہ نے قافلہ والوں سے پوچھا کہ سب قافلہ والے آ گئے یا کوئی شخص باقی بھی ہے؟ اہل قافلہ نے کہا کہ ایک نوجوان نہیں آیا، وہ قیام گاہ پر سامان اور جانوروں کی نگہبانی فرماتے ہیں، لہٰذا بحیرا قیام گاہ کی طرف آیا اور پھر یہ دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل نے سایہ کیا ہے، اور جس درخت سے آپ ٹیک لگا کر جلوہ فرما تھے وہ درخت ہرا بھرا ہو گیا ہے، اس درخت کے متعلق بحیرا راہب نے کتب سابقہ میں پڑھا تھا کہ اس درخت کے نیچے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں گے، تب یہ خشک اور بے برگ و بار درخت شاداب اور پھل دار ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا تھا، پھر بحیرا راہب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے صومعہ میں لایا، بحیرا راہب نے اہل قافلہ سے پوچھا کہ اس ذات گرامی کا نام کیا ہے؟ بتایا کہ محمد بن عبداللہ۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ)

پھر بحیرا راہب نے پوچھا کہ کیا ان کے والدین نے انتقال فرمایا ہے؟ اور ان کے دادا اور چچا نے ان کی کفالت کی ہے؟ قافلہ والوں نے کہا کہ ہاں! ایسا ہی ہوا ہے، پھر بحیرا راہب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند اہم سوالات کیے جن کا آپ نے تسلی بخش جوابات عطا فرمایا، پھر بحیرا راہب نے شانۂ اقدس پر اس مہر نبوت کو بھی دیکھا جس کا ذکر اس نے آسمانی کتابوں میں پڑھا تھا، بحیرا راہب نے مہر نبوت کو بوسہ دیا اور آپ پر ایمان لایا، پھر بحیرا نے قافلہ والوں سے کہا کہ اے اہل قریش! یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کی بشارت حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے، خوش نصیب ہے وہ شخص جو ان پر ایمان لائے گا اور ان کی اتباع کرے گا۔

پھر بحیرہ راہب نے حضرت ابوطالب سے کہا کہ یہود و نصاریٰ ان کے جانی دشمن ہوں

گے لہٰذا آپ ان کی خوب حفاظت فرمائیں۔ یہ واقعہ بہت طویل ہے۔ ہم نے اختصاراً، اس واقعہ کا ماحصل بیان کر دیا ہے۔

مذکورہ واقعہ جب بحیرا راہب کے صومعہ میں پیش آیا تھا باسیل بن منجائیل بھی وہاں موجود تھے، کیونکہ وہ بحیرا راہب کے علم کے معترف اور اس کی بزرگی کے معتقد تھے لہٰذا وہ اکثر و بیشتر بحیرا راہب کے صومعہ میں آیا کرتے تھے اور بحیرا راہب سے علوم و عرفان کی باتیں سنا کرتے تھے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش کے قافلہ میں حضرت ابو طالب کے ساتھ بحیرا راہب کے صومعہ میں آئے تھے تب اتفاق سے باسیل بن منجائیل بھی وہاں موجود تھے، اور ان کو بھی حضور اقدس، جان عالم، وجان ایمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔

بحیرا راہب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس عقیدت و محبت کا سلوک کیا تھا اور حضور اقدس کے لیے جو کہا تھا وہ باسیل بن منجائیل نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اپنے کانوں سے سنا تھا، اور باسیل بن منجائیل کا پختہ اعتماد تھا کہ بحیرا راہب حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا ہے لہٰذا وہ بھی اسی وقت سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرویدہ ہو گئے تھے اور آپ کی عظمت و نبوت اور رسالت کے قائل ہو گئے تھے لیکن انہوں نے اپنا معاملہ پوشیدہ رکھا تھا، اور اپنے دل کا حال کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ (سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب، ج ۲۔ ص ۴۰۵ مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، ج ۲، ص ۴۱، فتوح الشام، ص ۲۱۵)

حضرت بُریدہ بن حصیب الاسلمی کا قبول اسلام اور عشق رسول

حضرت بریدہ بن حصیب الاسلمی اپنا قصہ سناتے ہیں:

کہ جب میں نے سنا کہ قریش نے حضور کو گرفتار کرنے کے لیے ایک سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا ہے تو اتنے بڑے انعام کے لالچ میں، میں بھی حضور کے تعاقب میں روانہ ہوا میرے ساتھ میری قوم بنی سہم کے ۷۰ شہسوار بھی تھے اتفاق سے میری ملاقات حضور سے ہوگئی۔ حضور نے پوچھا "مَنْ اَنْتَ ؟ تم کون ہو؟"

میں نے عرض کیا میرا نام بُریدہ ہے۔

یہ سن کر حضور، حضرت ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

بَرَدَ اَمْرُنَا وَصَلُحَ"

ہماری مہم کی تپش ٹھنڈی ہوگئی اور حالات درست ہو گئے ہیں۔"

پھر پوچھا مِمَّنْ اَنْتَ "تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔"

میں نے عرض کی، میں اسلم قبیلہ کا فرد ہوں۔

یہ سن کر فرمایا سَلِمْنَا "ہم محفوظ ہو گئے۔"

پھر پوچھا مِمَّنْ "بنی اسلم کی کون سے شاخ۔"

میں نے عرض کی مِنْ بَنِیْ سَهْمٍ میں بنی سہم خاندن سے ہوں۔

بریدہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا مَنْ اَنْتَ؟ آپ کون ہیں۔

حضور نے فرمایا (انا محمد بن عبد الله رسول الله) "میں محمد بن عبداللہ ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔"

اس پیکر نور کی ایک جھلک دیکھتے ہی بُریدہ کی آنکھیں روشن ہوگئیں سارے نقاب حقیقت کے روئے زیبا سے اٹھ گئے بیتابی سے جواب دیا:

(اشهد ان لااله الا الله وان محمدا عبده ورسول)

بُریدہ اور اس کے ہمراہی تمام کے تمام مشرف باسلام ہو گئے دست اقدس پر اسلام قبول کرنے کے بعد بُریدہ نے اپنے جذبات تشکر و امتنان کا یوں اظہار کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَسْلَمَ بَنُوْسَهْمٍ طَائِعِیْنَ غَیْرَ مُکْرِهِیْنَ۔

اس اللہ کے لیے ساری تعریفیں ہیں جس کی مہربانی سے بنوسہم قبیلہ کے لوگ اپنی خوشی سے اسلام لے آئے کسی مجبوری سے نہیں۔

رات گزری اور صبح ہوئی تو حضرت بُریدہ نے عرض کی۔

لَاتَدْخُلِ الْمَدِیْنَةَ اِلَّا وَمَعَكَ لِوَاءٌ۔

"اے اللہ کے محبوب رسول! آپ پرچم لہراتے ہوئے مدینہ طیبہ میں قدم رنجہ فرمائے۔"

انہوں نے اپنا عمامہ کھولا، اور نیزے کی انی کے اوپر اسے باندھا۔ اور یوں جھنڈا لہراتے ہوئے حضور کے آگے آگے جا رہے تھے، جب کہ مدینہ طیبہ کے درو دیوار اور اس کی فضائیں ایسے معزز مہمان اور بلند اقبال قائد اور برحق نبی کے راہ میں اپنے دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے تھے۔ (ضیاء النبی، ج ۳، ص ۱۰۰، محمد رسول اللہ، ج ۲، ص ۵۲۷)

بریدہ غلامی رسول میں

یہی واقعہ معارج النبوۃ میں اس طرح نقل ہے: بریدہ بن الخصیب نے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے نکل گئے ہیں اور قریش نے ان میں سے ہر ایک کے قتل یا قید کرنے پر سو اونٹ دینے کا اعلان کیا ہے، طمع میں آکر اس نے بھی اپنے قبیلہ کے ستر سوار ساتھ لیے اور ان کے تلاش میں نکل کھڑا ہوا، بھاگم بھاگ چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جا لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اے ابوبکر! ہمارا کام خراب ہوا، پھر پوچھا تم کون سے قبیلہ سے ہو، اس نے کہا قبیلہ اسلم سے ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلمنا، پھر پوچھا کون سی قوم سے ہو، اس نے کہا بنی سہم سے، فرمایا خرج سهمك، تیرا تیر نکل گیا۔"

بریدہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شیریں گفتار سنی، حیران رہ گیا، اس نے پوچھا آپ کون ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں محمد بن عبداللہ خدا تعالیٰ کا سچا رسول ہوں۔" بریدہ نے کہا اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله اور خلوص دل سے مسلمان ہو گیا، اور وہ ستر سوار بھی جو اس کے ساتھ تھے مشرف باسلام ہو گئے، وہ رات بریدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری۔ علی الصبح عرض کیا، جھنڈے کے بغیر مدینہ میں نہ جائیے۔ پھر اس نے اپنی پگڑی کھولی اور نیزہ کے اوپر باندھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے روانہ ہوا، طبل اور بگل اس کے ہمراہ تھا، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے غریب خانہ میں قیام فرمائیے اور اس سے اس کی مراد وہ گھر

تھا، جواس نے مدینہ میں کرایہ پر لیا تھا، چاہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے گھر میں ٹھہرائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا اونٹ مامور ہے جس جگہ بیٹھ جائے گا اسی جگہ قیام کروں گا۔ اور کتاب مستقص میں ابوالعلا ہمدانی سے نقل کیا ہے کہ باب بلدان میں بریدہ الحصیب کی حدیث کے سوا کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کو نہیں پہنچتی، بریدہ بن الحصیب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تو خراسان کے ایک شہر میں جائے گا جسے میرے بھائی ذوالقرنین نے تعمیر کیا ہے، جس کا نام مرو ہے، جن پر اہل مشرق کا نور چمکا ہے۔ قیامت تک تو ان کے ساتھ رہے گا، ابولعلا کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اہل غزوات کے ساتھ مرو میں آئے اسی جگہ عالم آخرت کو سدھارے، انہیں تنور گراں کے محلہ میں حکم بن عمرو غفاری کے جوار میں جو اس شہر کا امیر اور قاضی تھا، سپرد خاک کیا گیا، رضی اللّٰہ عنہ و عن جمیع اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ (معارج النبوۃ، ج ۱، ص ۴۲)

حضرت بشر بن حارث رضی اللہ عنہ کو حضور کی طرف سے ہدایت عجیبہ

حضرت بشر بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی مجھے فرمایا "اے بشر! تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاصرین سے تمہیں بلند قدر کیوں بنایا ہے۔؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اس کا کوئی علم نہیں، آپ نے فرمایا "اس کے وجوہ یہ ہیں: (۱)...... میری سنت کی اتباع (۲)...... نیک لوگوں کی خدمت۔ (۳)...... مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی۔ (۴)...... میرے صحابہ کی محبت۔ (۶)...... میرے اہل بیت کی محبت۔ تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ابرار و متقین کی فہرست میں درج فرمایا ہے۔"

صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محبت ایک بہت بڑا بلند مرتبہ ہے یہ صرف ان حضرات کو نصیب ہوتا ہے، جو قلب سلیم سے نوازے گئے ہیں۔

(روح البیان، ج ۵، پ ۱۰، ص ۱۳۵)

حضرت خواجہ بدیع الدین قطب المدار رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مشہور ہے کہ حضرت خواجہ قطب المدار رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ دوہا پڑھا کرتے تھے۔

نیائے ناہیں کیہن ٹھکرائی بن کینی لکھدیہن برائی

جب آپ جونپور تشریف لے گئے تو وہاں کے دنیا دار مولویوں کو آپ کی مقبولیت و شہرت پر حسد ہونے لگا، چنانچہ چند مولوی آپ سے سوال و جواب اور مناظرہ کرنے کے لیے آگئے، ان مولویوں کا مقصد یہ تھا کہ حضرت قطب المدار پر شرعی اعتراض کر کے ان کو حکومت وقت کی نظر میں معتوب کر دیا جائے، اور پھر ان کو ذلت کے ساتھ شہر بدر کر دیا جائے، حضرت قطب المدار ایک صاحب حال درویش تھے، کسی سے بحث و تکرار کو پسند نہیں فرماتے تھے، آپ نے ٹالنا چاہا، اور بار بار فرمایا کہ ہمیں مناظرہ سے معاف رکھو، ہمارا تو یہ حال ہے کہ۔

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم لپٹے ہوئے ہیں لذتِ درد نہاں سے ہم

مگر جب مولویوں نے آپ کو گھیر ہی لیا، اور خواہ مخواہ الجھنے ہی لگے تو پھر آپ کو بھی درویشانہ جلال آگیا، اور آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا، پھر آجایئے اور مناظرہ کر لیجیے، میں بھی تیار ہوں۔

کدھر سے برق چمکتی ہے؟ دیکھیں اے واعظ
میں اپنا جام اٹھاتا ہوں، تو کتاب اٹھا

مولویوں نے بڑے طنطنہ کے ساتھ کہا کہ، جناب! آپ پر ہمارے تین شرعی اعتراض ہیں، آپ ان کا جواب دیجیے، سب سے پہلے تو یہ سوال ہے کہ آپ کا کپڑا کبھی میلا نہیں ہوتا، اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم لوگوں کو شبہہ ہے کہ آپ کوئی جادوگر تو نہیں ہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ جمعہ کی نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ آپ جو ہندی کا دوہا گاتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ۔

نیائے ناہیں کیہن ٹھکرائی بن کینی لکھدیہن برائی

اس میں تو خدا کی ذات پر اعتراض لازم آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انصاف نہیں کیا،

اور ٹھکرائی کر کے من مانا فیصل کر دی۔ اور جو گناہ ہم نے نہیں کیا تھا وہ ہمارے نامۂ اعمال میں لکھ دیا گیا۔

مولویوں نے ڈانٹ ڈپٹ کر بڑی گرجدار آوازوں میں کہا کہ آپ ان تینوں سوالوں کا جواب دیجیے ورنہ قاضی شرع کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہونے کے لیے تیار ہو جائیے۔

حضرت قطب المدار صاحب مولویوں کی یہ لچھے دار تقریریں سن کر مسکرانے لگے، اور فرمایا کہ بس یہی ہیں آپ لوگوں کے وہ سنگین الزامات اور شرعی اعتراضات جن کے بل بوتے پر آپ لوگوں نے اس قدر لام بندی کر کے میرے اوپر چڑھائی کر دی ہے؟ سبحان اللہ!

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو ایک قطرۂ خوں نہ نکلا

اچھا اب آپ لوگ میرا جواب سن لیجئے، آپ لوگوں کا پہلا سوال یہ ہے کہ میرے کپڑے میرے بدن پر کبھی میلے نہیں ہوتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بگلا ایک پرندہ ہے جو دن رات پانی، مٹی اور کیچڑ میں مچھلیاں اور کیڑے مکوڑے پکڑتا اور کھاتا رہتا ہے، اور اس کے بدن پر آندھیوں میں گرد و غبار بھی پڑتا ہی رہتا ہے، مگر تمام عمر اس کے پر سفید ہی رہتے ہیں اور کبھی میلے نہیں ہوتے، تو کیا بگلے پر بھی آپ لوگوں کو ساحر و جادوگر ہونے کا شبہہ لاحق ہوگا۔

ارے نادان مولویو! جب خداوند قادر و قیوم نے ایک پرندے کو یہ کمال عطا فرمایا ہے کہ عمر بھر اس کا لباس میلا نہیں ہوتا، تو اگر وہ مالک و مولیٰ ایک حقیقی مسلمان کو جس کا دل اس کے انوارِ تجلی کا گنجینہ اور جس کا دل محبت رسول کا مدینہ ہو، یہ کرامت عطا فرمادے کہ عمر بھر اس کا لباس میلا نہ ہو اور اس کے باطن کی طرح اس کا ظاہر بھی ہمیشہ صاف و شفاف ہی رہے تو اس میں تعجب یا شبہہ کی کون سی بات ہے؟ تم اللہ والوں کی شان کیا سمجھتے ہو؟ ارے یہ وہ لوگ ہیں جو اربابِ اصفا، اور محبوبان خدا کہلاتے ہیں، اور انہی پاکبازوں کے بارے میں کہنے والوں نے یہ کہا ہے کہ۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

بس تم لوگ سمجھ لو کہ یہ میرے مالک ومولیٰ کا مجھ پر ایک خاص فضل عظیم ہے کہ جس طرح میرا باطن کبھی گندا اور میلا نہیں ہوتا، اسی طرح میرا ظاہر، میرا بدن اور میرا لباس بھی کبھی گندہ اور میلا نہیں ہوتا، نادان مولویو! کاش تمہیں یہ خبر ہوتی کہ۔

خدا کے پاک بندوں کی تو یہ تاثیر ہوتی ہے
کہ ان کی ٹھوکروں کی خاک بھی اکسیر ہوتی ہے

کتاب کے کیڑو! میں تمہارے بارے میں اس کے سوا اور کیا دعا کروں کہ۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کے موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
"کتاب خواں" ہے مگر صاحب کتاب نہیں

حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے تم خشک ملاؤں کو بار بار جھنجھوڑا اور ہوشیار کیا کہ۔

صد کتاب و صد ورق درنار کن روئے دل را جانب دل دار کن

یعنی اپنی ان منطق وفلسفہ کی کتابوں اور قال اقوال کے اوراق کو آگ میں ڈال دو اور اپنے دل کے چہرے کو دل دار حقیقی اور معبود تحقیقی کی طرف متوجہ کرو!

لیکن افسوس! کہ تم کتابی ملاؤں نے کبھی اس پر دھیان نہیں دیا، اور بحث وتکرار کی دلدل سے کبھی باہر نہیں نکل سکے! خیر

اب رہا آپ لوگوں کا دوسرا سوال کہ میں جمعہ نہیں پڑھتا تو یہ بالکل صحیح ہے کہ جمعہ کے دن بھی میں ظہر کی نماز پڑھتا ہوں، آپ لوگ عالم اور مفتی ہیں۔ للہ! آپ لوگ مجھے فتویٰ دیجیے کہ کیا مسافر پر جمعہ فرض ہے؟ یہ سن کر مولویوں نے کہا کہ جی نہیں! مسافر پر تو جمعہ فرض نہیں ہے، حضرت قطب المدار نے فرمایا کہ پھر آپ لوگ بتا دیجیے کہ میں جب کسی مقام پر پندرہ روز ٹھہرتا ہی نہیں تو میں ہمیشہ مسافر ہی رہتا ہوں یا نہیں؟ مولویوں نے تسلیم کرلیا کہ بیشک آپ ہمیشہ مسافر ہی رہتے ہیں اس لیے آپ پر جمعہ فرض ہی نہیں ہوتا۔

پھر حضرت قطب المدار صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب آپ لوگ اپنے تیسرے سوال کا جواب بھی سن لیجئے، حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگوں کو میرے اس دوہے کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوگئی ہے، میرا عقیدہ اور ایمان ہے کہ بیشک پروردگار عالم عادل ہے اور جو بدنصیب خدا کے عادل ہونے میں شک کرے، وہ میرے نزدیک کافر و مرتد اور واجب القتل ہے، لیکن میں جو اپنے دوہے میں کہتا ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن خداوند کریم بندوں کی نیکی اور بدی کے معاملہ میں اپنی شان عدل وانصاف کا اظہار نہیں فرمائے گا، بلکہ اپنے رحم وکرم کی شان کا جلوہ دکھائے گا، اور اپنے اختیار اعلیٰ واقتدار بالا سے بندوں کا فیصلہ فرما کر بندوں کو بخش دے گا، اور بندوں کے کیے ہوئے گناہوں کے بے کیا ہوا قرار دے کر ان کو مٹا دے گا اور معاف فرما دے گا، اب تم لوگ بتاؤ؟ کہ اس میں میری کون سی غلطی ہے؟ کیا اعتراض ہے؟

ارے مولویو! تمہیں خدا کی قسم! ذرا بتاؤ تو سہی؟ کہ اگر خداوند تعالیٰ قیامت میں اس طرح انصاف فرمائے کہ اپنی نعمتوں کو ایک طرف رکھ کر، اور بندوں کی نیکیوں کو ایک طرف رکھ کر ہر نعمت کے بدلے ایک نیکی طلب کرے، اور جس بندے کی نیکیاں اس کی نعمتوں کے برابر ہوں، اس کو تو بخش دے، اور جو اس کی نیکیاں اس کی نعمتوں سے کم ہوں، اس کو نہ بخشے، تو پھر مجھے بتاؤ تو سہی؟ کہ کون بندہ بخشش کے لائق نکلے گا؟ اس کی نعمتیں تو لاتعداد ولامحدود ہیں، اب بتاؤ کہ وہ کون سا ایسا بندہ ہے جس کی نیکیاں لاتعداد ولامحدود ہوں گی، کہ وہ انصاف کے معیار پر بخشا جائے گا؟ اس لیے میں کہتا ہوں کہ خداوند عادل قیامت میں اس طرح کا انصاف نہیں فرمائے گا بلکہ اپنے اقتدار مطلق اور شان کبریائی کا اظہار فرما کر اپنے اختیار اعلیٰ سے بندوں کو بخش دے گا۔

مسلمانو! یہی وہ مضمون ہے جس کو بعض بزرگوں نے یوں بھی کہا ہے، کہ عدل کرے تو لٹیا، فضل کرے تو چھٹیا، یعنی خداوند کریم اگر قیامت میں اس طرح کا عدل فرمائے تو سب لٹ جائیں گے، اور اگر اپنا فضل فرمائے تو سب چھوٹ جائیں گے، بہر حال یہ اپنا ایمان ہے خداوند عادل جو کچھ بھی فیصلہ فرمائے گا وہ حقیقت میں اس کا عدل ہی عدل ہے۔ اس نے تو خود ہی قرآن مقدس میں فرمایا کہ:

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ۔

(پ:۳،سورہ،البقر،آیت:۲۸٤)

تو جسے چاہے گا بخشے گا،اور جسے چاہے گا سزا دے گا،اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔(کنز الایمان)

حضرت قطب المدار کی یہ تقریر سن کر مولویوں کے ہوش اڑ گئے اور سب دم بخود ہو کر لاجواب ہو گئے،اور سب کے سب انتہائی نادم وشرمسار ہو کر لجاجت کے ساتھ معذرت کرنے لگے کہ واقعی ہم لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی،لہٰذا ہم لوگ اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہوئے آپ سے معافی کے طلب گار ہیں،بلاشبہ آپ اللہ کے ولی ہیں اور ہم اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ

رسائی اہل دل کی ہے جہاں تک خرد والے نہ پہنچیں گے وہاں تک

(قرآنی تقریریں،ص ۶۲،۵۷)

حضرت علامہ مخدوم بصرالدین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ولی اور بارگاہ صمدیت میں مقبول تھے،اس لیے آپ کی دعا قبول ہوتی۔دعا مانگنے،تعویذ دینے سے لوگوں کو زمین وآسمان کی آفات بلیات ومشکلات سے چھٹکارا مل جاتا تھا۔اس لیے جوق در جوق لوگ آپ کی طرف ہر مسئلہ دینی ودنیاوی اور روحانی میں رجوع کرتے تھے۔

فرمایا کرتے دیوبندی واہل حدیث (غیر مقلد) گستاخ رسول ہیں،وہابی مولویوں نے امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں اپنی کتابوں میں لکھ کر شائع کی،علماء اہل سنت کی نشاندہی کے باوجود توبہ سے گریز کیا اور اشاعت بھی برقرار رکھی۔یہی سبب تھا کہ علماء حرمین شریفین نے اکابر علماء دیوبند پر کفر کا فتویٰ جاری فرمایا جو کہ ”حسام الحرمین“ کتاب میں محفوظ ہے اور اس کی حمایت میں برصغیر پاک وہند کے اکابر علماء اہل سنت نے بھی فتاویٰ مبارکہ جاری فرمائے وہ فتاویٰ ”الصوارم الھندیہ“ میں محفوظ ہیں۔

(انوار علمائے اہل سنت سندھ ص ۱۳۳)

حضرت مخدوم کا اس طریق کار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں آپ کا جذبۂ محبت وعشق رسول سمجھ میں آتا ہے۔اس لیے میں نے اسے یہاں نقل کر دیا ہے۔(مؤلف)

حضرت سید برکات احمد اور والئی ٹونک نواب وزیر کا عشق رسول

۱۹۱۳ء میں مولانا حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تشریف لے گئے، ساتھ ہی مصر، شام اور فلسطین میں اولیاء وانبیاء کے مزارات کی زیارت اور کتب خانوں کی سیر بھی کی۔

اس سفر میں ایک بڑا مجمع آپ کے ساتھ تھا، بمبئی میں آپ کے متعدد تلامذہ مولانا ریاض النور صدیقی (صدر جمعیۃ العلماء ہند صوبہ بمبئی) مولانا عبد السبحان مروت پوری (بہاری) مولوی سید غلام رسول شاہ وغیرہ تھے۔حیدر آباد دکن سے مولانا حکیم سید محمد احسن صاحب، اجمیر سے مولانا معین الدین اجمیری، اور مولوی غازی محی الدین اجمیری، دھلی سے مولانا عبد الرحمان چشتی، مفتی سید احمد مجتبیٰ، صاحب وغیرہ بکثرت حضرات الوداع کہنے کے لیے بمبئی پہنچ گئے تھے، سورت کے سیٹھ داؤد جی دادا بھائی نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ ایک دن کے لیے سورت ضرور تشریف لائیں گے چنانچہ ایک روز کے لیے سورت بھی تشریف لے گئے، وہاں حضرت عیداوس کی درگاہ پر بھی حاضری دی اور سجادہ نشین جناب سید علی عیداوس سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوئے۔

اس سفر کی تفاصیل اور آپ کے والہانہ جذبات کا بیان اگر پڑھنا ہو تو ذیل میں دی گئی حوالہ کی کتاب پڑھیں۔آپ نے حج وزیارت کا سفر کا عزم فرمالیا، تیاری شروع کر دی، شہر میں شہرت ہوگئی اعزہ، امراء اور خواص شہر کی ایک تعداد نے آپ کی معیت میں سفر مبارک کا ارادہ کر لیا۔سب تیاریاں مکمل ہوگئیں سفر کی تاریخ آگئی مگر نواب صاحب سے ذکر نہیں آیا یوں کہیے کہ اس کی ضرورت نہیں سمجھی، نواب صاحب کو خبر ہو چکی تھی اور وہ زاد راہ کے لیے نذرانہ پیش کرنا اور اپنے لیے دعا کی درخواست کرنا چاہتے تھے، آخر سفر سے دو روز پہلے نواب صاحب نے خود پہل کی اور پوچھا کہ سنا ہے کہ آپ حج کے لیے جا رہے ہیں۔

''ہاں بس دن قریب آ گئے ہیں۔'' ''تم نے مجھ سے اجازت لی ہی نہیں۔''

نواب نے کہا، تو مولانا کو جلال آ گیا اور کڑک کر، حج کے سفر کے لیے میں ایسی نوکری پر لعنت بھیجتا ہوں جس میں حج بیت اللہ اور زیارت روضہ نبی کے لیے اجازت لینی پڑے۔ بس آج نذر باغ میں میرا آخری دن ہے، آج کے بعد ان شاءاللہ مجھ سے ایسی بات کوئی نہ کہہ سکے گا۔

نواب تو زادراہ کے لیے نذرانے کی تھیلیاں لیے بیٹھے تھے (اس زمانے میں کرنسی نوٹ نہیں ہوتے تھے اور سادگی و بے تکلفی کی بنا پر جو غایت اعتقاد کے باوجود تھی پوچھ بیٹھے تھے۔ انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ مولانا پر اس مقدس سفر کی کیفیات اس قدر مستولی ہو چکی ہیں کہ وہ اتنے جلال میں آ جائیں گے۔ اور ان کے ایک بے تکلفانہ اور سادہ دلانہ جملے پر اتنے برہم ہو جائیں گے۔ چنانچہ نہایت خاموشی کے ساتھ ان کی اس ادائے برہمی سے لطف اندوز بھی ہوئے (جیسا کہ بعد میں اہل دربار کو بتایا) اور دل میں ڈرتے بھی رہے کہ کہیں سچ مچ ترکِ تعلق نہ کر بیٹھیں۔ جو ان کے لیے ناقابل تحمل ہی نہیں بلکہ ناقابل تصور بھی تھا چنانچہ جب مولانا خاموش ہوئے تو نواب نے کہنا شروع کیا۔

یہ نوکری کی بات تم نے کیا کہہ دی؟ میں نے کبھی تمہیں نوکر سمجھا ہے؟ تم نے تو کہا تھا میرا تمہارا ساتھ مرتے دم تک کا ہے اور آج یہ بات کہہ رہے ہو، میں نے خدا کی قسم مذاق (مزاح) سے کہہ دی تھی یہ بات تو، مجھے تو بہت دن پہلے معلوم ہو گیا تھا اور آج یہ دیکھو تمہارے لیے سفر خرچ اور وہاں میری اور اپنی طرف سے خیر خیرات کے لیے یہ تھوڑی سی رقم لے کر بیٹھا تھا قسمت سے بات شروع کی تو اسی طرح اور تم بگڑ گئے، تم اس طرح مجھ سے روٹھ کر سرکار کے دربار میں جانا چاہتے ہو، میں تو یہ سن کر خوش ہوا تھا کہ تم جیسا نیک بندہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے گھر اور رسول کے مزار پر میرے لیے دعا کرے گا مگر یہ تو بات ہی الٹی ہو گئی۔

اور یہ کہتے کہتے نواب مرحوم پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگے تو مولانا کو بھی ان سے جو محبت اور تعلق تھا ان کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں اور نرم پڑ گئے تو نواب نے موقع دیکھ کر کہنا شروع کیا کہ:

تم غصے میں یہ بھول جاتے ہو کہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہو اور اللہ بخش بڑے حکیم جی نے ہم دونوں کی ''جٹی'' (معاہدہ دوستی) کرائی تھی۔ تم خود سوچو کہ یوں ''کٹی'' (لڑائی ترک تعلق) کر لینے سے ان کی روح کو کتنی اذیت ہوگی اب تم وعدہ کرو کہ میرے لیے خانۂ خدا اور گنبد خضراء میں ضرور دعا کرو گے۔''

یہ کہتے کہتے نواب مرحوم کی آواز گلوگیر ہوئی اور آنسو بہہ نکلے آپ کی یہ حالت دیکھ کر مولانا پر بھی رقت طاری ہوگئی اور نواب سے کہنے لگے۔

اللہ کے لیے! اپنا دل مت دکھاؤ میں تمہیں عمر بھر نہیں چھوڑوں گا ابا (مولانا حکیم دائم علی) نے تمہارے سامنے جو کچھ کہا تھا اس سے بہت زیادہ زور دے کر اور بار بار، تمہارے پیچھے کہا اور جاتے وقت بھی وصیت کی تھی کہ نواب کو اپنی طرف سے مت چھوڑنا۔

نواب نے آنسو خشک کر کے اور جذبات پر قابو پا کر کہا۔

بس اب رخصت ہو، خدا کے حوالے، تم بھی مجھے اللہ کے سپرد کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا اسلام نیاز عرض کرنا اور یہ کہ حضور! اب تو مجھے بھی یاد فرمالیں، دنیا کے بکھیڑوں سے دل بہت متنفر ہے، عجیب بدقسمت ہوں کہ ہمیشہ ارادہ کرتا ہوں اور کبھی کامیاب نہیں ہوتا، آپ اولاد رسول ہو، نیک آدمی ہو، عالم ہو، خدا کرے آپ کی سفارش ہمارے حق میں قبول ہو جائے، حضرت عائشہ صدیقہ اور تمام امہات المومنین اور بنات طاہرات خصوصا حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے بہت بہت سلام کہنا کعبہ کا پردہ پکڑ کر میرے مقاصد کی تکمیل اور حج کی آرزو پوری ہونے کی دعا کرنا۔ بس اب جاؤ، خدا کے حوالے

(مولانا حکیم سید برکات احمد، ص ۸۵ تا ۸۹ برکات اکیڈمی کراچی)

حضرت امام تاج الدین سُبکی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ فرماتے ہیں کہ جنت کا کون سا حصہ ایسا ہے جسے ہم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف سے افضل قرار دیں، قبر شریف ہی تمام اماکنِ مقدسہ اور مقاماتِ رفیعہ سے افضل ہے، خواہ جنت ہو یا اور کوئی جگہ، اس کے بعد فرمایا کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کو عرش عظیم پر فضیلت دیں تو ہم نہیں جانتے کہ کسی مومن صادق کو اس میں توقف ہوگا کیونکہ وہ سب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طفیل شریف ہے۔

(مدارج النبوۃ، ج ۲۔ ص ۷۶۹)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر رحمت فرمائے جو درگاہِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص ہمسایوں میں سے ہیں، وہ مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کی ہے، بلکہ وہ اس طرح کہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔''

دنیا نے بہت ڈھونڈا محمد کا جواب
ثانی تو بڑی چیز ہے، سایہ نہ ملا

(عرفان رضا در مدح مصطفیٰ، ج ۲۔ ص ۴۳۲)

حضرت صدر العلما تحسین رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

میرے استاذ، میرے مرشد، میرے آقا، میرے ہادی حضرت صدر العلما تحسین رضا خاں بریلوی عشق رسول کی دولتوں سے خوب مالا مال تھے۔ ۱۹۹۴ء میں (راقم الحروف) جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف میں زیر تعلیم تھا اور حضرت صدر العلما جامعہ کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ اس وجہ سے فقیر کو حضرت سے درسِ حدیث کا شرف حاصل رہا۔ طالب

علمی کا زمانہ بھی بڑا پر کیف ہوتا ہے۔ شخصیت شناسی کی صلاحیت سے آشنائی نہیں ہوتی۔

یقین جانیے! حضرت صدر العلما اپنے سابقہ محدثین کی یادگار تھے علم و عمل، تقویٰ و طہارت، ذکاوت و فراست، تبلیغ و دعوت اور اتباع رسول میں۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی لکھتے ہیں: ''آپ معمولات کے بے انتہا پابند تھے، سنتوں کا اہتمام اور عشق رسول کا جذبۂ شوق آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ حضور مفتی اعظم ہند کے زیر سایہ آپ نے فتویٰ نویسی کا کام بھی انجام دیا، مگر افسوس وہ علمی اور فقہی ذخیرہ محفوظ نہ رہ سکا۔ شہرت پسندی اور جاہ طلبی سے آپ زندگی بھر کنارہ کش رہے۔ ملکی سیاست سے بھی عملاً آپ کا کبھی کوئی تعلق نہ رہا۔ کم گو اور تخلیہ پسند تھے۔ نماز با جماعت کے سخت پابند تھے بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں شریعت مصطفیٰ کی عملی تصویر تھے۔'' (تجلیات رضا بریلی کا ''صدر العلما محدث بریلوی نمبر'' ص ۲۵۹)

حضرت صدر العلما کے عشق رسول کے حوالے سے حضرت مولانا شکور احمد رضوی لکھتے ہیں:

آپ افعال و اقوال بلکہ جمیع احوال میں مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا مظہر تھے۔ ساری زندگی پابندیِ شریعت اور اتباعِ رسول میں گزری۔ سادگی ان کا شعار سنجیدگی و متانت ان کا شیوہ تھا۔ حسن اخلاق ان کا زیور، اور حلم و بردباری ان کا طرۂ امتیاز۔ آپ کی تمام ترادائیں سنّتِ سول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار تھی۔ نماز با جماعت کی پابندی آپ کی طبیعت میں داخل تھی۔ سوائے کسی شرعی عذر کبھی جماعت ترک نہ فرماتے۔ جب باہر تشریف لے جاتے تو وہاں جلسے کی قیادت و سرپرستی فرماتے۔ مگر نماز فجر با جماعت چھوٹتی نہ دیکھی گئی۔ جہاں قیام فر ماتے مسجد جا کر با جماعت نماز ادا فرماتے۔ آپ کی یہ استقامت اور شریعت کی اطاعت ہزاروں کرامتوں پر بھاری ہے۔ دراصل اتباع رسول ہی ایک بندۂ مومن کی معراج اور قربِ خدا کا ذریعہ ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

(تجلیات رضا، بریلی کا ''صدر العلما محدث بریلوی نمبر'' ص ۲۴۷)

ث

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قدرتی طور پر بلند آواز تھے، آیت "یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی" کے نزول سے ان پر تو گویا قیامت ٹوٹ پڑی، گھر میں بیٹھ رہے، دروازہ کو قفل لگا دیا اور دن رات زار و قطار رونا شروع کر دیا، مرشد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جب ایک، دو، روز ثابت کو نہ دیکھا تو ان کے بارے میں دریافت کیا، عرض کیا گیا کہ انہیں تو دن رات رونے سے کام ہے، دروازہ بند کر رکھا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلا بھیجا اور رونے کی وجہ پوچھی، غلام اطاعت شعار نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری آواز اونچی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے، میری تو عمر بھر کی کمائی غارت ہو گئی، اس دلنواز آقا نے تسلی دیتے ہوئے یہ مژدہ جانفزا سنایا:

"اما ترضی ان تعیش حمدا وتقتل شهیدا وتدخل الجنة"۔

"کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم قابل تعریف زندگی بسر کرو اور شہید قتل کیے جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ"

عرض کیا، رضیت۔ اپنے رب کریم کی اس نوازش بے پایاں پر یہ بندہ راضی ہے۔

(روح المعانی)

علامہ ابن قیم اس حدیث کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا، تو مسلمانوں کے قدم ڈگمگانے لگے، حضرت ثابت اور حضرت سالم رضی اللہ عنہما نے آپس میں کہا کہ عہد رسالت میں تو ہم کفار سے اس طرح نہیں

لڑا کرتے تھے، دونوں نے اپنے اپنے لیے گڑھا کھودا، اور اس میں جم کر دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی، حتیٰ کی دونوں نے جام شہادت نوش کیا، اس روز حضرت ثابت نے ایک نفیس اور قیمتی زرہ پہن رکھی تھی۔ ایک شخص آپ کی نعش کے پاس سے گزرا تو اس نے وہ زرہ اتار لی اور جا کر چھپا دی، اسی شب حضرت ثابت نے ایک شخص کو خواب میں فرمایا کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں، خبردار! یہ خیال نہ کرنا کہ یہ محض خواب ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں، سنو! میں کل جب مقتول ہوا تو ایک آدمی میرے پاس سے گزرا اور میری زرہ اتار لی، اس کی رہائش گاہ پڑاؤ کے آخری کنارہ پر ہے، اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے خیمے کے نزدیک ایک گھوڑا چر رہا ہے جس کے پاؤں میں ایک لمبی رسّی بندھی ہے، اس شخص نے میری زرہ پر ایک دیگچہ الٹا رکھ دیا ہے، اس کے اوپر اونٹ کا کجاوا ہے، صبح حضرت خالد کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ میری زرہ اس شخص سے لے لیں، دوسری بات یہ ہے کہ جب تم مدینہ طیبہ پہنچو، تو حضرت صدیق کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنا کہ ثابت پر اتنا قرضہ ہے، وہ ادا کریں اور میرے فلاں فلاں غلام کو آزاد کر دیں۔

جب وہ شخص بیدار ہوا تو حضرت خالد کے پاس گیا اور اپنا خواب سنایا، حضرت خالد نے زرہ وہاں سے تلاش کر لی اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ثابت کی وصیت کو عملی جامہ پہنایا۔ (کتاب الروح)

جن خوش نصیبوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب ہوتا ہے، ان کی رفعت شان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ (ضیاء القرآن ج ۴۔ ص ۵۷۹)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محبوب خطیب

آپ مدینہ طیبہ کے ان سابقین الی الاسلام میں سے ہیں جو جناب مصعب بن عمیر کی زبان سے پڑھی جانے والی آیات نصیحت کو سن کر دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے روز مدینہ پہنچے تو حضرت ثابت بن قیس اپنی قوم کے شہ سواروں کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ رسول اللہ کے استقبال کے لیے نکلے۔

آپ کو بہترین انداز میں خوش آمدید کہا اور آپ کے سامنے بلیغ خطاب کیا جس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کے رسول پر درود وسلام سے کیا، خطبے کا اختتام ان الفاظ سے کیا:

''یارسول اللہ! ہم آپ سے عہد کرتے ہیں کہ آپ کی بھی ہر اس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے اپنی جانوں، اولادوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ تو اس کے بدلے میں ہمیں کیا ملے گا۔؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت!

لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے لفظ 'جنت' سنا تو ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور یک زبان ہو کر کہنے لگا:

یارسول اللہ! ہم خوش ہو گئے۔!

یارسول اللہ! ہم خوش ہو گئے۔!

پھر اسی روز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا خطیب اور حضرت حسان کو اپنا شاعر مقرر کر لیا۔ جب وفود عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور اپنے خطباو شعرا کی زبانوں سے اپنے مفاخر ومحاسن کا اظہار کرتے تو آپ حضرت ثابت بن قیس کو خطبا کے جواب میں خطاب کرنے اور حضرت حسان بن ثابت کو شعراء کے مقابلے میں شعر کہنے کے لیے بلاتے۔

حضرت ثابت بن قیس کے منہ سے قوی و برملا الفاظ جامع وخوش نما انداز میں نکلتے تھے، جس سال کثرت سے وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئے، بنی تمیم کا وفد مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے موقع پر اس بات کا اظہار کیا کہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ آپ سے اپنے مفاخر پر تبادلہ خیال کریں۔ لہٰذا ہمارے شاعر اور خطیب کو اجازت دیجیے کہ وہ اپنے قبیلے کے مفاخر بیان کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن کر مسکرا دیے اور فرمایا:

قَدْ اَذِنْتُ لِخَطِيْبِكُمْ، فَلْيَقُلْ.

میں تمہارے خطیب کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ اپنی بات کہے۔

ان کا خطیب ''عطارد بن حاجب'' کھڑا ہو کر اپنی قوم کے مفاخر بیان کرنے لگا۔ جب اس نے اپنی بات کے اختتام کا اعلان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو حکم دیا کہ کھڑے ہو جاؤ اور اس کا جواب دو۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اٹھے اور گویا ہوئے:

''تعریف اس ذات کے لیے ہے زمین آسمان جس کی مخلوق ہیں، اس نے ان کے درمیان اپنا حکم جاری کر رکھا ہے اور اس کی کرسی اس کے علم کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے فضل کے بغیر کوئی کام ہو نہیں سکتا۔

پھر یہ بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ہمیں سردار و قائد بنایا ہے اور اپنی بہترین مخلوق میں سے رسول کا انتخاب فرمایا ہے جو نسب کے اعتبار سے ان سب میں نہایت معزز، بات کے اعتبار سے سب سے سچے اور حسب کے عتبار سے سب سے افضل ہے۔ اللہ نے اس کے اوپر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اس کو اپنی مخلوق کا امین بنایا۔ اس طرح وہ رسول کائنات میں اللہ کا بہترین انتخاب قرار پائے۔

پھر اس رسول نے انسانیت کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو اس کی قوم میں ہجرت کرنے والے اور اس کے رشتہ دار جو حسب میں معزز ترین اور عمل میں بہترین تھے، اس کی دعوت پر ایمان لے آئے۔

پھر مخلوق میں ہم یعنی انصاری آپ کی دعوت کو قبول کرنے والے اولین لوگ ہیں۔

اس طرح ہم اللہ کے انصار اور اس کے رسول کے وزراء بن گئے۔''

حضرت ثابت بن قیس مطیع و فرمانبردار نفس اور خاشع و متواضع دل کے مالک تھے۔ آپ ان مسلمانوں میں سے تھے جو اللہ سے ہر وقت خائف رہتے اور اس سے حیا رکھتے ہیں۔ جب آیت: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۔ نازل ہوئی تو حضرت ثابت نے اپنے گھر کا دروازہ بند کیا اور بیٹھ کر رونے لگے۔ اس حالت میں کافی عرصہ گزر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک خبر جا پہنچی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بلایا اور معاملہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں

خوبصورت لباس اور خوبصورت جوتے پسند کرتا ہوں اور مجھے خدشہ ہے کہ اس طرح تو میں مختالین (متکبرین ومغرورین) میں شمار کیا جاؤں گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ہنستے ہوئے جواب دیا:

اِنَّكَ لَسْتَ مِنْهُمْ بَلْ تَعِيْشُ بِخَيْرٍ وَتَمُوْتُ بِخَيْرٍ وَتَدْخُلُ الْجَنَّةَ!

تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو بلکہ تم بہترین زندگی گزارو گے اور بہترین موت سے ہمکنار ہو گے اور جنت میں جاؤ گے۔ (نقوش صحابہ، ص ۴۳۹ تا ۴۴۲)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی محبت بھی اپنے اندر ایک ندرت لیے ہوئے ہے۔ رسول سے جدائی آپ کے لیے ناقابل برداشت ہوتی تھی، اگر کبھی رسول کو نہ دیکھتے تو بے قرار ہو جاتے تھے، ایک روز بارگاہ مصطفیٰ میں عجیب انداز سے حاضری دیتے ہیں، چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے، حالت خستہ ہے، چہرے سے حزن وملال پھوٹ رہا ہے، سرکار نے فرمایا "ثوبان آج تمہارا، انداز کیوں بدلا ہوا ہے خیریت تو ہے، چہرہ اترا ہوا کیوں نظر آ رہا ہے" عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی شکایت نہیں ہے، میں کسی مرض کا شکار نہیں ہوں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے، صرف یہ درد مجھے ستا رہا ہے، کہ آقا کی زیارت نہیں ہو پاتی، جب دیدار کی تڑپ بڑھتی ہے تو دل بے قرار ہوتا ہے مضطربانہ حاضری کا شرف حاصل کرتا ہوں، مگر اے میرے آقا! یہاں تو زیارت کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آتی ہے، آخرت کا خوف دامن گیر ہے کہ وہاں سرکار انبیاء کرام کے ساتھ مقام رفیع میں جلوہ فرما ہوں گے، اور خوش نصیبی سے اگر جنت میرے حصہ میں آئی تو ادنیٰ مقام پر میں محدود رہوں گا۔ اگر خدانخواستہ جنت ہی سے محروم ہو گیا تو پھر آقا کی زیارت کے شرف کی کیا صورت ہو گی؟ دونوں صورتوں میں آپ کی زیارت سے ہمیشہ محرومی رہے گی یہی فکر مجھے مبتلائے وحشت کیے ہوئے ہے اسی فکر میں دبلا ہوتا جا رہا ہوں، محبت کے ماروں کی آرزو پوری نہ ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ عشق ومحبت کی یہ آہ باب اجابت تک پہنچ گئی، اور وہاں سے فوراً

پیام مسرت بھی آ گیا۔

مَنْ یُطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا۔

(پ:۵،سورہ:النساء،آیت ۶۹)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (کنزالایمان)

سرکار نے حضرت ثوبان کو خدا کا یہ پیغام سنایا گھبرانے کی ضرورت نہیں، یہاں ساتھ ہو تو تمہاری محبت وہاں بھی تمہیں میری ہمراہی میں رکھے گی۔

(عقائد اہل سنت،ص۱۹۳،نزهة الناظرین)

تو نے یا رسول اللہ کیوں نہیں کہا

ایک دن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں کسی جگہ تشریف فرماتے کہ ایک یہودی عالم نے آ کر کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدْ" حضور کے ایک جاں نثار کو جو اس وقت بارگاہ نبوی میں حاضر تھے، یہودی عالم کے انداز تخاطب پر سخت غصہ آیا۔ انہوں نے اس کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا، اس نے سنبھل کر وجہ پوچھی تو حضور کے وہ جاں نثار کڑک کر بولے "تو نے یا رسول اللہ کیوں نہ کہا؟" وہ بولا، اس میں کیا گناہ تھا کہ میں نے ان کا خاندانی نام لیا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی نرمی سے فرمایا "ہاں میرا خاندانی نام محمد ہے۔"

سیدالانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جاں نثار جن کو آپ سے اس قدر عقیدت اور محبت تھی کہ کسی شخص کے منہ سے "اے اللہ کے رسول" کی بجائے "اے محمد" سننا بھی گوارہ نہ تھا، یہ حضرت ثوبان، مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

سیدنا حضرت ابوعبداللہ ثوبان کے حسب و نسب کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہے کہ ان کے والد کا نام بجدد یا بجد تھا اور وہ یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ

خاندان تخت وتاج اور طبل وعلم کا مالک رہا تھا معلوم نہیں کیا افتاد پڑی کہ حضرت ثوبان کو غیروں کی غلامی اختیار کرنی پڑی۔ اسی حالت میں وہ بارگاہ رسالت میں پہنچ گئے۔ حضور نے ان کے چہرے پر شرافت ونجابت کے آثار دیکھے تو آپ کا دریائے کرم جوش میں آ گیا۔ آپ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا:

''اگر چاہو تو اپنے خاندان میں چلے جاؤ اور اگر میرے ساتھ رہنا پسند کرو تو میرے گھر والوں میں تمہارا اشمار ہوگا۔''

ثوبان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سعید عطا کی تھی، انہوں نے اپنے خاندان اور وطن پر بارگاہ نبوی کو ترجیح دی اور عرض کی، ''یارسول اللہ میں آپ کی خدمت میں رہوں گا۔ اور پھر وہ خلوت وجلوت اور سفر وحضر ہر حالت میں ہمیشہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اگر چہ حضور نے ان کو آزاد کر دیا تھا لیکن انہوں نے برضا ورغبت آپ کی غلامی اختیار کر لی اور یوں زندگی بھر دنیا اور آخرت کی سعادتیں سمیٹتے رہے۔

حضرت ثوبان نہ صرف حضور کے ہر حکم کی تعمیل نہایت مستعدی سے کرتے تھے بلکہ آپ کے ہر ارشاد کو بھی حرز جان بنا لیتے تھے اور اپنی ذاتی زندگی میں بھی اس پر عمل کرنے میں کوشاں رہتے تھے، مسند ابوداؤد میں خود ان سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس بات کا عہد کرے (اور اسے پورا بھی کرے) کہ وہ کبھی لوگوں سے سوال نہ کرے گا، میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ میں کبھی کسی انسان سے کچھ نہ مانگوں گا۔

ارباب سیر کا بیان ہے کہ حضرت ثوبان نے زندگی بھر اپنے اس عہد کی شدت سے پابندی کی یہاں تک کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر جاتا تھا تو خود سواری سے اتر کر اسے اٹھاتے تھے اور کسی دوسرے کو اس کام کے لیے ہرگز نہ کہتے تھے۔

(سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۱۸۶)

حضرت جابر بن سمرہ صحابی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

جابر بن سمرہ صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک چاندنی رات تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرخ حلّہ اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، اور میرا یہ حال تھا کہ کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپ کے چہرۂ انور کو، اس مقابلے میں مجھے جان ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی بالآخر زیادہ حسین نظر آئے۔ ایک عاشق رسول نے خوب کہا۔

چاند کی طرح ان کو ہم کہیں تو مجرم ہیں
کیونکہ ان کی چوکھٹ پر چاند خود سوالی ہے

حضرت لطف بدایونی کہتے ہیں۔

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کے بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

(مجھے ہے حکم اذاں، ج ۲، ص ۶۱، بحوالہ، رحمۃ للعالمین)

حضرت جارود بن عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

حضرت جارود کے قبول اسلام کے بارے میں ایک روایت میں ہے کہ جب وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا:۔

"جارود تم نے اور تمہاری قوم نے آنے میں بہت دیر کی۔"

حضرت جارود نے ندامت کا اظہار کیا اور عرض کی "یا رسول اللہ اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ میں نے انجیل میں آپ کی صفات پڑھی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی بشارت دی ہے۔"

پھر انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ اپنا دست مبارک تو پھیلائیں۔"

حضور نے اپنا دست مبارک آگے بڑھایا تو حضرت جارود نے لپک کر اس کو تھام لیا اور

کلمۂ توحید پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جارود لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور انہیں انجیل پر بھی عبور حاصل تھا۔ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے، حافظ ابن حجر نے ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ قبول اسلام کے بعد انہوں نے بارگاہ نبوی میں یہ اشعار ہدیہ عقیدت کے طور پر پیش کیے۔

(۱)شهدت بان الله حق وسامحت

بنات فوادی بالشهادة والنهضی

(۱) میں نے شہادت دی کہ اللہ حق ہے اور میرے جذبات نے بھی اس شہادت اور عمل میں میرا ساتھ دیا۔

(۲)فابلغ رسول الله انی رسالة

بانی حنیف حیث کنت من الارض

(۲) میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ میں زمین کے جس حصے میں بھی رہوں گا دین حنیف پر قائم رہوں گا۔

(۳)واجعل لنفسی دون کل ملمة

لکم جنة من عرضکم عرضی

(۳) ہر مصیبت کے وقت میں اپنی جان پیش کر دوں گا۔ اے مسلمانو! میری عزت تمہاری عزت کے لیے ڈھال ہے۔

(٤)قال لم تكن داری بیثرب فیکم

فانی لکم عند الاقامة والحفض

(۴) اگرچہ میرا مستقل قیام یثرب میں نہیں ہے مگر میں اس عارضی اقامت میں بھی تمہارا ہی ہوں۔

شرف اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد حضرت جارود اور ان کے ساتھیوں نے کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ پھر انہوں نے وطن جانے کے لیے رخت سفر باندھا۔

حافظ ابن قیم نے ''زاد المعاد'' میں لکھا ہے کہ چلنے سے پہلے انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی:

''یارسول اللہ ہماری کفالت کے لیے کچھ عنایت فرمائیے۔

حضور نے فرمایا: ''اس وقت بیت المال خالی ہے۔''

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ہمارے علاقے میں لاوارث اونٹ مارے مارے پھرتے ہیں کیا ان پر مالکانہ قبضہ جائز ہے۔؟

ارشاد ہوا: ''لاوارث اونٹ پر مالکانہ قبضہ دوزخ کی آگ کا مستحق ٹھہرا دیتا ہے۔''

ابن ہشام کا بیان ہے کہ مدینہ سے چلتے وقت حضرت جارود نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارے وفد کے لیے سواریوں کا انتظام کیا جائے۔ اس وقت حالات کچھ ایسے تھے کہ ان لوگوں کے لیے سواریوں کا بندوبست نہ ہو سکا۔ اس پر حضرت جارود نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ہمیں راستے میں دوسروں کی بہت سی سواریاں ملیں گی (یعنی آوارہ اونٹ ملیں گے) کیا ان کو پکڑ کر سوار ہونے کی اجازت ہے۔؟

حضور نے فرمایا: ''ہرگز نہیں۔ انہیں آگ سمجھو آگ۔''

غرض حضرت جارود نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہو کر وطن واپس گئے۔

(سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۴۷۵)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر کے موقع پر مسلمانوں کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اچانک حبشہ سے حضرت جعفر بن ابی طالب آگئے آپ کے ساتھ دیگر مہاجرین حبشہ بھی تھے۔ آپ کی آمد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خوشی و محبت سے بھر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو معانقہ سے سرفراز کرتے ہوئے فرمایا:

لَا اَدْرِیْ بِاَیِّهِمَا اَنَا اَسَرُّ: بِفَتْحِ خَیْبَرَ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرَ۔

مجھے پتہ نہیں چل رہا ہے کہ میں خیبر کی فتح پر خوش ہو رہا ہوں یا جعفر کی آمد پر۔

حضرت جعفر کو غزوۂ موتہ میں اپنی خواہش کے پورا ہونے کا سامان نظر آیا کہ یا تو وہ اللہ کے دین کی تائید و نصرت کے لیے جان لڑا دیں گے یا پھر اللہ کی راہ میں شہادت کے مرتبۂ عظیم سے سرفراز ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں آپ کو ممتاز اور اہم مقام عطا کیا اور آپ بھی سمجھتے تھے کہ یہ کوئی معمولی چھیڑ خانی ہے نہ چھوٹی سے جھڑپ بلکہ یہ تو ایسا معرکہ ہے جو اس سے پہلے اسلام کو پیش نہیں آیا یعنی عظیم خطۂ زمین پر پھیلی شہنشاہیت کے لشکروں کے ساتھ تصادم!

شہنشاہیت..... ایسی شہنشاہیت جو اعداد و اعداد اور مہارت و اموال سے اس طرح لیس تھی کہ مسلمان اس کی چوٹ کے ہو سکتے تھے نہ پورا عرب ہی اس کے مقابلے کی تاب لا سکتا تھا۔ اس کے باوجود حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا دل شہادت کے شوق سے محو پرواز تھا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ دوسرے آدمی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کی قیادت پر مامور کیا تھا۔ عزم و استقلال اور ایمان و عمل سے لبریز یہ لشکرِ اسلام نکلا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی پا بہ رکاب ہو گئے۔ لشکر روم اور جمعیت اسلام کے تصادم کا روز بڑا خوفناک تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے روم کے دو لاکھ جنگجوؤں کو جمع دیکھا تھا تو سہم جاتے مگر ادھر حال یہ تھا کہ آپ کو اس وقت شدید نشے نے آلیا جب آپ نے محسوس کیا کہ ایمان کی قوت اور باطل کی مادیت کا مقابلہ برابر برابر ہوگا۔!!

معرکۂ کارزار میں جب علمِ جنگ حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گرنے لگا تو حضرت جعفر کا ہاتھ آگے بڑھا اور پرچم تھام لیا۔ آپ حیرت انگیز طور پر لڑتے ہوئے پیش قدمی کر رہے تھے۔ ایسے آدمی کی سی پیش قدمی سے جو نصرت کا متلاشی نہیں بلکہ شہادت کا جویا ہوتا ہے۔

جب روم کے جنگجوؤں نے اکٹھے ہو کر آپ کو گھیر لیا تو آپ نے دیکھا کہ گھوڑے کی حرکت رکاوٹ بن رہی ہے۔ لہٰذا گھوڑے سے نیچے اترے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھاتے

ہوئے دشمنوں کے سر تن سے جدا کرنے لگے۔ایک دشمن نے قریب ہو کر آپ کے گھوڑے پر سوار ہونا چاہا مگر یہ ناپاکی گھوڑے کی پیٹھ تک نہ پہنچ سکی۔حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پھیلا کر تلوار کا وار کیا اور گھوڑے کو کاٹ ڈالا اور روم کی کلبلاتی صفوں پر آندھی کی طرح ٹوٹ پڑے۔آپ کی آواز ان پر جوش رِجز یہ اشعار کے ساتھ بلند ہو رہی تھی:

يَـا حَبَّـذَا الْجَنَّةَ وَاقْتِرَابُهَـا
طَيِّبَةً وَ بَـارِدًا شَـرَابُهَـا
وَالـرُّوْمَ رُوْمٌ، قَـدْ دَنَـا عَذَابُهَا
كَـافِـرَـةٌ بَـعِيْـدَـةٌ اَنْسَـابُهَـا
عَـلَـىَّ اِذْ لَا قَيْتُهَـا ضِـرَابُهَـا

جنت اور جنت کا قرب کس قدر حسین اور خوش کن ہے! وہاں ٹھنڈے اور پاکیزہ مشروبات ہیں۔اور روم، روم کو ملنے والی سزا قریب آ پہنچی ہے یہ تو کافر قومیں ہیں جن کے نسب کا سلسلہ دور تک جاتا ہے۔میرا ان سے سامنا ہو جائے تو انہیں موت کے گھاٹ اتارنا میرا فرض ہے!

اہل روم نے اس آدمی کی جوانمردی اور قوت وطاقت کو بھانپ لیا کہ یہ تو گویا لشکر جرار ہے انہوں نے دیوانہ وار قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کو قتل کرنے کے لیے گھیرے میں لے لیا۔پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ایسے محاصرے میں آگئے کہ وہاں بچ نکلنے کی کوئی سبیل نہیں تھی۔کفارِ روم نے آپ کے داہنے ہاتھ پر وار کیا تو پرچم کو زمین پر گرنے سے قبل ہی آپ نے بائیں ہاتھ سے تھام لیا۔کفار نے دوسرے ہاتھ پر بھی وار کیا اور آپ کو بے دست کر کے رکھ دیا تو پھر آپ نے بریدہ بازوؤں سے علم تھام لیا۔

اس موقع پر آپ کی یہ پوری کوشش تھی کہ زندہ ہوتے ہوئے عَلَمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین بوس نہ ہونے دیں گے۔جب آپ کا جسد مطہر زمین پر ڈھیر تھا تو پرچم کا بانس آپ کے بازوؤں کی گرفت میں کھڑا تھا۔پرچم کے پھریروں نے بزبان حال اگلے کمانڈر حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو پکارا تو وہ صفوں کو چیرتے ہوئے اس کی طرف بڑھے اور پوری قوت کے ساتھ اس کو تھام لیا اور اپنے مشن میں مصروف ہو گئے۔

اس طرح حضرت جعفر نے اپنی موت کو انسانیت کی عظیم موت بنا دیا اور فدائیت و جانبازی کے بہتے لہو میں لت پت اور شجاعت و بہادری کی ردائے خوشنما اوڑھے اپنے رب کبیر کے حضور جا پہنچے۔ اللہ علیم و خبیر نے اپنے رسول کو جنگ کے انجام کی خبر دی اور حضرت جعفر کی شہادت کا مژدہ بھی سنایا تو آپ نے آنسو بہاتے ہوئے انہیں اللہ کے حوالے کر دیا۔ آپ اپنے عم زاد کے گھر چلے گئے۔ ان کے بچوں کو بلا کر ان کی غمخواری کی اور ان سے شفقت و محبت کا اظہار فرمایا۔ اس وقت آپ کی آنکھیں نمناک تھیں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر تمام غرباء و مساکین اپنے سرپرست کو رونے لگے کیونکہ حضرت جعفر "ابو المساکین" تھے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں:

"لوگوں میں مساکین کے لیے سب سے بہترین آدمی جعفر بن ابی طالب تھے۔"

حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں:

"میں غزوۂ موتہ میں جعفر کے ساتھ تھا (شہادت کے بعد) ہم انہیں تلاش کرنے لگے جب وہ ملے تو دیکھا کہ ان کے جسم پر تیروں اور نیزوں کے سو کے قریب نشان تھے۔"

حضرت جعفر معرکہ میں اپنے جسم کے ہر حصے پر تلواروں اور نیزوں کے لگنے والے زخموں کو اٹھائے ہمیشگی کی جنتوں میں ہیں، اگر آپ چاہیں تو فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سن سکتے ہیں کہ:

فَقَدْ رَاَئیْتُہٗ فِی الْجَنَّۃِ، لَہٗ جَنَاحَانِ مُضَرَّجَانِ بِالدِّمَاءِ، مَصْبُوْغُ الْقَوَادِمِ۔

"میں نے انہیں جنت میں دیکھا ہے کہ خون میں لت پت ان کے دو پر ہیں جو سامنے سے رنگین ہیں۔" (نقوش صحابہ، ص ۲۷۲ تا ۲۷۵)

حضرت جریر بن عبد اللہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

طبرانی، بیہقی اور ابن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ نے جریر کی آمد کا واقعہ ان سے ہی روایت کرتے ہوئے یوں تحریر کیا ہے: جریر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلانے

کے لیے ایک قاصد بھیجا میں حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور نے پوچھا "ما جاء بك ؟ " "تم کس مقصد کے لیے آئے ہو" میں نے عرض کی، اسلام قبول کرنے کی نیت سے خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں۔ حضور نے اپنی چادر مبارک میرے لیے بچھائی اور اپنی ساری امت کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:"

جب بھی کسی قوم کا کوئی معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔"

ادعوك الى شهادة ان لااله الا اللهوانى رسول الله

میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ گواہی دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

وان تؤمن بالله واليوم الاخر والقدر خيره وشره، وتصلى الصلوٰة المكتوبة وتؤدى الزكاة المفروضة وتصوم شهر رمضان۔

اللہ پر، اور آخرت اور تقدیر خیر و شر پر ایمان لے آؤ فرض نماز ادا کرو۔ فرض زکوٰۃ ادا کرو، اور ماہ رمضان کے روزے رکھو۔

وتنصح لكل مسلم، وتطيع الوالى وان كان عبدا حبشيا۔

ہر مسلم کے لیے خیر خواہی کرو اور ہر والی کی اطاعت کرو اگر چہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

امام احمد بیہقی اور طبرانی ثقہ راویوں کے ذریعہ سے حضرت جریر کا یہ قول نقل کرتے ہیں:
کہ جب میں مدینۃ الرسول کے قریب پہنچ گیا تو میں نے اپنی اونٹنی بٹھائی، اپنا تھیلا کھولا، اس میں سے پوشاک نکالی، اسے پہنا اور مسجد میں داخل ہوا، اس وقت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، میں نے بارگاہ رسالت میں سلام عرض کیا! لوگ مجھے آنکھوں سے اشارے کرنے لگے۔ میں نے اپنے ہم نشین کو کہا، اے اللہ کے بندے! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں کوئی تذکرہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں! حضور نے تیرا ذکر خیر بڑے خوبصورت انداز سے کیا ہے۔

حضور نے فرمایا کہ اس دروازے سے یا اس سوراخ سے ایک ایسا آدمی عنقریب داخل ہوگا جو تمام اہل یمن سے بہتر ہے اور اس کے چہرے پر جہاں بانی کے نشان ظاہر ہیں، میں

نے اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی پر حمد کی۔

اچانک ایک ناقہ سوار آیا، اپنی اونٹنی سے اترا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا، اس نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑا اور حضور کی بیعت کی۔ حضور نے پوچھا، تم کون ہو؟ میں نے عرض کی، میرا نام جریر بن عبداللہ البجلی ہے۔ حضور نے مجھے اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور اپنا دست مبارک میرے سر، چہرہ اور سینے پر پھیرا اور ساتھ ہی میرے لیے اور میری اولاد کے لیے برکت کی دعا فرماتے رہے۔ پھر حضور نے اپنی چادر بچھائی اور فرمایا، اے جریر! اس کے اوپر بیٹھو، تھوڑی دیر حضور وہاں تشریف فرما رہے پھر اٹھے اور چلے گئے، طبرانی نے رجال صحیح کے واسطہ سے حضرت جریر کا یہ قول نقل کیا ہے:

اتيت رسول الله صلى اللّٰهعليه وسلم قلت يا رسول الله !ايعك على الهجرة فبايعنى رسول اللّٰهصلى الله عليه وسلم،واشترط على والنصح لكل مسلم.

میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، عرض کی، یارسول اللہ! میں حضور کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں اس شرط پر کہ میں ہجرت کروں گا، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بیعت کیا اور فرمایا کہ میں اس شرط پر تمہیں بیعت کر رہا ہوں کہ تم ہر مسلمان کی خیر اخواہی کرو گے۔

(ضیاء النبی، ج ۴۔ص ۴۲۲ تا ۴۲۴، سبل الہدیٰ، ج ۴، ص ۴۷۵)

چنانچہ اس شرط پر میں نے اللہ کے حبیب کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔"

حضرت جبرئیل علیہ السلام محض حضور اقدس کے لیے دنیا میں آیا کرتے تھے

محقق علی الاطلاق، عاشق رسول، شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت شریف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''مروی ہے کہ ملک الموت نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی، پھر وہ حضور اکرم کے پاس آئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے ''یارسول اللہ! یا احمد! حق تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں، جو کچھ بھی

آپ فرمائیں کہ میں آپ کی روح قبض کروں اگر آپ اجازت دیں، اور اگر فرمائیں تو قبض نہ کروں، اس میں حق تعالیٰ نے آپ کو اختیار مرحمت فرمایا ہے، پھر جبرئیل علیہ السلام نے آکر عرض کیا "اے محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حق تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے اور آپ کو بلاتا ہے۔" اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ملک الموت! جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کام میں مشغول ہو جاؤ۔" جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا "زمین پر میرا آنا یہ آخری ہے دنیا میں میرے آنے کی ضرورت آپ کا وجود گرامی تھا، میں آپ کے لیے دنیا میں آتا تھا۔"

بے لقائے یار ان کو چین آجاتا اگر
بار بار آتے نہ یوں جبریل سدرہ چھوڑ کر

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، ج ۲۔ص ۷۲۹)

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول

حضرت جعفر بن محمد ایک کثیر المزاح اور ہنس مکھ شخص تھے لیکن اس کے باوجود جب ان کے سامنے جانِ ایمان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا۔

(عرفان رضا در مدح مصطفیٰ، ج ۲۔ص ۱۵۷)

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی

"یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے تھے"

عجیب سماں تھا وہ، جب جنگِ اُحد میں ستر صحابۂ کرام شہید کر دیے گئے تھے۔ ہر گھر میں سوگ تھا، چاروں طرف ماتم تھا، ہر گلی اور کوچے سے چیخنے چلانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ پورا مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔

جو صحابہ جنگ سے لوٹ رہے تھے، ان کے جسموں سے خون بہہ رہا تھا، ہر سپاہی زخموں سے چور تھا، کسی کا ہاتھ کٹا تھا، کسی کا پاؤں، کسی کے سر میں زخم آئے تھے تو کسی کی کمر پر تلواروں

کے گھاؤ تھے، اس قدر زخم کھائے ہوئے یہ سپاہی ابھی اپنے گھروں میں داخل بھی نہ ہونے پائے تھے کہ عبداللہ بن اُبی نے اور زخموں پر نمک چھڑکا، اس نے کہا کہ ہماری بات مانتے تو تم کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ محمد کی بات سُن کر آج تمہیں کتنا ذلیل ہونا پڑا، اور کتنے صدمے اٹھانے پڑے۔ ابھی یہ شخص اسلامی فوجیوں میں آگ بھڑکا ہی رہا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا کہ واپس لوٹ چلو، ابھی دشمن کا پیچھا کرنا ہے، ایسا نہ ہو کہ دشمن یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم شکست کھا گئے ہیں، جب زخمی سپاہیوں نے واپسی کا اعلان سنا تو کسی ایک نے بھی اس اعلان کی مخالفت نہیں کی، سب کے سب فوجی پھر سے لوٹ گئے۔ اس حالت میں کہ زخموں پر پٹیاں بندھی تھیں اور ان پٹیوں سے خون رِس رہا تھا، اِسی حالت میں کئی میل دور تک پیچھا کیا گیا۔

یہ عشقِ رسول کی انتہا نہ تھی تو کیا تھا، اگر جنگ میں کامیابی ملی ہوتی تو حوصلوں کی بلندی سمجھ میں آتی۔ مگر یہاں تو ہر دل ٹوٹا ہوا تھا۔ مگر پھر بھی یہاں ہر شخص اپنے زخموں کو سجائے عشقِ رسول میں دیوانہ نظر آتا تھا۔ زخموں سے چور ان سپاہیوں کو ان زخموں کا کوئی دُکھ نہ تھا۔ بلکہ فخر یہ انداز میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے جس کے زیادہ زخم ہوتے وہ پھولے نہ سماتا کم از کم اس کے ذہن میں یہ تصور تو ہوتا کہ اس نے آج عشقِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کچھ تو حق ادا کیا۔

ایسے نازک موقعوں پر اور ایسی تکلیفوں اور مصیبتوں پر کوئی فوجی اپنے کمانڈر کی نافرمانی کر جاتا ہے اور یہ فطری چیز بھی ہے، مگر ہمارے نبی کے چاہنے والوں میں ہمیں اس قسم کی کوئی مثال نہیں ملتی، یہاں تو ڈھنگ ہی نرالا تھا، ان عاشقوں کا، یہ ساری دنیا سے الگ ہٹ کر ایک ایسے عشق میں مرنے چلے تھے جہاں انسان مر کر بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود کفار کا نمائندہ بن کر مسلمانوں کے پاس آیا، تو اس نے رسول کے ساتھیوں کی دیوانگی دیکھی، ان کو دل و جان سے آپ کی خدمت کرتے دیکھا اور آپ کے حکم کی اطاعت کرتے دیکھا، وہ لوگوں کی بے پناہ عقیدت دیکھ کر حیران رہ گیا، اس نے دیکھا کہ رسول جب وضو کرتے ہیں تو مسلمان آپ کے وضو کا پانی بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے، اس کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے جسموں پر مل لیتے ہیں، آپ کا اشارہ

پاتے ہی بجلی کی طرح دوڑتے ہیں، آپ کی تعظیم اتنی کرتے ہیں کہ نظر تک اٹھا کر نہیں دیکھتے، عروہ بن مسعود جاں نثاروں کا یہ منظر دیکھ کر جب مکہ لوٹا تو قریش کو بتایا کہ ''بھائیو! میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں، میں نجاشی کے دربار میں بھی گیا ہوں، میں نے کہیں بھی اور کسی کو بھی بادشاہوں کی اتنی عزت کرتے نہیں دیکھا جتنی کہ محمد کے ساتھی محمد کی عزت کرتے ہیں۔ واللہ تم ان کے مقابلے میں ہرگز نہ ٹِک سکو گے، میرا مشورہ ہے کہ ان سے صلح کرلو۔'' چنانچہ مکے والوں نے اس کے سمجھانے پر آپ سے صلح کرلی۔ (بخاری)

یہاں ایک لمحے کے لیے ٹھہریئے اور سوچیے کہ یہ لوگ تو بھیڑ اور بکریوں کے چرانے والے بدّو تھے۔ پھر آخر کون سی چیز نے انہیں بھڑکتا ہوا شعلہ بنا دیا کہ جس کی تپش نے انہیں پھر سے چین سے سونے ہی نہ دیا۔

یہ عشق محمد ہی کی تپش تھی، اور یہ عشق محمد ہی کی آگ تھی، اور یہ عشق محمد ہی کی تڑپ تھی جس نے بڑی بڑی حکومتوں کو لرزہ براندام کردیا تھا، یہ عشق کا جادو ہی تھا کہ قیصر و کسریٰ جیسی عظیم طاقتوں کے سر چڑھ کر بولا، یہ عشق رسول ہی تھا جس نے حضرت بلال کے سینے میں آگ جیسی تڑپ پیدا کردی، یہ عشق رسول ہی تھا کہ جس نے حضرت خالد کو بہادری اور شجاعت کے اونچے مقام عطا کیے، یہ عشق رسول ہی تھا کہ جس نے حضرت علی کو فاتح خیبر بنادیا، یہ عشق محمد ہی تھا کہ جس نے حضرت عمر فاروق کو عدل و انصاف کی سچی ترازو عطا کی، یہ عشق محمد ہی تھا کہ جس نے طارق کو بلند حوصلہ عطا کر کے جہازوں کو آگ لگوا دی، عشق رسول نے ہی اس قوم کو فرشتوں جیسی پاکیزگی عطا کردی تھی۔

محبت رسول نے ہی عرب کے ان صحرانشینوں کو ایران کے تاج اور روم کے تخت کا مالک بنادیا تھا، یہی وہ جذبہ تھا جس نے ان عرب کے بدّوؤں کے قدموں میں دولت کے انبار جمع کردیے تھے۔ اللہ کے نبی نے اس قوم کی کچھ ایسی تراش خراش کی کہ جس میدان میں اترے تو اپنا کوئی ثانی نہ چھوڑا۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی　　کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

(حیات سرکار دو عالم ﷺ، ص ۷۸)

جنات کا مشرف باسلام ہونا

سفر طائف میں محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جن روح فرسا اور جانگداز حالات کا سامنا کرنا پڑا اگر کسی اور شخص کو ان کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ ہمت ہار بیٹھتا اور مایوس ہو کر خلوت گزینی اختیار کر لیتا۔ لیکن حضور کے کشادہ سینہ میں جو قلب منیر دھڑک رہا تھا اس میں تو اپنے خالق کی محبت اور اس کی مخلوق کی خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کے سمندر موجزن تھے اس کے سامنے قیامت کی حشر سامانیاں بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھیں اور اس حادثہ فاجعہ کے بعد دل دردمند کی جو التجا لبوں پر آئی اس کے لیے در اجابت کھل گیا بارگاہ صمدیت میں اسے شرف قبولیت ارزانی ہوا۔ اور حالات کا رخ غیر متوقع طور پر بدلنا شروع ہو گیا۔

واپسی پر نخلہ کے مقام پر شب بسر ہوئی، صبح کی نماز کے وقت اللہ کا محبوب اپنے رب کی بارگاہ میں دست بستہ حاضر ہے دل عجز و نیاز میں ڈوبا ہوا ہے اور زبان اس کے کلام مقدس کی تلاوت میں مشغول ہے ساری فضا پر ایک کیف و سرور کا عالم طاری ہے۔ شجر و حجر اس تلاوت کی لذت سے سرشار ہو رہے ہیں۔ اسی اثناء میں نصیبین کے جنوں کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا۔ جب ان کے کانوں میں یہ دلنشیں آواز پہنچی تو وہ رک گئے اور سراپا گوش بن کر سننے لگے۔ کلام الٰہی بزبان محبوب الٰہی سن کر ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ جب وہ کلام سن چکے تو اپنی قوم کے پاس واپس آئے اور ان کو یہ مژدہ جاں فزا سنایا کہ آج ہم نے ایک ایسا کلام سنا ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے اے ہماری قوم! اس موقع کو غنیمت سمجھو، اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی اس دعوت کو فوراً قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ اور تمہیں عذاب الیم سے نجات بخشے گا۔ چنانچہ جنات کی ایک کثیر تعداد مشرف باسلام ہوئی۔ (ضیاء النبی، ج ۲، ص ۴۴۸)

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا عشق رسول

ام المؤمنین حضرت جویریہ کے والد حارث بنو مصطلق کے سردار تھے۔ انہوں نے

قریش کے اشارے سے اپنے قبیلے کو مدینہ پر حملہ کے لیے تیار کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو اطلاع ملی تو آپ ۲/شعبان ۵ ھ/کو مجاہدین کے ایک جمعیت کے ہم راہ مدینہ سے بنو مصطلق کی طرف روانہ ہوئے۔ حارث کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ بھاگ گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مریسیع میں قیام کیا۔ یہاں کے لوگوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی، ان کے ۱۱/آدمی مارے گئے اور چھ سو کے قریب گرفتار ہو گئے۔ ان اسیروں میں حضرت جویریہ بھی تھیں۔ جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ چونکہ قبیلے کے رئیس کی بیٹی تھیں۔ لونڈی بن کر رہنا گوارا نہ ہوا۔ حضرت ثابت سے درخواست کی کہ مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو۔ وہ راضی ہو گئے اور ۱۹، وقیہ سونے کا مطالبہ کیا۔

اب حضرت جویریہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیں: ''مصیبت زدہ ہوں، آزاد ہونا چاہتی ہوں، ازراہ کرم میری مدد فرمائیے۔'' حضور نے فرمایا: ''کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ میں تمہارے زرِ مکاتبت ادا کروں اور تم سے نکاح کرلوں۔''

حضرت جویریہ فوراً راضی ہوگئیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا زرِ مکاتبت ادا کر کے نکاح کرلیا اور ان کا پہلا نام برّہ بدل کر جویریہ نیا نام رکھا۔ ان کے حرم نبوی میں داخل ہوتے ہی صحابہ کرام نے قرابت نبوی کا پاس کرتے ہوئے تمام اسیران جنگ رہا کر دیے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس موقع پر بنو مصطلق کے سو خاندان آزادی کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔

اس واقعے کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

''میں نے جویریہ سے بڑھ کر کسی عورت کو اپنے قبیلہ کے لیے باعث رحمت نہیں پایا۔''

ابن اثیر کا بیان ہے کہ حضرت جویریہ کے والد کو خبر ملی کہ ان کی بیٹی لونڈی بنالی گئی ہے تو وہ بہت سا مال واسباب اونٹوں پر لاد کر بیٹی کی رہائی کے لیے عازم مدینہ ہوئے۔ راستے میں دو اونٹ جو انہیں پسند تھے، عقیق کے مقام پر کسی گھاٹی میں چھپا دِیے اور باقی اونٹ اور مال و اسباب لے کر مدینہ پہنچے۔ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''آپ میری بیٹی کو قید کر لائے ہیں، یہ تمام مال و اسباب لے لیں اور اسے رہا کر دیں۔''
حضور کو غیب سے اطلاع ملی کہ یہ شخص دو اونٹ چھپا آیا ہے۔ آپ نے فرمایا: دو اونٹ جو تم چھپا آئے ہو، وہ کہاں ہیں۔''

حارث یہ سن کر حیران رہ گئے اسی وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم چومے اور بطیبت خاطر اسلام قبول کر لیا۔ جب انہیں بتایا گیا کہ جویریہ لونڈی نہیں بنائی گئیں بلکہ حرم نبوی میں داخل کر لی گئیں ہیں تو بے حد مسرور ہوئے اور شاداں و فرحاں بیٹی سے مل کر گھر واپس گئے۔

ایک اور روایت کے مطابق حارث نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں رئیس عرب ہوں، میری بیٹی لونڈی نہیں بن سکتی۔ آپ اس کو آزاد کریں۔ حضور نے فرمایا، بہتر یہ ہے کہ معاملہ تمہاری بیٹی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ حارث نے بیٹی سے کہا کہ محمد نے تیری مرضی پر رکھا ہے۔ دیکھنا مجھے ذلیل نہ کرنا انہوں نے کہا، میں رسول اللہ کی غلامی کو پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ حضور نے ان سے نکاح کر لیا۔ (تذکار صحابیات، ص ۷۳۔۷۵)

مولانا سید جمال الدین شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

۱۹۷۶ء، میں ملک پاکستان میں عام انتخابات ہوئے لیکن ''قومی اتحاد'' نے نتائج کو صحیح تسلیم نہ کرتے ہوئے تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ رفتہ رفتہ یہ تحریک ''تحریک نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)'' کا روپ دھار گئی۔ عوام اہل سنت بھٹو کے سوشلزم کے خلاف اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی تحریک میں قوت پیدا کرنے کے لیے رضا کارانہ طور پر گرفتاریاں دینے لگے۔ چنانچہ آپ نے بھی اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے حکومت کے خلاف اہالیان میانوالی کے تعاون سے ایک زبردست جلوس نکالا جس سے انتظامیہ بوکھلا گئی اور آپ کو گرفتار کرنے کے درپے ہو گئی بالآخر آپ کو گرفتار کر کے میانوالی جیل بھیج دیا گیا۔ اس وقت آپ جمعیت علماء پاکستان ضلع میانوالی کے جنرل سیکریٹری تھے۔ جب کہ حضرت علامہ سید غلام فخر الدین گانگوی چشتی (مہتمم مدرسہ شمس العلوم گانگی شریف ضلع میانوالی) ضلعی صدر تھے۔ تحریک نظام

مصطفیٰ کے سلسلے میں آپ نے ڈھائی ماہ سے زائد عرصہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

۹۔ جولائی ۱۹۸۶ء، کو آپ نے براعظم ایشیا کی تاریخ میں وہ بے مثال کارنامہ انجام دیا کہ آئندہ بھی اسے سنہری حروف میں لکھا جائے گا، آپ نے پاکستان میں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نفاذ کے لیے حکومت وقت پر یہ باور کرانے کے لیے کہ باسیان پاکستان کی اہم ضرورت نظام مصطفیٰ کا نفاذ ہے۔ کراچی تا اسلام آباد تک اپنے ایک سو رفقاء و مریدین کے ساتھ پیدل لانگ مارچ کا اعلان کر دیا۔ ظاہراً یہ اعلان بڑا عجیب معلوم ہوتا تھا کہ جولائی کی شدید ترین گرمی میں سترہ سو کلومیٹر کا طویل سفر کس طرح طے کیا جائے گا۔

لیکن آپ کی مستقل مزاجی نے اس اعلان کو حقیقت کا جامہ پہنا کر سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ اتنی بڑی جدوجہد، دنیاوی تمام مفادات سے قطع نظر ہو کر صرف اور صرف نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے تھی۔

غلامان مصطفیٰ کا یہ قافلہ ۳۱، اگست ۱۹۸۶ء، کو راستہ کی تمام مصائب و تکالیف برداشت کرتے ہوئے اور راستہ میں آنے والے تمام چھوٹے بڑے شہروں کے عوام اہل سنت کی جانب سے استقبال الوداعی جلسے اور دعوتوں کی صورت میں ملنے والی محبتوں کو سمیٹتا ہوا بالآخر اپنی منزل مقصود کو پہنچ گیا لیکن ظالم و غاصب حکمرانوں نے اس عظیم قربانی سے صرف نظر کرتے ہوئے کاروان نفاذ نظام مصطفیٰ کو ''صدر ہاؤس'' اور پارلیمنٹ سے دور رکھنے کے لیے لیاقت باغ راولپنڈی کے قریب اس مختصر پر امن قافلہ کو ہر طرف سے گھیر لیا اور کاظمی صاحب سے مذاکرات کی درخواست کی۔ مذاکرات میں حکومت کے نمائندوں نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا وعدہ کیا۔ جس کے بعد یہ احتجاجی پروگرام ختم کر دیا۔

۱۹۹۰ء، میں آپ تحریک اسلامی انقلاب کا قیام عمل میں لائے۔ اس تحریک کے مؤسس و امیر آپ خود ہی تھے۔ تحریک کے پلیٹ فارم سے آپ نے ملک بھر میں شمولیت کی دعوت دی، کئی دورے کیے، عوام الناس کو تقریر و تحریر کے ذریعے اسلامی نظام کے نفاذ کی ضرورت و اہمیت سے آگاہ کیا۔ (انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۱۷۱، ۱۷۲)

مولانا جامی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

عقیدتاً سنی حنفی اور مشرباً قادری چشتی تھے، ایک متشرع دیندار، خلیق، باوضع، منکسر المزاج اور مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا ظاہر اتباع نبوی سے آراستہ اور باطن عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پیراستہ تھا۔ نماز باجماعت کے پابند اور نہایت خوش اوقات تھے۔ سب بزرگان دین اور اولیائے امت علی الخصوص پیران مارہرہ سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ ربیع الاول شریف کے مہینے میں محافل میلاد مصطفیٰ اور گیارہ ربیع الآخر کو حضرت غوث پاک جیلانی کی نیاز کا نہایت خلوص کے ساتھ اعلیٰ پیمانے پر انتظام کرتے اور بہت سے بزرگان دین کے یوم وصال پر ہمیشہ بڑے اہتمام سے فاتحہ کراتے تھے۔

۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۸ء، کو اپنے والد محترم کے ہمراہ جوانی میں ہی حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت ابدی حاصل کی۔ (انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۱۷۶)

حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

بلاشبہ عشق رسول کا جذبہ حضرت فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ کے اندر موجزن تھا اور آپ بادۂ حب نبوی سے اس قدر سرشار تھے کہ خلاف شریعت ایک قدم بھی نہ اٹھاتے اور اپنی تحریروں وتقریروں میں لوگوں کو بھی یہی درس دیتے اور اسی جذبۂ صادق کا اثر تھا کہ آپ کی تحریروں میں جابجا عشق رسول کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، خواہ وہ تحریر کسی بھی نوعیت کی ہوں، ہم ذیل میں کچھ اس طرح کے نمونے پیش کرتے ہیں جن سے عشق رسول صاف ظاہر ہے اور اس کے تناظر میں فقیہ ملت کے رسول سے والہانہ لگاؤ اور سچی عقیدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تعظیم نبی: حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کی جہاں بہت ساری علامتیں اور نشانیاں ہیں وہیں ایک علامت یہ بھی ہے کہ رسول گرامی وقار کی تعظیم وتکریم کا کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔

حضرت فقیہ ملت کے دل میں محبت رسول اس قدر رچی بسی تھی کہ جب آپ نے دیکھا کہ کلمہ گولوگوں کی ایک جماعت ایسی ہے جو تعظیم نبی کی مخالفت کرتی ہے اور لوگوں کے دلوں سے رسول کی تعظیم کو دور کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر رہی ہے تو آپ کی غیرت عشق برداشت نہ کرسکی اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ''تعظیم نبی'' کتاب لکھ کران کلمہ گو بے دینوں کا سد باب کیا اور محب صادق ہونے کا سچا ثبوت پیش کیا چنانچہ خود ہی رقم فرماتے ہیں:

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ مبارکہ سے اب تک تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جملہ علما متقدمین ومتاخرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور عامۃ المسلمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح تعظیم وتکریم کرتے رہے۔

مگراس زمانے میں کلمہ پڑھنے والے کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں، جو تعظیم نبی کی سخت مخالفت کرتے ہیں اوراس کو بدعت وگمراہی قرار دیتے ہیں اس لیے ہم نے یہ چند سطور لکھ دیے تا کہ ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جائے اور فرض وواجب بھی ہے۔''

(تعظیم نبی ''نگاہ اولین'' ص ۶)

حضور فقیہ ملت کے دل ودماغ عشق رسول سے روشن تھے اور رسول کی تعظیم وتکریم آپ کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی اس لیے منکرین تعظیم کے خلاف سخت موقف اختیار کیا اور جس طرح بھی بن پڑا ان کی تردید کی۔ ایک جگہ ''قیام تعظیمی اور علمائے اسلام کے عنوان کے تحت اس طرح خامہ فرسائی کرتے ہیں۔

''صحابہ کرام، ائمہ عظام، علما اور ہر خاص وعام نے حضور کی تعظیم کے حق کو حتی الامکان ہر طرح ادا کیا اور آج بھی محبت والے جہاں تک ہوسکتا ہے ان کی تعظیم کا حق ادا کر رہے ہیں مگراس زمانہ میں کچھ نئے فرقے والے جن کا مذہب ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو گھٹانا وہ ہر اس تعظیم کی مخالفت کرتے ہیں اور شرک وکفر کا فتویٰ لگاتے ہیں جس کا حکم انہیں قرآن وحدیث میں صراحۃ نہیں ملتا لیکن قرآن مجید اور بخاری شریف سے وہ یہ نہیں پوچھتے کہ چھ لاکھ حدیثوں کے حافظ امام بخاری نے کس آیت اور کس حدیث کے حکم سے

حضور کی اس طرح تعظیم کی کہ ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی صرف ہم سے پوچھتے ہیں کہ کھڑے ہو کر تعظیم کرنا قرآن وحدیث سے کہاں ثابت ہے حالانکہ امام بخاری کی وہ تعظیم جس کا حکم کتاب وسنت میں کہیں صراحۃ مذکور نہیں قیام تعظیمی سے کہیں ارفع واعلیٰ اور بلند وبالا ہے مگر ہمارے اوپر اس تعظیم کا حکم صریح دکھانا لازم ہے اور امام بخاری پر لازم نہیں۔

بریں عقل ودانش بباید گریست۔ (تعظیم نبی ص ۶۸، ۶۹)

سرکار دو عالم کی تعظیم آپ کی محبت اور آپ سے غایت درجہ تعلق خاطر ہونے کا واضح ثبوت ہے اسی لیے اہل سنت و جماعت اپنی بزم و رزم میں رسول کی تعظیم کو خاطر خواہ ملحوظ رکھتے ہیں، لیکن کچھ گندم نما جو فروش جو رسول کی محبت کا جھوٹا دم بھرتے ہیں اور آپ کی تعظیم سے کڑھتے ہیں اور تعظیم کرنے والوں کو اپنی کتابوں اور تقریروں میں بدعتی اور گمراہ لکھتے اور کہتے ہیں، اسے دیکھ اور سن کر فقیہ ملت کے عشق کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور آپ کا قلم حضور کی محبت میں وارفتہ ہو کر یوں گویا ہوتا ہے۔

"لیکن جب ایک سچا مسلمان اپنے نبی کریم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتا ہے تو اسے بدعتی اور گمراہ و بدمذہب قرار دیا جاتا ہے اور اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جاتا ہے حالانکہ نبی کی تعظیم کرنا کفر نہیں، بلکہ نبی کی تعظیم سے انکار کرنا کفر ہے اور ایسا کفر ہے جو انسان کی پیدائش کے بعد سے سب سے پہلے ہوا اور باقی کفر تو بعد میں ہوئے۔" (تعظیم نبی ص ۸)

دوسری جگہ آپ کا قلم جذبۂ عشق سے سرشار ہو کر منکرین تعظیم نبی پر یوں برستا ہے۔

"مخالفین کے یہاں بھی غیر اللہ کی تعظیم وتکریم کے بے شمار طریقے رائج ہیں مگر کسی دارالافتاء کا کوئی مفتی ان باتوں کو شرک وکفر نہیں قرار دیتا اور نہ حرام و ناجائز ٹھہراتا ہے لیکن جب اللہ کے محبوب دانائے خفایا وغیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی جاتی ہے تو وہ آگ بگولہ ہو جاتا ہے اور شرک وکفر کے گولے برسانے لگتا ہے۔"

بریں دین ودانش بباید گریست۔ (تعظیم نبی ص ۱۹)

فقیہ ملت کا رسول سے مستحکم رشتہ: فقیہ ملت کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا

مستحکم رشتہ تھا یہی وجہ تھی کہ آپ رسول کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے اور لوگوں کو ان سے بچنے کی ہر ممکن طور پر کوشش کرتے اور ایک سچے عاشق رسول کا یہی شیوہ بھی ہونا چاہیے چنانچہ سنی مسلمانوں کو بدمذہبوں کے یہاں رشتہ نہ کرنے کی دعوت بڑے ہی عاشقانہ انداز میں یوں دیتے ہیں۔

”جو لوگ حقیقت میں اللہ و رسول اور انبیا و اولیا کو دوست رکھتے ہیں وہ ان کے دشمنوں کو دشمن ہی سمجھتے ہیں اور ان سے سخت نفرت کرتے ہیں اس لیے کہ دوست کا دشمن دشمن ہی ہوتا ہے اور اپنے باپ دادا کے دشمن سے شادی بیاہ نہ کرنا اور اللہ و رسول کے دشمنوں سے رشتہ قائم کرنا ایمان والا کبھی گوارا نہیں کرسکتا۔ (خطبات محرم ص ۵۲۲)

ابھی گزشتہ سطور میں آپ نے پڑھا کہ فقیہ ملت حضور سے قلبی اور گہرا لگاؤ ہونے کی وجہ سے بدمذہبوں اور گستاخان رسول سے غایت درجہ نفرت فرماتے اس کی ایک اور جھلک ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

”اللہ اور رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں، بدمذہبوں اور مرتدوں کا مذہبی بائیکاٹ کرنا ان سے دور رہنا، ان کے یہاں شادی بیاہ نہ کرنا اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا بداخلاقی نہیں بلکہ خلق عظیم سے ہے کہ خداوند قدوس اور اس کے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہی حکم فرمایا ہے اور ہمارے بزرگوں نے ہم کو یہی سبق سکھایا ہے کہ بدمذہبوں اور مرتدوں سے دور رہو ان کے یہاں رشتہ ناتا کرنا تو بڑی بات ہے ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی گوارہ نہ کرو۔“ (بدمذہبوں سے رشتے ص ۱۱)

اسی کتاب میں دوسری جگہ ان سنیوں کو جو ان بدمذہبوں کے یہاں رشتے کر کے طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں انہیں عشق نبی میں ڈوب کر کچھ اس طرح غیرت دلاتے نظر آتے ہیں۔

”حیرت ہے کہ سنی اپنے باپ دادا کے دشمنوں سے رشتہ نہیں کرتا مگر اللہ و رسول اور بزرگان دین کے دشمنوں کے یہاں شادی کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتا اور جب ان کے یہاں رشتہ کرنے سے پہلے منع کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ان

کے یہاں شادی کرنے سے روکا جائے۔

ایسے لوگ جب ترقی کریں گے تو ہندوؤں کے یہاں رشتہ کرنے سے بھی ان کو کوئی اعتراض نہ ہوگا جیسا کہ آج کل بعض نام نہاد ترقی یافتہ مسلمان، غیر مسلموں کے یہاں شادی کرنے لگے ہیں۔ (بدمذہبوں سے رشتے، ص۲۰)

نسبت رسول کا احترام

محبت ومودت کا تقاضہ یہی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیزیں منسوب و متعلق ہیں ان چیزوں سے بھی محبت کی جائے بلکہ ان چیزوں کو حرز جاں بنالیا جائے اسی تقاضائے محبت کو مدنظر رکھتے ہوئے فقیہ ملت عجائب الفقہ میں رقمطراز ہیں ذیل میں سوال مع جواب ملاحظہ فرمائیں۔

س : زمین کا وہ کون سا حصہ ہے جو ہر جگہ سے افضل ہے۔؟

ج : زمین کا وہ حصہ جو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے مبارکہ سے لگا ہوا ہے وہ ہر جگہ سے افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ شریف اور عرش سے بھی افضل ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔ تربت اطہر یعنی وہ زمین کہ جو جسم انور سے متصل ہے کعبہ شریف بلکہ عرش سے بھی افضل ہے۔ (عجائب الفقہ، ص۶۰)

فقیہ ملت کے فتاویٰ میں عشق رسول کی جھلکیاں : مذکورہ بالا تحریروں سے قارئین نے فقیہ ملت کے عاشق رسول ہونے کا اندازہ لگالیا ہوگا اور ہم اپنے قارئین کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ مندرج نمونے فقیہ ملت کی دیگر موضوعات پر پھیلی کتابوں سے ماخوذ تھے لیکن جب آپ فتویٰ تحریر فرماتے تو کس قدر بحر عشق رسول میں غوطہ زن ہو کر تحریر فرماتے اس کی ایک ہلکی سی جھلک نیچے دیے گئے ایک استفتاء اور اس کے جواب سے لگائیں۔

مسئلہ : کامل ایمان والا کون ہے۔

الجواب : حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو سچ جاننا اور حضور کی حقانیت کو دل سے ماننا ایمان ہے جو شخص اس بات کا اقرار کرے اسے مسلمان سمجھا جاتا ہے بشرطیکہ اس کے

قول وفعل یاحال سے اللہ ورسول جل مجدہ وصلی اللہ علیہ وسلم کا انکار، تکذیب یا توہین نہ پائی جائے پھر جس شخص کے دل میں اللہ ورسول کی محبت تمام لوگوں پر غالب ہو اور اللہ ورسول کے محبوب سے محبت رکھے اگر چہ وہ اپنے دشمن ہوں، اور اللہ ورسول کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے والے سے دشمنی رکھے اگر چہ وہ اپنے عزیز ترین بیٹے ہی کیوں نہ ہوں، اور جو کچھ دے اللہ تعالیٰ کے لیے اور جو نہ دے اللہ تعالیٰ کے لیے نہ دے تو وہ کامل ایمان والا ہے جیسا کہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب للّٰہ وابغض للّٰہ وأعطی للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان۔ (ابو داؤد،مشکوۃ، ص۱۴)

جو شخص اللہ کے لیے محبت رکھے اور اس کے لیے دشمنی کرے اور اللہ ہی کے لیے دے اور اسی کے لیے روکے تو اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ جلال الدین احمد الامجدی (فتاویٰ برکاتیہ ص۵۶،۵۷)

فقیہ ملت کی نورانی تعلیم

جب اسلام دشمن عناصر نے اسلامی لبادہ اوڑھ کر نونہالان اسلام کے نازک قلب و اذہان سے رسول کی محبت نکال کر ان کے اذہان کو مسموم کرنے کی ناپاک سعی کی اور تعلیم الاسلام کے نام سے کئی حصوں پر مشتمل کتاب لکھ کر اپنی اس کوشش کو بروئے کار لانا چاہا تو فقیہ ملت کا درد مند دل تڑپ اٹھا اور چھ حصوں پر مشتمل (نورانی تعلیم) لکھ کر دشمن کے سارے منصوبوں کو تہہ خاک کر دیا اور نونہالوں کے دلوں میں عشق رسول کی ایسی شمع جلائی کہ جس کی لو قیامت تک نہ بجھے گی عشق رسول میں ڈوبا ہوا ایک سوال وجواب ہدیۂ ناظرین ہے۔

سوال: ہمارے حضور کی کچھ اور خوبیاں بیان کیجیے؟

جواب: ہمارے حضور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ عزت و بزرگی والے ہیں آپ نبی الانبیاء ہیں یعنی تمام انبیاء حضور کے امتی ہیں قرآن مجید میں ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں یعنی آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا حضور نے خود فرمایا:

انا خاتم النبيين لا نبي بعدي. (مشکوٰۃ شریف ص ۴۶۵)

"میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں پیدا ہوگا"

ساری مخلوقات خدائے تعالیٰ کی رضا چاہتی ہے اور خدائے تعالیٰ حضور کی رضا چاہتا ہے حضور کی فرماں برداری اللہ تعالیٰ ہی کی فرماں برداری ہے اور حضور کی بے ادبی اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے حضور کو سارے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں اگر حضور چاہتے تو آپ کے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے ہمارے حضور غیب کی باتیں بتاتے تھے زمین و آسمان کی ساری چیزیں آپ پر ظاہر تھیں دنیا کے ہر گوشے اور ہر کونے میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے حضور اسے اس طرح ملاحظہ فرماتے ہیں جیسے کوئی اپنی ہتھیلی دیکھے اوپر نیچے، آگے اور پیٹھ کے پیچھے یکساں دیکھتے تھے آپ کے لیے کوئی چیز آڑ نہیں بن سکتی حضور جانتے ہیں کہ زمین کے اندر کیا ہو رہا ہے خشوع جو دل کی ایک کیفیت کا نام ہے حضور اسے بھی ملاحظہ فرماتے ہیں ہمارے چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے وغیرہ ہر قول و فعل کی حضور کو ہر وقت خبر ہے۔

(نورانی تعلیم چہارم، ص ۱۵، ماہنامہ کنز الایمان، دہلی، مئی، ۲۰۰۲، ص ۴۱ تا ۴۳، مضمون، محمد احمد قادری علیمی)

☆☆☆

ح

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت فاطمۃ الزہراء کا گھر مسکن نبوی سے کسی قدر فاصلے پر تھا۔آنے جانے میں تکلیف ہوتی تھی۔ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا:''بیٹی مجھے اکثر تمہیں دیکھنے کے لیے آنا پڑتا ہے۔میں چاہتا ہوں تمہیں اپنے قریب بلالوں۔''

حضرت فاطمہ نے عرض کیا:''حضور کے قرب و جوار میں حارثہ بن نعمان کے بہت سے مکانات ہیں۔آپ ان سے فرمایئے وہ کوئی نہ کوئی مکان خالی کر دیں گے۔''

حارث بن نعمان ایک متمول انصاری تھے اور کئی مکانات کے مالک تھے۔جب سے حضور مدینہ تشریف لائے تھے وہ اپنے کئی مکانات یکے بعد دیگرے حضور کی نذر کر چکے تھے۔ جب حضرت فاطمہ نے حارثہ کے مکان کے لیے حضور سے التماس کی تو آپ نے فرمایا:

''میری لخت جگر! حارثہ سے اب کوئی مکان مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کیوں کہ وہ پہلے ہی اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی کے لیے کئی مکان دے چکے ہیں۔''

حضرت فاطمہ خاموش ہوگئیں۔ہوتے ہوتے یہ خبر حضرت حارثہ بن نعمان تک پہنچی کہ حضور فاطمہ کو اپنے قریب بلانا چاہتے ہیں لیکن مکان نہیں مل رہا۔وہ فوراً حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! آپ فاطمہ کو کسی قریبی مکان میں لانا چاہتے ہیں، یہ مکان، جو آپ کے متصل ہے میں خالی کیے دیتا ہوں، آپ فاطمہ کو بلا لیجیے۔اے میرے آقا میرا جان و مال حضور پر قربان ہے خدا کی قسم! جو چیز حضور مجھ سے لیں گے مجھے اس کا حضور کے پاس رہنا زیادہ محبوب ہوگا۔بہ نسبت اس کے کہ میرے پاس رہے۔''

حضور نے فرمایا''تم سچ کہتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و برکت دے۔''اس کے بعد آپ نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ کو حارثہ بن نعمان کے مکان میں منتقل کرا لیا۔(تذکار صحابیات،ص ۱۱۰)

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت حبیب بن زید اور آپ کے والد زید بن عاصم ان ستر بابرکت آدمیوں میں شامل تھے۔ جنہیں بیعت عقبہ ثانیہ کا شرف و اعزاز حاصل ہے۔ آپ کی والدہ حضرت نسیبہ بنت کعب ان دو عورتوں میں سے ایک تھیں جنہوں نے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ دوسری خاتون آپ کی خالہ تھیں! یعنی آپ نسلی مسلمان تھے اور ایمان آپ کی رگ وپے میں اترا ہوا تھا۔ آپ نے ہجرت مدینہ کے بعد جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح زندگی گزاری کہ کسی غزوہ میں شرکت اور کسی فرض کی ادائیگی سے کبھی پیچھے نہ رہے۔

اس دور میں ایک روز ایسا بھی آیا کہ آپ نے جنوبی جزیرۂ عرب میں دو، سرپھرے جھوٹوں کو دیکھا جو نبوت کا دعویٰ کرتے تھے اور لوگوں کو گمراہی کی طرف لیے جا رہے تھے۔ ان میں ایک صنعاء میں نمودار ہوا جس کا نام اسود بن کعب عنسی تھا، اور دوسرا یمامہ میں منظر پر آیا اس کا نام مسیلمہ کذاب تھا۔ ان دونوں کذابوں نے اپنے اپنے قبیلوں میں لوگوں کو ان مومنین کے خلاف اکسانا اور بھڑکانا شروع کر دیا جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا تھا اور لوگوں کو ورغلانا شروع کر دیا کہ وہ ان علاقوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور خود نبوت کے دعویدار بن بیٹھے اور زمین کو فساد و گمراہی سے بھرنے لگے۔

اچانک ایک روز مسیلمہ کی طرف سے بھیجا ہوا ایک نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جو مسیلمہ کا ایک خط لایا تھا جس میں مسیلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں مخاطب کیا تھا:

”مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف! تم پر سلامتی ہو۔ اما بعد، سن لیں کہ میں اس معاملے میں تمہارا شراکت دار ہوں۔ آدھی زمین ہماری ہوگی اور آدھی قریش کی، مگر قریش ایک ایسی قوم ہے جو ظلم کرتی ہے!“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کے خط کا جواب ان الفاظ میں املا کرایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ، اِلٰى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ!

اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى. اَمَّا بَعْدُ!

فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ.

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف!

سلام اسی شخص کے لیے ہے جو ہدایت کی پیروی اختیار کرلے۔

(سن لوکہ) زمین تو اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ (لیکن اچھا) انجام ڈر جانے والوں کا ہی ہوگا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سپیدۂ سحر کی مانند نمودار ہوئے اور بنو حنیفہ کے کذاب کو رسوا کر کے چھوڑ گئے جس نے نبوت کو بادشاہت سمجھ لیا تھا اور نصف زمین اور نصف رعایا کا مطالبہ کرنے لگا تھا۔

مسیلمہ کے ہرکارے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب مسیلمہ تک پہنچایا تو وہ مزید گمراہی میں پڑ گیا اور لوگوں کو مزید گمراہ کرنے لگا۔ یہ کذاب اپنا افک و بہتان پھیلانے لگا اور مومنوں کو دی جانے والی سزاؤں کو اس نے بڑھا دیا۔ لوگوں کو ان کے خلاف کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت حال میں اس کی طرف ایک خط بھیجنے کا فیصلہ کیا جس میں آپ اس کو اس کی حماقتوں سے منع کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انتخاب حضرت حبیب بن زید پر پڑی کہ آپ یہ مکتوب مسیلمہ تک پہنچائیں۔ حضرت حبیب نے تیز قدمی سے سفر شروع کر دیا تاکہ اس مہم کو بخوشی سرکریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیت سے ان کو سونپی تھی کہ مسیلمہ کا دل حق کی طرف رہنمائی پالے۔

جناب حبیب بن زید نے مطلوبہ مقام پر پہنچ کر خط مسیلمہ کے حوالے کر دیا۔ مسیلمہ

کذاب نے خط کھولا تو خط کے نور وضیاء نے اس کی آنکھیں اندھی کر دیں اور وہ غرور و ضلالت میں اور بڑھ گیا۔

ادھر دین عظیم یعنی اسلام کے معیارات اور پیمانوں نے چاہا کہ عظمت وبطولت کے وہ دروس جو اس نے مکمل طور پر انسانیت کے سامنے پیش کر دیے ہیں ان کے اندر ایک نیا درس شامل کر دے جس کا موضوع اور استاد اس بار ''جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ'' ہوں!

مسیلمہ ایک شعبدہ باز سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ وہ جگہ جگہ شعبدہ بازی کرنے والوں کی تمام تر عادات وخصائل اپنے اندر رکھتا تھا۔

اس طرح اس کے اندر کوئی مروت تھی نہ عرب نسلیت اور نہ کوئی آدمیت جو اس کو اس پیغام رساں کے قتل سے باز رکھتی۔ جس کا عرب بڑا احترام کرتے اور مقدس جانتے تھے۔

مسیلمہ کذاب نے اپنی قوم کو ایک روز اکٹھے ہونے کا کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رساں جناب حبیب بن زید کو لایا گیا جن کے اوپر اس تشدد وتعذیب کے آثار دکھائی دے رہے تھے جو ان مجرموں نے ان کے اوپر توڑے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ جناب حبیب کی روح شجاعت کو سلب کریں گے اور آپ لوگوں کے سامنے آئیں گے تو مطیع ہو چکے ہوں گے اور جب مسیلمہ پر ایمان لانے کے لیے کہا جائے گا تو فوراً ایمان لے آئیں گے۔

کذاب اور مکار اس طریقے سے ذہن میں تیار کیا ہوا معجزہ اپنے فریب خوردہ پیروکاروں کے سامنے دکھانا چاہتا تھا۔

مسیلمہ نے حضرت حبیب سے پوچھا: کیا تم یہ شہادت دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ حضرت حبیب نے جواب دیا: ''ہاں! میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں!''

جناب حبیب کے منہ سے یہ کلمات نکلے تو رسوائی اور ناکامی کی زردی نے مسیلمہ کا چہرہ زرد کر دیا اور اس نے پھر سوال کیا: کیا تم یہ شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟؟

حضرت حبیب نے مضحکہ خیز انداز میں جواب دیا: ''میں تو کچھ سن ہی نہیں رہا!''

اس جملے کے بعد کذاب کے چہرے کی زردی، جل کر راکھ ہو جانے والے کوئلے کی

سیاہی میں بدل گئی۔ اس کی منصوبہ بندی ناکام ہوگئی اور اس کے تشدد نے بھی کوئی کام نہ دکھایا۔ اسے ان لوگوں کے سامنے جن کو وہ اپنا معجزہ دکھانا چاہتا تھا ایسا زوردار طمانچہ پڑا کہ اس کی جعلی ہیبت ہوا ہوگئی۔ وہ ذبح شدہ سانڈ کی طرح پھنکارا اور اپنے اس جلاد کو آواز دی جو اپنی تلوار کے دانتوں سے حضرت حبیب کے جسم کی بوٹی بوٹی کرڈالنے والا تھا۔

اس نے جلاد سے کہا تلوار مار کر اس کے بدن کا ایک ٹکڑا اڑا دو۔

جلاد نے تلوار ماری اور جناب حبیب کے بدن سے بوٹی اڑا کر رکھ دی۔

مسیلمہ نے پھر مخاطب ہوکر جناب حبیب سے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟

حضرت حبیب نے جواب دیا: ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

مسیلمہ نے کہا: اور یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

حضرت حبیب بولے: میں نے تم سے کہا ہے کہ میرے کان وہ بات سننے سے قاصر ہیں جو تم کہتے ہو۔ مسیلمہ نے یہ جواب سنا تو جلاد کو حکم دیا کہ اس کے جسم کی ایک اور بوٹی اڑا دو۔

جلاد نے فوراً تلوار ماری اور جناب حبیب کی ایک اور بوٹی اڑا کر رکھ دی۔ لوگ آپ پر نظریں گاڑے حیرت و تعجب سے دیکھے جارہے تھے کہ کس قدر عزیمت و استقامت ہے۔

مسیلمہ مسلسل اسی طرح سوال کرتا رہا اور جلاد آپ کے بدن کی بوٹیاں اڑاتا رہا اور آپ بھی مسلسل یہی جواب دیتے رہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس مسلسل عمل سے آپ کے بدن کا آدھا حصہ کٹ کر ٹکڑوں کی صورت میں زمین پر بکھرا ہوا تھا اور آدھا دھڑ باقی رہ گیا تھا۔ بالآخر آپ کی پاکیزہ و عظیم روح پرواز کرگئی مگر زبان پر اسم محمد جاری تھا۔ (نقوش صحابہ، ص ۴۶۴۔۴۶۷)

حضرت حرام بن ملحان انصاری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کا شمار انصار کے سابقین اولین میں ہوتا ہے، انہوں نے ہجرت نبوی سے پہلے اپنی بہنوں کے ساتھ ہی قبول اسلام کا شرف حاصل کیا،

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہوں نے اپنے دوسرے انصاری بھائیوں کے ساتھ والہانہ جوش وخروش سے آپ کا استقبال کیا اور پھر شب و روز نبوت کے سر چشمہ فیض سے سیراب ہونے لگے یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصے میں قرآن وسنت کے عالم بن گئے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ وہ اکثر قرآن پڑھا کرتے تھے اور رات کو قرآن کا درس دیا کرتے تھے، اسی بنا پر "قاری" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

حضرت حرام نہایت ہی مخلص مسلمان تھے اور ان کے جوش ایمان کی کوئی انتہا نہ تھی، رات کو درس قرآن سے فارغ ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتے اور صبح تک نمازیں پڑھتے رہتے، دن کے وقت انہوں نے مسجد نبوی اور اصحاب صُفَّہ کی خدمت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، صحیح مسلم میں ہے کہ وہ مسجد نبوی میں پانی بھر کر رکھتے پھر جنگل جا کر لکڑیاں لاتے اور انہیں فروخت کر کے اصحاب صفہ اور دوسرے محتاج مسلمانوں کے لیے سامان خورد ونوش مہیا کرتے۔ اپنے اعلیٰ اخلاق اور جذبہ اخلاص کی بدولت انہوں نے بارگاہ رسالت میں درجہ تقرب حاصل کر لیا تھا اور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور شفقت کا مورد بن گئے تھے۔

صفر ۴ھ میں بنوکلاب کا رئیس ابو براء عامر بن مالک نجد سے مدینہ منورہ آیا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ اپنے کچھ آدمیوں کو میرے ساتھ بھیجیں جو میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں، حضور نے اس کی درخواست قبول کرنے میں تامل فرمایا کیونکہ چند دن پہلے بنو عامر کا سردار عامر بن طفیل جو ابو برا کا بھتیجا تھا، یہ پیغام بھیج چکا تھا کہ محمد مجھے اپنا جانشین بنائیں یا نرم زمین والوں پر وہ حکومت کریں اور سخت زمین والوں پر میں۔ ورنہ میں ہزاروں جنگجوؤں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دوں گا۔ لیکن ابو براء نے بار بار یقین دلایا کہ جو مسلمان اس کے ساتھ جائیں گے وہ ان کی حفاظت اور سلامتی کا ضامن ہو گا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابو براء کی یقین دہانی پر) ستر صحابہ کرام کو حضرت حرام بن ملحان کی قیادت میں نجد کی طرف بھیجا۔ ان میں زیادہ تعداد انصار اور اصحاب صُفَّہ کی تھی جو قرآن کریم کے حافظ تھے اور قراء کے لقب سے مشہور تھے۔ حضور نے عامر بن طفیل کے نام ایک خط بھی اس جماعت کے

ہاتھ روانہ کیا، یہ اصحاب مدینہ سے رخصت ہو کر بیرِ معونہ کے مقام پر جا کر ٹھہر گئے، یہ مقام مکہ معظمہ اور عسفان کے درمیان واقع تھا۔ واقدی کا بیان ہے کہ یہ بنی سُلَیم کا ایک چشمہ تھا جو بنی عامر اور بنو سلیم کے علاقوں کے درمیان واقع تھا۔

حضرت حرام بن ملحان سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے اس بد بخت نے حضور کا والا نامہ پڑھنا تک گوارا نہ کیا اور عربوں کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک آدمی کو اشارہ کیا، اس نے پیچھے سے آکر حضرت حرام کو نیزہ مارا جو اُن کے جسم کے آر پار ہو گیا۔ حضرت حرام نے خون کا چلو بھر کر اپنے چہرے اور سر پر چھڑکا اور فرمایا: **فزت ورب الکعبہ**" (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا) ساتھ ہی زمین پر گرے اور تاج شہادت سر پر رکھے خلد بریں میں پہنچ گئے۔

واقدی کا بیان ہے کہ جس شخص نے حضرت حرام بن ملحان کو نیزہ مارا وہ جبار بن سلمیٰ کلابی تھا۔ جبار نے بعد میں لوگوں سے حضرت حرام کے اس قول کا مطلب پوچھا کہ "میں کامیاب ہو گیا" سے کیا مراد ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جنت کے حصول میں کامیاب ہو گیا۔ جبار نے یہ سن کر کہا۔ "خدا کی قسم! انہوں نے سچ کہا۔" اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت حرام کی شہادت کے بعد عامر بن طفیل نے اپنے قبیلے بنو عامر سے کہا کہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرو۔ لیکن ان لوگوں نے ابو براء کی پناہ کی وجہ سے اس میں عذر کیا اس پر عامر نے اردگرد کے بعض قبائل بنو سلیم، رعل اور ذکوان وغیرہ کو جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق مسلمان حضرت حرام کی شہادت کی خبر سن کر خود موقع پر پہنچے گئے۔ عامر بن طفیل اور اس کے کثیر التعداد ساتھیوں نے مٹھی بھر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا اور دو کے سوا باقی سب کو ایک ایک کر کے شہید کر ڈالا۔ ان دو میں سے ایک حضرت کعب بن زیدی انصاری تھے جو شدید زخمی ہوئے اور کفار نے انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ دوسرے حضرت عمر بن امیہ ضمری تھے جنہیں نجدیوں نے گرفتار کر لیا بعد میں وہ موقع پا کر بھاگ نکلے۔ (یا بروایت دیگر عامر بن طفیل کی ماں نے اپنی

ایک منت پوری کرنے کے لیے انہیں آزاد کر دیا۔)

حضرت عمر بن امیہ نے مدینہ پہنچ کر اس دردناک واقعہ کی خبر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپ کو شدید صدمہ پہنچا۔ آپ عام طور پر کسی کے لیے بد دعا نہیں کرتے تھے لیکن اصحاب بئیر معونہ کی المناک شہادت نے آپ کو اس قدر غمزدہ کیا کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ مسلسل ایک ماہ تک بد بخت قاتلوں کے حق میں بد دعا کرتے رہے۔ حضور نے حضرت حرام بن ملحان کو ہمیشہ یاد رکھا۔ آپ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ام حرام اور ام سلیم پر رحم آتا ہے کہ ان کے بھائی نے مظلومانہ شہادت پائی۔

(سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۵۳۸)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

مشہور مداح نبی حضرت حسان بن ثابت صحابی رضی اللہ عنہ کے دو نعتیہ اشعار قابل سماعت اور بڑے ہی ایمان افروز ہیں، جو زرقانی علی المواہب ج ۱، ص ۳۲۷، پر درج ہیں۔ سبحان اللہ! حضرت حسان کیا فرماتے ہیں؟ سنئے!

نَبِیٌّ یَرَیٰ مَالَا یَرَی النَّاسُ حَوْلَهٗ
وَیَتْلُوْ اکِتَابَ اللّٰهِ فِیْ کُلِّ مَشْهَدٖ
فَاِنْ قَالَ فِیْ یَوْمٍ مَقَالَةَ غَائِبٍ
نَتَصْدِیْقُهَا فِیْ ضَحْوَةِ الْیَوْمِ اَوْغَدٖ

(قرآنی تقریریں ص ۱۲۳)

☆ یعنی نبی اپنے گرد و پیش میں وہ سب کچھ دیکھتے ہیں، جن کو دوسرے تمام انسان نہیں دیکھ پاتے ہیں، اور نبی ہر جگہ خدا کی کتاب کی تلاوت فرماتے ہیں۔

☆ اور اگر نبی کوئی غیب کی بات کسی دن فرما دیں تو آج یا کل کے روز روشن میں اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

شاعر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ

کے چہرۂ اقدس کے انوار و تجلیات اور ہیبت و وقار کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لَمَّا نَظَرْتُ اِلٰی اَنْوَارِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعْتُ کَفِّیْ عَلٰی عَیْنِیْ خَوْفًا مِنْ ذَھَابِ بَصَرِیْ۔

"میں نے جب آپ کے انوار کا مشاہدہ کیا تو میں نے اپنی آنکھوں پر ہتھیلی رکھ لی تا کہ کہیں میری بینائی ہی نہ جاتی رہے۔" (شرح سلام رضا، ص ۴۳۰)

حضرت حسان کے ہجویہ اشعار اور عشق و محبت

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت کو جو خدمت تفویض فرمائی (یا جس خدمت کا انہوں نے بیڑا اٹھایا) انہوں نے اس کو اس حسن و خوبی اور جوش و جذبہ کے ساتھ انجام دیا کہ حضور کے لطف و کرم کا مورد بن گئے۔ ان کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ حضور کے حکم سے ان کے لیے مسجد نبوی میں منبر بچھایا جاتا تھا جس پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر وہ کفار کی ہجوؤں کا جواب دیتے تھے یا اپنے آقا و مولی کی مدح میں زمزمہ پیرا ہوتے تھے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، حسان کے ہجویہ اشعار کفار کے لیے اندھیرے میں ملنے والے تیروں سے بھی زیادہ کارگر ہیں۔

ایک مرتبہ حضور نے حضرت حسان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے حسان میری طرف سے جواب دے۔" ساتھ ہی دعا کی "الٰہی روح القدس کے ذریعہ اس کی مدد کر۔"

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا:

"اے حسان مشرکین کی ہجو کر جبریل تیرے ساتھ ہے۔"

فی الحقیقت متعدد مواقع پر حضور نے حضرت حسان کے اشعار کی تحسین فرمائی انہیں دعائیں بھی دیں اور شعراء مشرکین کی خرافات کا جواب دینے کی تلقین بھی فرمائی قریب قریب تمام غزوات میں اور ہر اہم موقع پر حضرت حسان نے اہل حق کی حمایت میں اور مشرکین کے خلاف نہایت پر جوش اشعار کہے جنہوں نے حضور کو مسرور کیا اور اعدائے حق

کے سینوں میں چھید ڈال دیے۔ خود فخریہ فرماتے ہیں:

لسانی صارم لا عیب فیه   وبحری لا تکدره الدلاء

میری زبان قاطع تلوار کی طرح تیز ہے جس میں کوئی عیب نہیں اور میرے کلام کا سمندر ایسا صاف وشفاف ہے جو ڈول ڈالنے سے گدلا نہیں ہوتا (مطلب یہ کہ کسی ناقد کی تنقید اس میں عیب نہیں پیدا کرسکتی)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی مشرک کی ہجو کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے یہ شعر کہے۔

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَاَجَبْتُ عَنْهُ   وَعِنْدَاللّٰهِ فِیْ ذَالِكَ الْجَزَاءُ

وَجِبْرِیْلٌ اَمِیْنُ اللّٰهِ فِیْنَا   وَرُوْحُ الْقُدْسِ لَیْسَ لَهٗ كِفَاءُ

تو نے محمد (ﷺ) کی ہجو کی تو میں نے آپ کی طرف سے اس کا جواب دیا اور اس بات کی جزاء اللہ کے ہاں ہے اور ہم میں اللہ کا امین جبریل ہے اور روح القدس ہے جس کا کوئی ہمسر نہیں۔

حضور نے سنا تو فرمایا:

جَزاكَ الله علی الله الجنة۔   ہاں ہاں اللہ کے ہاں تیری جزا جنت ہے

دراصل یہ شعر اس قصیدہ کے ہیں جو حضرت حسان نے فتح مکہ کے موقع پر کہا، شاید کسی اور موقع پر بھی انہوں نے یہ شعر پڑھے ہوں۔

بدر الکبریٰ، اُحد اور احزاب کے غزوات میں انہوں نے نہایت ولولہ انگیز اشعار کہے، اسی طرح مشہور دشمن اسلام یہودی شاعر کعب بن اشرف کے قتل پر بڑے پر جوش انداز میں اظہار مسرت کیا۔

۹ھ میں بنو تمیم کا وفد مدینہ منورہ آیا اور مسلمانوں سے مفاخرہ کیا، ان کے شاعر زبرقان بن بدر نے (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) اپنی قوم کی تعریف میں بہت سے فصیح وبلیغ اشعار پڑھے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان کو حکم دیا کہ اٹھو اور زبرقان کو جواب دو، انہوں نے اٹھ کر اسی ردیف وقافیہ میں فی البدیہہ ایسے شاندار اشعار کہے کہ رئیس بنو تمیم

اقرع بن حابس بے اختیار پکار اٹھے۔

"محمد! باپ کی قسم تمہارا شاعر ہمارے شاعر سے اچھا ہے۔"

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان پر کس قدر شفیق تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ) کے بعد حضور نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس والیِ مصر کے پاس مبلغِ اسلام بنا کر بھیجا، مقوقس نے اسلام تو قبول نہ کیا البتہ حضرت حاطب کی بے حد تعظیم و تکریم کی، جب وہ مصر سے چلنے لگے تو مقوقس نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت سے تحائف و ہدایا ان کے ساتھ کر دیے۔ ان میں دو قبطی بہنیں ماریہ اور سیرین بھی تھیں، یہ دونوں حضرت حاطب کی تبلیغ سے، مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت حاطب نے انہیں حضور کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے حضرت ماریہ کو اپنے حرم میں داخل فرما لیا اور حضرت سیرین کو حضرت حسان کی ملک یمین میں دے دیا، اس طرح حضرت حسان حضور کے ہم زلف بن گئے۔ حضرت سیرین کے بطن سے حضرت حسان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ انہوں نے بھی ایک نغز گو شاعر کی حیثیت سے شہرت پائی۔ عبدالرحمٰن حضور کے صاحبزادے حضرت ابرہیم کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔

حضرت حسان سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی طویل عرصہ تک حیات رہے۔ اس دوران میں وہ کبھی کبھی مسجد نبوی میں بیٹھ کر لوگوں کو اپنے اشعار سنایا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں اسی طرح اپنے اشعار پڑھ رہے تھے امیر المؤمنین نے دیکھا تو منع فرمایا کہ مسجد میں اشعار نہ پڑھیے۔ حضرت حسان جلال میں آ گئے اور فرمایا "میں آپ سے بہتر ہستی کے سامنے مسجد نبوی کے اندر اشعار پڑھا کرتا تھا۔ اس لیے مجھے ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" حضرت عمر فاروق ان کا جواب سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت حسان بن ثابت کا شمار اپنے دور کے عظیم ترین عرب شعراء میں ہوتا ہے ان کے بعض ہمعصروں نے تو انہیں عرب کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کیا ہے لیکن جس چیز نے ان کے سر پر بقائے دوام کا تاج رکھا اور ان کے مرتبہ کو عظمت ثریا سے ہمکنار کر دیا وہ ان کا اس ذات گرامی کا شاعر ہونا تھا جو اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات ارضی و سماوی کی بزرگ ترین ہستی ہے۔ فی

الحقیقت ان کا سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ وہ شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے حضور کی عظمت کا نقش حضرت حسان کے دل پر بچپن ہی سے بیٹھا ہوا تھا، خود ان کا بیان ہے کہ:

میں سات آٹھ برس کا لڑکا تھا کہ ایک دن علی الصباح ایک یہودی نے مدینہ کے تمام یہودیوں کو پکار کر جمع کیا اور جب سب آ گئے تو کہا، وہ ستارہ طلوع ہو گیا ہے جس کے طالع میں آج ہی شب کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت ہوگی، اس کے بعد جب آپ مبعوث ہوئے اور مدینے میں تشریف لائے تو وہ یہودی اگرچہ اس وقت زندہ موجود تھا مگر کم بخت ایمان نہ لایا۔

حضرت حسان اسی دن سے نبی اخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے مشتاق تھے۔ حضور نے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو انہوں نے والہانہ ذوق وشوق سے آپ کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کیا اور پھر تمام شاعرانہ صلاحیتوں کو اپنے آقا کی مدح اور مدافعت کے لیے وقف کر دیا۔ انہوں نے اس جوش اخلاص سے حضور کی مدح کا حق ادا کیا کہ کسی دوسرے کے لیے ان کی پرواز خیال کی بلندی تک پہنچنا محال ہو گیا، ذرا یہ دو شعر ملاحظہ کیجیے۔

وَاَحۡسَنُ مِنۡكَ لَمۡ تَرَقَطُّ عَيۡنِىۡ وَاَجۡمَلُ مِنۡكَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقۡتَ مُبَرَّاً مِّنۡ كُلِّ عَيۡبٍ كَاَنَّكَ قَدۡ خُلِقۡتَ كَمَا تَشَاءُ

(یا رسول اللہ!) آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے ہرگز نہیں دیکھا اور نہ آپ سے زیادہ خوبرو کسی عورت نے کوئی بچہ جنا۔ ☆ آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے گویا آپ جیسا پسند فرماتے تھے ویسے ہی پیدا ہوئے۔

یعنی معلوم ہوتا ہے کہ خالق نے آپ کو آپ کی مرضی اور منشاء کے عین مطابق پیدا کیا ہے۔

حضور پرنور کی مدح میں حضرت حسان کے قصائد یا نعتوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں تصنع اور آورد مطلق نہیں ہے بلکہ ہر شعر ان کے واردات قلبی کا عکاس ہے۔

انہوں نے حضور کی شان میں سینکڑوں اشعار کہے لیکن کسی ایک شعر میں بھی کوئی خلافِ حقیقت بات نہ کہی چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

(۱) نَبِیٌّ اَتَانَا بَعۡدَ یَاسٍ وَفَتۡرَةٍ
مِنَ الرُّسُلِ وَالۡاَوۡثَانُ فِی الۡاَرۡضِ نُعۡبَدُ

(۲) فَامسٰی سِرَاجاً مُستَنِیرًا وَھَادِیًا
یَلُوحُ کَمَا لَاحَ الصَّقِیلُ المُھَنَّدِ

(۳) وَاَنذَرَنَا نَارًا وَّبَشَّرَ جَنَّۃً
وَعَلَّمَنَا الاِسلَامَ اللّٰہَ نَحمَدُ

(۱) وہ اللہ کے ایک نبی ہیں جو مایوسی اور انبیاء کے گزرنے کے بعد ہمارے پاس تشریف لائے جب دنیا میں بتوں کی پرستش ہونے لگی تھی۔

(۲) وہ ہمارے لیے روشن چراغ بن گئے اور ہادی، وہ اس طرح درخشاں وتاباں نمودار ہوئے جیسے صیقل کی ہوئی ہندی تلوار چمکتی ہے۔

(۳) انہوں نے ہم کو آتش جہنم سے ڈرایا اور جنت کی خوشخبری سنائی، انہوں نے ہم کو اسلام کی تعلیم دی جس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ہجرت نبوی کے سلسلے میں وہ اہل مکہ کی حرماں نصیبی اور اہل مدینہ کی خوش بختی پر یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

لَقَد خَابَ قَومٌ مَالَ عَنھُم نَبِیُّھُم
وَقُدِّسَ مَن یَسرِیٰ اِلَیہِ وَیَغتَدِیٰ

بے شک وہ قوم نامراد ہوئی جن کے پاس سے ان کا نبی چلا گیا اور ان لوگوں نے عزت پائی جن کے پاس وہ تشریف لائے اور انہوں نے صبح کی۔ (یا صبح وشام سفر طے کر کے پہنچے)

(۱) تَرَحَّلَ عَن قَومٍ، فَزَالَت عُقُولُھُم
وَحَلَّ عَلٰی قَومٍ بِنُورٍ مَجَدَّدٖ

(۲) ھَدَاھُم بِہٖ بَعدَ الضَّلَالَۃِ رَبُّھُم
وَاَرشَدَھُم مَن یَّتبِعُ الحَقَّ یَرشُدُ

(۱) جس قوم سے اس کا پیغمبر چلا گیا اس کی عقل بھی جاتی رہی اور جن لوگوں میں تشریف لا کر پیغمبر نے قیام فرمایا ان کو اپنے نور سے روشن کر دیا۔

(۲) ان (اہل مدینہ) کے رب نے ان کو گمراہی کے بعد ہدایت نصیب فرما دی اور ان کو

سیدھا راستہ دکھایا، جو حق کی پیروی کرتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے۔

ان چند اشعار سے حضرت حسان بن ثابت کے عشق رسول کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں اشعار ان کے دیوان میں جگہ جگہ موتیوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں جن کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔

حضرت حسان نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے ساتھ ساتھ کفار کی ہجو میں بھی دفتر کے دفتر کہہ ڈالے۔ انہوں نے اس جوش خروش سے حضور اور آپ کے نام لیواؤں کی مدافعت کی اور شعرائے مشرکین کی ہجوؤں کا جواب ایسے مؤثر اور پرزور الفاظ میں دیا کہ وہ سر پیٹ کر رہ گئے۔ حضرت حسان کی ہجوؤں میں اتنی تیزی، گرمی، کاٹ اور فصاحت و بلاغت ہوتی تھی کہ کفار اس سے پناہ مانگتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور کے دوسرے دو جاں نثاروں حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک انصاری نے بھی شعرائے مشرکین کی ہجوؤں کا جواب نہایت موثر پیرائے میں دیا۔ لیکن اس باب میں حضرت حسان کی مساعی جمیلہ سب پر فوقیت لے گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب شعرائے قریش کی ہجوؤں کا جواب دینے کا ارادہ کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک کو کہلا بھیجا کہ قریش کی ہجو کا جواب دو۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی لیکن حضور کو ان کی جوابی ہجو پسند نہ آئی۔ پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو یہ کام کرنے کے لیے فرمایا، انہوں نے بھی ہجو کا جواب دیا مگر حضور کو پسند نہ آیا۔ اس کے بعد حضرت حسان کو پیغام بھیجا کہ تم یہ کام کرو، لوگ ان کے پاس گئے اور حضور کا پیغام پہنچا دیا تو انہوں نے بے ساختہ کہا:

''اب وقت آیا ہے وہ شیر بلایا جائے جو اپنی دم ہلا رہا ہے۔''

پھر انہوں نے بڑے پرعزم لہجے میں کہا، ''میں ان کو اپنی زبان سے ٹھیک کر دوں گا (یا ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا) اور واقعی انہوں نے جو کہا تھا اسے کر دکھایا۔ (مسند احمد، ج ۴ حاشیہ ص ۱۶۷)

حضور نے حضرت حسان کو شعرائے مشرکین کے مقابلے میں اپنی اور اپنے صحابہ کی مدافعت پر مامور فرمایا تو انہیں ہدایت فرمائی کہ جواب دینے سے پہلے ابو بکر سے مشورہ کر لیا کرو۔ ابو بکر صدیق کی خدمت میں جاتے تھے اور ان سے انساب کے بارے میں معلومات

حاصل کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق ان کو بتلاتے تھے کہ ہجو میں فلاں فلاں عورتوں کو چھوڑ دینا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادیاں ہیں۔ حضرت حسان اسی کے مطابق عمل کرتے تھے، وہ اپنے اشعار میں مشرکین قریش پر اس طرح چوٹ کرتے تھے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش سے نسبی تعلق رکھنے والے صحابہ کرام پر مطلق کوئی حرف نہ آتا تھا۔

ابولہب حضور کا چچا تھا لیکن اسلام کا بدترین دشمن تھا، حضرت حسان اس کی ہجو اس طرح کرتے ہیں:

(۱) اَبَا لھبٍ ابلغ بِاَنَّ مُحَمَّدًا
سَیَعْلُو بِمَادیّ وان کنت راغما

(۲) وان کنت قد کذبتہ وخَذَّلتہٗ
وَحیدًا وطارعت المجین الضواغما

(۳) سَمَتْ ھَاشِمٌ لا کرَماتِ والعُلٰی
وَغُودِرَتَ نیَ کاب من الّوم جائما

(۱) ابولہب کو پہنچا دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ نبوت ادا کرنے کی وجہ سے ضرور بلند مراتب حاصل کریں گے اگرچہ یہ بات تیری خواہش کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) اگرچہ تو نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھٹلا دیا اور (خاندان میں) تنہا تو نے آپ کو رسوا کرنے کی کوشش کی اور بزبان دل کمینوں کی تو نے پیروی کی۔

(۳) بنی ہاشم عزت اور بلند مراتب پر فائز ہوئے لیکن تو ملامت کے رنج وغم میں آلودہ کر کے چھوڑ دیا گیا۔

حضور کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث قبول اسلام سے پہلے اسلام کے سخت دشمن تھے۔ انہوں نے حضور کی ہجو کہنے سے بھی گریز نہ کیا۔ حضرت حسان نے ان کی اس طرح خبر لی:

(۴) لعمرك اِنَّ اِلّكَ من قریش
كَالِّ السقبِ من رال النعام

(۵) فلا تفخر بقوم لست منھم

ولا تك كـالـلـئام بنى هشـام

(۴) تیری جان کی قسم تیرا رشتہ قریش سے ایسا ہی ہے جیسا کہ اونٹ کے بچے کا رشتہ شتر مرغ کے بچے سے ہو۔

(۵) تو ایسی قوم پر فخر مت کر جن میں سے تو نہیں ہے تو تو خبیث بنی ہشام جیسا بھی نہیں۔

رؤسائے قریش میں ابو جہل اسلام کی مخالفت میں سب سے پیش پیش تھا، معرکۂ بدر میں وہی کفار کو مکہ سے کھینچ لایا تھا۔ حضرت حسان نے اس کی مذمت اس طرح کی:

(۶) فـقـد لـعـن الـرحمن جمعا يقود هم
دعِـيٌّ نبـي شـجـع لـحـرب محمد

(۷) مشـومٌ لـعينٌ كـان قـد مّـا منغضـا
يبيـن فيـه الـلـوم من كـان يهتد

(۸) فـد لاهـم فـى الـغى حتـى تهـافتوا
وكـان مـضـلا اَمـرُهٗ غَيـر مـرشـد

(۹) فـانـزل ربـى لـلـنبى جـنـوده
وايـده بـالـنـصـر فى كل مشهد

(۶) بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے گروہ پر لعنت کی جس کو شجاعت کا ایک جھوٹا دعویدار، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے لایا ہے۔

(۷) وہ خبیث اور لعین ہے، ہمیشہ سے اس کو برا سمجھا جاتا ہے جو شخص راہ حق کی ہدایت پاتا ہے وہ اس کو ملامت کرتا ہے۔

(۸) وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف راغب کرتا ہے یہاں تک کہ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے، حالانکہ اس کا حکم گمراہ کرنے والا ہے ہدایت کرنے والا نہیں۔

(۹) اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے اپنا لشکر بھیجا اور ہر لڑائی میں اللہ نے آپ کی نصرت و فتح سے تائید کی۔

عبداللہ بن زبعریٰ قبول اسلام سے پہلے قریش کے سر برآوردہ شاعر تھے۔ غزوۂ اُحد

میں ایک اتفاقی حادثہ کی بناء پر مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ ابن زبعریٰ نے اس کو مشرکین کی فتح قرار دیا اور چند فخریہ اشعار کہے جس میں حضرت حسان کو مخاطب کر کے اہل حق کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ حضرت حسان نے اس کا نہایت مسکت جواب دیا۔ غزوہ احد کی حقیقی نوعیت واضح کی اور ساتھ ہی غزوہ بدر میں کفار کی شرمناک شکست یاد دلا کر ابن زبعریٰ کو غیرت دلائی۔ ذرا ان کے جواب کے تیور دیکھئے:

(۱) ذهبت بابن الزبعریٰ وقعة — كان من الفضل فيها لو عدل

(۲) لقد نِلتُم و نلنا منكم — ولذاك الحرب احيانا دول

(۳) اذ شد دنا شدة صارقة — فاجاناكم الى سفح الجبل

(۴) فسد حنا فى مقام واحد — منكم سبعين غير النتحل

(۵) واسرنا منكم اعداهم — فانصرفتم مثل افلا ت الحجل

(۶) فقلنا كل راس منكم — وقتلنا كل حجاج زفل

(۷) نحن لا،انتم نبى استا هها — نحن فى الباس اذا لباس نزل

(۱) ابن الزبعریٰ کو اس لڑائی (اُحد) کا حال خوب معلوم ہے اگر وہ انصاف سے کام لے تو فضیلت ہمارے ہی لیے ہے۔

(۲) بے شک تم نے ہم سے اور ہم نے تم سے خوب انتقام لیا۔ کبھی کبھی لڑائی اسی طرح پلٹے کھایا کرتی ہے۔

(۳) جب ہم نے (جنگ بدر) میں سخت حملہ کیا تو ہم نے تم کو پہاڑی کے نشیب میں دھکیل دیا۔

(۴) ہم نے تم میں سے ستر آدمیوں کو ایک ہی جگہ پچھاڑ دیا جس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں۔

(۵) ہم نے تم میں سے بہتوں کو اسیر کر لیا اور تم شکست کھا کر مرغابیوں کی طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔

(۶) ہم نے تم میں سے ہر سردار کو قتل کیا اور ہر ذی رتبہ بہادر کو مارا۔ ۷۔ ہم نہیں، تم دُم دبا کر بھاگنے والے ہو۔ جب معرکہٗ کارزار برپا ہوتا ہے ہم میدان کارزار میں ہوتے ہیں۔

ابی بن خلف سخت بد باطن مشرک تھا، ایک مرتبہ (ہجرت نبی سے پہلے) وہ ایک بوسیدہ

ی لے کر حضور کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "تم کہتے ہو کہ اللہ مردوں کو زندہ کرے گا، بتاؤ اس ی کو کون زندہ کر سکتا ہے؟" حضرت حسان اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابی بن لف، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ابو جہل کی مذمت اس طرح کرتے ہیں:

(۱) لقد و رث الضلالة عن ابیه　　اُبَیٌّ یوم فارقه الرسول

(۲) اجئت محمدا عظما رمیما　　لتکذبه ومانت به جهول

(۳) وَتَبَّ ابنا ربیعة اذا طاعا　　اباق جهل لا مها المهبول

۱) بے شک ابی اپنے باپ کی گمراہی کا وارث ہوا ہے جبکہ اس نے رسول اللہ سے جدائی اختیار کی۔

۲) کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا ہے تاکہ تو انہیں جھٹلا سکے حالانکہ تو خود اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے۔

(۳) ربیعہ کے دونوں بیٹے تباہ ہو گئے جب انہوں نے ابو جہل کی پیروی کی، ان کی مائیں ان پر رونے والیاں ہیں۔

ایک مرتبہ عرب کے ایک قبیلے کا سردار حارث بن عوف بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کسی صاحب کو میرے ہمراہ کر دیں تاکہ وہ میرے قبیلے کو دین کی تعلیم دے، میں اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں۔ حضور نے ایک انصاری صحابی کو اس کے ہمراہ کر دیا۔ ان کو ساتھ لے کر حارث اپنی قوم میں گیا مگر اس کی قوم نے غداری کی اور انصاری صاحب رسول کو شہید کر ڈالا، چند دن بعد حارث بن عوف اپنے قبیلے کی غداری پر اظہار ندامت کے لیے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور کو یہ المناک واقعہ سن کر بہت دکھ ہوا لیکن حارث کی لجاجت آمیز معذرت کو دیکھتے ہوئے آپ از راہ مروّت خاموش رہے۔ اس موقع پر حضرت حسان نے حارث اور اس کے قبیلے کی بدعہدی پر برجستہ دو شعر کہے۔ انہیں سن کر حارث اس قدر پریشان اور خائف ہوا کہ حضور کی خدمت میں گڑگڑا کر عرض کی:

"اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس شخص (حسان) کی ہجو سے بچنے کے لیے آپ سے پناہ چاہتا ہوں یہ وہ شخص ہے کہ اپنی زبان کی تلخی اگر سمندر میں ملا دے تو خدا کی قسم سمندر

کا سارا پانی کڑوا ہو جائے۔''

مختصر یہ کہ حضرت حسان نے اپنے زور کلام سے دشمنان حق کا ناطقہ بند کر دیا اور اہل حق کو اس قدر مسرور کیا کہ خود لسان رسالت سے جنت کی بشارت پائی۔

(سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۵۸۶)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا محبت بھرا اِرشاد

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: استن حنانہ (یعنی کھجور کا ستون جس سے سہارا لیے آپ خطبہ صادر فرمایا کرتے تھے) بے جان ہو کر یادِ حضور اور قربِ نور سے دور ہو کر رونے لگا، تو ایک امتی جاندار ہو کر کیوں نہ عشق محبوب میں روئے، نہ دیکھا حضور کو پہچاننے والوں پر کیا گزرتی ہے جس ذرے کو وہ دیکھتے ہیں اس میں حیات وشعور کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔ آپ صرف زندہ نہیں بلکہ زندگی ہیں لہٰذا جس کو چھو لیتے ہیں اسے زندگی کی رعنائیاں عطا فرمادیتے ہیں، اور کچھ وہی منظر سامنے آجاتا ہے کہ ان کے حسن میں جو محو ہوا اس نے پھر کسی پر نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالی، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر ذرہ دل بن جاتا ہے ہر چیز نظر ہو جاتی ہے
جس سمت وہ نظریں اٹھتی ہیں کونین ادھر ہو جاتی ہے
جس نے دیکھا پھر نہ دیکھا اور کچھ ان کے سوا
ایک نظر میں سینکڑوں حسنِ نظر پیدا ہوئے

(جامع کرامات اولیاء ص ۳۶۰)

حضرت حسیل الیمانی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

غزوۂ اُحد ۳ھ میں حضرت حسیل اپنے فرزند حضرت حذیفہ کے ساتھ مشرکین سے لڑنے کے لیے نکلے حضور نے حضرت حسیل کا ضعف دیکھا تو آپ نے انہیں ایک دوسرے ضعیف العمر بزرگ حضرت ثابت بن وقش کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے پاس ایک بلند

ٹیلے پر (یا ایک قلعے میں) بٹھا دیا۔ حافظ ابن عبدالبر نے ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ حضور نے ان دونوں کو عورتوں اور بچوں کی حفاظت پر مامور فرمایا۔ میدان کارزار گرم ہوا تو دونوں بزرگوں کو جوش جہاد نے بے تاب کر دیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا لا اب لك (کلمہ غیرت یعنی تیرا باپ مرے) ہم یہاں کیوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں آج نہ مرے کل مرے چلو اللہ کی راہ میں لڑیں شاید اللہ تعالیٰ نعمت شہادت نصیب کرے۔ چنانچہ دونوں بزرگ تلواریں سونت کر میدان وغا میں پہنچ گئے۔ حضرت ثابت بن وقش کو مشرکین نے شہید کر دیا۔ حضرت حسیل کو مسلمان افراتفری کے عالم میں پہچان نہ سکے اور ان پر تلواریں مارنے لگے۔ حضرت حذیفہ ہر چند پکارتے رہے۔ ''یہ میرے والد ہیں یہ میرے والد ہیں۔ لیکن لڑائی کے ہنگامے میں کسی نے ان کی نہ سنی اور حضرت حسیل مسلمانوں کے ہاتھوں جام شہادت پی کر جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔

حضرت حذیفہ کو والد گرامی کی شہادت کا صدمہ تو بہت ہوا لیکن انہوں نے بڑے صبر سے کام لیا اور ''یغفر اللہ لکم'' (اللہ تم لوگوں کی مغفرت فرمائے) یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے حضرت حذیفہ کو بلا کر بہت افسوس کا اظہار فرمایا اور جیب خاص سے حضرت حسیل شہید کی دِیت عطا فرمائی، لیکن حضرت ابو حذیفہ کی حمیت نے اسے لینا گوارا نہ کیا اور انہوں نے اسے مساکین پر صدقہ کر دیا۔ حضور نے ان کے جذبہ خیر کی تحسین فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا کہ قاتل اور مقتول دونوں ماجور و مثاب ہیں (یعنی دونوں کو جہاد کا اجر و ثواب ملے گا۔)

(سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۵۴۳)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ایمان اور عشق رسول

اسلام کا نور تاباں آہستہ آہستہ سلیم الفطرت لوگوں کے اذہان وقلوب کو منور کرتا جا رہا تھا اسلام نے اپنے فطری حسن و جمال سے بڑی بڑی جلیل القدر اور نادرہ روزگار ہستیوں کو اپنا

گرویدہ بنالیا تھا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی عظیم شخصیت اسلام قبول کر کے اس کی قوت میں اضافہ کا باعث بن رہی تھی اسلام کے خلاف اگرچہ مشرکین مکہ کا اجتماعی ردعمل ابھی شروع نہیں ہوا تھا لیکن اکا دکا ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے جس سے اس بغض و عداوت کا اظہار ہوتا رہتا جو اسلام کے بارے میں ان کے دلوں میں سلگ رہا تھا، حضرت صدیق اکبر کو جس بے رحمی سے کفار نے پیٹا، اس کے بارے میں آپ پہلے پڑھ چکے ہیں اسی طرح بے سہارا اور بے آسرا لوگ جو دین حق کو قبول کرتے ان پر ظلم و ستم توڑنے میں وہ قطعا تامل نہ کرتے یہاں تک کہ ان میں جو زیادہ شقی القلب تھے انہوں نے محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی دست تعدی دراز کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایک روز رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صفا کی پہاڑی پر تشریف فرما تھے ابو جہل کا ادھر سے گزر ہوا حضور کو دیکھا تو اس کے سینے میں بغض و عناد کا جو لاوا سلگ رہا تھا پھٹ پڑا۔ اس نے سب و شتم کے تیر برسانے شروع کر دیے حلم و وقار کے اس کوہ گراں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، اس بے اعتنائی پر ابو جہل کا غصہ اور تیز ہو گیا اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا، اس نے اس سے مارنا شروع کیا پے در پے ضربوں سے جسم نازک واطہر سے خون رسنے لگا لیکن اس پیکر تسلیم و رضا نے صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا اور اف تک نہ کی، دل کا غبار نکال کر ابو جہل اتراتا ہوا اپنے مداحوں کی اس محفل میں جا بیٹھا جو صحن حرم میں اس کے قبیلہ والوں نے منعقد کی ہوئی تھی۔

اس کے چلے جانے کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموشی سے اپنے گھر تشریف لے گئے، عبداللہ بن جدعان کا گھر کوہ صفا کے قریب تھا، اس کی ایک لونڈی نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، حضرت حمزہ اس روز جنگل میں شکار کے لیے گئے ہوئے تھے۔ چاشت کے وقت ایک کامیاب شکاری کی طرح شاداں و فرحاں واپس آ رہے تھے، ان کا معمول تھا کہ شکار سے واپسی پر پہلے حرم شریف میں حاضری دیتے، بیت اللہ شریف کا طواف کرتے پھر صحن حرم میں رؤسائے قریش نے اپنی اپنی محفلیں جہاں جما رکھی ہوتی تھیں وہاں جاتے، سب سے علیک سلیک کرتے، مزاج پرسی کرتے تب گھر واپس جاتے، اس روز

بھی اسی ارادہ سے وہ حرم شریف کی طرف جا رہے تھے کہ کوہ صفا کے پاس سے گزر ہوا، عبد اللہ بن جدعان کی جس کنیز نے ابوجہل کی تعدّی کا دلخراش منظر دیکھا تھا وہ ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور کہا۔

يَا اَبَا عُمَارَةَ لَوْ رَاَيْتَ مَالَقِيَ اِبْنَ اَخِيْكَ مُحَمَّدٌ مِنْ اَبِي الْحِكَمِ اٰنِفًا وَجَدَهٗ هٰهُنَا فَاٰذَاهُ فَشَتَّمَهٗ وَبَلَغَ مِنْهُ مَا يَكْرَهُ ثُمَّ اِنْصَرَفَ عَنْهُ وَلَمْ يُكَلِّمْهُ۔

اے ابوعمارہ! آج تیرے بھتیجے کے ساتھ ابوجہل نے یہ وحشیانہ سلوک کیا ہے پہلے گالیاں دیتا رہا جب حضور نے خاموشی اختیار کیے رکھی پھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔"

یہ سن کر حضرت حمزہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی غصہ سے آگ بگولہ ہو کر ابوجہل کی تلاش میں آگے بڑھے۔ آج ان کی کیفیت ہی نرالی ہے نہ کسی سے پرسش احوال کر رہے ہیں نہ کسی محفل میں کھڑے ہو کر سلام کہہ رہے ہیں، ابوجہل کی تلاش میں سیدھے آگے بڑھے چلے جاتے ہیں آخر کار آپ کی نظر ابوجہل پر پڑ گئی جو اپنے اہل قبیلہ کی محفل میں بڑی تمکنت سے بیٹھا ہے۔ لوگ سراپا ادب بن کر اس کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں آپ اس مجمع میں گھس گئے اپنی کمان سے اس مردود کے سر پر پے در پے ضربیں لگائیں کہ خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور غصہ سے گرجتے ہوئے کہا۔ اَتَشْتِمُهٗ وَاَنَا عَلٰى دِيْنِهٖ "اے ابوجہل تیری یہ مجال کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں نکالے حالانکہ میں نے اس کا دین قبول کر لیا ہے۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو آ! اور مجھے روک کر دیکھ۔ بنو مخزوم قبیلہ کے لوگ اپنے سردار کی اس رسوائی پر سیخ پا ہو اٹھے کہ حمزہ سے اس کا بدلا لیں، ابوجہل بڑا کائیں تھا، وہ جانتا تھا کہ حمزہ جیسے شیر دل کا مقابلہ ان لومڑیوں سے نہیں ہو سکے گا خواہ مخواہ کئی جانیں ضائع ہوں گی اپنے قبیلہ والوں کو کہا کہ:

دَعُوْا اَبَا عُمَارَةَ فَاِنِّيْ وَاللهِ قَدْ سَبَبْتُ اِبْنَ اَخِيْهِ سَبًّا قَبِيْحًا۔

ابوعمارہ (حمزہ) کو کچھ نہ کہو۔ بخدا میری غلطی ہے کہ میں نے اس کے بھتیجے سے بدکلامی کی ہے۔

رشتہ داری کے جوش میں یہ سب کچھ ہو گیا ابوجہل سے اپنے پیارے بھتیجے کا انتقام بھی لے لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دیا لیکن جب گھر واپس آئے تو نفس امارہ نے ملامت کرنا شروع کر دی اے حمزہ! تو نے یہ کیا کیا۔ فرطِ غضب میں تو اتنا دور چلا گیا کہ اپنے

آباؤ اجداد کے عقیدے کو بغیر سوچے سمجھے ترک کر دیا، اور ایک نئے دین کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ تو نے جلد بازی میں بڑا غلط فیصلہ کیا ہے۔ حمزہ گومگو کے عالم میں ہیں، انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کریں انہیں یہ بات اپنی شان کے سراسر خلاف معلوم ہوئی کہ انہوں نے ایک ایسے دین کو قبول کر لیا ہے جس کے بارے میں انہوں نے پوری طرح سے غور و خوض ہی نہیں کیا، ساری رات بڑے متن و اضطراب میں کٹی، ایسی پریشان رات انہوں نے آج تک نہیں گزاری تھی، اور ایسے ذہنی کرب سے انہیں کبھی پالا نہیں پڑا تھا جب صبح ہوئی تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے عرض کی۔

یَاابْنَ اَخِیْ اِنِّیْ قَدْ وَقَعْتُ فِیْ اَمْرٍ لَا اَعْرِفُ الْمَخْرَجَ مِنْهُ وَاِقَامَةُ مِثْلِیْ عَلٰی مَا لَا اَدْرِیْ مَا هُوَا اَرُشْدٌ اَمْ هُوَ غَیٌّ شَدِیْدٌ وَ حَدِّثْنِیْ وَقَدْ اِشْتَهَیْتُ یَا اِبْنَ اَخِیْ اَنْ تُحَدِّثْنِیْ۔

اے میرے بھتیجے! میں ایک ایسی مشکل میں گرفتار ہو گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ میں نہیں جانتا، اور ایسی بات پر میرا قائم رہنا بڑا مشکل ہے جس کے بارے میں مجھے یہ علم نہیں کہ یہ ہدایت ہے یا گمراہی۔ اس لیے مجھے اس بارنے میں کچھ ارشاد فرمایئے میرے بھتیجے! میری خواہش ہے کہ آپ اس سلسلہ میں گفتگو کریں۔

عقل و دل و نگاہ کے مرشد کامل نے حمزہ کے بے تاب دل کی طلب پر توجہ فرمائی اور بڑے دلنشین انداز میں اسلام کی صداقت و حقانیت کے بارے میں چند ارشادات فرمائے "وَیُزَکِّیْهِمْ" کی شان والے نبی کی نگاہ التفات کی دیر تھی کہ سارے حجابات اٹھ گئے ساری ظلمتیں کافور ہو گئیں، شک و شبہہ کا غبار چھٹ گیا دل کی دنیا نور ایمان سے جگمگ جگمگ کرنے لگی، اور عرض کی "اَشْهَدُ اَنَّكَ لَصَادِقٌ" میں دل کی گہرائیوں سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔

فَاظْهِرْ یَا ابْنَ اَخِیْ دِیْنَكَ فَوَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیْ مَا اَظَلَّتْهُ السَّمَاءُ وَاِنِّیْ عَلٰی دِیْنِی الْاَوَّلِ۔

اے میرے بھائی کے فرزند! آپ اپنے دین کا اظہار فرماتے رہیے بخدا! میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ مجھے ہر وہ نعمت دے دی جائے جس پر آسمان سایہ فگن ہے تا کہ

میں اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جاؤں۔

آپ کے ایمان لانے سے عالم کفر پر ایک رعب طاری ہوگیا۔ بے آسرا مسلمانوں پر ان کی ستم رانیوں میں بڑی حد تک کمی آگئی۔ آپ کے اشعار جو آپ نے اپنے ایمان لانے کی خوشی میں بطور شکر و حمد کہے ہیں آپ بھی انہیں پڑھیے اور لطف اٹھائیے۔

(۱) حَمِدْتُ اللّٰهَ حِيْنَ هَدٰى فُؤَادِىْ — اِلَى الْاِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْحَنِيْفِ

(۲) لِدِيْنٍ جَاءَ مِنْ رَبٍّ عَزِيْزٍ — خَبِيْرٍ بِالْعِبَادِ بِهِمْ لَطِيْفٍ

(۳) اِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهٗ عَلَيْنَا — تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِى اللُّبِّ الْحَصِيْفِ

(۴) رَسَائِلُ جَاءَ اَحْمَدُ مِنْ هُدٰهَا — بِاٰيَاتٍ مُبَيِّنَةِ الْحُرُوْفِ

(۵) وَاَحْمَدُ مُصْطَفٰى فِيْنَا مُطَاعٌ — فَلَا تَغْشُوْهُ بِالْقَوْلِ الضَّعِيْفِ

(۱) میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی اسلام قبول کرنے کے لیے جو دین حنیف ہے۔

(۲) وہ دین جو رب کریم کی طرف سے آیا ہے جو عزت والا ہے جو اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے ساتھ لطف و احسان فرمانے والا ہے۔

(۳) جب اس کے پیغاموں کی ہم پر تلاوت کی جاتی ہے تو ہر عقل مند اور زیرک انسان کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔

(۴) یہ ایسے پیغامات ہیں جو احمد مجتبیٰ لے کر آئے ہیں ایسی آیات کے ساتھ جن کے حروف روشن ہیں۔

(۵) احمد مصطفیٰ وہ ہیں جن کی ہم میں اطاعت کی جاتی ہے کوئی کمزور قول اور عقل و فہم سے گری ہوئی کوئی بات ان کا گھراؤ نہیں کرتی۔

مشہور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنی سیرت کی کتاب ''رحمۃ اللعالمین'' میں حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی ایک اور وجہ تحریر فرمائی جو بڑی ایمان افروز ہے لکھتے ہیں: قرابت کے جوش میں حمزہ، ابوجہل کے پاس پہنچے اور اس کے سر پر اس زور سے کمان کھینچ ماری کہ وہ زخمی ہوگیا حمزہ پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس گئے

اور کہا بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابو جہل سے تمہارا بدلا لے لیا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چچا! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ حمزہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

آپ کب ایمان لائے

اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض نے کہا کہ اعلانِ نبوت کے پانچویں سال اور بعض نے اعلان نبوت کے چھٹے سال۔ لیکن علماء محققین کی تحقیق یہ ہے کہ آپ اعلان نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے، چنانچہ۔

علامہ ابن حجر، جو فن رجال کے امام ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

وَاَسْلَمَ فِیْ السَّنَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ الْبِعْثَةِ وَلَازَمَ نَصرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَاجَرَ مَعَهٗ. اَسْلَمَ فِیْ السَّنَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ الْمَبْعَثِ.

آپ بعثت کے دوسرے سال ایمان لائے دم واپسیں تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت میں کمر بستہ رہے اور مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔ "آپ نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے۔

انہوں نے سن چھ کا قول بھی لکھا ہے لیکن "قیل" کے ساتھ جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

اَسْلَمَ فِیْ السَّنَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ الْمَبْعَثِ.

"آپ بعثت کے دوسرے سال ایمان لے آئے۔"

علامہ ابن زینی دحلان السیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں۔

كَانَ اِسْلَامُ حَمْزَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فِیْ السَّنَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ النُّبُوَّةِ عَلَى الصَّحِيْحِ وَقِيْلَ فِیْ السَّنَةِ السَّادِسَةِ.

صحیح قول یہ ہے کہ حضرت حمزہ نبوت کے دوسرے سال ایمان لائے اور بعض نے چھٹا سال لکھا ہے۔" (ضیاء النبی، ج ۲۔ ص ۲۵۱، سبل الہدیٰ، ج ۲، ص ۴۴۴)

حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

شمع نبوت پر نثار ہونے والے پروانوں میں حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ بھی تھے، جس دن اُحد کا معرکہ وقوع میں آیا اسی دن ان کی شادی ہوئی تھی، اپنی زوجہ کے ساتھ حجرۂ عروسی میں تھے، شب زفاف اپنی شریک حیات کی دلداری فرمار ہے تھے کہ اچانک کان میں آواز آئی کہ محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوران کے ساتھیوں پر کفار مکہ حملہ آور ہوئے ہیں۔ حضرت حنظلہ کو حمام جا کر غسل کرنے کی بھی مہلت نہ مل سکی فوراً معرکۂ اُحد کی طرف نکل پڑے، حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب میدان اُحد میں پہنچے تو جنگ کی آگ کے شعلے بلند ہو گئے تھے، لڑائی کا تنور گرم ہو چکا تھا، وہ مجاہدین کے ہمراہ مصروف جہاد ہو گئے اور اتفاق سے ان کا سامنا ابوسفیان بن حرب سے ہو گیا، حضرت حنظلہ نے ابوسفیان کو گھوڑے سے کھینچ کر زمین پر گرا دیا، ابوسفیان چلانے لگا کہ اے گروہ قریش میں ابوسفیان ہوں اور حنظلہ میرے قتل پر آمادہ ہوا ہے، یہ کہہ کر وہ بھاگنے لگا، حضرت حنظلہ نے ابوسفیان کا تعاقب کیا، اسی اثناء میں اسود بن شعوب ابوسفیان کی مدد کو آپہنچا اور اس نے حضرت حنظلہ پر حملہ کر کے شدت سے بھالا (نیزہ) مارا کہ نیزہ ان کے سینے کے آر پار ہو گیا اور وہ شہید ہو گئے۔

جنگ ختم ہونے پر تمام شہداء کی لاشوں کو دیکھا گیا تو کفار نے لاشوں کا مثلہ کر دیا تھا، یعنی تمام شہداء کی ناک اور کان کاٹ لیے تھے، سوائے حضرت حنظلہ کے، کیونکہ شہید ہونے کے بعد فرشتوں نے ان کی نعش کو آسمان کی طرف اٹھالیا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ وہ حنظلہ بن ابی عامر کو آسمان اور زمین کے درمیان چاندی کے ایک بڑے طشت میں ماء مزن (یعنی برسات کا سفید پانی) سے غسل دیتے تھے۔"

ایک فقہی مسئلہ عرض خدمت ہے کہ شہید کے احکام میں سے ہے کہ شہید کو غسل اور کفن نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو غسل دیے بغیر انہیں خون آلود کپڑوں کے ساتھ دفن کیا جاتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے اسلام کو اسی طرح بے غسل وکفن، صرف نماز جنازہ پڑھ کر دفن فرماتے تھے۔

''حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہ کو فرشتوں کا غسل دینے کا منظر ملاحظہ فرمانے کا جب ذکر فرمایا تو ابو اسید السامری نے حضرت حنظلہ بن ابی عامر کی لاش کو جا کر دیکھا تو ایک عجیب منظر تھا، حضرت حنظلہ غسل دِیے گئے تھے اور ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کو بھیج کر حضرت حنظلہ کی بیوی حضرت جمیلہ سے دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ حضرت حنظلہ میرے پاس سے جنابت میں نکلے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت حنظلہ کو فرشتوں کا غسل دینا جنابت کی وجہ سے ہے کیونکہ انہیں غسل کی حاجت تھی اور وہ شہید ہو گئے۔'' (سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب، ص ۱۰۳ تا ۱۰۴، مغازی الصادقہ ص ۲۰۲)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

سعید بن المسیب اور عروہ بن الزبیر روایت کرتے ہیں کہ حکیم بن حزام نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا تو آپ نے عطا فرمایا میں نے پھر مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عطا فرمایا اور فرمایا اے حکیم! یہ مال بظاہر رونق والی اور میٹھی شے ہے۔ جو شخص اسے دل کی سخاوت کے ساتھ لیتا ہے، اس کے لیے اس میں برکت ہوتی ہے اور جو نیت کی خرابی اور لالچ کے ساتھ لیتا ہے، اسے برکت نصیب نہیں ہوتی اور وہ اس آدمی کی طرح ہو جاتا ہے جو کھاتا ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیم نے کہا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا، آپ کے بعد کسی سے کچھ نہ مانگوں گا حتی کہ دنیا سے اٹھ جاؤں، پھر ابو بکر انہیں کچھ دینے کے لیے بلاتے رہے۔ مگر وہ لینے سے انکار کرتے رہے، اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے بلایا مگر ان سے بھی کچھ لینے سے انکار کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: مسلمانو! میں انہیں ان کا حق دیتا ہوں مگر یہ قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنی وفات تک حکیم نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔

(صحیح بخاری، کتاب الشروط۔ باب تاویل قول اللہ تعالیٰ من بعد وصیۃ توصون۔)

حضرت مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کہتے ہیں کہ مفتی محمد حسین نعیمی صاحب گوجرانوالہ اپنے دو طالب علموں کے ساتھ مصروف گفتگو تھے اور کہہ رہے تھے:

انہوں نے میرے نبی کی شان میں گستاخی کی ہے، میرے نبی کو گالیاں دی ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے، میں بھی انہیں گالیاں دوں، سخت ترین گالی۔ (محسن اہل سنت، ص ۱۶۵)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک عالم نے تقریر کرتے ہوئے ایک شعر پڑھا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سے کیا نسبت؟

وہ محبوبِ زلیخا تھے یہ محبوب خدا ٹھہرے

مجھے یہ انداز گراں گزرا، تاہم خاموش رہا، ان کے بعد پنجاب کونسل لاہور کے چیئرمین صاحب مائیک پر آئے اور تقریر کرتے ہوئے کہنے لگے:

''اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ نہ زمین ہوتی، نہ آسمان ہوتا، نہ جنت ہوتی نہ دوزخ ہوتا، بلکہ خدا بھی نہ ہوتا۔۔۔۔ (استغفر اللہ)

نیز یہ کہا: ''ہر چیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محتاج ہے۔''

بہت سی چیزوں کے نام گنوا کر کہنے لگے:

''اللہ تعالیٰ بھی حضور کا محتاج ہے۔''

یہ سن کر میرا پیمانہ صبر چھلک گیا۔ میں نے مائیک پر آ کر کہا۔ ''اگرچہ میرا تقریر کا پروگرام نہیں ہے۔ تاہم دو تین ضروری باتیں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ قاری صاحب کی تلاوت قرآن کے دوران کچھ دوست ان کو نذرانہ پیش کرتے رہے ہیں۔ تلاوت کے دوران ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ ہمہ تن گوش ہو کر قرآن پاک سنیں بعد میں چاہیں تو نذرانہ پیش کر دیں۔

۲۔ بعض شعرا یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی سرکار دو عالم کے حسن سے کیا نسبت؟

وہ محبوبِ زلیخا تھے یہ محبوب خدا ٹھہرے

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے شایانِ شان انداز نہیں ہے۔ وہ تو محبوبان عالم کا انتخاب تھے۔ اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انتخابوں کا بھی انتخاب ہیں۔

۳- چیئر مین صاحب نے کہا ہے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ بھی نہ ہوتا۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ جس کے معدوم ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے۔ اس پر عدم طاری ہی نہیں ہوسکتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام تر عظمتوں کے باوجود ممکن ہیں۔ اور ممکن کے نہ ہونے سے واجب الوجود کے وجود پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھا جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ابھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ چیئر مین صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج ہے۔ اور آپ کی رحمت میں داخل ہے۔ حضور خود اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ رحمتِ تمام ہیں اور اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔"

یہ سنتے ہی چیئر مین صاحب جوتے اٹھا کر چلے گئے۔ پھر کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔

(محسن اہل سنت ص ۱۶۸۔۱۶۹۔ بحوالہ قلمی یادداشت محررہ ۱۵ مئی ۱۹۹۷ء مملوکہ علامہ شرف صاحب ص ۵۰)

حضرت مولانا شاہ محمد حسین الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

تکمیل درسیات کے بعد حج کے لیے گئے، شیخ الاسلام سید احمد دحلان مکی سے سند حدیث حاصل کی، اور حاجی شاہ محمد امداد اللہ مکی کے مرید و خلیفہ ہوئے۔

آپ نامور عالم اور صوفی و بزرگ، عربی کے زبردست ادیب، طبیب جسمانی و روحانی تھے، اصلاح نصاب درس نظامی کے مجلس ندوۃ العلماء کے بانیوں میں سرگرم بانی تھے۔ مولوی شبلی نعمانی کی آزادروی اور مجلس میں نیچریت و بدعقیدگی کے اثر و نفوذ کو بڑھتا دیکھ کر علیحدگی اختیار کرلی، پہلے سماع کے شدید مخالفوں میں تھے، پھر اتنا ذوق و شوق ہوا کہ حج کے لیے گئے تو قوال مع ساز کے ہمراہ گیا، ۹ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ کو بتقریب دعوت نواب سرور جنگ کے ہاں مجلس سماع میں مدعو تھے، اجمیر شریف کے قوال حضرت شیخ عبد القدوس

گنگوہی کی غزل ''آستیں بررو کشیدہ ہمچو مکار آمدی'' گا رہے تھے، محفل پر ایک کیفیت طاری تھی۔ شاہ صاحب ہر مصرعے کی شرح فرماتے جاتے تھے۔ جب قوال مقطع پر پہنچے۔

گفت قدوسی فقیرے در فناء و در بقاء　　خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

''خود بخود آزاد'' کی تکرار فرمائی اور نفس نفیس کی طرف اشارہ فرمایا، تیسری مرتبہ ادا کرنا چاہتے تھے کہ کیفیت بڑھ گئی، سر بسجدہ ہو گئے اور مقصود کو پہنچے۔ حضرت صوفی جان صاحب میرٹھی جو پاس بیٹھے ہوئے تھے سب سے پہلے انہوں نے فرمایا ''مولانا نے وصال فرمالیا ہے'' پھر بھی لوگوں کو شبہ رہا۔ ڈاکٹر بلائے گئے، فصد لی گئی لیکن کچھ نہ ہوا، آپ نے چار حج کیے آخری حج کے موقع پر دربارِ نبوی میں دعا کی تھی کہ میری موت مدینہ منورہ میں آئے، یا اجمیر شریف میں۔　　(تذکرۂ علمائے اہل سنت، ص ۲۴۷)

علامہ مفتی حامد اللہ میمن رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ کو مدینۂ طیبہ کی زیارت نے بہت بے قرار کر رکھا تھا، اس لیے حرمین طیبین کا سفر اختیار کیا۔ اور مدینۂ منورہ میں دس سال کا عرصہ قیام کیا۔ جس کی تفصیل نہیں مل رہی ہے۔ البتہ یہ معلوم ہوا کہ وہاں بھی درس وتدریس کا مشغلہ جاری رہا، عرب شریف کے طلبا نے خوب استفادہ کیا۔ پھر واپسی کے بعد آپ نے دوبارہ حرمین شریفین کا سفر اہلِ خانہ کے ساتھ اختیار کیا۔ اس بار بھی دس سال کا عرصہ مدینۂ منورہ میں گنبد خضریٰ کی ٹھنڈی چھاؤں میں درس وتدریس میں گزارا۔

نہیں فرقت تمہاری اب گوارا یا رسول اللہ
یہ دل بے چین ہے بہر نظارہ یا رسول اللہ
میری حرماں نصیبی خوش نصیبی سے بدل جائے
جو ہو جائے تمہارا اِک اشارہ یا رسول اللہ

حضرت علامہ مفتی حامد اللہ سنی حنفی نقشبندی عالم، فاضل، کامل، مفتی، فقیہ، عظیم مدرس اور لاڑ کے صدر العلما تھے۔ متقی، شب بیدار، شریعت مطہرہ کے پابند، حاجی، عابد وزاہد تھے

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق زار تھے۔ان کا بیاض قلمی حضرت شیخ الحدیث علامہ مفتی عبدالرحیم سکندری صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔آپ اپنی بیاض میں رقمطراز ہیں:

”پھر (وہابیوں نے) ایسا ظلم (حرمین شریفین پر) دوسال کیا۔ان کے ساتھ کیا جو کہ اچھے تھے اچھائی میں اور اچھی جگہ (حرمین شریفین) رہتے تھے۔اس کے بعد ۱۲۳۳ھ میں سلطان روم کے لشکر نے آکران پر فتح حاصل کی اور مارے مردودوں (وہابیوں) کو جہنم رسید کیا۔

پھر فرقہ وہابیہ کے لیے تمام علمائے اہلسنت وجماعت نے فتاویٰ جاری فرمائے کہ فرقہ وہابیہ بے شک اپنے فاسد عقائد کی بنا پر کافر ہیں۔ (انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۱۹۶)

حضرت خواجہ محمد حسن جان مجددی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور محبت میں آپ فنا تھے۔صاحب ”مونس المخلصین“ نے آپ کے بہت سے خوابوں کا ذکر کیا ہے جس میں سے اکثر ایسے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ پر آنحضرت کی شفقت وعنایت کا ذکر ہے۔

یہ محبت کا تقاضہ تھا کہ ”دلائل الخیرات“ آپ ہر روز پابندی سے پڑھا کرتے تھے، اکثر آپ کی زبان پر درود شریف ہوتا تھا۔آٹھ بار آپ کو روضہ رسول کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔دیارِ رسول مدینہ منورہ کی اپنے اشعار میں تعریف کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

زاوصاف مدینہ ہر چہ گویم قطرہ از دریا است
عفاف آنجا کفاف آنجا صلوٰۃ آنجا زکوٰۃ آنجا
خداوند عطاء کن بندہ خود را بفضل خود
قیام آنجا مقام آنجا حیات آنجا ممات آنجا
اگر خواہی کہ بینی جنت الماویٰ دریں عالم
نشیں در روضۂ اطہر بخواہ از حق نجات آنجا

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۵۲۰ء)

حضرت مولانا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

جذبۂ حب رسول وفدائیت کا ایک واقعہ ۸ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ کو جمعیۃ اشرفیہ کی جانب سے منعقدہ بمبئی کے ایک تعزیتی اجلاس میں امام المتکلمین حضرت مولانا الحاج الشاہ علامہ ابو المحامد سید محمد صاحب قبلہ اشرفی الجیلانی کچھوچھوی محدث اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ نے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عشق رسول کے حوالے سے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ''حضرت میرے ساتھ ایک جلسہ میں مدعو تھے۔ مولانا کی خدمت میں ان کے ایک مخلص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت فلاں فلاں دیوبندی مولوی آپ کی حق گوئی اور علمیت کی بہت تعریف کرتے ہیں، یہ سنتے ہی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان رونے لگے اور بہت گریہ فرمانے لگے۔ تو میں نے کہا مولانا آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کے مخالف بھی آپ کا لوہا مان گئے آپ کا علم ان کو بھی تسلیم ہے اور خبر لانے والے لغو گو نہیں بلکہ آپ کے محبّ و مخلص ہیں یہ تو خوشی کا موقع ہے رونا کیسا! حضرت شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ حضور والا! میری تمنا اور کوشش تو یہ ہے کہ جس دل میں عداوت رسول ہو اس دل میں میری یاد اور بھلائی بھی نہ ہو۔ یہ ہے اس مظہر اعلیٰ حضرت فدائے رسول کا جذبہ عقیدت اور فنافی الرسول کی شان۔ کسی صاحب حال اہل دل سے اس ذات کا مرتبہ معلوم کیجیے وہ آپ کو بتائے گا کہ وہ کیسی عظیم شخصیت تھی۔ آہ! آج وہ ہم سے روپوش ہیں۔ (سوانح شیر بیشۂ اہل سنت، ص ۳۴، ۳۵)

عشق رسول سے شرابور حضرت کی ایک نعت بھی ملاحظہ کر لیں رنگون کے سفر کے دوران ایک روز جناب شمس الحق صاحب شمس حاضر ہوئے اور عرض کی حضور ایک شاعر مقرر ہوا ہے لوگوں کی تمنا ہے کہ حضرت بھی اپنے کلام سے نوازیں۔ فرمایا مصرع طرح کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ مصرع طرح ہے۔ شوق جینے کا کیا کرے کوئی۔

دوسرے روز حضرت نے یہ نعت شریف لکھ کر انہیں دیدی۔ آپ بھی ملاحظہ کر لیں۔

جب تجلی کیا کرے کوئی — کیوں نہ بے خود ہوا کرے کوئی

حق نے قاسم بنایا ہے تم کو چاہے جو التجا کرے کوئی
تم کرم پہ کرم ہی کرتے ہو گو خطا پہ خطا کرے کوئی
زخم دل کے بتائیں گے ایک روز کیوں پھر ان کو سہا کرے کوئی
میں مریض ان کا وہ مسیحا ہیں پھر میری کیوں دوا کرے کوئی
ان کی چھوکھٹ ہو اور سر میرا ایسادن بھی خدا کرے کوئی
یاد قَالُوْ بَلٰی اَاَقْرَرْتُمْ کچھ تو بہر خدا کرے کوئی
آپ رب ہیں نہ ذات رب سے جدا دعویٰ مدح کیا کرے کوئی
پس مردن ہے وعدۂ دیدار شوق جینے کا کیا کرے کوئی
دوزخی بغیر حبِّ حضور عمر بھر اتقا کرے کوئی
بول بالا رہے گا آقا کا نار غم میں جلا کرے کوئی
سنیو! ان سے تم مدد مانگو شرک و بدعت بکا کرے کوئی
نام جپتے رہو عبید ان کا گر چہ جل کر بھنا کرے کوئی

(سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص،۱۴۶)

سایۂ دامانِ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ڈاکٹر حکیم محمد صدیق صاحب قادری برکاتی قاسمی رتلامی زید مجدہم کا بیان ہے کہ میں خواب دیکھا ایک بہت بڑا سجا ہوا عالیشان دربار ہے اور بڑے بڑے بزرگ حضرات تشریف فرما ہیں کہ حضرت شیر بیشہ اہل سنت مولانا الحاج حافظ قاری مفتی محمد حشمت علی خان صاحب بھی اس دربار میں تشریف لائے تو سب حضرات نے آپ سے بیان کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے بیان شروع کیا بڑا ہی ایمان افروز بیان ہو رہا ہے، سب حضرات مسرور ہو رہے ہیں کہ ندا ہوئی آقائے دو عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس اجلاس میں تشریف لاتے ہیں۔ سب ادب واحترام سے کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام عرض کرنے لگے اور حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے پھر بیان شروع کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

بکمال رحمت حضرت کو اپنی عبائے اقدس کے دونوں دامان مبارک میں چھپالیا اور اسی شان سے حضرت بیان فرماتے رہے تمام حضرات بیان سنتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبسم کناں جلوہ فرما رہے۔ بہت دیر تک یہ جلوہ دیکھتا رہا پھر آنکھ کھل گئی۔ صبح کا وقت تھا اٹھا اور وضو کیا۔ نماز فجر پڑھی اور یہ خواب یاد کر کر کے لطف اندوز ہوتا رہا۔

یہ خواب ڈاکٹر صاحب نے اس دور میں دیکھا تھا جب کہ بہت سے مدعیان سنیت حضرت کی حق گوئی وحق پسندی کی بنا پر خلاف ہو رہے تھے۔ یہ مبارک خواب بشارت عظمٰی تھی کہ وہ تو میرے دامان کرم کے سائے میں ہیں۔ میرے پیاروں کی حمایت میں ہیں اور یہ کہ حق پر ہیں۔ فالحمد للہ رب العلمین۔

حضرت مولانا حسن میاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عرض کرتے ہیں:

وہ کس کو ملے جو تیرے دامن میں چھپا ہو

اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مخالف اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جو میرے دامن میں ہو۔ اور یہ بھی کہ ایسے شخص کی عظمت و بزرگی کو کون پہچانے جو آقائے دو عالم صلی اللہ المولی تعالیٰ علیہ وسلم کے دامان کرم میں ہو۔ (سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۲۰۲۔۲۰۳)

حضرت حسن رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ کا عشق رسول بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر شمیم گوہر لکھتے ہیں:

''عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی اپنی نعتیہ شاعری سے حضرت حسن خود بھی مست ہوئے اور دوسروں کو بھی مست و بیخود کرتے رہے۔'' (نعت کے چند شعراء متقدمین، مطبوعہ الٰہ آباد، ص ۱۰۷)

امام احمد رضا کی تحریک ''تحفظ ناموس رسالت'' سے متاثر ہو کر مجازی اور رومانی شاعری کو ترک کر کے نعت گوئی کی طرف راغب ہوئے اور اس صنف سخن میں اپنے برادر اکبر حضرت امام احمد رضا سے مستفیض ہوئے۔ خود امام احمد رضا خاں اپنے برادر اصغر حسن رضا خاں کی نعتیہ شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولانا کافی اور حسن میاں کا کلام اول سے آخر تک شریعت کے دائرے میں ہے

ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتا دیے تھے۔ ان کی طبیعت میں ایسا رنگ رچا کہ ہمیشہ کلام اسی اعتدال و معیار پر صادر ہوتا۔ جہاں شبہہ ہوتا مجھ سے دریافت کر لیتے۔"

(مولانا نقی علی خاں کی حیات و شخصیت، ص ۶۳، ۶۴۔ پی، ایچ، ڈی مقالہ، ڈاکٹر محمد حسن قادری)

آپ کی شاعری میں عشق رسول کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ　　کہ سب جنتیں ہیں نثار مدینہ

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر　　کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا

تم ذات خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو　　اللہ کو معلوم ہے کیا جانیے کیا ہو

آپ کہتے ہیں جاؤ دیکھ لیا دل ترا　　کہیے تو اپنے سوا دل میں میرے کیا دیکھا

☆☆☆

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور عرض کیا: راہ حق میں رکاوٹ ڈالنے کی خاطر مجھ سے سرزد ہونے والے ہر عمل کی میرے لیے استغفار کیجیے۔

آپ نے فرمایا:

اِنَّ الْاِسْلَامَ یَجُبُّ مَاکَانَ قَبْلَهٗ۔

اسلام ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہوں۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر بھی آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔

پھر آپ یوں دعا گو ہوئے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِخَالِدِ ابْنِ الْوَلِیْدِ كُلَّ مَا اَوْضَعَ فِیْهِ مِنْ صَدٍّ عَنْ سَبِیْلِكَ۔

اے اللہ! خالد بن ولید کے ان تمام گناہوں کو معاف فرما دے جو اس نے تیری راہ روکنے کے لیے کیے ہیں۔

آپ کو وہ غم انگیز الفاظ بھی یاد ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں قائدین معرکہ کی شہادت کی خبر دیتے ہوئے فرمائے تھے کہ:

اَخَذَ الرَّاْیَةَ "زَیْدُ بْنُ حَارِثَةَ" فَقَاتَلَ بِهَا حَتّٰی قُتِلَ شَهِیْدًا ...... ثُمَّ اَخَذَهَا "جَعْفَرُ" فَقَاتَلَ بِهَا، حَتّٰی قُتِلَ شَهِیْدًا ..... ثُمَّ اَخَذَهَا "عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ" فَقَاتَلَ بِهَا، حَتّٰی قُتِلَ شَهِیْدًا۔

"زید بن حارثہ نے پرچم پکڑا اور وہ لڑتے رہے حتی کہ وہ قتل ہو کر شہید ہو گئے۔ پھر پرچم جعفر نے پکڑا اور وہ بھی لڑتے رہے حتی کہ قتل ہو کر شہید ہو گئے۔ پھر پرچم عبداللہ بن رواحہ نے تھاما اور لڑتے رہے حتی کہ قتل ہو کر شہادت پا گئے۔"

ثُمَّ اَخَذَ الرَّاْیَةَ سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰهِ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْهِ۔

''پھر پرچم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے تھاما اور اللہ نے اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمادی۔''

یہ سیف من سیوف اللہ کون تھا؟

یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے جو ایک عام سپاہی کی حیثیت سے تین کمانڈروں حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ کی قیادت میں غزوۂ موتہ میں شرکت کے لیے گئے تھے۔ یہ تینوں کمانڈر اسی ترتیب سے اس خوفناک جنگ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

آخری کمانڈر کے شہید ہو کر زمین پر گرنے کے بعد حضرت ثابت بن اقرم جلدی سے جھنڈے کی طرف بڑھے اور اسے داہنے ہاتھ میں تھام کر لشکر اسلام کے وسط میں بلند کر دیا تاکہ صفوف مسلمین میں کوئی بددلی نہ پیدا ہونے پائے۔

حضرت ثابت نے جھنڈے کو تھامتے ہی یہ کہتے ہوئے فوراً اسے حضرت خالد بن ولید کی طرف بڑھا دیا کہ: ''اے ابوسلیمان! پرچم پکڑ لیجیے!''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ جھنڈے کو اٹھانا اپنا حق نہیں سمجھتے تھے کیونکہ آپ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ آپ اس وقت مسلمانوں کی قیادت کریں جب وہ انصار و مہاجرین ان کے درمیان ابھی موجود ہوں جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی تھی۔

ادب، انکسار، علم اور اخلاقی خوبیاں! یہ انہی کے لائق تھیں اور وہ ان کے اہل تھے۔ اس وقت انہوں نے حضرت ثابت بن اقرم کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''نہیں..... میں پرچم نہیں تھام سکتا۔ آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپ عمر میں بھی بڑے ہیں اور بدر میں بھی شریک ہو چکے ہیں۔''

حضرت ثابت نے ان کو جواب دیا: اسے آپ پکڑیں۔ آپ مجھ سے زیادہ جنگ کے ماہر ہیں اور اللہ کی قسم! میں نے یہ آپ کو پکڑانے کے لیے ہی پکڑا تھا۔

پھر حضرت ثابت نے مسلمانوں میں بآواز بلند کہا: کیا تمہیں خالد کی امارت منظور ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں منظور ہے۔

اب آخری وقت حضرت خالد گھوڑے پر سوار ہوئے اور دائیں ہاتھ سے جھنڈے کو

یوں آگے بڑھایا گویا وہ اس کے ذریعے ان بند دروازوں پر دستک دینے جارہے ہیں جن کا ایک طویل اور جاں گسل راستے پر کھلنے کا وقت آ گیا ہے اور جس راستے سے یہ بطل معرکہ پوری مستعدی کے ساتھ حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اور آپ کے بعد بھی گزرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کی مافوق العقل عبقریت کے اندازے وہاں تک پہنچ جائیں گے جہاں تک ان کا پہنچنا مقدر ہے۔

جناب خالد رضی اللہ عنہ اس وقت لشکر کی کمان سنبھالتے ہیں۔ جب لڑائی اپنے انجام کے قریب پہنچ رہی ہے اور مسلمانوں کی شہادتیں بہت ہو چکی ہیں۔ ان کے بازو کٹ چکے ہیں، لشکر روم اپنی بے حساب کثرت کے بل پر تباہی بھی پھیلا رہا ہے اور مسلسل کامیابی بھی حاصل کرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اب کوئی جنگی چال یا داؤ پیچ ایسا نہیں تھا جو معرکہ کے انجام کی سمت کو تبدیل کر سکے اور مغلوب کو غالب اور غالب کو مغلوب کر دے۔ جو واحد عمل کسی عبقری کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ مجھے آزمائے وہ یہ تھا کہ لشکر اسلام میں جانی نقصان کو مزید بڑھنے سے روکا جائے اور بقیہ قوت کو بچا کر یہاں سے نکالا جائے۔ یعنی محفوظ اور محتاط پسپائی اختیار کی جائے جو بقیہ قوت کو ارض معرکہ میں تباہ ہو جانے سے بچا سکے۔ لیکن ان حالات میں اس طرح کی پسپائی کسی بھی جگہ ناممکن ہوتی ہے۔ مگر جب یہ بات صحیح ہے کہ یہ کام کسی بہادر دل کے لیے ذرا مشکل و ناممکن نہیں، تو ہم کہیں گے کہ حضرت خالد سے بڑا بہادر دل کون ہو سکتا ہے۔

سیف اللہ آگے بڑھتے ہیں۔ پورے میدان جنگ پر عقاب جیسی نگاہ ڈالتے ہیں اور روشنی جیسی تیزی سے فوراً منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ جنگ جاری ہے اور اسی دوران لشکر کو کئی ٹولیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ پھر ہر ٹولی کو اس کی مہم اور ذمہ داری سونپتے ہیں اور مشکل میں ڈال دینے والے اپنے فن اور گہری چالاکی کو استعمال میں لاتے ہیں یہاں تک کہ لشکر روم کی صفوں میں بہت بڑا شگاف ڈال دیتے ہیں جس کے درمیان سے مسلمان لشکر بسلامت گزر جاتا ہے۔ لشکر اسلام کی اس نجات کا سبب بطل اسلام کی ایسی تباہ کن عبقریت ہے جس کو زوال آنے والا نہیں تھا۔ اسی معرکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس عظیم لقب سے نوازا تھا۔ (نقوش صحابہ، ص ۶۸۲۔ ۶۸۷)

حضرت خالد کے قبول اسلام کا عجیب واقعہ

یہ حقیقت ہر طرح کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہے کہ اسلام مذہب حق ہے، اور حق کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: الحق یعلوا دوما ولا یعلی علیہ۔ یعنی حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ اگر اسلام کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو اس کہاوت کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے، اس لیے کہ اسلام اپنی حقانیت کی بنا پر انتہائی برق رفتاری کے ساتھ کفر وشرک پر غالب آیا ہے یہاں تک کہ اس دور میں بھی جب کہ اسلام ابتدائی مرحلہ میں تھا اور اسلام کے ماننے والوں کی تعداد اتنی قلیل تھی کہ انہیں انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا تھا۔ یہ اسلام کے حقانیت ہی کا نتیجہ تو تھا کہ اتنی قلیل مدت میں پورے جزیرۂ عرب میں پھیل گیا، اور ہجرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آٹھواں سال آنے تک کفار ومشرکین کی وہ نابغۂ روزگار شخصیات بھی ایمان لانے پر مجبور ہوگئیں، اور انہیں دامن اسلام کے سوا کوئی دوسری مامون و محفوظ پناہ گاہ نظر نہ آئی جنہوں نے کبھی غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں کی فتح ونصرت کو شکست میں تبدیل کردیا تھا اور اہل ایمان کی صفوں کو درہم برہم کردیا تھا۔

ہجرت رسول کا آٹھواں سال اپنے دامن رحمت میں اسلام اور ابنائے اسلام کے لیے دائمی مسرتوں اور فیصلہ کن فتوحات کی بشارتیں لے کر طلوع ہوا۔ اسلام کا سیل رواں جس برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا اس نے کفر کی بلند بالا ہستیوں کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔ ان پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی تھی کہ جس قدسی صفات ہستی کے دست مبارک میں اسلامی دعوت کا علم ہے وہ کوئی عام انسان نہیں بلکہ اللہ عزوجل کا برگزیدہ رسول اور اس کا مقرب بندہ ہے۔ اس سے ٹکر لینا پہاڑ سے ٹکر لینے کے مترادف ہے۔ ہماری سلامتی اور بقاء اسی میں ہے کہ اس کے دامن رحمت کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ اور اس کی سچی دعوت کو صدق دل سے قبول کرلیں۔ عمر عزیز کا جو حصہ اس کی عداوت ومخالفت میں ضائع کیا ہے اب بقیہ زندگی رسول ہاشمی کی غلامی میں بسر کرکے تلافی مافات کی صورت پیدا کریں، شائد رضائے الٰہی اور رحمت کبریاء کی لازوال دولت سے ہمارے خالی دامن بھر جائیں۔

ہجرت کے آٹھویں سال کے دوسرے مہینہ صفر المظفر میں عالم عرب کی تین عظیم شخصیتیں بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں، اپنی سابقہ خطا اور نادانیوں پر اشک ندامت بہا بہا کر حضور پرنور کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ ان فقید المثال ہستیوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت عمرو بن العاص، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہم اجمعین، دنیائے کفر و شرک کے یہ فلک بوس کوہ سارکس وارفتگی سے مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے۔ اس کی تفصیلات بڑی حیرت انگیز اور ایمان افروز ہیں۔

ہجرت کے سال ہشتم جزیرہ العرب کی متعدد عظیم اور کبیر شخصیات مشرف باسلام ہوئیں مگر ان میں سے ایک عدیم المثال شخصیت جس نے داعیٔ حق اور مرشد برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے کی بیعت کی وہ حضرت سیف اللہ المسلول خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عظیم ہستی تھی۔ جو نور محمدی سے اکتساب نور کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی تلوار بن کر چمکی۔ اور جہاں بھی کسی طاغوتی قوت نے سر غرور بلند کرنے کی کوشش کی وہ اس پر صاعقہ موت بن کر لپکی اور اسے خاکستر کر دیا۔

انسانی تاریخ کا یہ بے نظیر سپہ سالار اور کمانڈر اپنی جملہ بے مثال صلاحیتوں اور خوبیوں سمیت شمع رسالت کا پروانہ کیسے بنا؟ یہ ایمان افروز واقعہ خود اس جرنیل کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں جس نے اسلامی فتوحات میں اپنی عسکری عبقریت کا وہ زندہ و جاوید مظاہرہ کیا جس کی مثال تاریخ عالم میں اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔ یہ روح پرور کہانی حضرت یحییٰ نے اپنے والد ماجد حضرت مغیرہ بن عبدالرحمٰن سے سنی اور حضرت مغیرہ نے خود حضرت خالد بن ولید کو اپنے ایمان لانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے سنا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب میرے رب نے میرے لیے خیر کا ارادہ فرمایا تو اس نے اسلام کی شمع الفت میرے دل میں روشن کر دی اور میرے جذبہ حق پذیری کو راہ حق پر گامزن ہونے کی توفیق بخش دی۔ صلح حدیبیہ سے قبل اسلام اور کفر کے مابین جتنی جنگیں وقوع پذیر ہوئیں ان سب میں کفار کے لشکر کی جانب سے میں پیش پیش رہا۔ مگر ہر جنگ کے اختتام پر میں اسی نتیجہ پر

پہنچتا کہ میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاشبہ اک نہ ایک دن ان کفار پر ضرور غالب آجائینگے۔

جب رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ ادا کرنے کی غرض سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو مشرکین کے گھڑ سوار دستے کا، میں سالار تھا۔ عسفان کے مقام پر میرے دستے اور لشکر اسلام کا آمنا سامنا ہوا۔ میں لشکر اسلام کے سامنے صف بندی کر کے کھڑا ہو گیا اور راستہ روک لیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے نماز ظہر ادا فرمائی۔ اثنائے نماز ہم نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ تو کیا، لیکن ہمیں جرأت نہ ہوئی۔ حضور ہمارے برے ارادے پر مطلع ہو گئے اور جب نماز عصر کا وقت آیا تو رسول ہاشمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عصر کے وقت نماز خوف ادا کی۔ میں بخوبی سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کا نگہبان ہے۔ ہم ان پر حملہ نہیں کر سکے۔ چنانچہ میں اپنے سواروں سمیت دائیں طرف مڑ گیا۔ اس طرح ٹکراؤ نہ ہو سکا۔

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے بڑھ کر حدیبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ آخر کار فریقین میں صلح کا معاہدہ طے پایا۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب کیا باقی رہ گیا؟ مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ یہاں سے نکل کر جاؤں تو کہاں جاؤں؟ حبشہ جاتا ہوں تو وہاں کا بادشاہ خود دامن اسلام سے وابستہ ہو چکا ہے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد اس کے زیر سایہ رہائش پذیر ہے۔ اگر ہرقل کے پاس جا کر پناہ لیتا ہوں تو مجھے اپنے آبا و اجداد کا دین چھوڑ کر یہودیت یا نصرانیت کو اختیار کرنا پڑے گا اور عجمیوں کا تابع فرمان ہو کر رہنا پڑے گا، اور یہ میرے ضمیر کو گوارہ نہ ہوا۔ اب اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہیں تھا کہ اپنے گھر میں پڑا رہوں اور پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے ساتھ اپنی بقیہ زندگی کے دن بسر کروں۔ میں اسی شش و پنج میں تھا کہ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ قضا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ میں روپوش ہو گیا تاکہ میں مکہ میں حضور کے داخل ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں۔ میرا بھائی ولید بن ولید دامن اسلام سے وابستہ ہو کر نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس کارواں میں شریک تھا۔ اس نے مجھے ہر چند تلاش کیا لیکن میں اسے نہ مل سکا۔ اس نے مجھے مندرجہ ذیل خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میرے لیے سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ آپ کی رائے سے اسلام کی حقانیت اب تک کس طرح پنہاں ہے حالانکہ آپ کی عقل ودانش اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اسلام جیسا مذہب حق آپ سے کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں مجھ سے پوچھا، خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے ضرور لائے گا۔ نیز حضور نے فرمایا خالد جیسا ہوشیار انسان اسلام جیسے دین سے کیسے جاہل رہ سکتا ہے؟ اگر وہ کفار ومشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد کرتا تو اس کے لیے بہت بہتر ہوتا۔ ہم اس کی قدر کرتے اور دوسروں پر اسے فوقیت وبرتری دیتے۔ اے میرے بھائی! زندگی کے جو بیش بہا لمحے تم نے ضائع کیے ہیں ان کا فوراً تدارک کرو۔ تم نے واقعی بڑے حسین مواقع ضائع کیے ہیں۔

حضرت خالد بیان فرماتے ہیں کہ جب میرے بھائی کا خط مجھے موصول ہوا تو میری آنکھیں کھل گئیں۔ مکہ سے نکل جانے کا شوق میرے دل میں انگڑائیاں لینے لگا اور اسلام قبول کرنے کا جذبہ مزید قوی ہوگیا۔ رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے تعلق سے جو بغض وعداوت میرے دل میں تھی، وہ کافور ہوگئی۔ انہی دنوں میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک تنگ اور بنجر خطہ سے نکل کر سرسبز وشاداب کشادہ علاقہ میں آگیا ہوں۔ میں نے سوچا یہ بڑا اہم خواب ہے۔ مدینہ جاؤنگا تو حضرت ابوبکر صدیق سے اس کی تعبیر دریافت کروں گا۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت صدیق اکبر سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ تنگ اور بنجر علاقہ کفر کا تھا۔ سرسبز وشاداب اور کشادہ علاقہ دین اسلام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے فضل وکرم سے پہنچا دیا ہے۔

جب میں نے بارگاہ رسالت مآب میں حاضری کا عزم مصمم کرلیا تو میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ ہم سفر کس کو اختیار کروں؟ گھر سے نکلا تو صفوان بن امیہ سے اچانک ملاقات ہوگئی۔ میں نے اسے کہا۔ اے اباوہب! ہمارا کیا حال ہوگیا ہے؟ محمد تو عرب وعجم پر غالب آگئے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم خود ان کے پاس حاضر ہوجائیں اور ان کی غلامی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیں۔ اس سے ہمارے عزت ووقار اور بڑھ جائے گا۔ میری بات سن کر اس

نے بڑی شدت سے انکار کیا۔اس نے کہا:(لولم یبقی غیری ما أتبعته أبدا ۔اگر ساری دنیا ان پر ایمان لے آئے اور میرے سوا اور کوئی باقی نہ رہے لیکن میں پھر بھی ان کی اطاعت قبول نہیں کروں گا) وہ چلا گیا۔ میں نے سوچا یہ وہ شخص ہے جس کا بھائی اور باپ دونوں ہی غزوۂ بدر میں قتل کر دیے گئے تھے۔اس سے ایمان لانے کی توقع ہی عبث ہے۔ پھر میری ملاقات عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی۔ جو بات میں نے صفوان سے کہی تھی، وہی بات اس سے بھی کہی،اس نے مجھے وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔اگر ساری دنیا ان پر ایمان لے آئے اور میرے سوا اور کوئی باقی نہ رہے تو میں پھر بھی محمد پر ایمان نہیں لاؤں گا۔میں نے اس سے یہ وعدہ لیا کہ میری یہ بات کسی اور سے ہرگز ذکر مت کرنا،اس نے وعدہ کر لیا۔

پھر میں وہاں سے اپنے گھر واپس لوٹ آیا اور خادم سے کہا کہ میرے اونٹ پر پالان کس کر باہر لے آؤ؟میں عثمان بن طلحہ سے ملاقات کر کے واپس آرہا ہوں۔ میں نے دل میں سوچا عثمان میرا دوست ہے اس سے یہ بات کرنے میں کوئی حرج نہیں، پھر مجھے یاد آیا کہ اس کے بہت سے قریبی رشتہ دار غزوۂ اُحد میں قتل کر دیے گئے تھے۔ بھلا وہ میری بات کب مانے گا؟لیکن میں نے سوچا کہ بات کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ میں تو یہاں سے جانے کا پختہ ارادہ کر چکا ہوں۔اگر وہ میرے ساتھ نہیں آئے گا تو مجھے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا۔ لہٰذا میں نے اس سے اپنی قوم کی حالت زار بیان کی۔پھر میں نے دو رفیقوں کی طرح اس کو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی دعوت پیش کی۔خلاف توقع اس نے میری یہ دعوت بلاتامل منظور کر لی۔

ہم نے باہم طے کیا کہ صبح سویرے (یاجج) کے چشمے پر ملاقات کریں گے اور جو وہاں پہلے پہنچے وہ دوسرے کا انتظار کرے۔دونوں مل کر مدینہ روانہ ہوں گے۔ دوسرے روز صبح صادق سے پہلے ہم دونوں یاجج کے چشمے پر پہنچ گئے اور وہاں سے اکٹھے محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے ارادے سے چل پڑے۔ جب ہم دونوں ہداہ کی بستی میں پہنچے تو وہاں ہماری ملاقات عمرو بن العاص سے ہوئی۔انہوں نے ہمارا پرتپاک استقبال کیا۔ ہم نے بھی انہیں خوش آمدید کہا۔حضرت عمرو بن العاص نے پوچھا

کدھر کا قصد ہے؟ ہم نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے پھر ہم سے پوچھا تم لوگ کدھر جا رہے ہو؟ ہم نے کہا للدخول فی الاسلام واتباع محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اسلام قبول کرنے کے لیے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق گلے میں پہننے جا رہے ہیں۔ قال ذاک الذی أقدمنی، کہا بخدا یہی آرزو مجھے بھی یہاں لائی ہے۔

پھر یہاں سے ہم تینوں اکٹھے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر حرہ میں اپنی سواریوں کو بٹھا دیا، اور صاف ستھرا لباس زیب تن کیا۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہماری آمد کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی۔ میں بارگاہ نبوت میں حاضری کے لیے جا رہا تھا کہ میری ملاقات اپنے بھائی ولید سے ہوگئی۔ اس نے کہا بھائی جان! جلدی کرو۔ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارا انتظار فرما رہے ہیں۔ ہم تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھے۔ وہاں پہنچے تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا، میں نے سلام نیاز پیش کیا۔ عرض کی! السلام علیک یا نبی اللہ، حضور نے خندہ پیشانی کیساتھ میرے سلام کا جواب عنایت فرمایا۔ میں نے عرض کی۔ انی أشهد أن لآالہ الا اللہ و أنک رسول اللہ. نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحمد للہ الذی ھداك قد کنت اری لك عقلا رجوت أن لا یسلمك الا الخیر۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تجھ کو ہدایت عطا فرمائی۔ مجھے امید تھی کہ تیری عقل خداداد تجھے خیر تک ضرور پہنچا دے گی۔

پھر میں نے عرض کی، یا نبی اللہ! میں نے متعدد مقامات پر آپ کی مخالفت کی ہے، بالخصوص غزوۂ اُحد کے موقع پر آپ کو اور آپ کے جانثاروں کو بڑی اذیت پہنچائی ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا فرمائیے کہ میری ان غلطیوں کو درگزر فرما دے؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الاسلام یَجُبُّ ماکان قبلہ۔ اسلام لانے سے قبل جتنے بھی گناہ سرزد ہوئے ہوں، اسلام لانے سے وہ سب گناہ بخش دِیے جاتے ہیں۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! پھر بھی میری مغفرت کے لیے دعا فرما دیجیے۔ رسول کریم نے دست کرم

اٹھائے اور یوں دعا فرمائی:

اللهم اغفر لخالد بن وليد كلما أوضع فيه من سد عن سبيلك.

اے اللہ! خالد نے تیرے راستے سے روکنے کی جتنی بار کوشش کی، رب کریم اس کو معاف فرمادے۔

حضرت خالد فرماتے ہیں۔ پھر حضرت عمر بن العاص اور حضرت عثمان بن طلحہ نے بھی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

وكان قدومنا فى صفر سنته ثمان فوالله ماكان رسول الله صلى الله عليه وسلم من يوم أسلمت يعدل بى أحدا من أصحابه فيما حزبه.

ہماری مدینہ منورہ حاضری سن آٹھ ہجری ماہ صفر میں ہوئی، خدا کی قسم جس دن سے میں مشرف باسلام ہوا اس وقت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دشوار گزار مرحلہ میں کسی اور صحابی کو میرے ہم پایہ نہیں سمجھتے تھے۔

فجزاه الله عن الاسلام و المسلمين خير الجزاء، و أن يسكنه فسيح جناته مع النبئين و الصدقين و الشهداء و الصالحين وحسن أولائك رفيقا. آمين (سالنامہ اہل سنت، ممبئی، ۲۰۱۲ء، ص، ۱۱۱ تا ۱۱۵)

حضرت خالد بن ولید کا جذبۂ حبِ رسول

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبۂ حب رسول ملاحظہ ہو:

''آپ اپنی ٹوپی میں سرکار کے موئے مبارک عقیدت ومحبت سے رکھتے تھے۔ ایک موقع پر عین جنگ میں آپ کی ٹوپی سر سے گر گئی۔ عقیدت بھرا دل تڑپ اٹھا، ٹوپی میں سرکار کے موئے مبارک ہیں کہیں اس پر کسی کا پیر نہ پڑ جائے، اگر ایسا ہو گیا تو پھر عقیدت کی بڑی رسوائی ہو جائے گی، فوراً کسی خطرے کی پرواہ کیے بغیر جنگ کی طرف سے توجہ ہٹا کر باز کی طرح ٹوپی پر جھپٹے اور عقیدت سے ٹوپی کو سر پر رکھ لیا۔ صحابہ کرام نے ان کے اس فعل کو ناپسند

یدگی کی نظر سے دیکھا اور تنقیداً کہہ بھی دیا، خالد! یہ کہاں کی ہوش مندی ہے کہ ایک معمولی سی ٹوپی کے لیے اپنے کو خطرات کے حوالے کر دیا جائے، آپ نے فرمایا ٹوپی کی وجہ سے یہ فعل مجھ سے سرزد نہیں ہوا، بلکہ یہ محبت بھری حرکت تعظیم رسول کی وجہ سے ہوئی ہے، میری معمولی ٹوپی میں رسول کے گرانقدر موئے مبارک تھے، میں نے سوچا موئے مبارک کی کہیں بے حرمتی نہ ہو جائے، کہیں اس کی برکت مجھ سے سلب نہ ہو جائے، اس لیے جذبۂ محبت نے اس حرکت پر مجبور کیا، اور موئے مبارک کی حرمت کے تحفظ کے لیے میں ٹوپی پر جھپٹ پڑا۔''

(عقائد اہل سنت، ص ۱۹۴، بحوالہ شفا شریف)

حضرت خالد بن ولید کا ذوقِ جہاد

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے آزاد کردہ غلام حضرت زیاد کہتے ہیں کہ: حضرت خالد نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ: جو رات سخت سردی والی ہو جس میں پانی جم جائے اور میں مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ ہوں اور صبح کو دشمن پر حملہ کروں، روئے زمین پر کوئی رات مجھے اس رات سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ لہٰذا تم لوگ جہاد کرتے رہنا حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس رات میرے گھر میں نئی دلہن آئے جس سے مجھے محبت بھی ہو اور مجھے اس سے لڑکے کے ہونے کی بشارت بھی اس رات مل جائے، یہ رات مجھے اس رات سے زیادہ محبوب نہیں ہے جس رات میں پانی جماد ینے والی سخت سردی پڑ رہی ہو اور میں مہاجرین کی ایک جماعت میں ہوں اور صبح کو دشمن پر حملہ کرنا ہو۔

حضرت ابو وائل کہتے ہیں کہ: جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے دل میں تمنا تھی کہ میں اللہ کے راستہ میں شہید ہو جاؤں، لہٰذا جن جگہوں میں جانے سے شہادت مل سکتی تھی میں ان تمام جگہوں میں گیا لیکن میرے لیے بستر پر مرنا ہی مقدر تھا۔ لا الٰہ الا اللہ کے بعد میرے نزدیک سب سے زیادہ اُمید والا عمل یہ ہے کہ میں نے ایک رات اس حال میں گزاری تھی کہ ساری رات صبح تک بارش ہوتی رہی اور میں ساری رات سر پر ڈھال لیے کھڑا رہا اور صبح کو ہم نے کافروں پر اچانک حملہ کر دیا، پھر

فرمایا جب میں مر جاؤں تو میرے ہتھیار اور گھوڑے کو ذرا خیال کر کے جمع کر لینا اور انہیں اللہ کے راستہ میں بطور سامانِ جنگ کے دیدینا، جب ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے جنازے کے لیے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ خاندانِ ولید کی عورتیں حضرت خالد کے انتقال پر آنسو بہا سکتی ہیں، نہ تو گریبان پھاڑیں نہ چیخیں چلائیں۔

(حیاۃ الصحابہ۔ ج ۱، ص ۵۸۲)

دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذوق جہاد

جب لشکر اسلام کی روانگی کا وقت قریب آیا، وہ صحابہ جن کے پاس سواری کے لیے جانور نہ تھے، وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ انہیں سواری کے لیے جانور مرحمت فرمائے جائیں تاکہ جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کریں، یہ سب لوگ سچے مسلمان تھے لیکن مفلس و نادار تھے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس سواری کے جانور نہیں ہیں جن پر میں تمہیں سوار کروں، اس جواب سے انہیں بڑا دکھ ہوا، اور جب وہ حضور کی مجلس سے باہر نکلے تو ان کی آنکھیں اشکبار تھیں وہ رو رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت کی یوں تصویر کشی کی ہے:

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔

(سورۃ توبہ: آیت: ۹۲)

اس پر یوں واپس جائیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ابلتے ہوں اس غم سے کہ خرچ کا مقدور نہ پایا۔ (کنزالایمان)

یامین بن عمیر الحضرمی کی ملاقات ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل سے اس حالت میں ہوئی کہ وہ زار و قطار رو رہے تھے، اس نے ان دونوں سے رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست لے کر حاضر ہوئے تھے کہ ہمیں سواری کے لیے اونٹ مہیا کیے جائیں تاکہ وہ اس جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کر سکیں، لیکن حضور پرنور کے پاس اس وقت سواری کے جانور نہ تھے، اس

لیے ہم واپس جا رہے ہیں اور اس محرومی پر اشک فشاں ہیں، یامین بن عمیر نے ان دونوں کو ایک اونٹ دیا اور زادراہ کے طور پر کھجوریں بھی دیں، چنانچہ وہ اس جہاد میں حضور کے ہمرکاب ہوئے، جو لوگ سواری نہ ملنے کی وجہ سے رونے لگ گئے تھے، ان کی تعداد سات ہے اور ان کے اسماء مبارکہ درج ذیل ہیں: (۱) سالم بن عمیر۔ (۲) علبہ بن زید۔ (یہ قبیلہ بنی حارثہ سے تھے۔) (۳) ابو یعلی عبد الرحمٰن بن کعب۔ (ان کا تعلق بنی نجار کے بنو مازن قبیلہ سے تھا۔) (۴) عمرو بن حمام بن الجموح۔ (یہ بنو سلیم کے ایک فرد تھے۔) (۵) عبداللہ بن مغفل المزنی۔ (۶) ہرمی بن عبداللہ۔ (ان کا تعلق بنی واقف سے تھا) (۷) عرباض بن ساریہ فزاری۔

بعض اہل ایمان ایسے تھے جو واقعی معذور تھے، ان کو اتنا ہی اجر وثواب ملے گا جو جہاد میں شرکت کرنے والے مجاہدین کو ملتا ہے کیونکہ وہ عذر کی وجہ سے اس شرف سے محروم رہے، کسی نفاق یا ایمان کی کمزوری کی وجہ سے وہ غیر حاضر نہیں تھے۔

بعض ایسے صحابہ تھے جو شرکت سے محروم رہے لیکن اس غیر حاضری کا ان کے پاس کوئی عذر نہ تھا، بلکہ محض غفلت اور سستی کے باعث وہ اس لشکر میں شریک نہ ہو سکے، یہ تین حضرات تھے، کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع۔ (ضیاء النبی، ج۴، ص۵۹۶)

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

عبدہ بنت خالد بن معدان سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ: میرے والد خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی گھر میں سونے کے لیے لیٹتے تو رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب ومہاجرین اور انصار سے شوق ملاقات کا اظہار کرتے اور ان کا نام لے لے کر یاد کرتے اور کہتے کہ وہ ہماری اصل ہیں، ان کی طرف میرا دل کھینچ رہا ہے، اور ان سے ملاقات کی تمنا طویل ہوگئی ہے۔ اے خدا! میری جان جلد قبض فرما، پھر وہ روتے اور آہ وزاری کرتے رہتے، اور یہی کلمات ان کی زبان پر جاری رہتے، یہاں تک کہ نیند غلبہ کر لیتی۔

(عرفان رضا در مدح مصطفیٰ، ص۱۵۶، مدارج النبوۃ، ص۵۲۴)

توراۃ میں نعت مصطفیٰ ﷺ کا دل افروز واقعہ

زہرۃ الریاض اور تاج المذکرین میں فقیہ ابومالک، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ شام میں ایک یہودی تھا، شنبہ کے روز ہمیشہ وہ توراۃ کی تلاوت میں مشغول ہوتا، ایک رات اس نے توراۃ کھولی، اس میں اس نے چار جگہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت دیکھی، اس نے اسے پھاڑ دیا اور آگ میں جلادی، دوسری رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت آٹھ جگہ پر اس نے دیکھی، اسے بھی اس نے پھاڑ کر جلادی، تیسری رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت بارہ جگہ پر ثبت تھی۔ حیران رہ گیا اس نے کہا میں جس قدر صفات کمال اور سفوتِ جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو توراۃ سے مٹاتا ہوں اور زیادہ لکھی جاتی ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ تمام توراۃ نعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھر جائے، پھر اپنے ساتھیوں کی طرف رجوع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کیے انہوں نے کہا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو حال ہی میں یمامہ میں مبعوث ہوئے ہیں، نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں، کذاب ہیں، ان کا نہ دیکھنا بہتر ہے، یہودی نے کہا میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے منع نہ کرو تا کہ میں جا کر ان کی زیارت کروں۔

وہ وہاں سے نکلا اور اپنی سواری پر بیٹھ گیا اور مدینہ کا رخ کیا، شب و روز مراحل طے کرتا ہوا مدینہ پہنچا، کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اس کی ملاقات حضرت سلمان فارسی سے ہوئی، سلمان خوش وضع شخص تھے، یہودی نے خیال کیا شاید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے۔ سلمان سے پوچھا، انت محمد، حالانکہ حضور صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحلت فرمائے تین روز ہو چکے تھے، سلمان رونے لگے اور کہا میں محمد نہیں ہوں لیکن محمد کا غلام ہوں، یہودی نے کہا اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ سلمان سوچ میں پڑ گئے کہ کیا جواب دے اگر میں کہتا ہوں کہ فوت ہو گئے ہیں تو طالب، مطلوب تک پہنچے بغیر ناامید واپس ہو جائے گا اور اگر کہتا ہوں کہ زندہ ہیں تو خلاف واقع ہو گا اس نے کہا، آؤ تمہیں ان کے اصحاب کے پاس پہنچا دوں، سلمان، یہودی کے ساتھ مسجد کے دروازہ پر آئے تمام اصحاب غمگین مسجد میں بیٹھے

ہوئے تھے، یہودی نے اس خیال سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں ہیں، کہا:

السلام علیك یا ابا القاسم، السلام علیك یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جب اجنبی آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا یکدم شور و غوغا صحابہ سے اٹھا اور گریہ و فغاں کی آواز اس مجلس سے بلند ہوئی، ان میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پکار کر پوچھا تو کون ہے؟ جس نے ہمارے غم کو تازہ کر دیا اور زخموں پر نمک چھڑکا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تو اِس ملک کا نہیں ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فوتیدگی کا تجھے علم نہیں، تین روز کا عرصہ ہو گیا ہے کہ ماہ فلک رسالت پردہ میں چلا گیا ہے۔ اور دوستوں کے دل آتشِ فراق میں ہیں، یہودی ٹھنڈی آہیں بھرتا تھا اور کہتا تھا:

واحسرتا وضاع سفری یا لیتنی لم تلانی امی۔ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور اگر میں پیدا ہو گیا تو رات نہ پڑھتا، اور اگر میں نے اسے پڑھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت نہ پڑھتا اور اگر میں نے اس کی نعت دیکھ لی تو ان کے دیدار سے مشرف ہوتا۔ اس کے بعد اس نے کہا یہاں کوئی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت بیان کر سکے؟ امیر المومنین حضرت علی نے کہا ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف مجھ سے سنو، یہودی نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ آپ نے کہا میرا نام علی ہے۔ اس نے کہا بلا شبہ میں نے آپ کے نام کو توراۃ میں لکھا ہوا پایا ہے۔

اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کیجیے، فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک اس طرح تھی کہ آپ کا قدِ مبارک نہ بلند تھا اور نہ پست، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک گول تھا، اور آپ کی پیشانی کشادہ، آنکھیں شہلا اور آپ کے ابرو ہمایوں پیوستہ تھے، اور آپ کے دندانِ مبارک ایک دوسرے سے جدا تھے، جب تبسم فرماتے آپ کے سامنے کے دانتوں پر ستاروں کی مانند نور چمکتا، اور گھر کے کام ہاتھوں سے کرنے کی وجہ سے ہاتھوں کی ہتھیلیاں درشت اور کھردری ہو گئی تھی، اور شکم مبارک پشت کے ساتھ ملا ہوا تھا، آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان گوشت، پوست اور خون کے درمیان قدرتی طور پر کلمہ:

لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا، اور اس کے اوپر توجہ حیث

شیئت فانک منصور، لکھا ہوا تھا جب امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات اور نشانیاں اس طرح بیان کیں یہودی نے کہا: صدقت یاعلیؑ! میں نے انہیں تورات میں اسی طرح پایا ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا۔اے علی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں سے کوئی کپڑا چاہیے جسے میں سونگھوں، حضرت علی نے کہا ہاں! اے سلمان! فاطمہ کے گھر جاؤ اور ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارک طلب کر کے مجلس میں لاؤ، سلمان حضرت فاطمہ کے گھر کے دروازے پر آئے، حضرت فاطمہ کے رونے کی آواز سنی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رو رہی تھیں، حضرت حسن وحسین ان کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ مل کر رو رہے تھے، اور اس مضمون کو ادا کر رہے تھے۔

اے نور دیدہ رفتی دمارا گذاشتی　　سرگشتگان بے سروپارا گذاشتی

رفتی بہ بزم وصل و بدست جفائے ہجر　　مجروح و خستہ اہل وفا را گذاشتہ

جب سلمان نے دروازہ کھٹکھٹایا، حضرت فاطمہ نے اندر سے آواز دی کہ یتیموں کا دروازہ کون کھٹکھٹاتا ہے؟ کون ہے جو یتیموں کا حال پوچھتا ہے؟ سلمان نے جواب دیا آستانہ اہل بیت کا خادم سلمان ہے، حضرت علی نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک کی استدعا کے لیے بھیجا ہے حضرت فاطمہ نے جواب دیا کہ میرے پدر بزرگوار کا جامہ کون پہنے گا،اس خطرناک کام کے کرنے کی کس میں ہمت ہے؟ سلمان نے یہودی کے واقعہ کو بیان کر کے صورتِ حال بیان کی، حضرت فاطمہ پیوند لگا ہوا خرقہ لائی، چنانچہ کہتے ہیں کہ سات جگہ پر اس کے کھجور کے چھلکے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ سلمان کے ہاتھ مجمع میں بھیجا، پہلے صحابہ نے اسے سونگھا، بوسہ دیا اور سر اور آنکھوں پر ملا پھر یہودی کے سپرد کیا، یہودی نے سونگھا اور اس کی پاکیزہ خوشبو حاصل کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا:

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔ خدایا! میں نے تیری وحدانیت کا اقرار کیا اور اس قبر والے کی نبوت ورسالت کا اعتراف کیا پھر کہا: اللھم ان قبلت اسلامی فاقبض روحی الساعۃ، خداوندا! اگر تو نے میرے اسلام کو قبول کر لیا ہے تو میری جان کو اسی وقت قبض فرما، یہ کہا، گرا، اور جان

جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کی تجہیز و تکفین کر کے جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

انہوں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ آگ کے ایک وسیع وعریض گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ کوئی شخص انہیں دھکا دے کر اس گڑھے میں گرانا چاہتا ہے، لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں کمر سے پکڑ رکھا ہے، اور اس گڑھے میں انہیں گرنے نہیں دیتے، گھبرا کر جاگ اُٹھے اور اپنے آپ سے کہنے لگے بخدا! یہ سچا خواب ہے، حضرت ابوبکر چونکہ خوابوں کی تعبیر میں بڑے ماہر تھے، اس لیے ان کے پاس گئے، اور اپنا خواب سنایا، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر بڑا احسان کیا ہے یہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کا دامن پکڑ لو ان کی برکت سے تمہیں دولت ایمان نصیب ہو گی تم مسلمان ہو جاؤ گے، اور اسلام تمہیں دوزخ میں گرنے سے بچالے گا۔ اس وقت حضور علیہ الصلوۃ والسلام محلہ اجیاد میں رونق افروز تھے خدمت عالی میں خالد حاضر ہوئے۔

عرض کی یا رسول اللہ! آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

حضور نے فرمایا "میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانو۔ مجھے اس کا بندہ اور رسول یقین کرو، اور جن پتھروں کی تم عبادت کیا کرتے تھے، جو نہ سن سکتے، نہ دیکھ سکتے، نہ ضرر پہنچا سکتے اور نہ نفع پہنچا سکتے ان سب کی عبادت کا طوق اپنے گلے سے اتار کر پھینک دو۔"

حضور کے اس وعظ سے خالد کے دل کی دنیا بدل گئی، اور بیساختہ کہہ اٹھے:

فَاِنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے ایمان لانے سے از حد مسرت ہوئی۔

ایمان لانے کے بعد خالد اپنے باپ کے ڈر سے روپوش ہو گئے۔ باپ کو جب ان کے مسلمان ہونے کی خبر ملی، تو ان کی تلاش میں کسی کو بھیجا، چنانچہ انہیں پکڑ کر باپ کے سامنے

پیش کیا گیا، باپ نے پہلے زبانی سرزنش کی۔ اور جب اس کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا تو ایک ڈنڈے سے ان کے سر پر ضربیں لگانا شروع کیں، یہاں تک کہ وہ ڈنڈا ٹوٹ گیا۔ پھر دھمکی دی کہ اگر تم باز نہیں آؤ گے تو میں رزق کے دروازے تمہارے لیے بند کر دوں گا۔ یہاں تک کہ تم بھوک سے ایڑیاں رگڑتے رگڑتے دم توڑ دو گے۔

لیکن جن کے سروں میں عشق کا خمار سما جاتا ہے، وہ ایسی باتوں کو کب خاطر میں لاتے ہیں۔ آپ بڑے صبر سے مار پیٹ سہتے رہے، باپ کی کڑوی کسیلی باتیں اور دھمکیاں سنتے رہے، اور آخر میں ایک جملہ سے اپنا مدعا بیان کر دیا۔ کہا

اِنْ مَنَعْتَنِیْ فَاِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُنِیْ ما اَعِیْشُ بِهٖ۔

اے ابا! اگر آپ میرا آب و دانہ بند کر دیں گے تو میرا اللہ میرے رزق کا سامان فرما دے گا جس پر میں زندگی گزاروں گا۔

یہ کہہ کر حضور کی خدمت عالی میں حاضر ہو گئے، حضور ان کی بڑی عزت فرماتے اور آپ ہمیشہ حضور کے قدموں میں حاضر رہتے۔ (ضیاء النبی، ج ۲۔ ص ۲۴۲)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

مکہ کی ایک متمول عورت ام انمار ایک روز تاجرانِ غلاماں کے بازار میں گئی تا کہ اپنے لیے ایک غلام خرید لائے جس سے وہ خدمت بھی لے اور اس کے ہاتھ کی کمائی سے بھی نفع حاصل کرے۔ اس نے برائے فروخت غلاموں کے چہروں کو پڑھنا شروع کیا تو اس کی نظر یک بچے پر پڑی جو ابھی جوانی کو نہیں پہنچا تھا۔ اس نے اس بچے کو صحت مند اور ہونہار خیال لیا اور اس کو خریدنے پر مائل ہو گئی۔ پھر قیمت ادا کی اور اسے لے کر چل پڑی۔

راستے میں ام انمار نے بچے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا:

بچے تیرا نام کیا ہے؟

بچے نے جواب دیا: خباب

عورت نے پوچھا: باپ کیا کیا نام ہے؟

بچے نے کہا: اَرَت

عورت نے پوچھا: تمہارا تعلق کس علاقے سے ہے؟

بچے نے بتایا: نجد سے۔

عورت نے کہا: تب تو تُو عربی ہے!!

بچہ: ہاں' میں بنی تمیم سے ہوں۔

عورت: تجھے مکہ میں تاجرانِ غلاماں کے ہاتھوں تک کس چیز نے پہنچایا؟

بچہ: کسی عرب قبیلے نے ہمارے محلے پر حملہ کیا۔ مویشیوں کو ہانکا، عورتوں کو قید کیا اور بچوں کو پکڑا اور لے گئے۔ جو بچے ان کے ہاتھ لگے میں بھی ان میں شامل تھا۔ پھر میں بکتا بکاتا مکہ تک پہنچ گیا اور اب آپ کے ہاتھ میں ہوں۔

ام انمار نے اس بچے کو مکہ کے ایک لوہار کی شاگردی میں دے دیا تاکہ وہ اسے تلوار سازی کا فن سکھادے بچے کو اس لوہار کی شاگردی اختیار کیے کوئی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ اس نے یہ ہنر سیکھ لیا اور اس میں ماہر ہو گیا۔

جب خباب رضی اللہ عنہ کے اعصاب مضبوط ہو گئے اس نے قوت حاصل کر لی تو ام انمار نے اسے ایک دکان کرائے پر لے دی اور اوزار خرید کر دے دیے، پھر اس کی تلوار سازی سے منافع کمانے لگی۔ خباب نے بھی بہت تھوڑے عرصے میں مکہ میں فن تلوار سازی میں شہرت پالی۔ لوگ اس کی بنائی ہوئی تلواریں خریدنے لگے۔ ایک روز قریش کا ایک وفد تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا حضرت خباب کے گھر کی طرف جا رہا تھا کہ ان سے اپنی وہ تلواریں وصول کرے جن کی تیاری کا ان کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا، لیکن وہ خباب جو کبھی اپنا کام اور گھر چھوڑ کر باہر نہیں جاتے تھے آج خلاف معمول قریش کے اس وفد کو گھر پر نہ ملے تو وفد ان کے انتظار میں بیٹھ گیا کافی دیر بعد آپ آئے تو آپ کے چہرے پر علامات استفہام اور آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلک رہے تھے۔ آپ نے مہمانوں کو سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

وفد نے جلدی سے پوچھا: جناب تلواریں تیار ہو گئی ہیں؟

یہ سنتے ہی حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے آنسو خشک ہوئے اور ان کی جگہ آنکھوں میں

خوشی چمکنے لگی اور کہنے لگے: ''اس کا معاملہ بھی عجیب ہے۔''

یہ الفاظ انہوں نے اپنے آپ سے گفتگو کے انداز میں کہے۔

لوگوں نے پوچھا: بھئی! کس کا معاملہ؟ ہم تم سے اپنی تلواروں کا پوچھ رہے ہیں کہ تم نے تیار کر دی ہیں یا نہیں؟

حضرت خباب رضی اللہ عنہ انہیں پریشان نظروں سے دیکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں: کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ کیا اس کا کلام سنا ہے؟

وفد کے لوگوں نے تعجب و دہشت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ ان میں سے ایک نے چھوٹتے ہی غیر مناسب لہجے میں پوچھا: خباب! کیا تم نے اس کو دیکھا ہے؟ حضرت خباب رضی اللہ عنہ آدمی کی چالاکی کو بھانپ لیتے ہیں اور الٹا اس سے سوال کر ڈالتے ہیں: کس کی بات کر رہے ہو؟

آدمی غصے میں جواب دیتا ہے: میں بھی اسی کی بات کر رہا ہوں جس کی تم کر رہے ہو!

اگرچہ حضرت خباب نے اس کے سامنے اپنے ایمان کا اعتراف کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ کفار آپ کو اپنے فریب میں پھنسا کر آپ کی زبان سے کچھ اگلوا نہ سکے۔ چونکہ آپ نے حق کو پا لیا تھا اور یہ طے کر لیا تھا کہ اس کا بانگ دہل اظہار کر کے چھوڑیں گے۔ اس لیے روحانی وجد اور نشے کی کیفیت میں انہیں جواب دیتے ہیں:

''ہاں...... میں نے اسے دیکھا ہے، اس کی باتیں سنی ہیں، میں نے حق کو اس کے منہ سے ظہور پذیر ہوتے دیکھا ہے جبکہ نور اس کے دانتوں پر چمک رہا تھا۔''

یہ سن کر قریش کے ان کارندوں نے آپ کو سمجھانا بجھانا شروع کر دیا۔ ایک نے کہا:

اے عبدام انمار! یہ کون شخص ہے جس کے بارے میں تم بات کر رہے ہو؟

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بڑے سکون سے درویشانہ مستی میں جواب دیا:

''اے میرے عرب بھائی! یہ اس کے سوا کون ہو سکتا ہے؟ اور تیری قوم میں اس کے سوا کون ہے جس کے منہ سے حق پھوٹتا ہو اور دانتوں سے نور چمکتا ہو؟''

اس پر ایک دوسرا قریشی کانپتے ہوئے چیخ کر کہتا ہے: میرا خیال ہے کہ تم محمد کی بات

کر رہے ہو۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ خوشی سے لبریز سر ہلا کر کہتے ہیں:

"ہاں...... انہی کو اللہ نے رسول بنا کر ہماری طرف بھیجا ہے تاکہ ہمیں تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لائیں۔"

اس کے بعد آپ نے کیا کہا اور آپ سے کیا کہا گیا، یہ تو آپ کو بھی معلوم نہیں۔ آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ کچھ دیر بعد آپ کو ہوش آیا تو دیکھا کہ آپ کے ارد گرد کھڑے سب لوگ بھاگ گئے ہیں اور آپ کا بدن زخموں اور ضربوں سے چور چور ہے۔ زخموں سے بہنے والے خون نے آپ کے بدن اور کپڑوں کو لت پت کر دیا ہے! آپ پلک جھپکے بغیر اپنے آس پاس کو دیکھتے رہے گویا کسی چیز پر نظر گاڑے ہوئے ہیں لیکن آپ کا یہ ارد گرد وسیع ہونے کے باوجود آپ کی نظروں کے لیے تنگ ہو گیا تھا، یعنی اس ماحول نے آپ کو درد والم سے دوچار کر کے بے یار و مددگار پھینک دیا تھا پھر آپ اپنے زخموں اور چوٹوں کے درد کی پروا کیے بغیر اٹھے اور چل پڑے، گھر کے دروازے پر پہنچے تو دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ ادھر آپ کی آنکھیں نظروں کو افق میں گاڑے ایک طویل سفر پر تھیں، وہ دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔ وہ مالوف و مانوس فاصلوں پر ٹھہر نہیں رہی تھیں بلکہ غیر مانوس دوریوں کو تلاش کر رہی تھیں، ہاں وہ اپنی اور مکہ میں رہنے والے اپنے ساتھیوں کی زندگی کی دوری کو دیکھ رہی تھیں۔ یہ آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ کیا یہ کلام جو اس نے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے وہی نور ہے جو اس نامعلوم فاصلہ اور دوری کی طرف نسل انسانی کی رہنمائی کرے گا؟

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بلند تاملات اور گہرے تفکرات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آپ دیوار سے ٹیک چھوڑ کر گھر میں داخل ہوئے اور اپنے زخموں پر مرہم پٹی کرنے لگے اور نئے آلام اور نئی تکلیفوں کے استقبال کے لیے تیاری کرنے لگے!

حضرت خباب کی مالکہ ام انمار نے اب آپ پر ظلم کے نئے پہاڑ توڑنے اور تعذیب و تشدد کے نئے طریقے آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اس کام میں اس نے اپنے بھائی سباع بن عبد العزیٰ کو بھی شامل کر لیا۔ جب دھوپ شدت اختیار کر جاتی اور سورج کی تپش زمین کو شعلوں

میں بدل ڈالتی تو یہ ظالم حضرت خباب کو لے کر بطحاء کی طرف چلے جاتے، کپڑے اتروا کر آپ کو ننگا کرتے اور لوہے کی زرہیں پہنا دیتے۔ پانی پینے کی بھی اجازت نہ دیتے یہاں تک کہ جب ان کا یہ ظلم اپنی انتہا کو پہنچ جاتا تو آپ کی طرف متوجہ ہوتے اور پوچھتے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

حضرت خباب جواب دیتے: ''وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وہ دین حق وہدایت لے کر آئے ہیں تا کہ ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں۔''

انسانیت نما درندے جب آپ کے منہ سے یہ بات سنتے تو تھپڑوں، گھونسوں سے آپ کو پیٹنا شروع کر دیتے، پھر پوچھتے: تم لات اور عزیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

جناب خباب جواب دیتے: وہ تو دو گونگے بہرے بت ہیں جو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان!!

ظالم جب یہ الفاظ سنتے تو تپتے پتھر اٹھاتے اور آپ کی پشت پر رکھ دیتے پھر یہیں پڑا رہنے دیتے یہاں تک کہ آپ کے کندھوں سے چربی پگھلنے لگتی۔

آپ نے زخم اٹھانے والوں اور تکلیفیں برداشت کرنے والوں میں اسی روز بلند مقام بنا لیا تھا، آپ نے ان لوگوں میں اپنا نام لکھوا لیا تھا، جنہوں نے اپنے دلوں میں اس پرچم کو گاڑ رکھا تھا جو وسیع وعریض فضاؤں میں قیصریت وثنویت کو للکار رہا تھا اور اس اللہ کے جہانِ تازہ کی خبر دے رہا تھا جس کے لیے انسان اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتے ہیں اور ان کمزوروں اور زخمیوں کے طاقت میں آجانے کی خوشخبری دے رہا تھا جو اس علم کے نیچے ان لوگوں کے دو بدو کھڑے تھے جنہوں نے اس سے پہلے بھی ان کو سزا وعذاب سے دوچار کیا تھا مگر سختی ومضبوطی میں انہیں لوہے کے چنے پایا تھا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے ایک راہنما کی مانند پوری جرأت واستقامت کے ساتھ ان سختیوں کو برداشت کیا، امام شعبی کہتے ہیں: ''حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو باندھا گیا لیکن ان کو پیٹنے کے لیے کفار کے پاس ڈنڈا بھی نہیں تھا سو وہ گرم پتھر سے ہی ان کی ننگی پشت کو رگڑنے لگے حتی کہ اس کی کھال ادھیڑ کے رکھ دی۔''

اللہ اکبر...... حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو سزا سے بھی وافر حصہ ملا ہے لیکن اس کے مقابلے میں ان کی استقامت وصبر اس سزا و عذاب سے کہیں بڑھ کر ہے۔

وہ سارا لوہا جو حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھا جس سے آپ تلواریں بناتے تھے، کفار نے لیا اور اسے بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں یوں تبدیل کر دیا کہ اس لوہے کو آگ میں دھکایا جاتا جب وہ بھڑک اٹھتا اور سرخ ہو جاتا تو کفار یہ لوہا ان کے ہاتھوں میں قدموں میں پہنا دیتے۔ ایک روز حضرت خباب رضی اللہ عنہ اپنے ایذا رسیدہ ساتھیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہے تھے، اس لیے نہیں کہ اپنی تکالیف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روئیں دھوئیں بلکہ اس امید کے ساتھ کہ رب کائنات کی بارگاہ میں انہیں پروانۂ عافیت وسلامتی مل جائے۔ آیئے ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی زبانی ہی یہ ایمان افروز واقعہ سنتے ہیں۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں اپنی چادر سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے آپ سے شکایت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ ہمارے لیے اللہ سے مدد کی درخواست نہیں کریں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے، آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا:

قَدْ کَانَ مِنْ قَبْلِکُمْ یُوْخَذُ مِنھُمُ الرَّجُل، فَیُحْفَرُ لَهٗ فِیْ الْاَرْضِ، ثُمَّ یُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ، فَیُجْعَلُ فَوْقَ رَأْسِهٖ، مَا یَصْرِفُهٗ ذٰلِکَ عَنْ دِیْنِهٖ....... !! "وَیُمْشَطُ بِاَمْشَاطِ الْحَدِیْدِ مَا بَیْنَ لَحْمِهٖ وَعَظْمِهٖ، مَا یَصْرِفُهٗ ذٰلِکَ عَنْ دِیْنِهٖ..... .....!!

وَلَیُتِمَّنَّ اللّٰہُ ھٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰی یَسِیْرَ الرَّاکِبُ مِنْ "صَنْعَاءَ" اِلٰی "حَضْرَ مَوْتَ" لَا یَخْشٰی اِلَّا اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ، وَالذِّئْبَ عَلٰی غَنَمِهٖ وَلٰکِنَّکُمْ تَعْجَلُوْنَ.........!!

تم میں سے پہلے لوگوں کا یہ حال تھا کہ ایک آدمی کو پکڑا جاتا، زمین میں گاڑا جاتا، آرالا

یا جاتا اور اس کے سر پر رکھ کر چیر دیا جاتا، لیکن یہ چیز اسکو اس کے دین سے پھیر نہ سکتی!! لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت اور ہڈیوں کو نوچا جاتا لیکن یہ چیز بھی ان کو ان کے دین سے دور نہ کر سکتی! اللہ تعالیٰ ضرور اس سلسلہ کو مکمل کرے گا۔ حتی کہ (ایک وقت آئے گا کہ) سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو اللہ سے اور اپنی بکریوں پر بھیڑیے کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ لیکن تم بہت جلدی کر رہے ہو۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے یہ الفاظ سنے تو ان کا ایمان و استقامت بڑھ گیا اور ہر کسی نے یہ طے کر لیا کہ وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عزم و استقامت اور صبر و قربانی کے وہ نظارہ دکھا کر دم لیں گے جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہیں۔

پھر حضرت خباب صبر و عزیمت اور اجر عظیم کی نیت لیے پر خطر معرکہ میں کود پڑے۔ ادھر قریش نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عہد غلامی کی مالکہ ام انمار کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور وہ بھی آپ کو تعذیب و تکلیف دینے میں قریش کی شریک بن گئی، وہ سلگتا، شعلے اگلتا لوہا پکڑتی اور آپ کے سر اور ناک منہ پر رکھ دیتی، حضرت خباب رضی اللہ عنہ تکلیف کی شدت سے دوہرے ہو جاتے مگر اپنا سانس نہ نکالتے۔ حتی کہ سانس کی ہلکی سی آواز بھی نہ نکالتے جس سے آپ کے جلادوں کو خوشی ہو سکتی۔!!

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ آگ اگلتا لوہا آپ کے سر کو جلا رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کے قلب مبارک میں جذباتِ رحم کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت دست مبارک آسمان کی طرف بلند فرمائے اور دعا گو ہوئے کہ:

اَللّٰهُمَّ انْصُرْ خَبَّابًا "اے اللہ! خباب کی مدد فرما!"

اللہ نے چاہا اور زیادہ دن نہ گزرے کہ ام انمار قدرت کی پکڑ میں آ گئی، گویا تقدیر نے ام انمار کو دوسرے جلادوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا۔ واقعہ یہ ہوا کر [illegible] پر سخت [illegible] قسم کا [illegible] وغیرہ [illegible] باؤلا پن طاری ہو گیا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ کتے کی طرح بھونکتی تھی۔ یہ بھی

کہا گیا ہے کہ اس وقت اس کا علاج یہ کیا جاتا تھا کہ اس کے سر کو آگ سے داغا جاتا۔ اس طرح اس کا مغرور و باغی سر صبح و شام گرم لوہے سے کچوکے کھاتا۔ اور یوں قدرت اس سے اپنے پیارے بندے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی تعذیب وتشدد کا انتقام لیتی۔

(نقوش صحابہ، ص ۲۱۷۔۲۲۳)

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول

جنگ اُحد کے بعد دشمنوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور پامال کرنے کی مختلف تدابیر پر عمل کیا۔ چنانچہ ۴ھ میں: قریش نے قوم "عضل اور قارہ" کے سات شخصوں کو گانٹھ کر مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، کہ ہمارے قبیلے اسلام لانے کو تیار ہیں، ہمارے ساتھ معلم کر دیجیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بزرگ صحابہ کو جن کے سردار عاصم بن ثابت تھے، ان کے ساتھ کر دیا، جب یہ صحابہ ان کی زد میں پہنچ گئے تو ان کے دو سو جوان آئے کہ انہیں زندہ گرفتار کر لیں۔ آٹھ صحابی مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے، اور دو بزرگوار خبیب بن عدی و زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما گرفتار کر لیے گئے۔ جنہیں سفیان ہزلی مکہ میں لے گیا اور قریش کے پاس فروخت کر آیا۔

قریش نے انہیں حارث بن عامر کے گھر میں چند روز بھوکا پیاسا قید رکھا، ایک دن حارث کا بچہ تیز چھری سے کھیلتا ہوا خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا، انہوں نے بچے کو زانو پر بٹھایا اور چھری لے کر رکھ دی، جب بچہ کی ماں نے یکا یک دیکھا کہ اس کا بچہ چھری لے کر قیدی کے پاس ہے، جسے چند روز سے انہوں نے بے آب و دانہ رکھا تھا، تو اس نے بے اختیار چیخ ماری خبیب نے کہا، یہ سمجھتی ہے کہ میں بچہ کو قتل کر دوں گا نہیں جانتی، کہ مسلمانوں کا کام غدر کرنا نہیں۔

ظالم قریش والوں نے چند روز کے بعد خبیب رضی اللہ عنہ کو صلیب کے نیچے لے جا کر کھڑا کر دیا، اور کہا۔ "اگر اسلام چھوڑ دو تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔" دونوں بزرگوں نے جواب دیا، "کہ جب اسلام باقی نہ رہا تو جان کو رکھ کر کیا کریں گے۔"

اب قریش نے پوچھا کہ کوئی تمنا ہو تو بیان کرو، خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا، دو رکعت نماز پڑھ لینے کی ہمیں مہلت دی جائے، مہلت دی گئی، انہوں نے نماز ادا کی، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نماز میں زیادہ وقت صرف کرتا لیکن سوچا کہ دشمن یہ نہ کہیں کہ موت سے ڈر گیا ہے، بے رحموں نے دونوں کو صلیب پر لٹکا دیا، اور نیزہ والوں سے کہا کہ نیزہ کی انی سے ان کے جسموں کے ایک ایک حصہ پر چرکے لگائیں۔

اللہ اکبر! ان کا دل اسلام پر کتنا قائم تھا، ان کو دین حق پر کتنی استقامت تھی۔ ان کو ہمیشہ کی نجات اور خدا کی خوشنودی کا کتنا یقین تھا، کہ ان تمام تکلیفوں اور اذیتوں کو برداشت کرتے ہوئے ذرا اُف تک نہ کی۔

ایک سخت دل نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے جگر کو چھیدا، اور پوچھا کہو اب تو تم بھی پسند کرتے ہوگے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پھنس جائے اور میں چھوٹ جاؤں۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے نہایت جوش سے جواب دیا۔ "خدا جانتا ہے کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے اہل وعیال میں رہوں اور دنیا کی نعمت وسلامتی مجھے میسر ہو۔"

خدا کے اس برگزیدہ بندہ فتی الفتیان (جوانمردوترین جوانمرداں) مقتل اور تماشائیوں کے ہجوم میں صلیب کے نیچے کھڑے ہو کر فی البدیہہ اشعار کہے ہیں، ان سے اس کی پوری کیفیت اور اس بزرگوار کی صداقت ومحبت اسلام کی پاکیزہ صورت نظر آتی ہے۔

لقد جمع الاحزاب حولی والبؤا قبائلهم واستجمعو کل مجمع

انبوہ در انبوہ لوگ میرے گردا گرد کھڑے ہو رہے ہیں، اور انہوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو بلا لیا ہے۔

کلهم مبدی العداوة جاهد علیّ لانی فی وثاق بمضیع

یہ سب کے سب عداوت نکال رہے ہیں، اور میرے خلاف جوش دکھا رہے ہیں، اور میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں۔

وقد جمعوا ابنائهم ونسائهم وقربت من جزع طویل ممنع

قبیلوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بلا رکھا ہے، اور مجھے ایک مضبوط بند لکڑی کے پاس لے آئے ہیں۔

وقد خیرانی الکفر والموت دونہ   وقد ھملت عینای من غیر مجزع

انہوں نے کہہ دیا ہے کہ کفر اختیار کرنے سے مجھے آزادی مل سکتی ہے، مگر اس سے تو موت میرے لیے بہت سہل ہے، میری آنکھوں سے آنسو لگاتار جاری ہیں، مگر مجھے کچھ ناشکیبائی نہیں۔

نلست بمبدٍ للعدوّ تخشّعًا   ولا جزعا الی اللہ مرجعی

میں دشمن کے سامنے نہ عاجزی کروں گا اور نہ رووں گا، میں جانتا ہوں کہ میں خدا کی طرف جارہا ہوں۔

ومالی حذر الموت انی لمیت   ولکن حذاری حجم نارٍ ملقعٍ

موت سے مجھے اس لیے ڈر نہیں کہ مرجاؤں گا۔ لیکن میں تو لپٹ والی آگ کے خون چوسنے سے ڈرتا ہوں۔

فدوا العرش صبرنی علی ما   یرادبی فقد بضعوالحمی وقدیاس

اس عرش عظیم کے مالک نے مجھ سے کوئی خدمت لینی چاہی، اور مجھے شکیبائی کے لیے فرمایا ہے۔ اب انہوں نے زدوکوب سے میرا تمام گوشت کوٹ دیا ہے، اور میری اُمید جاتی رہی ہے۔

طمعی الی اللہ اشکوغربتی ثم کربتی   ومارصد الاحزاب لی عند مصرعی

میں اپنی درماندگی اور بے وطنی و بے کسی کی فریاد اور ان ارادوں کی (جو میرے جان توڑنے کے بعد یہ لوگ رکھتے ہیں) خدا سے کرتا ہوں۔

فواللہ ما ارجراذا مت مسلماً   الی ای جنب کان فی اللہ مصرعی

بخدا! جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں تو میں یہ پروا نہیں کرتا، کہ راہِ خدا میں کس پہلو پر گرتا اور کیونکر جان دیتا ہوں۔

وذالک فی ذات الالہ وان یشاء   یبارک علی اوصال شلو ممزع

خدا کی ذات سے اگر وہ چاہے تو یہ بالکل اُمیدی ہے کہ وہ پارہ ہائے گوشت کے ہر ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے!

سب سے آخر میں یہ دعا تھی:

اللهم بلغنا رسالة رسولك فبلغه ما يصنع بنا۔

اے خدا ہم نے تیرے رسول کے احکام ان لوگوں کو پہنچا دیے۔ اب تو اپنے رسول کو ہمارے حال کی اور ان کی کرتوتوں کی خبر فرما دے۔

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ (جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمال میں سے تھے) کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی یکبارگی بیہوش ہو جایا کرتے، عمر فاروق نے ان سے وجہ پوچھی، وہ بولے، مجھے نہ کوئی مرض ہے، نہ کچھ شکایت ہے، جب خبیب رضی اللہ عنہ کو صلیب پر چڑھایا گیا، تو میں اس مجمع میں موجود تھا، مجھے جس وقت خبیب کی باتیں یاد آجاتی ہیں میں کانپ کر بیہوش ہو جاتا ہوں۔ (رحمۃ اللعالمین۔ ج ۱، ص ۱۰۷ تا ۱۰۹، طبری و ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۲۳)

عرب کی تاریخ کا پہلا واقعہ

نقوش صحابہ کے مصنف اور مشہور سیرت نگار جناب ارشاد الرحمان اس واقعہ کی حقیقت نگاری یوں کرتے ہیں:

حضرت خبیب نے اپنا دل، اپنا معاملہ اور اپنا انجام، سب کچھ اللہ رب العلمین کے حوالے کر دیا تھا اور قلبی اطمینان اور نفسی جرأت کے ساتھ عبادت کی طرف متوجہ ہوئے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی ایسی سکینت چھائی، جو پتھر پر نازل ہوتی تو اسے پگھلا کر رکھ دیتی اور خوف و ہیبت پر اس کا نزول ہوتا تو اسے معدوم کر کے رکھ دیتی۔

شاید عرب کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہو رہا تھا کہ عرب ایک آدمی کو پھانسی دینے کے بعد اسے صلیب کے اوپر ہی قتل بھی کر رہے تھے۔ دشمنان حق نے کھجور کے تنوں سے ایک بہت بڑی صلیب تیار کی اور اس کے اوپر حضرت خبیب کو باندھ دیا۔ ہر طرف سے مضبوطی کے ساتھ انہیں باندھا ہوا ہے۔ اور مشرک دشمنی کا بدترین مظاہرہ کرنے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

نیزہ باز اٹھتے ہیں اور اپنے نیزے پھینکنے کے لیے نیزہ بدست کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پھانسی پر لٹکے بہادر کے سامنے بہیمیت کا یہ بدترین مظاہرہ بڑے سکون سے جاری ہونے والا ہے! اس کے باوجود یہ بہادر اپنی آنکھیں بند نہیں کرتا۔ ان کے چہرے پر عجیب نورانی سکینت نازل ہو رہی ہے۔ نیزے ان کے بدن میں پیوست ہونے اور تلواریں ان کی بوٹیاں اڑانے کے لیے تیار ہیں۔

اس موقع پر قریش کا ایک سرداران کے قریب آتا ہے اور ان سے کہتا ہے:

''کیا تو چاہتا ہے کہ اس وقت محمد تیری جگہ ہو اور تو صحیح وسلامت اپنے اہل خانہ میں ہو؟''

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے لمحہ بھر کا توقف کیے بغیر آندھی کی مانند رخ پھیرا اور اپنے قاتلوں کو مخاطب کرتے ہوئے بآواز بلند کہا:

وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنِّىْ فِىْ أَهْلِىْ وَوَلَدِىْ، مَعِى عَافِيَةُ الدُّنْيَا وَنَعِيْمُهَا وَيُصَابُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَوْكَةٍ.

اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا چبھے اور میں اپنے اہل واولاد میں رہوں اور دنیا کی نعمت وسلامتی مجھے میسر ہو۔

یہی وہ عظیم اور غضبناک الفاظ ہیں جو حضرت خبیب کے ساتھی حضرت زید بن دثنہ نے بھی اپنی شہادت کے موقع پر فرمائے تھے۔ کفر کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دینے والے یہ ہیبت ناک الفاظ کل حضرت زید نے کہے تھے اور آج حضرت خبیب کہہ رہے تھے۔ ان الفاظ نے ابوسفیان کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا تھا کہ: ''اللہ کی قسم! میں نے کسی سے محبت کرنے والا کوئی آدمی نہیں دیکھا جس طرح محمد کے ساتھی محمد سے محبت کرتے ہیں۔''

حضرت خبیب کے یہ الفاظ گویا نیزوں اور تلواروں کو اپنا کام کر دکھانے کی اجازت دینا تھا اور یہی ہوا کہ یہ نیزے اور تلواریں وحشیانہ انداز میں ان کے جسم پر برس پڑیں۔

اس مقتل کے قریب آسمان پر پرندے اڑ رہے تھے گویا وہ اس انتظار میں تھے کہ یہ قصاب اپنے کام سے فارغ ہوں تو ہم اپنا کام شروع کریں۔ لیکن یہ چیل اور گدھ چیختے ہیں اور ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں، اپنی چونچیں ایک دوسرے کے قریب کرتے ہیں گویا یہ آپس

میں کوئی سرگوشی اور مشاورت کر رہے ہیں۔ پھر اچانک اڑتے ہیں اور فضا میں بکھر کر دور دور چلے جاتے ہیں۔ شاید ان پرندوں نے صالح اور فرماں بردار آدمی کے جسم سے آنے والی خوشبو کو محسوس کر لیا تھا اور شرمندہ ہو گئے تھے کہ اس پاکیزہ جسد سے کوئی بوٹی نوچ کھائیں!

پرندوں کا یہ غول حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے جسد کو چھوئے بغیر دور فضا میں جا چھپا اور مشرکین ظلم و بغاوت کا بدترین مظاہرہ کرنے کے بعد واپس مکہ میں اپنے حسد بھرے گھروں میں آ گئے۔ اور حضرت خبیب کا جسد شہید اس حال میں وہیں چھوڑ آئے کہ نیزہ بازوں اور تلوار زنوں کی ایک جماعت اس کی نگرانی پر مامور تھی تاکہ مسلمان اس کو اتار کر نہ لے جائیں!

جس وقت ان لوگوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو باندھ کر صلیب پر لٹکایا تھا تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف رخ کر کے گڑگڑا کر اپنے رب سے عرض کیا تھا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا قَدْ بَلَّغْنَا رِسَالَةَ رَسُوْلِكَ فَبَلِّغْهُ الْغَدَاةَ مَا يُصْنَعُ بِنَا۔

''اے اللہ! ہم نے تو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا، اب تو بھی اپنے رسول تک اس کی خبر پہنچا دے جو ہمارے ساتھ ہوا ہے!''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما تھے کہ آپ کے اندر یہ شدید احساس پیدا ہوا کہ آپ کے صحابہ مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آپ کو ان میں ایک صحابی کا جسد لٹکا ہوا بھی دکھایا گیا۔ آپ نے فوراً حضرت مقداد بن عمرو اور زبیر بن عوام کو بلایا۔ دونوں جوانمرد اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور نہایت تیز رفتاری سے چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مطلوبہ جگہ پر پہنچا دیا۔ اور انہوں نے اپنے ساتھی حضرت خبیب کو صلیب سے نیچے اتار لیا۔ آج تک کسی کو معلوم نہیں کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی قبر کہاں ہے۔ شاید یہی ان کے زیادہ شایان شان تھا کہ وہ تاریخ کے تذکرے اور زندگی کے ضمیر میں باقی رہیں تو انہیں ''تختۂ دار پر موجود جوانمرد'' کے طور پر ہی یاد کیا جائے۔ (روح البیان مترجم، ۹، ۱۰، ص ۳۴۶)

دو بیویوں کا ایمان پر ثابت قدمی

وہ مہاجرین جنہوں نے حبشہ میں نجاشی کے زیر سایہ پناہ لی تھیں اگرچہ مسلمانوں کو

نجاشی کے زیر سایہ ہر قسم کا آرام و سکون میسر تھا، وہ آزادی سے اپنی عبادات بجالاتے اپنے معبود برحق کے ذکر اور یاد میں مصروف رہتے۔ کوئی ان کو منع کرنے والا نہ تھا، البتہ ایک حادثہ سے انہیں دوچار ہونا پڑا، ان کے دو ساتھی عبید اللہ بن جحش اور سکران بن عمرو بن عبد شمس نے وہاں عیسائیوں کے مزین و آراستہ گرجے دیکھے پادریوں کے کروفر کا ملاحظہ کیا ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اور انہوں نے اسلام کو چھوڑ کر نصرانیت کو اختیار کرلیا۔ اس حادثہ سے یقیناً ان کے مسلمان ساتھیوں کو قلبی رنج اور دکھ ہوا ہوگا، ان دونوں کی بیویاں بھی ان کے ہمراہ تھیں عبید اللہ کی اہلیہ حضرت ام حبیبہ تھیں اور سکران کی زوجہ کا نام سودہ بنت زمعہ تھا، یہ دونوں پکی مومنہ تھیں نہ انہیں کلیساؤں کی زینت و آرائش متاثر کرسکی اور نہ ان کے خاوندوں کا ارتداد انہیں اپنے عقیدہ سے متزلزل کرسکا۔ وہ بڑی ثابت قدمی سے اسلام پر ڈٹی رہیں۔ حضرت سودہ نے تو جب اپنے خاوند کے بدلے ہوئے تیور دیکھے تو وہ اسے وہیں چھوڑ کر فوراً مکہ واپس آگئیں۔ اور حضرت ام حبیبہ نے بھی اپنے خاوند سے اسی وقت قطع تعلق کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نیک نہاد بندیوں کو اس ایثار کا یہ صلہ دیا کہ دونوں کو امہات المومنین میں داخل ہونے کا شرف ارزانی فرمایا دیا۔ حضرت ام حبیبہ کا عقد تو وہاں ہی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے کردیا گیا اور نجاشی نے اپنی گرہ سے چار سو دینار بطور مہر ادا کردیا اور بڑی عزت و وقار کے ساتھ انہیں حضور کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں بھیج دیا۔ اور حضرت سودہ کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد شرف زوجیت بخشا۔

(ضیاء النبی، ج ۲، ص ۲۷۵)

حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ایک روز شدید گرمی تھی، ابو خثیمہ اپنے اہل خانہ کے پاس آئے اور دیکھا کہ ان کے باغ میں ان کی دونوں بیویاں اپنے اپنے چھپر میں تھیں، ہر ایک نے اپنے چھپر پر چھڑکاؤ کرکے اسے ٹھنڈا بنالیا تھا اور ہر ایک نے اپنے چھپر میں ٹھنڈے پانی سے بھرے ہوئے گھڑے سجا رکھے تھے، نیز بڑا لذیذ کھانا بھی انہوں نے تیار کر رکھا تھا، جب ابو خثیمہ اپنے باغ میں داخل

ہوئے تو دونوں چھپروں کے دروازے تک آ کر رک گئے، اپنی بیویوں کو دیکھا، انہوں نے ان کے آرام و آسائش کے لیے جو اہتمام کر رکھے تھے اسے بھی ملاحظہ فرمایا تو عاشق صادق کی زبان سے نکلا:

رَسُوْلُ اللّٰہِ فِی الضَّحِّ وَالرِّیْحِ وَ اَبُوْ خَثِیْمَۃَ فِیْ ظِلَالٍ بَارِدَۃٍ وَمَاءٍ بَارِدٍ وَطَعَامٍ مُھَیَّاءٍ وَامْرَأۃٍ حَسْنَاءَ فِیْ مَالٍ مُقِیْمٍ مَا ھٰذَا بِالنِّصْفِ۔

''اللہ کا پیارا رسول تو دھوپ اور لو میں اور ابوخثیمہ ٹھنڈے سائے میں، جہاں ٹھنڈا پانی رکھا ہے لذیذ کھانا تیار ہے اور خوبرو بیوی موجود ہے، یہ تو انصاف کا تقاضا نہیں۔''

پھر اپنی بیویوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

میں تم میں سے کسی ایک کے چھپر میں قدم بھی نہیں رکھوں گا بلکہ اپنے ہادی و مرشد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملوں گا، میرے لیے زادِ راہ تیار کرو، چنانچہ ان نیک بخت بیویوں نے ان کے لیے فوراً زادِ راہ تیار کر دیا، پھر آپ کی اونٹنی آپ کے سامنے پیش کی گئی اور اس پر سوار ہو کر ابوخثیمہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جستجو میں نکلے، چنانچہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبوک کے مقام پر پہنچے تو یہ بھی وہاں شرف باریابی سے مشرف ہوئے، ان کے علاوہ عمیر بن وہب انجی بھی پیچھے رہ گئے تھے، وہ بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے گھر سے روانہ ہوئے، راستہ میں ان کی ملاقات ابوخثیمہ سے ہو گئی، دونوں ایک ساتھ جب تبوک کے قریب پہنچے تو ابوخثیمہ نے عمیر بن وہب کو کہا کہ مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہوا ہے، اگر تم مجھ سے کچھ پیچھے رہ جاؤ تو میں بارگاہ رسالت میں تم سے پہلے حاضر ہو جاؤں، لوگوں نے جب ایک سوار کو اپنی طرف آتے دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ! کوئی شتر سوار ہماری طرف آ رہا ہے حضور نے فرمایا ''کُنْ اَبَاخَیْثَمَۃَ'' خدا کرے یہ ابوخثیمہ ہو۔'' کچھ دیر بعد صحابہ نے عرض کی، بخدا! یہ سوار ابوخثیمہ ہی ہے۔ وہاں پہنچ کر ابوخثیمہ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کے بعد سلام عرض کیا، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوخثیمہ کو فرمایا۔

اَوْلٰی لَکَ یَا اَبَا خَیْثَمَۃَ ثُمَّ اَخْبَرَہٗ خَبَرَہٗ۔

ابوخیثمہ! تمہیں مبارک ہو، پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوخیثمہ پر جو بیتی تھی انہی سے اسے آگاہ کیا۔

حضور نے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

(ضیاء النبی، ج ۴۔ ص ۶۰۲، "الاکتفاء" ج ۲۔ ص ۳۷۹، حیاۃ الصحابہ، ج ۱۔ ص ۵۸۷۔ روح البیان، ج ۵، ص ۳۵۲)

حضرت خیزران رحمۃ اللہ علیہا کا عشق رسول

خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران ۱۷۱ ہجری میں جب حج کر کے روضۂ نبوی کی زیارت کو آئی تو پوری مسجد نبوی میں عطر لگوایا۔ اور سب سے پہلے اسی خاتون کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس نے حجرۂ نبویہ کے بیرونی اطراف میں قائم پانچ پہلو عمارت پر غلاف چڑھایا، بعد میں مختلف شاہان مصر و بغداد کو غلاف چڑھانے کی سعادت حاصل ہوتی رہی، حضرت علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ آج ہمارے زمانے میں اس عمارت پر تین غلاف اوپر نیچے چڑھے ہوئے ہیں۔ سلطان اسماعیل ناصر قلاون نے مصر میں ایک گاؤں خرید کر غلاف بنانے کے لیے وقف کیا جہاں پر خانۂ کعبہ کے لیے غلاف ہر سال اور ہر پانچ سال بعد حجرہ شریفہ اور منبر شریف کے لیے غلاف تیار ہوتا رہا۔ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا تو شیخ الحرم پرانا غلاف خدام اور جن کو مناسب خیال کرتے اور ان میں تقسیم کر دیتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب سلاطین عثمانی کو حرمین شریفین کی خدمت کا شرف بخشا تو ان کا یہ معمول تھا ہر بادشاہ کی تخت نشینی کے وقت نیا غلاف مبارک مذکورہ بالا عمارت پر چڑھایا جاتا۔ (جہان رضا، ص ۴۱۔ فروری ۲۰۰۶ء)

حضرت علامہ الحاج مفتی خادم حسین جتوئی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا صاحب طالب علمی کے زمانہ میں اپنے استاد محترم کے ساتھ حج کر چکے تھے۔ مگر واپسی پر اپنا جسم خاکی ساتھ لائے تھے لیکن روح وہیں چھوڑ کر آئے تھے۔ اگر دینی علوم حاصل کرنا اور خلق خدا کو مستفیض کرنے کا خیال دامن گیر نہ ہوتا تو شاید مولانا صاحب وطن واپس نہیں آتے۔ وطن واپسی کے بعد دیار حبیب کو جانے کے لیے تڑپتے رہتے تھے بار بار

انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ عالیہ یاد آتا تھا۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ ان کا سرمایہ حیات اور سرمایہ ایمان تھا۔

کہ بود یارب کہ رو در مدینہ و بطحا کنم گہ بہ مکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

۱۹۰۴ء میں آپ کی آرزو پوری ہوئی دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر اختیار کیا، حج بیت اللہ اور محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ بوسی کا شرف حاصل کیا۔

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۲۲۶)

حضرت مفتی محمد خلیل خاں برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مفتی صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں ان کی مدحت سرائی کرتے ہوئے نعتیہ شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کا نعتیہ دیوان ''جمالِ خلیل'' نام سے مطبوعہ ہے۔ اور آپ کا تخلص خلیل ہے۔ آپ نے ذوالحجہ ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء میں پہلی مرتبہ حج بیت اللہ ادا فرمایا اور روضۂ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کی سعادت حاصل کی۔

مولانا محمد حسن قلندرانی اپنے استاد محترم کے متعلق لکھتے ہیں: حضرت انتہائی متقی پرہیزگار انسان تھے، ظاہری اور باطنی اعتبار سے آپ کی ذات گرامی قابل تقلید تھی، حدیث پاک پڑھاتے ہوئے وضو کی حاجت ہوتی تو فوراً تازہ وضو فرماتے پھر اسباق جاری فرماتے۔ بندہ نے کبھی آپ کی زبان سے کوئی گالی یا ایسا نازیبا لفظ کسی کو کہتے نہیں سنا۔ آپ کئی دنوں سے بہت علیل تھے ایک روز راقم آپ کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ حضرت ایک چھوٹے کمرہ میں استراحت فرما رہے تھے، ہمیں دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئے، سلام وکلام کے بعد طلباء پاؤں کو دبانے لگے۔ چند منٹ کے بعد آپ بے چین سے ہو گئے اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمایا: بیٹا! مجھے معاف کرنا ممکن ہے میں نے تمہیں کبھی ڈانٹا ہو۔ ہم نے عرض کیا حضرت آپ تو ہمارے والدین سے بھی بڑھ کر ہمارے لیے عظیم ہیں آپ ہمارے استاد ہیں آپ ہمیں معاف کریں ہم سے ضرور کوتاہیاں ہوئی ہوں گی۔

(مجلہ خلیل علم، ص ۸۸ گولڈن جوبلی) (انوار علماء اہل سنت سندھ، ص ۸۶۰)

د

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

کلبی سے روایت ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہوگئی ہے، اور مجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو میری طرف وہ باتیں منسوب کرتا ہے جن کا تجھے علم نہیں، اور ان مسائل میں گفتگو کرتا ہے جن کو تو نہیں جانتا، پھر حکم دیا گیا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جماعت میں تشریف فرما ہیں، تو میں پکار اٹھا: یا رسول اللہ! آپ کی امت کے ایک فرد کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے، آپ اپنے رب کریم کی بارگاہ میں میری شفاعت کریں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم تیری سفارش کیسے کریں؟ جبکہ تو ہماری طرف وہ باتیں منسوب کرتا ہے جو تیرے علم میں نہیں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس کے باوجود قرآن پاک کی تفسیر کرتا ہوں۔

آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ اس سے سوال کریں، انہوں نے فرمایا "الایام المعدودات" سے کون سے دن مراد ہیں؟ میں نے عرض کیا ایام تشریق۔ پھر فرمایا "الایام المعلومات" کون سے ہیں؟ میں نے عرض کیا: ذوالحجہ کے دس دن پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری شفاعت فرمائی۔ (پکارو یا رسول اللہ، ص ۷۲)

حضرت مولانا قاضی دوست محمد صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

سندھ باب الاسلام ہے اس لیے سندھ کی زبان عشق مصطفیٰ ہے اور مولانا باغ مصطفیٰ میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گیت ترنم وعقیدت سے گنگناتے تھے اسے لیے بلبل باغ مصطفیٰ ہوئے یعنی بلبل سندھ۔ مولانا احمد بخش بھٹو نے بتایا کہ مولانا صاحب کو یہ خطاب شیخ

العرب والعجم، فقیہ اعظم، امام اہل سنت حضرت علامہ مفتی پیر محمد قاسم مشوری رحمہ اللہ علیہ الباری (بانی درگاہ مشوری شریف) نے اپنی زبان فیض ترجمان سے مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد "بلبل سندھ" آپ کے نام کا جز بن گیا۔ اور فلک شگاف نعرے "بلبل سندھ زندہ باد" بلند ہونے لگے۔

آپ نے ایک روز عثمانیہ مسجد میں خطاب کے دوران فرمایا: ہمیں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے وزارت کی پیشکش کی۔ لیکن آپ نے یہ کہہ کر پیشکش ٹھکرادی کہ وزارت صدارت آنے جانے والی چیز ہے آج دی جائے گی اور کل چھینی جائے گی، لیکن اللہ کریم نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء خوانی کا جو منصب ہمیں عطا کیا ہے یہ ہمارے لیے کافی ہے یہ ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا اور ان شاء اللہ تعالیٰ مرتے دم تک یہ ہمارے پاس ہوگا۔

لوگ کیا کیا بک گئے تو نے نہیں بیچے اصول
تیرے دامن کو بہت ہے دولت عشق رسول

فرشتے غسل دیں لاشے کو میرے آب کوثر سے　　محمد کی ثنا کرتے ہوئے گر میرا دم نکلے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے　　نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۲۵۰)

اقرارِ ربوبیت و رسالت سے آدمی مکرم ہو جاتا ہے

فائد، جو عبادل کا آزاد کردہ غلام تھا، اس نے بتایا کہ میں، ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن سعد کی معیت میں سفر پر نکلا۔ جب ہم عرج کے مقام پر پہنچے تو سعد کے بیٹے عبدالرحمٰن بھی پہنچ گئے۔ یہ سعد، وہ شخص ہے جس نے سفر ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رَکوبہ کا راستہ بتایا تھا، ابراہیم نے عبدالرحمٰن سے پوچھا کہ آپ کے والد نے آپ کو کیا واقعہ بتایا تھا ابن سعد نے کہا میرے والد سعد نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کی معیت میں ان کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکر کی ایک بیٹی رضاعت کے لیے ہم اپنے پاس لے آئے تھے۔ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف مختص راستہ سے سفر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا سعد نے عرض کی۔ هٰذَا الْغَامِرُ مِنْ رَكُوْبَةَ، آپ رکوبہ سے غامر

کے راستہ سے تشریف لے جائیں۔لیکن وہاں بنی اسلم قبیلہ کے دو چور رہتے ہیں جنہیں المہانان کہا جاتا ہے اگر حضور کی مرضی ہو تو ہم ان کے پاس سے حضور کو لے چلیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خُذْبِنَا عَلَيْهِمَا" "بے شک ہمیں ان کے پاس سے لے چلو" سعد کہتے ہیں جب ہم روانہ ہوئے تو وہ دونوں چور راستہ میں کھڑے تھے ایک نے حضور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسرے سے کہا، هٰذَا الْيَمَانِي۔ یہ یمانی ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بلایا اور ان پر اسلام پیش کیا، ان کی بگڑی ہوئی تقدیر کو بنانے والا تشریف لے آیا تھا۔انہوں نے بغیر کسی حیل وحجت کے اسلام قبول کر لیا حضور نے ان سے پوچھا تمہارے نام کیا ہیں انہوں نے کہا (نَحْنُ الْمُهَانَانِ) مہان کا لغوی معنی ذلیل ہے۔یعنی ہم دونوں ذلیل ہیں۔فَقَالَ بَلْ اَنْتُمَا الْمُكْرَمَانِ۔حضور نے فرمایا اسلام لانے کے بعد اب تم ذلیل نہیں رہے بلکہ تم عزت وشرف کے مالک بن گئے ہو، اور تم دونوں محترم ومکرم ہو گئے ہو۔" حضور نے انہیں حکم دیا کہ وہ قافلے کے آگے آگے چلیں اور ہمیں مدینہ تک چھوڑ آئیں۔(ضیاء النبی، ج ۳۔ص ۱۰۱، سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۶۵)

عاشقِ زار حضرت حافظ محمد داؤد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت حافظ محمد داؤد قادری علیہ الرحمہ کی محبت رسول بھی دست محبت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔یہ ایک ایسے عاشق رسول تھے جن کی زندگی کا ہر ہر لمحہ عشق رسول کی سر فرازی میں غوطہ زن رہا کرتا تھا۔آپ کی ذات سراپا اتباعِ شریعت اور حسنِ اخلاق کی دولت تھی۔محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے عشق ومحبت میں سرشار ہو کر اِنہوں نے دنیا کی کسی بھی چیز کی پرواہ نہیں کی، اپنے محبوب کی تسلیم ورضا کو اپنی زیست کا ماحصل تصور کر رکھا تھا، جب کبھی حالات کے پیچ وخم میں الجھے تو صرف ایک ہی مشغلہ رہا مسجد اور تلاوت قرآن، اذان اور نماز، اوراد ووظائف اور اغثنی یا رسول اللہ کی پکار۔پوری زندگی آپ کا معمول یہ رہا کہ ہر جمعرات کو مجلسِ درود شریف (درود خوانی) کا اہتمام کرتے اور بڑے شوق ورغبت اور کامل عشق وعقیدت سے مست الست ہو کر باآواز بلند درود پاک پڑھا

کرتے۔اسی درمیان جب نعت خوانی کا دور شروع ہوتا تو فراق محبوب میں آنکھیں ساون بھادو کی طرح برسنے لگتیں، آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات فراق مدینہ میں گرتے چلے جاتے۔یہ عاشق رسول اپنے عشق کی تپش اشکوں کی شکل میں اپنے محبوب کی بارگاہ میں نذر کرتے چلے جاتے۔

تڑپ رہے ہیں فراق حبیب میں عاشق
الٰہی راہ مدینہ کی بے خطر ہو جائے

ایک عاشق زار کے لیے ذکر رسول سے زیادہ محبوب کیا ہوسکتا ہے۔چنانچہ اخیر عمر میں اولادوں کو بھی اس کی نصیحت و وصیت کی۔درودِ پاک سے والہانہ رغبت کا اندازہ اس امر سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اکثر و بیشتر خواب میں باآواز بلند درود شریف پڑھا کرتے۔اتنی بلند آواز میں درود پاک کا ورد کرتے کہ گھر کے اکثر لوگ بیدار ہو جاتے کہ کیا بات ہے کہ سو نہیں رہے ہیں اور اس وقت مجلس کر رہے ہیں۔قریب جا کر دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ آپ نیند میں درود شریف پڑھ رہے ہیں۔لیکن کوئی شخص آپ کو اس وجہ سے بیدار نہیں کرتا کہ اس مبارک عمل میں خلل نہ پڑے۔حتی کہ فجر کا وقت ہو جاتا، پھر آپ بیدار ہو کر مسجد چلے جاتے، اذان و امامت کے فرائض انجام دیتے۔ایک بار اس امر کا تذکرہ جب صاحبزادگان نے آپ سے کیا تو انہوں نے فرمایا: خواب میں میرے والد گرامی تشریف لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیٹا! مجلسِ درود کرو۔تو میں یہ شغل کرتا ہوں، پھر جب وہ فرماتے ہیں کہ فجر کا وقت ہو گیا ہے جایئے فجر کی اذان دیجئے۔تو میری نیند کھل جاتی ہے۔درود پاک کے ایسے ایسے صیغے یاد تھے جو اکثر و بیشتر لوگوں کو آج کے دور میں یا تو معلوم نہیں اور اگر ہے بھی تو اس پر عامل نہیں ہوتے۔

یہ سب آپ کے جذبۂ عشق رسول اور محبت و اتباع رسول کا نتیجہ تھا۔درود پاک سے والہانہ شغف کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ آپ نے وصال سے قبل چند اہم وصیتیں اپنے اہل خانہ کو کیں۔اس میں اہل خانہ کو یہ بھی حکم دیا کہ ہر جمعرات کو درود خوانی کی مجلس کیا کریں گے اور ایصال ثواب کریں گے۔چنانچہ آج تک آپ کے گھر میں حسب وصیت و حکم

یہ معمول جاری ہے جس پر آپ کے صاحبزادگان قائم ہیں۔

خوفِ خدا کا یہ عالم تھا کہ آپ تاحین حیات اپنے محلے (خواجہ نگر) کی ''نوری مسجد'' میں بلامعاوضہ اذان وامامت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ ہر نماز مسجد میں پابندی سے ادا فرماتے اگر کبھی کسی ضروری کام کے تحت بازار وغیرہ جانا ہوتا اور نماز کا وقت قریب ہو جاتا تو بھاگتے ہوئے مسجد کی طرف آتے اور اذان وامامت فرماتے۔ اور اگر کبھی عذر شرعی کی وجہ سے مسجد نہ پہنچ پاتے تو پابندیِ وقت کے پیش نظر نماز کو حتی الامکان قضا ہونے سے پہلے وقت پر ادا فرمالیتے۔ (تذکرۂ علمائے اہل سنت سیتامڑھی، ج ۱۔ ص ۱۴۵، تا ۱۴۶)

حضرت کے پوتے حافظ محمد عقیل نوری نے ایک مرتبہ مجھ فقیر سے کہا ''رمضان شریف کے الوداعیہ جمعہ میں جب آپ خطبہ فرماتے، تو رخصت رمضان کے غم میں اس قدر روتے کہ ہچکیاں بندھ جایا کرتی تھیں، یہاں تک کہ حاضر مصلیین کی بھی آنکھیں ان کے اِس حال زار پر اشکبار ہو جایا کرتی تھیں۔'' سبحان اللہ! یہ ہے رخصت رمضان المبارک کا غم اور اس مبارک ومسعود مہینے کی عبادت کی تڑپ۔ بلاشبہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ اور عمل کا ہر زاویہ عشق رسالت ہی سے عبارت ہے۔ عشق رسالت میں وہ فناء الفنا کے مقام پر فائز تھے۔ (مؤلف)

☆☆☆

امام ذکی الدین منذری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

امام ذکی الدین منذری کا اپنے محبوب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یوں بیان کرتے ہیں:

وَنَجَّاا بَاہُ آدَمَ مِنْ خَطِیْئَۃٍ لَہٗ   اَصْبَحَتْ عَنْ جَنَّۃِ الْخُلْدِ تُبْعَدُ

اللہ تعالیٰ نے آپ کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اس خطا سے نجات عطا فرمائی جو انہیں جنت سے دور کرنے کا باعث ہوئی۔

وَنَجَانُوحُ فِی السَّفِیْنِ بِنُوْرِہٖ   غَدَاۃَ الْتَقَی الْمَاءَ آنِ وَالْمَوجُ یُزبِدُ

آپ کے نور کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں اس صبح نجات پائی، جب (زمین وآسمان) دونوں پانی جمع ہو گئے اور موجیں جھاگ اڑا رہی تھیں۔

وَقَدْ سَالَ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ خَلِیْلُہٗ   بِہٖ اِذَا عَدُوا جَا جِمَا یَتَوَقَّدُ

آپ ہی کے طفیل حضرت خلیل علیہ السلام نے اللہ عظیم سے دعا مانگی جب دشمنوں نے بھڑکتے ہوئے شعلوں والی چتا تیار کی۔

فَصَارَتْ عَلَیْہِ النَّارُ بَرْدًا بِیُمْنِہٖ   وَنَمْرُوْدَ مَعَ مَا قَدْرَأیٰ مُتَمَرِّدُ

آپ کی برکت سے آگ ان کے لئے ٹھنڈی ہوگئی اور نمرود سب کچھ دیکھ کر بھی سرکش ہی رہا۔ (پکارو یا رسول اللہ، ص ۶۱)

☆☆☆

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

تقسیم وعطاء جنت کے تمام مناظر تو روزِ قیامت سامنے آئیں گے، بعض مناظر کا تذکرہ احادیث میں بھی ملتا ہے، ان میں حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو جنت عطا کرنے کا واقعہ نہایت ہی مشہور ہے، آیئے انہی کی زبانی سنتے ہیں، مسلم اور نسائی نے حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

کنت اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم بوضوئه ولحاجته فقال سلنی فقلت اسئلك مرا فقتك فی الجنة قال او غیر ذلك قلت هو ذاك قال فاعنی علی نفسك بکثرة السجود. (مسلم و نسائی، باب فضل السجود)

میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کے لیے پانی اور دیگر ضروریات مسواک مصلیٰ وغیرہ پیش کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ آپ نے فرمایا ''اے ربیعہ مجھ سے مانگو کیا مانگتے ہو'' میں نے عرض کیا آقا جنت میں آپ کی رفاقت کا ہی سوال ہے۔ فرمایا ''اس کے علاوہ بھی کچھ'' عرض کیا آقا وہی کافی ہے فرمایا: تم کثرتِ سجود سے اپنی ذات پر میری مدد کرو۔

امام منذری نے المعجم الکبیر للطبرانی کے حوالے سے یہی واقعہ جن الفاظ میں روایت کیا ہے وہ نہایت ہی قابل توجہ ہے کہ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

کنت اخدم النبی صلی الله علیه وسلم نهاری فاذا کان اللیل اویت الی باب رسول الله صلی الله علیه وسلم، فبت عنده فلا ازال اسمعه یقول سبحان الله ! سبحان الله ! سبحا ربی.

حتی تغلبنی عینی فانام. فقال لی یوما یا ربیعة سلنی فاعطیك.

فقلت النظرنی حتی انظر وتذکرت ان الدنیا فانیة منقطعة. فقلت یا رسول الله اسالك ان تدعوالله لی ان ینجینی من النار ویدخلنی الجنة فسکت رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم قال من امرك بهذا؟

قلت ما امرنی به احدولکنی علمت ان الدنیا منقطعة فانیة وانت من ا
للہ بالمکان الذی انت فیه فاحببت ان تدعوا الله لی قال فاعنی علی
نفسك و بکثرة السجود۔ (الترغیب والترہیب،فضل السجود)

میں دن کو حضو کی خدمت کیا کرتا، جب رات آ جاتی تو میں حضور ہی کی چوکھٹ پر رات بسر کرتا میں آپ سے یہ کلمات سنتا، سبحان اللہ! سبحان اللہ! سبحان ربی!

یہاں تک کہ مجھے نیند آ جاتی، ایک دن آپ نے فرمایا ''ربیعہ مجھ سے مانگ تاکہ میں تجھے عطا کروں۔''

میں نے عرض کیا آقا مجھے غور فکر کے لیے مہلت دیجیے۔ میں نے جب غور کیا تو مجھے یاد آیا کہ دنیا ختم ہو جانے والی شی ہے۔ لہٰذا میں نے عرض کیا آقا آپ سے سوال یہ ہے کہ اللہ سے میرے لیے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے دوزخ سے نجات دے اور جنت میں داخل فرمائے۔ اس پر حضور نے خاموشی اختیار فرمائی، پھر پوچھا ''اس سوال کا تجھے کس نے مشورہ دی؟'' عرض کیا کسی نے نہیں میں خود جانتا ہوں کہ دنیا فانی اور جلدی ختم ہونے والی ہے اور آپ کا اللہ کے ہاں جو مرتبہ ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے لیے دعا کریں، فرمایا اپنی ذات پر کثرت سجود سے میری مدد کرو۔

ان روایات سے واضح ہو رہا ہے حضرت ربیعہ نے صرف جنت ہی کا سوال نہیں کیا بلکہ جنت کے ساتھ حضور کی رفاقت کا بھی سوال کیا، بلکہ مقصود ہی رفاقت تھی چونکہ حضور نے جنت میں سب سے اعلیٰ مقام پر ہوں گے تو گویا حضرت ربیعہ نے سب سے اعلیٰ جنت کا سوال کیا۔

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی ساری کائنات
تجھ سا کوئی سخی نہیں مجھ سا کوئی گدا نہیں

(شرح سلام رضا، ص ۹۷۔۹۸)

رکانہ پہلوان کا قبول اسلام اور عشق رسول

رکانہ، قبیلہ قریش میں سب سے زیادہ طاقتور، دلیر اور کشتی کے فن میں بڑا ماہر تھا، ایک

روز سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ کی گھاٹیوں میں گھوم رہے تھے کہ ایک گھاٹی سے گزرتے ہوئے رکانہ سے ملاقات ہوگئی، حضور نے اس موقعہ کو غنیمت جانا، اس سے فرمایا "اے رُکانہ! کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کیا تم میری دعوت کو قبول نہیں کرو گے۔"

اس نے کہا! اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ آپ جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں وہ حق ہے تو میں اسے ضرور قبول کر لیتا اور آپ کی پیروی کرتا۔

حضور نے فرمایا! "اگر میں تمہیں پچھاڑ دوں تو کیا تم تسلیم کر لو گے کہ میری دعوت سچی ہے۔"

اس نے کہا! بے شک، اسے زعم تھا کہ اس جیسے شہہ زور اور پیل تن پہلوان کو پچھاڑنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں اسے خیال تھا کہ وہ چشم زدن میں حضور کو دبوچ لے گا۔

حضور نے فرمایا! "اٹھ اور میرے ساتھ کشتی کر" وہ غراتا ہوا اٹھا اور خم ٹھونک کر سامنے کھڑا ہو گیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ اپنے پنجے میں پکڑ کر بھینچا تو وہ آن واحد میں زمین پر چت گرا ہوا تھا، اسے اپنے تن و بدن کی ہوش نہ رہا وہ دامن جھاڑتا ہو زمین سے اٹھا کہنے لگا ایک بار پھر۔ حضور نے پھر پکڑا اور زمین پر پٹخ دیا وہ پھر اٹھا اور کہنے لگا: یا محمد! (فداہ ابی و امی) بڑے تعجب کی بات ہے میرے جیسے پہلوان کو آپ نے پچھاڑ دیا۔

ہادیٔ برحق نے فرمایا "اگر تیرے دل میں خدا کا خوف ہو اور تو میری دعوت کو قبول کرنے کا وعدہ کرے تو میں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز چیز تمہیں دکھانے کے لیے تیار ہوں۔" پوچھنے لگا وہ کیا۔ حضور نے فرمایا "میں تیری راہنمائی کے لیے یہ سامنے جو درخت کھڑا ہے اسے بلاتا ہوں وہ ابھی میرے پاس آجائے گا۔" وہ سراپا حیرت بن کر کہنے لگا اچھا بلایئے! حضور نے درخت کو حکم دیا وہ چلتا ہوا حاضر خدمت ہو گیا۔ پھر اسے ارشاد فرمایا "اپنی جگہ واپس چلے جاؤ وہ اسی وقت واپس چلا گیا" رکانہ پہلوان دامن جھاڑتا ہوا وہاں سے اٹھا، اور شرمندگی سے سر اوپر نہیں اٹھا رہا تھا۔ سیدھا اپنی قوم کے پاس آیا اور انہیں کہنے لگا اپنے صاحب کے جادو کے بل پر تم اہل زمین پر غالب آسکتے ہو۔ میں نے آج تک ایسا زبردست جادوگر کوئی نہیں دیکھا۔

پھر اس نے اپنا واقعہ بیان کیا۔

علامہ ابن کثیر نے اس واقعہ کو پہلے اسی طرح لکھا ہے اس کے بعد "قُلْتُ" یعنی میں

کہتا ہوں لکھ کر ابو بکر الشافعی کی روایت باسنادِ جید حضرت ابن عباس سے یوں ذکر کی ہے۔
کہ یزید بن رکانہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یکے بعد دیگرے تین بار کشتی لڑی اس نے کہا تھا، کہ اگر آپ مجھے گرا دیں تو میں آپ کو ایک سو بکریاں دوں گا۔ حضور نے تین بار اسے پچھاڑ دیا۔ جب وہ تیسری مرتبہ چاروں شانے چت زمین پر آ گرا تو کہنے لگا، یا محمد! آج تک کسی نے میری پشت زمین سے نہیں لگائی آج سے پہلے آپ سے زیادہ مجھے مبغوض کوئی نہیں تھا۔ لیکن آج میں گواہی دیتا ہوں کہ" اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی چھاتی سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور اس کی بکریاں اسے واپس کر دیں۔ (ضیاء النبی، ج ۲۔ ص ۴۰۸، سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۱۸)

روماس حاکم بصریٰ کا قبول اسلام اور عشق رسول

حضرت خالد نے اہل بصرہ کو جمع کیا اور اعلانِ امان کو پھر ایک مرتبہ دہرایا، رومیوں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم پہلے سے ہی عقل و شعور کا صحیح استعمال کر کے تم سے مصالحت کر لیتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ اللہ کا حکم ٹلتا نہیں وہ ہو کر ہی رہتا ہے۔ پھر اہل بصرہ نے حضرت خالد سے پوچھا کہ کیا آپ یہ بتائیں گے کہ کس شخص کی راہنمائی اور اعانت سے آپ اس مضبوط شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے؟ حضرت خالد نے مروت اور حیا کی وجہ سے حاکم روماس کا نام نہیں بتایا، اور بات سنی ان سنی کر کے ٹال دی، لیکن حاکم روماس نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے خدا کے دشمنو! میں نے خدا کی رضا مندی حاصل کرنے اور جہاد کا اجر پانے کی غرض سے لشکر اسلام کو راہ بتائی ہے، تمام رومیوں نے تعجب کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا تو ہمارے طریقہ دین و مذہب پر نہیں؟ حاکم روماس نے کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اللہ کو اپنا معبود، حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رسول، اسلام کو دین، قرآن کو پیشوا، کعبہ کو قبلہ اور مسلمانوں کو اپنا بھائی تسلیم کر لیا ہے۔
حضرت روماس نے اس طرح اقرارِ ایمان اور اعلانِ اسلام کر کے اسلامی لشکر کو شہر میں داخل کرنے کا بھی اعتراف کیا۔ حضرت روماس کی بات سن کر رومی بہت ناراض ہوئے اور ان

کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا۔ حضرت روماس نے لوگوں کے چہروں سے ان کے دلی ارادوں کا صفحہ پڑھ لیا، اور حضرت خالد سے کہا اے سردار! اب میں ان لوگوں کے ساتھ شہر میں نہیں رہوں گا بلکہ آپ کے لشکر میں شامل ہو کر ملک شام کی فتح کے سلسلہ میں اپنی خدمات پیش کروں گا، اور جب پورا ملک شام فتح ہو جائے گا تب یہاں واپس آؤں گا۔

علامہ واقدی نے معمر بن سالم بن نجم بن مفرح سے روایت فرمایا ہے کہ حاکم روماس اسلامی لشکر کے ساتھ شام کی تمام جنگوں میں شریکِ جہاد ہو کر اپنی مخلصانہ خدمات پیش کیں۔ جب پورا ملک شام فتح ہو گیا تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی درخواست پر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت روماس کو بصریٰ کا حاکم مقرر فرمایا، حضرت روماس نے قلیل عرصہ وہاں حکومت کی اور ایک بیٹا چھوڑ کر انتقال فرمایا۔ (سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب، ص ۲۴۴)

روماس کی بیوی کا قبول اسلام اور عشق رسول

حاکم بصرہ روماس نے حضرت خالد بن ولید سے درخواست کی کہ میں اس شہر میں رہنے والا نہیں لہٰذا آپ میرے ساتھ چند مجاہدوں کو بھیج دو جو مجھ کو میرا مال و اسباب اور اہل و عیال میرے گھر سے لانے میں اعانت کریں، حضرت خالد نے چند اشخاص ان کے ساتھ بھیجے۔ جب حاکم روماس اپنے گھر گئے تو ان کی زوجہ ان سے الجھ گئی، وہ غصہ میں بھری ہوئی ایک شیرنی کی مانند بپھری ہوئی تھی، اپنے شوہر سے تیز زبان میں گفتگو کرنے لگی، حضرت روماس کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں سے اس خاتون نے کہا کہ میرا فیصلہ اسلامی لشکر کے سردار کے پاس ہوگا، لہٰذا اسے حضرت خالد بن ولید کے پاس لایا گیا، حضرت روماس کی بیوی کے متعلق لوگوں نے حضرت خالد کو بتایا کہ اس کو اپنے شوہر سے سخت نالش و شکایت ہے، اور وہ آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہے، حضرت خالد نے اجازت دی، تو حاکم روماس کی بیوی نے بواسطۂ مترجم رومی زبان میں اپنی عرض داشت کہی، جس کا علامہ واقدی نے اپنی تصنیف میں ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

"اس نے بواسطۂ ترجمان کے بیان کیا کہ حال میرا یہ ہے کہ رات کو میں نے بحالت

خواب ایک شخص نہایت خوبصورت کو مثل ماہ شب چاردہ کے دیکھا کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ شہر بصرہ اور تمام ملک شام و عراق اسی گروہ عرب کے ہاتھ سے فتح ہوگیا، میں نے ان شخص سے پوچھا کہ آپ کون ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ ہوں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پھر مجھ کو بجانب اسلام دعوت فرمائی اور میں نے اسلام قبول کیا۔ پھر مجھ کو آپ نے دو سورتیں قرآن مجید کی سکھائیں، پس خالد بن الولید نے یہ کلام اس کا سن کر تعجب کیا، اور بواسطۂ ترجمان کے اس سے کہا کہ وہ دو سورتیں پڑھے،، پس اس نے سورہ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد پڑھ کر سنائی اور خالد بن الولید کے ہاتھ پر اپنے اسلام کو تازہ کیا اور اپنے شوہر روماس سے کہا کہ یا تو میرا دین قبول کر یا مجھ کو چھوڑ دے۔ پس خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کلام اس کا سن کر ہنسے اور کہا "سبحا من وفقھما" (پاک ہے وہ ذات جس نے دونوں کو توفیق بخشی) پھر بواسطۂ ترجمان کے اس عورت سے کہا کہ تیرا شوہر تجھ سے پہلے مسلمان ہو چکا ہے۔ یہ سن کر وہ عورت بہت خوش ہوئی۔"

قارئین کرام! مندرجہ بالا عبارت کو ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ مطالعہ فرمائیں اور اس کے ایک ایک جملہ پر غور فرمائیں، حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصرفات عالیہ اور اختیارات تامہ کی وہ شان رفیع ہے کہ دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی جس کو چاہیں دولت ایمان عطا فرمائیں۔ حاکم بصرہ روماس کی بیوی کو صرف اسلام سے ہی مشرف فرما کر فیض منتفع نہیں فرمایا، بلکہ ایمان کی دولت عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی دو جلیل الشان سورتوں کی تعلیم بھی فرمائی، یہاں تک کہ اسے یاد (حفظ) کروادیں۔ حاکم روماس کی بیوی خواب میں حضور اقدس، سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئی اور خواب ہی میں جمال جہاں آراء کے دیدار سے بہر مند ہوئی۔ حاکم روماس کی بیوی نے حضور اقدس کے جمال اقدس کا ذکر ان الفاظ میں کیا کہ "چودہویں رات کے چاند کی مانند نہایت خوبصورت" اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے مثل و مثال پیدا فرمایا اور اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں کائنات کو وجود بخشا اور انہیں کے نور کی خیرات چاند اور سورج کو ملی۔

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ　　اٹھتی ہے کس شان سے گردِ سوری واہ واہ

(از: امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی)

حاکم روماس کی زوجہ کے خواب کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ اس نے قرآن مجید کی سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص تلاوت کر کے سنا دیں۔ بے شک اللہ کے حبیب کی عنایت سے وہ دولت ایمان سے ایسی مشرف ہوئی اور ایمان اس کے دل میں ایسا راسخ ہوا کہ وہ یہ چاہتی ہے کہ میرا شوہر بھی میری طرح کفر و شرک کی غلاظت سے پاک وہ صاف ہو جائے۔ اپنے شوہر سے صرف اس لیے جھگڑتی ہے کہ وہ مذہب باطل سے منحرف ہو کر دین حق کی جانب رجوع کرے۔ لیکن اس کے شوہر کی تقدیر تو پہلے ہی سے چمک اٹھی تھی۔ حاکم روماس کی بیوی کو جب پتہ چلا کہ میرا شوہر بھی حلقۂ اسلام میں شامل ہو گیا ہے تو اس کے سرور اور مسرت کی انتہا نہ رہی گویا وہ اپنی تقدیر پر ناز کرتے ہوئے اپنے آقا و مولی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیض اتم و اکمل کی شکر گزار تھی۔

تو نے اسلام دیا تو نے جماعت میں لیا　　تو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

(از: امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی، سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب، ص ۲۴۵۔۲۴۷)

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا (سید آل حسن موہانی) کی ایک کتاب، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر ہے جس کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے۔

امروز شاہ شاہاں، مہماں شد ست مارا　　جبریل با ملائکہ درباں شد ست مارا

مولانا سید آل حسن اکثر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں مذکورہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ آخر میں تو ان کا دستور بن گیا تھا کہ سال میں ایک مرتبہ اپنے ہی گھر میں مجلس میلاد نبوی منعقد فرماتے اور اس شعر کے پہلے مصرع کو پڑھنے کے بعد بے حال ہو جاتے۔ ہچکیاں بندھ جاتیں جو گھنٹوں جاری رہتیں۔ حتی کہ پڑھنے سے مجبور ہو جاتے اور بالآخر کسی دوسرے شخص کو پڑھنا پڑتا۔ (کنز الایمان دہلی، اگست، ۲۰۰۷ء ص ۲۱، مضمون، یٰسین اختر مصباحی)

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ابن سعد کے مطابق حضرت زبیر بن العوام نے حضرت ابوبکر کے چار دن بعد سولہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، قبول اسلام کے بعد دینِ حق کی خاطر ہر قسم کے مصائب و شدائد بڑی ثابت قدمی اور خندہ پیشانی سے برداشت کیے، ان کا چچا انہیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر ناک اور آنکھوں میں دھواں دیا کرتا تھا، مگر اسلام کا نشہ اور لذت ان تلخیوں سے کہاں اتر سکتا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے موقعہ پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کون ہے جو لشکر کے بارے میں معلومات فراہم کرے؟ زبیر نے کہا آقا! میں حاضر ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان لکل نبی حواریاو حواری الزبیر۔ "ہر نبی کا حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے۔"

حواری مخلص اور بے غرض ساتھی کو کہا جاتا ہے۔ بقول ابن سعد حواری اس ساتھی کو کہا جاتا ہے جو مدد کرنے میں مبالغہ کرنے والا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے یہ الفاظ حضور علیہ السلام کے مقدس لبوں سے سنے۔ طلحة والزبیر جاری فی الجنة۔ "طلحہ اور زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے۔" (شرح سلام رضا ص ۵۰۷)

حضرت زبیر بن العوام کا جذبۂ شہادت

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شہادت کے بڑے متمنی اور دلدادہ تھے۔ موت کی صورت میں راہ خدا میں اپنا سب کچھ لٹا دینے والے تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے: طلحہ بن عبید اللہ اپنے بیٹوں کے نام انبیاء کے ناموں پر رکھتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اور میں اپنے بیٹوں کے نام شہداء کے ناموں پر رکھتا ہوں اس لیے کہ شاید انہیں مقام شہادت مل جائے۔"

انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کا نام شہید صحابی حضرت عبداللہ بن جحش کے نام پر رکھا۔ دوسرے بیٹے منذر کا نام شہید صحابی حضرت منذر بن عمرو، تیسرے بیٹے عروہ کا نام شہید صحابی عروہ بن عمرو، چوتھے بیٹے حمزہ کا نام جلیل القدر شہید صحابی حضرت حمزہ بن عبد المطلب، پانچویں بیٹے جعفر کا نام شہید کبیر حضرت جعفر بن ابی طالب، چھٹے بیٹے مصعب کا نام شہید صحابی حضرت مصعب بن عمیر اور ساتویں بیٹے خالد کا نام شہید صحابی حضرت خالد بن سعید کے نام پر رکھا۔ اس طرح وہ اپنے بیٹوں کے نام شہداء کے ناموں پر اس امید سے رکھتے تھے کہ ہوسکتا ہے جب ان کی موت آئے تو وہ شہدا میں سے ہوں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا بھی بہرہ وافر ملا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان الفاظ میں داد تحسین دیتے تھے کہ:

اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیًّا، وَحَوَارِیِّ اَلزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَامِ۔

”ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر بن عوام ہے۔“ (نقوش صحابہ، ص ۳۵۳)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت زبیر کی والہانہ شیفتگی

رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زبیر کی والہانہ شیفتگی کا عجیب عالم تھا۔ بعثت کے ابتدائی زمانے میں ایک دن جب یہ افواہ سنی کہ حضور کو نصیب دشمناں مشرکین نے گرفتار کرلیا ہے یا شہید کر دیا ہے تو ایسے بے قرار ہوئے کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ تلوار سونت کر برق رفتاری سے آستانہ نبوی پر پہنچے۔ حضور کو وہاں بہ خیریت موجود پایا تو جان میں جان آئی اور چہرہ فرطِ بشاشت سے گلنار ہوگیا۔ حضور نے ان کی شمشیر برہنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”زبیر یہ کیا ہے؟“

عرض کیا: ”یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو، میں نے سنا تھا، آپ کو دشموں نے گرفتار کرلیا ہے یا شاید آپ شہید کر دیے گئے ہیں۔“

حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ”اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟“

حضرت زبیر نے بے ساختہ عرض کیا: ”یارسول اللہ! خدا کی قسم میں اہلِ مکہ سے لڑ مرتا۔“

(تذکار صحابیات، ص ۱۳۹)

حضرت زہری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت زہری رضی اللہ عنہ بڑے باخلاق اور مجلسی زندگی رکھنے والے تھے۔ مگر جب ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ ایسے ہو جاتے گویا ان کو نہ تم جانتے ہو اور نہ وہ تم کو جانتے ہیں۔ (عرفان رضا در مدح مصطفےٰ، ج ۲، ص ۱۵۸)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

مروی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عکاظ کے بازار سے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے خریدا گیا، بی بی صاحبہ نے ہبہ کے طور پر زید کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دی۔ اس کے بعد حضرت زید کا والد حاضر ہوا اور سرور دو عالم ﷺ سے اس کے خریدنے کی استدعا کی، آپ نے فرمایا "اگر زید واپس جانے پر راضی ہو تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔" حضرت زید سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ محبوب خدا ﷺ کی خدمت میں غلامی کے ساتھ رہنا مجھے والد کے ہاں آزادی سے زیادہ محبوب ہے۔ اس لیے کہ مجھ سے آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی برداشت نہیں ہو سکتی۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب زید کو ہمارے ساتھ اتنی محبت والفت ہے تو ہم بھی انہیں غلام رکھنا نہیں چاہتے۔" یہ فرما کر انہیں آزاد کر کے ان کا نکاح پہلے بی بی ام ایمن سے کر دیا، پھر ان کا نکاح بی بی زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا:

گدائے در جاناں بسلطنت مفروش — کسے ز سایہ ایں در بآفتاب رود

ترجمہ: محبوب کے در کی گدائی کو سلطنت لے کر نہ بیچ اسی دروازے سے ہی آفتاب کا گزر ہوگا۔ (روح البیان، ج ۵۔ ص ۳۱۲)

سیرت کی کتابوں میں مفصل واقعہ

سیرت کی کتابوں میں واقعہ کی تفصیل یوں درج ہے کہ: غارت گر قبیلے نے بنی معن پر

غلبہ پالیا اور اس کے قیدیوں کو لے جا کر بازار عکاظ میں فروخت کر دیا، یہ بچہ زید، حکیم بن حزام کے ہاتھ لگ گیا اور انہوں نے اسے اپنی پھوپھی جناب خدیجہ کو ہدیہ دینے کے لیے چار سو درہم میں خرید لیا۔

حضرت خدیجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے بعد اپنا خادم زید آپ کو ہبہ کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوشی اسے قبول کیا اور اسی وقت آزاد کر دیا اور اس کے اوپر اپنے عظیم نفس اور کبیر دل سے پوری محبت و شفقت فرمائی، اس کا خیال رکھا اور اس کی بہترین نگرانی کی۔

ایک بار حج کے موقع پر زید کو مکہ میں اپنے باپ حارثہ کے گاؤں کا ایک وفد ملا، انہوں نے آپ کے والدین کی تکلیف کے بارے میں آپ کو بتایا۔ آپ نے والدین کو سلام و آداب بھیجے اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا:

"میرے باپ کو بتانا کہ میں یہاں ایک بہترین باپ کے پاس ہوں۔"

باپ کو بیٹے کے ٹھکانے کی خبر ہونے کی دیر تھی کہ وہ اسی وقت عازم سفر ہو گئے۔ ساتھ ان کا بھائی بھی تھا۔ مکہ میں داخل ہوئے تو "امانندار محمد" کے بارے میں پوچھتے پچھاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ جب آپ سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے:

"اے عبد المطلب کے سپوت! اے اپنی قوم کے سردار! تم اہل حرم ہو، تم غلاموں کو آزاد کر دیتے ہو اور قیدیوں کو کھلاتے پلاتے ہو۔ ہم تمہارے پاس اپنے بیٹے کے سلسلے میں آئے ہیں، ہم پر احسان کرو اور مناسب فدیہ لے کر اسے چھوڑ دو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ حضرت زید کے تعلق سے باخبر تھے لیکن ان کے باپ کے حق کا اندازہ بھی کر رہے تھے۔ آپ نے حارثہ سے فرمایا:

اُدْعُوْهُ لَكُمْ فَخَيِّرُوْهُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ، فَاِنِ اخْتَارَكُمْ فَهُوَ لَكُمْ بِغَيْرِ فِدَاءٍ، وَاِنِ اخْتَارَنِيْ فَمَا اَنَا وَاللّٰهِ بِالَّذِيْ يَرْغَبُ عَمَّنْ يَخْتَارُهُ !!

میں زید کو تمہارے سامنے بلائے دیتا ہوں تم اسے میرے اور اپنے درمیان (پسند کرنے کا) اختیار دو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو چلا جائے، میں کسی فدیہ کے بغیر تمہیں

دے دوں گا۔

اور اگر مجھے ترجیح دے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ اس شخص سے منہ پھیروں جو مجھے پسند کرے!!"

یہ سن کر حارثہ کا چہرہ چمک اٹھا کیونکہ اسے اس قدر دریا دلی کا اندازہ نہیں تھا۔ کہنے لگا:

"تم نے انصاف کیا ہے بلکہ ہم سے تو انصاف سے بڑھ کر معاملہ کیا ہے۔"

اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو بلایا، زید آئے تو آپ نے پوچھا:

هَلْ تَعْرِفُ هٰؤُلَاءِ ؟ "کیا تم ان آدمیوں کو جانتے ہو؟"

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: "ہاں! یہ میرے باپ اور چچا ہیں۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات حضرت زید کے سامنے رکھی جو حارث سے کہہ چکے تھے تو زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: 'میں تو آپ کو چھوڑ کر کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا، آپ ہی میرے باپ ہیں اور آپ ہی میرے چچا ہیں!"

حضرت زید کے والد حارثہ نے یہ سنا تو بولے: زید ہلاک ہو جاؤ، کیا تم اپنے باپ اور چچا کے مقابلے میں غلامی کو پسند کر رہے ہو؟

حضرت زید نے جواب دیا: میں نے اس شخص میں کچھ اور ہی دیکھا ہے، میں کبھی بھی اس سے جدا نہیں ہو سکتا!

حضرت زید کا یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ پھر آپ نے حضرت زید کا ہاتھ پکڑا اور انہیں صحن کعبہ میں لے گئے جہاں قریش جمع تھے۔ آپ نے اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

اِشْهَدُوْا اَنَّ زَيْدًا اِبْنِيْ، يَرِثُنِيْ وَاَرِثُهٗ.

لوگو! گواہ رہو کہ زید میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔

حارثہ کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اس کا بیٹا محض آزاد ہی نہیں ہوا تھا بلکہ ایک آدمی کا بیٹا بن گیا تھا جس کو قریش نے نسل بنی ہاشم کا "صادق و امین" اور پورے مکہ کی "قابل احترام شخصیت" قرار دے رکھا تھا۔

باپ اور چچا واپس اپنی قوم میں چلے جاتے ہیں۔ وہ اپنے اس بیٹے کے بارے میں ذرا پریشان نہیں ہوتے، جس کو وہ مکہ میں ایک سردار کی حیثیت سے چھوڑ کر جا رہے تھے۔ یعنی محفوظ و مامون! حالانکہ ایک وقت وہ تھا جب باپ کو معلوم نہیں تھا کہ "اسے زمین نے نگل لیا ہے یا پہاڑ اسے کھا گیا ہے۔"

جس طرح حضرت زید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی اور اپنے باپ اور چچا پر آپ کو ترجیح دی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح حضرت زید سے پیار کرتے تھے۔ حتی کہ اپنے اہل خانہ اور بچوں کے ساتھ ان کو گھلا ملا لیا تھا۔ جب حضرت زید غائب ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی واپسی کا شوق رہتا اور جب آپ واپس آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جاتے اور ایسے انداز میں ملتے جو کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔

حضرت عائشہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت زید سے ملاقات کے موقع پر دیدنی خوشی کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتی ہیں: "ایک بار زید بن حارثہ سفر سے مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے زید نے دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ننگے ہی اپنے کپڑے گھسیٹتے ہوئے دروازے کی طرف چل پڑے۔ اس وقت آپ صرف ایک تہبند باندھے ہوئے تھے۔ دروازے پر جا کر زید سے بغل گیر ہو گئے اور اس کو چومنے لگے۔ واللہ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ اس سے پہلے ننگے دیکھا اور نہ اس کے بعد۔"

حضرت زید سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیار اور محبت کا چرچا مسلمانوں میں ہو گیا اور انہوں نے حضرت زید کو زَیْدُ الْحِبُّ (محبوب زید) اور حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب) کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے بے پناہ محبت کی اور آپ تھے بھی اسی محبت کے حق، آپ کی وفاداری کی کوئی نظیر نہیں اور روح کا کوئی ثانی نہیں، زبان و دل اور ہاتھ کی عفت و عصمت کی کوئی مثال نہیں۔ ان تمام خصائص سے بڑی خصوصیت تو آپ کا "زید بن حارثہ" "زید الحب" ہونا ہے۔ جس سے اصحاب رسول آپ کو پکارتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی زید بن حارثہ کو کسی لشکر کے ساتھ بھیجا تو انہیں اس لشکر کا امیر بنایا۔ اگر وہ زندہ رہتے تو آپ اپنے بعد بھی ان کو امیر بنانے کی وصیت کر جاتے۔"

جنگ موتہ کی ترتیب وتہذیب حضور نے یوں فرمائی تھی۔

جنگ میں قیادت وامارت کی ترتیب کے لحاظ سے تین آدمی یہ ہیں:

(۱) حضرت زید بن حارثہ

(۲) حضرت جعفر بن ابی طالب

(۳) حضرت عبداللہ بن رواحہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لشکر کو الوداع کرتے ہوئے اپنا فیصلہ کن حکم سنا رہے ہیں کہ:

عَلَيْكُمْ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ .... فَاِنْ اُصِيْبَ زَيْدٌ، فَجَعْفَرُ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ...... فَاِنْ اُصِيْبَ جَعْفَرُ، فَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ۔

"تم پر زید بن حارثہ امیر ہیں، اگر یہ کام آ جائیں تو پھر جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔"

حضرت جعفر بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور ابو طالب کے چہیتے بیٹے تھے اور ان کی شجاعت و دلیری اور حسب ونسب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حضرت زید کے بعد دوسرے نمبر پر رکھتے ہیں اور حضرت زید کو لشکر کا امیر بناتے ہیں۔

اس موقع پر جب آپ نے امرائے لشکر کو مذکورہ ترتیب سے بیان کیا تو یوں لگ رہا تھا گویا آپ نے درپیش معرکہ کے نتائج کو پڑھ لیا اور یہی ہوا کہ تینوں شہسوار اسی ترتیب سے اپنے رب سے جا ملے۔!

حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنے آس پاس اہلِ بلقا کے نیزوں کو دیکھتے ہیں نہ لشکر روم کی تلواروں کی طرف نگاہ کرتے ہیں بلکہ آپ تو جنت کی پوشاکوں اور سبز ریشم کو دیکھ رہے ہیں جو آپ کی آنکھوں کے سامنے جھنڈوں کی مانند لہرا رہے تھے اور آپ کو یہ خوشخبری سنا رہے تھے کہ آج کا دن تمہاری شادی کا دن ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ مارتے اور قتل کرتے جارہے تھے۔ آپ محض اپنے دشمنوں کے سروں کو تن سے جدا نہیں کر رہے تھے بلکہ ان دروازوں کو وا کر رہے تھے اور ان قفلوں کو کھول رہے تھے جو آپ کے اور اس وسیع وعریض دروازے کے درمیان حائل تھے جس سے گزر کر آپ عنقریب امن وسلامتی کے مرکز ہمیشگی کی جنتوں اور اللہ کی ہمسائیگی میں جانے والے تھے۔

اسی دوران حضرت زید اپنے انجام سے ہمکنار ہو گئے اور آپ کی روح جبکہ آپ جنت کے سفر پر تھے اپنے اس جسم کو دیکھ کر خوشی خوشی مسکرا رہی تھی جس کو نرم وملائم ریشم نے نہیں ڈھانپ رکھا تھا بلکہ راہ خدا میں بہنے والے پاکیزہ لہو نے معطر کر رکھا تھا۔

روح کی پرسکون ومطمئن مسکراہٹیں اس وقت ایک بار پھر وسیع ہوتی ہیں جب وہ دوسرے امیر لشکر ''حضرت جعفر'' کو دیکھتی ہیں کہ وہ تیر کی سی تیزی سے آگے بڑھتے ہیں تاکہ علم جہاد سنبھال لیں اور اسے زمین بوس ہونے سے پہلے پہلے کھڑا کر دیں! اللہ اکبر

رسول اللہ کو اپنے مقرر کردہ تینوں کمانڈروں کی شہادت کی خبر ملی تو آپ کو اس کا شدید صدمہ ہوا۔ آپ باری باری ان سب کے گھروں میں تعزیت کے لیے تشریف لے گئے جب حضرت زید بن حارثہ کے گھر میں پہنچے تو ان کی ننھی سی بیٹی روتی ہوئی آپ سے لپٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر رو پڑے۔ یہاں تک کہ آپ کے رونے کی آواز سنائی دی۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟

آپ نے جواب دیا:

هٰذَا بُكَاءُ الْحَبِيْبِ عَلٰى حَبِيْبِهٖ۔

''یہ ایک محبوب کا اپنے محبوب کے غم میں رونا ہے۔'' (نقوش صحابہ، ص ۵۵۵۔۵۶۲)

حضرت زید بن سُعنہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب اللہ عزوجل نے حضرت زید بن سعنہ کو ہدایت سے نوازنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت زید بن سعنہ نے اپنے دل میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی میں نے نبوت کی تمام نشانیوں کو حضور کے

چہرے میں پالیا تھا لیکن دو نشانیاں ایسی ہیں جن کو میں نے آپ میں ابھی تک آزمایا نہیں ہے، ایک تو یہ کہ نبی کی بُردباری اس کے جلد غصہ میں آجانے پر غالب ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ نبی کے ساتھ جتنا زیادہ نادانی کا معاملہ کیا جائے گا اس کی بُردباری اتنی بڑھتی جائے گی۔ چنانچہ ایک دن آپ حجروں سے باہر تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ کے پاس ایک آدمی اونٹنی پر سوار ہوکر آیا جو بظاہر بدّو معلوم ہوتا تھا، اس نے کہا یارسول اللہ! فلاں قبیلہ کی بستی میں میرے چند ساتھی مسلمان ہو چکے ہیں، میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر وہ اسلام قبول کریں گے، تو ان پر رزق کی بڑی وسعت ہو جائے گی۔ لیکن اب وہاں قحط سالی آگئی، اور بارش بالکل نہیں ہو رہی ہے، یارسول اللہ! مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ جیسے وہ لالچ میں آکر اسلام میں داخل ہوئے، اسی طرح لالچ میں آکر کہیں وہ اسلام سے نکل نہ جائیں، اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کی مدد کے لیے کچھ بھیج دیں، آپ کے پہلو میں جو آدمی تھا آپ نے اس کی طرف دیکھا میرا خیال ہے کہ وہ حضرت علی تھے تو اس آدمی نے کہا یارسول اللہ! اس مال میں سے تو کچھ نہیں بچا، حضرت زید بن سعنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے قریب جا کر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ چاہیں تو پیسے آپ کو ابھی دے دیتا ہوں، اور اس کے بدلا میں آپ فلاں قبیلہ کے باغ کی اتنی کھجوریں مجھے فلاں وقت تک دے دیں، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن کسی کے باغ کو معین مت کرو، میں نے کہا چلو ٹھیک ہے چنانچہ آپ نے مجھ سے یہ سودا کرلیا۔ میں نے اپنی کمر سے ہمیانی کھولی اور ان کھجوروں کے بدلا میں آپ کو اَسّی مثقال سونا دے دیا۔ آپ نے وہ سارا سونا اس آدمی کو دیدی اور اس سے فرمایا لو یہ ان کی امداد کے لیے لے جاؤ، اور ان میں برابر تقسیم کر دینا۔ حضرت زید بن سعنہ فرماتے ہیں کہ مقررہ میعاد میں ابھی دو تین دن باقی تھے کہ حضور باہر تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان اور چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے۔ جب آپ نماز جنازہ پڑھا چکے اور ایک دیوار کے قریب بیٹھنے کے لیے تشریف لے گئے تو میں نے آگے بڑھ کر آپ کا گریبان پکڑ لیا اور غصہ والے چہرے سے میں نے آپ کی طرف دیکھا اور میں نے آپ سے کہا او محمد! (صلی

للہ علیہ وسلم) آپ میرا حق کیوں ادا نہیں کرتے ہیں؟

اللہ کی قسم! تم اولادِ عبدالمطلب نے تو ٹال مٹول کرنا ہی سیکھا ہے۔ اور اب ساتھ رہ کر بھی یہی نظر آیا ہے، اتنے میں میری نظر حضرت عمر پر پڑی تو غصہ کے مارے ان کی دونوں آنکھیں گول آسمان کی طرح گھوم رہی تھیں، انہوں نے مجھے گھور کر دیکھا اور کہا اے اللہ کے دشمن! تو اللہ کے رسول کو وہ باتیں کہہ رہا ہے جو میں سن رہا ہوں، اگر آپ کی مجلس کے ادب کا لحاظ نہ ہوتا تو ابھی اپنی تلوار سے تیری گردن اڑا دیتا۔ اور حضور مجھے بڑے سکون اور اطمینان سے دیکھ رہے تھے، آپ نے فرمایا ''اے عمر! مجھے اور اسے کسی اور چیز کی ضرورت تھی، مجھے تو تم اچھی طرح اور جلدی ادا کرنے کو کہتے، اور اسے ذرا سلیقہ سے مطالبہ کرنے کو کہتے اے عمر! انہیں لے جاؤ اور جتنا ان کا حق بنتا ہے وہ بھی ان کو دو اور جو تم نے ان کو دھمکایا ہے اس بدلے میں ان کو بیس صاع کھجور اور دو۔'' حضرت زید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر مجھے لے گئے اور جتنی میری کھجوریں تھیں وہ بھی مجھے دیں اور بیس صاع کھجوریں مزید دیں۔ میں نے کہا یہ زیادہ کھجوریں کیوں دے رہے ہو؟ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں نے جو تم کو دھمکایا ہے اس کے بدلے میں تم کو مزید کھجوریں بھی دوں، میں نے کہا اے عمر! کیا تم مجھ کو جانتے ہو؟ حضرت عمر نے کہا نہیں، میں نے کہا زید بن سعنہ ہوں۔ حضرت عمر نے کہا وہ یہودیوں کے بڑے عالم؟ میں نے کہا ہاں وہی، تو حضرت عمر نے کہا (اتنے بڑے عالم ہو کر) تم نے اللہ کے رسول کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا ؟ اور ان کو ایسی باتیں کیوں کہیں؟ میں نے کہا اے عمر! حضور کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی میں نے نبوت کی تمام نشانیوں کو حضور کے چہرہ میں پا لیا تھا، لیکن دو نشانیاں ایسی تھیں جن کو میں نے آپ میں ابھی تک آزمایا نہیں تھا، ایک یہ کہ نبی کی بُردباری اس کے جلد غصہ میں آجانے پر غالب ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ نبی کے ساتھ جتنا نادانی کا معاملہ کیا جائے گا اس کی بردباری اتنی بڑھتی جائے گی۔ اور اب میں نے ان کی دونوں باتوں کو بھی آزما لیا ہے، اے عمر! میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ کے رب ہونے پر، اور اسلام کے دین ہونے پر، اور محمد کے نبی ہونے پر دل سے راضی ہوں۔ اور اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میرا آدھا مال

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت کے لیے وقف ہے۔ اور میں مدینہ میں سب سے زیادہ مالدا رہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا ساری امت کے بجائے بعض امت کہو۔ کیونکہ تم ساری امت کو دینے کی گنجائش نہیں رکھتے ہو، میں نے کہا اچھا بعض امت کے لیے وقف ہے، وہاں سے حضرت عمر اور حضرت زید حضور کی خدمت میں واپس گئے اور حضرت زید نے پہنچتے ہی کہا:

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔ اور حضور پر ایمان لے آئے اور آپ کی تصدیق کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضور کے ساتھ بہت سے غزوات میں شریک رہے اور غزوۂ تبوک میں واپس آتے ہوئے نہیں بلکہ آگے بڑھتے ہوئے انہوں نے وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ حضرت زید پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

(حیاۃ الصحابہ، ج ا ص ۱۸۹، الہیثمی، ج ۸۔ ص ۲۴۰)

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کی والہانہ محبت بھی تاریخ کے سینے میں ایک تابناک حیثیت رکھتی ہے، جب شہید کرنے کے لیے ان کو حدود حرم سے باہر نکالا گیا اور وہ مقتل میں پہنچے۔ تو ابوسفیان ابن حرب نے کہا، زید اس وقت تو تمہارے دل میں یہ خواہش کروٹ لے رہی ہوگی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری جگہ ہوتے، ان کی گردن زدنی ہوتی اور تم اپنے اہل وعیال میں مصروف عیش ہوتے۔ محبت رسول کا متوالا تڑپ اٹھا، حضرت زید مضطرب ہوگئے، ارشاد فرمایا ابوسفیان اپنے پیشواؤں سے متعلق تمہارا یہ طریقہ فکر ہوسکتا ہے، مگر میں یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ رسول کسی ایسی جگہ تشریف رکھیں جہاں آپ کے پائے مبارک میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے اور میں اپنے خاندان میں آرام پذیر رہوں۔ قسم ہے خدائے ذوالجلال کی! ہمیں سر کٹا دینا محبوب ہے مگر یہ گوارہ نہیں کہ آقا کے قدم میں ایک کانٹا بھی چبھے، اس ناقابل تردید حقیقت کو دیکھ کر ابوسفیان نے بھی بے ساختہ کہہ دیا، اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس انداز کی محبت، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہیں ہم نے کسی کو بھی کسی سے بایں انداز محبت کرتے نہیں دیکھا۔ (عقائد اہل سنت، ص ۱۹۲، شفا شریف)

حضرت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

عامر بن ربیعہ عدوی سے روایت ہے کہ زید بن عمر بن نفیل سے میری مکہ سے باہر ملاقات ہوئی وہ غار حرا میں نماز پڑھنے جارہے تھے۔ اس وقت ان کی اپنی قوم سے مخالفت کھل کر سامنے آ گئی تھی، کیونکہ وہ ان کے بتوں اور بت پرستی سے سخت بیزار تھے زید بن عمرو کہنے لگے اے عامر! مجھے اپنی قوم سے سخت مخالفت ہے میں ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہما السلام کے دین پر کاربند ہوں انہی کی طرح اس قبلہ کو رخ کر کے نماز پرھتا ہوں۔

فَاَنَا اَنْتَظِرُ نَبِيًّا مِّنْ وُّلْدِ اِسْمَاعِيْلَ مِنْ بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ۔

میں اس نبی کا منتظر ہوں جو اولاد اسماعیل علیہ السلام میں نبی عبد المطلب سے ظاہر ہوگا اور نام نامی اسم سامی ''احمد'' ہوگا۔

اے عامر! میں ان کا زمانہ نہ پاسکوں گا مگر میں ان پر ایمان لاتا ہوں ان کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کی نبوت پر گواہی دیتا ہوں اگر تم سے زندگی وفا کرے اور تم اس رسول کو دیکھو تو انہیں میرا اسلام عرض کر دینا۔

اے عامر! میں تمہیں اس رسول کا حلیہ مبارکہ بتلا دیتا ہوں تاکہ تم پر بات مخفی نہ رہے میں نے کہا فرمایئے، تو وہ کہنے لگے۔ وہ زیادہ پست قامت ہوں گے نہ زیادہ دراز قد۔ بال زیادہ گھنے ہوں گے نہ زیادہ کم، ان کی آنکھوں میں ہمیشہ سرخی رہا کرے گی۔ دونوں کندھوں کے مابین مہر نبوت ہوگی۔ نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا، اسی شہر مکہ میں ان کی ولادت اور بعثت ہوگی۔ پھر ان کی قوم انہیں یہاں سے نکال دے گی، کیونکہ وہ ان کے دین کو نہ مانیں گے، یوں وہ یثرب کو ہجرت کر جائیں گے، وہاں ان کا دین خوب پھیلے گا۔ اے عامر! ان سے دھوکہ مت کرنا، کیونکہ میں دین ابراہیمی کی تلاش میں ہر ملک میں گیا ہوں، اور جس بھی یہودی، عیسائی یا مجوسی سے سوال کیا اس نے مجھے یہ جواب دیا کہ یہی دین تمہارے بعد آنے والا ہے اور اس رسول کی وہی صفات سب نے بیان کیں جو میں نے تمہیں بتلائی ہیں اور سب کا یہ کہنا تھا کہ اس کے علاوہ کوئی نبی باقی نہیں رہ گیا۔

عامر کہتے ہیں اس دن سے میرے دل میں اسلام کی عظمت بیٹھ گئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا میں اس وقت اپنی قوم میں ذمہ دار شخص سمجھا جاتا تھا ہماری قوم تعداد میں قریش سے کہیں کم تھی، اس لیے میں کھل کر آپ کے ساتھ شامل نہ ہو سکا۔ البتہ دل میں اسلام لے آیا۔ بعد ازاں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زید بن عمرو بن نفیل کا پیغام پہنچایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیئے دعاے رحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا ''میں نے اسے جنت میں دیکھا ہے کہ دامن گھسیٹتے ہوئے (خراماں خراماں) چل رہا ہے۔
(دلائل النبوۃ ص ۹۹)

حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ثابت کی صلاحیتوں کی بہت قدر فرماتے تھے۔ آپ نے انہیں کتابت کے عہدہ پر سرفراز فرمایا جس پر وہ حضور کے وصال تک فائز رہے۔ وہ نہ صرف وحی کی کتابت کرتے تھے بلکہ سلاطین اور والیانِ ملک کے جو خطوط آتے تھے، حضوی کی طرف سے ان کے جواب بھی لکھتے تھے۔

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ حضرت زید کو بارگاہ نبوی میں اس قدر تقرب حاصل تھا کہ وہ بعض اوقات حضور کے پہلو میں بیٹھ جاتے تھے اور آپ از راہِ شفقت ان کی ران پر اپنا زانوے مبارک رکھ دیتے تھے، ایک دن اسی حالت میں حضور پر وحی نازل ہوئی، حضرت زید کہتے ہیں کہ ''اس وقت حضور کا زانوئے اقدس مجھ کو اس قدر بھاری معلوم ہوا کہ میں سمجھا اب میری ران چور چور ہو جائے گی۔'' لیکن ادبِ نبوی کا اتنا پاس تھا کہ اُف تک نہ کی اور بڑے صبر وتحمل کے ساتھ بیٹھے رہے۔ (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۶۱۲)

☆☆☆

حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت سعد الاسود بہت کالے اور بدصورت تھے، اسی وجہ سے ان کی شادی نہ ہوسکی تھی۔ کوئی شخص اپنی بیٹی دینے کو تیار نہ تھا، ان کی شادی کی بڑی تمنا تھی، آخر کار انہوں نے ایک روز اللہ کے رسول سے عرض کیا کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں مگر کوئی لڑکی میری شکل کی وجہ سے شادی کرنے کو تیار نہیں ہوتی، ہمارے نبی نے ان کی شادی عمر بن وہب کی بیٹی سے کروادی، جو بہت ہی خوبصورت تھی، حضرت سعد اب تو پھولے نہ سمائے، یہ لمحہ سعد کی زندگی کا سب سے خوبصورت لمحہ تھا، اسی خوشی میں کچھ کپڑے خریدنے بازار چلے گئے دولہن سے ملنے کا شوق ان کے دل میں انگڑائیاں لے رہا تھا وہ دولہن کے لیے بھی کچھ چیزیں خریدنا چاہتے تھے تاکہ پہلی رات میں کوئی نذرانہ پیش کرسکیں، اتنے میں اللہ کے رسول کا اعلان سنا، کوئی پکارنے والا پکار رہا تھا۔

"اللہ کے شہسواروں جہاد کے لیے نکلو۔ اور جنت کی خوشخبری پاؤ، یہ اعلان سن کر سعد بڑی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ اس لیے کہ ایک طرف تو عشق رسول تھا جو پکار رہا تھا، دوسری طرف دولہن کی محبت، اس دولہن کی محبت، جس کی تمنا زندگی بھر کرتے رہے تھے، سعد گہری سوچ میں پڑ گئے کہ کروں تو کیا کروں، دولہن کے پاس جاؤں جو اس وقت سجی سنوری انتظار میں بیٹھی ہے۔ یا جہاد کے لیے نکلوں، آخر کار سعد پر عشق رسول ہی غالب آ گیا اور بازار ہی سے جنگ کے میدان کی طرف نکل پڑے۔ قربان جائیے ایسے سچے عاشق رسول پر کہ جس نے اپنی سہاگ رات عشق رسول میں قربان کردی، اور ایک لمحے کے لیے بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، میدان جنگ میں پہنچتے ہی گھوڑے سے کودے اور آستین چڑھاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے، اور شہید کر دیے گئے، اللہ کے نبی نے فرمایا کہ سعد کو فرشتوں نے غسل دیا۔ (حیات سرکار دو عالم، ص ۷۵)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب

ابوسفیان کے آنے کی خبر پائی تو صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت ابوبکر نے کچھ عرض کرنا چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا، پھر حضرت عمر بولنے لگے تو بھی اعراض فرمایا پھر حضرت سعد بن عبادہ اٹھے اور عرض کیا، یارسول اللہ! شاید! آپ ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر آپ سمندر میں گھوڑے ڈالنے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں کود جائیں اور اگر ہمیں برک الغماد تک گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم ایسا کر گزریں گے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا اور لوگ روانہ ہوئے یہاں تک کہ بدر میں پڑاؤ کیا۔

ڈاکٹر اقبال اس حقیقت کی ترجمانی یوں کرتے ہیں ۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

(صحیح مسلم کتاب الجهاد باب غزوة بدر)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے انیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں نیز اس چھ رکنی کمیٹی کے ممبر بھی تھے، جو تقرر خلیفہ کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کی تھی۔ آپ اسلام کے پہلے تیر انداز ہیں۔ جنہوں نے اللہ کی راہ میں تیر چلائے اور دشمن کا خون بہایا۔ حضور سے پہلے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، آپ کا لقب "فارس الاسلام" ہے، یعنی اسلام کا شہسوار، تمام معرکوں میں شرکت کی، احد کی جنگ میں مردانگی اور شجاعت کے جوہر دکھائے، آپ مستجاب الدعوات تھے۔آپ اس لشکر اسلام کے سپہ سالار تھے جس نے شہنشاہ ایران کو شکست دی۔ مدائن جو کسریٰ کا پایہ تخت تھا اس پر اسلام کا پرچم لہرایا۔

آپ کے ایمان لانے کا واقعہ بڑا حیرت انگیز ہے آپ کی ماں کو جب پتہ چلا کہ اسلام لے آئے ہیں، تو وہ آگ بگولہ ہوگئی، اس کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ اس کے جگر کا ٹکڑا، اس کی آنکھوں کا نور، اس کے معبودوں لات وہبل کے خلاف علم بغاوت بلند کرے،

چنانچہ اس نے تہیہ کرلیا کہ جب تک سعد اس نئے دین کو چھوڑ کر اپنے آبائی مذہب کی طرف نہیں لوٹے گا نہ وہ کھائے گی نہ پئے گی، اور نہ سایہ میں بیٹھے گی، اسی طرح بھوکی پیاسی عرب کی چلچلاتی دھوپ میں تڑپ تڑپ کر جان دے دیگی، اسے یہ یقین تھا کہ اس کا بیٹا سعد اس کی اس تکلیف کو ہرگز برداشت نہیں کر سکے گا، اور فوراً اس کی مرضی کے مطابق اس نئے مذہب کوترک کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

اِنَّهَا مَكَثَتْ يَوْمًا وَلَيْلَةً لَا تَاْكُلُ وَلَا تَشْرِبُ فَاَصْبَحَتْ وَقَدْ خَمِدَتْ ثُمَّ مَكَثَتْ يَوْمًا وَلَيْلَةً لَا تَاْكُلُ وَلَا تَشْرَبُ قَالَ سَعْدٌ فَلَمَّا رَاَيْتُ ذَالِكَ قُلْتُ لَهَا تَعْلَمِيْنَ وَاللّٰهِ يَا اُمَّهْ لَوْ كَانَ لَكِ مِائَةُ نَفْسٍ تَخْرُجُ نَفْساً نَفْساً مَا تَرَكْتُ دِيْنَ مُحَمَّدٍ فَكُلِيْ اِنْ شِئْتِ اَوْلَا تَاْكُلِيْ فَلَمَّا رَاَتْ ذٰلِكَ اَكَلَتْ۔ (ضیاء النبی، ج۲، ص۲۳۵)

''چنانچہ ایک دن اس نے نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا، جب صبح اٹھی تو ضعف ونقاہت کے آثار اس کے چہرے سے عیاں تھے، دوسرے روز پھر اس نے نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا، کمزوری میں مزید اضافہ ہوگیا، حضرت سعد فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنی ماں کی یہ ضد دیکھی تو میں نے کہا: اے ماں! بخدا تم جانتی ہو کہ اگر تیری سو جانیں بھی ہوں، اور وہ ایک ایک کر کے نکلتی جائیں تو پھر بھی میں دین مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں چھوڑوں گا، اب تمہاری مرضی کھانا کھاؤ یا نہ کھاؤ، پانی پیو یا نہ پیو۔ جب اس نے میرا یہ پختہ عزم دیکھا تو اس نے خود بخود کھانا شروع کر دیا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے حضور کی محبت

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک بار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جب سامنے آئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ میرے ماموں ہیں کوئی مجھے ایسا ماموں دکھائے۔''

آپ اسلام قبول کرنے میں پانچویں یا ساتویں فرد ہیں۔ اسلام قبول کرتے وقت ان کی عمر مبارک چودہ یا سترہ سال کی تھی، عشرہ مبشرہ اور مہاجرین اولین میں سے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے ہجرت کی، تمام غزوات میں شریک ہوئے، غزوۂ احد

میں جب عام انتشار پھیل گیا، یہ ان چودہ جاں نثار بہادروں میں سے تھے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سپر بنے ہوئے تھے۔ بہت ماہر تیر انداز تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھا اٹھا کر تیر دیتے تھے، اور فرماتے:

"ارم یاسعد فداك ابی امی، اے سعد تیر چلائے جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔

یہ محبت بھرا جملہ سوائے ان کے اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر کے کسی کے لیے کبھی نہیں فرمایا۔

ان کا خطاب فارس اسلام، فاتح ایران بھی ہے، سب سے پہلے راہ خدا میں انھوں نے تیر چلائی اور سب سے پہلے انہوں نے دشمن اسلام کو جہنم رسید کیا، حضرت فارق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایران کے فاتح لشکر کے سپہ سالار بھی تھے، کوفہ کو انہوں نے بسایا، عرصے تک کوفے کے حاکم رہے، اخیر عمر میں گوشہ نشین ہو گئے، حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جو فتنے اٹھے سب سے الگ تھلگ رہے، مدینے سے دس میل کی دوری پر عقیق میں ایک عالیشان مکان بنوایا تھا اس میں رہتے تھے، یہیں ۵۵ یا ۵۷ھ میں ستر سے زائد عمر پا کر وصال فرمایا، جنازہ مبارکہ وہاں سے اٹھا کر مدینے لایا گیا، مروان نے نماز جنازہ پڑھائی، جنت البقیع میں آسودہ ہیں، عشرہ مبشرہ میں سب کے بعد یہ واصل بحق ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی۔ اللھم سدد سھمه واجب دعوته۔ اے اللہ ان کا تیر بے خطا بنا اور ان کی دعا قبول فرما۔ (نزہۃ القاری ج ا، ص ۲۸۲)

اس کے اثر سے صحابہ کرام میں سب سے زیادہ قدر انداز تھے، اور ان کی دعا ہمیشہ قبول ہوئی، لوگ ان کی دعائے خیر کی امید کرتے اور ان کی بددعا سے ڈرتے تھے۔

حضرت عامر بن سعید رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"سعد نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو گالی دے رہا ہے تو اس کو منع کیا مگر وہ باز نہ آیا۔ سعد نے اس سے کہا اگر تم باز نہیں آتے میں تمہارے لیے بددعا کروں گا۔ آدمی نے کہا: تو تو مجھے ایسے دھمکی دے رہا ہے جیسے تو نبی ہے! سعد اٹھے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر اپنے ہاتھ بلند کر کے دعا گو ہوئے:

اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ شخص ان لوگوں کو گالیاں دے رہا ہے جن کی اچھائیاں

تیرے پاس پہنچ چکی ہیں اور تو یہ سمجھتا ہے کہ اس شخص نے ان لوگوں کو گالیاں دے کر تجھے ناراض کیا تو اسے دوسروں کے لیے عبرت ونشانی بنادے۔"

زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ ایک گھر سے ایک بدکی ہوئی اونٹنی نکلی اور لوگوں کے ہجوم میں داخل ہوگئی۔ یہ اونٹنی اس قدر منہ زور تھی کہ کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی تھی۔ لوگوں کے ہجوم میں اس طرح بھاگ رہی تھی گویا کوئی چیز تلاش کر رہی ہے۔ پھر آدمی کو گھور کر دیکھا اور اپنی ٹانگوں میں دبوچ لیا۔ اونٹنی اسی حالت میں اس کو مسلتی رہی یہاں تک کہ آدمی مر گیا۔

(نقوش صحابہ، ص ۱۴۴)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ہجرت مدینہ کے بعد غزوۂ بدر کا موقع آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مہاجرین وانصار صحابہ کو اس معاملے میں مشورے کے لیے جمع کیا۔ مہاجرین سے گفت وشنید کے بعد روئے مبارک انصار کی طرف پھیر کر فرمایا:

اَشِیْرُوْا عَلَیَّ اَیُّھَا النَّاسِ. "لوگو! تم مجھے مشورہ دو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو سنکر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مینار کی مانند بلند ہوتے ہیں اور کھڑے ہوکر پر جوش لہجے میں گویا ہوتے ہیں:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ پر ایمان لا چکے، آپ کی تصدیق کر چکے اور جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں اس کے حق ہونے کی گواہی دے چکے ہیں اور اس پر ہم آپ کو عہد وپیمان بھی دے چکے ہیں۔

لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جو چاہتے ہیں کیجیے ہم آپ کے ساتھ ہیں!

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اگر آپ ہمیں اس سمندر پر لے جا کر خود اس میں کود پڑیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں چھلانگ لگا دیں گے۔ ہم میں سے ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہمیں اس بات پر کوئی ناگواری نہیں کہ آپ کل ہمیں ہمارے دشمن سے لڑادیں۔

ہم جنگ میں صبر کرنے والے اور مقابلے میں لڑ مر جانے والے ہیں۔ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ایسے جواہر اور کارنامے دکھادے جو آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔

اللہ کے بابرکت نام پر ہمیں لے کر چل پڑیے۔"

حضرت سعد کے یہ الفاظ خوشخبریوں کی مانند نمودار ہوئے اور چہرۂ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مسرت وشادمانی اور سعادت ورضامندی سے چمک اٹھا۔ آپ نے مسلمانوں سے فرمایا:

سِيْرُوْا وَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ وَعَدَنِىْ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ، وَاللّٰهِ! لَكَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى مَصَارِعِ الْقَوْمِ۔

"چل پڑو اور خوش ہو جاؤ اللہ نے دو میں سے ایک گروہ کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور اللہ کی قسم... گویا میں تو قوم کی جائے قتل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

پھر چند دنوں کے بعد مدینہ کا خوفناک محاصرہ ہو گیا اور دشمن کی طرف سے کیے جانے والے محاصرے سے بڑا ایک محاصرہ مدینہ نے اپنے گرد خود قائم کر لیا جو اس خندق کی صورت میں تھا جو بچاؤ اور ڈھال کے نقطہ نظر سے کھودی گئی تھی۔ مسلمانوں نے جنگی لباس پہن لیا اور جناب سعد بن معاذ بھی تلوار و نیزہ اٹھائے یہ شعر پڑھتے ہوئے نکل آئے کہ:

لَبِثْ قَلِيْلًا يَشْهَدِ الْهَيْجَا جَمَلُ
مَا اَجْمَلَ الْمَوْتِ اِذَاحَانَ الْاَجَلُ

"ذرا ٹھہریے سواری کو میدان وغا میں پہنچ لینے دو! جب موت کا وقت آجاتا ہے تو موت کس قدر خوبصورت دکھائی دیتی ہے۔

حضرت سعد نے جو زرہ پہن رکھی تھی وہ پوری نہیں تھی۔ آپ کا ایک بازو زرہ سے باہر تھا دشمن نے تاک کر تیر مارا، تیر آپ کے بازو پر لگا اور شریان سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ خون بہنا بند نہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مسجد نبوی میں منتقل کرنے کا حکم دیا کہ وہاں خیمہ لگا دیا جائے تاکہ آپ کی نگرانی اور قربت میں آپ کا علاج ہوتا رہے۔

مسلمانوں نے اپنے اس عظیم سپوت کو اٹھایا اور مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں لے

آئے۔آپ نے علالت کے دوران ایک روز آسمان کی طرف نگاہ کر کے دعا کی:

''یااللہ اگر قریش کے ساتھ کوئی لڑائی باقی ہے تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھ! مجھے اس قوم کے ساتھ جہاد سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں جس نے تیرے رسول کو تکلیف پہنچائی ہو،اس کو جھٹلایا ہو اور اس کے گھر سے نکال دیا ہو۔

اور اے اللہ اگر تو نے ان کے اور ہمارے درمیان فیصلہ کن جنگ برپا کر دی ہے تو پھر آج کے روز مجھے پہنچنے والے اس زخم کو میرے لیے ذریعہ شہادت بنا دے اور اس وقت تک مجھے موت نہ آئے جب تک بنو قریظہ کے بارے میں میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد کی دعا قبول کر لی اور ایک ماہ بعد آپ کا یہ زخم آپ کی شہادت کا ذریعہ بن گیا۔اور شہادت سے سرفراز ہونے سے پہلے بنو قریظہ کے بارے میں بھی آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

جب قریش مدینہ کو زیر کرنے سے مایوس ہو گئے۔اور اس کے لشکر کی صفوں میں ابتری پھیل گئی تو سب نے اپنا اپنا اسلحہ و سامان اٹھایا اور ناکام و نامراد ہو کر مکہ کی طرف چل دیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ بنو قریظہ کے یہود اپنی معاہدہ شکنی کے باعث اب جب چاہیں گے اہل مدینہ کے خلاف غدارانہ کردار ادا کریں گے اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ اہل مدینہ اس کی کیسے اجازت دے سکتے ہیں۔

آپ نے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا۔مسلمانوں نے پچیس روز تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔جب دشمن نے دیکھا کہ مسلمانوں سے نجات کی کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تو ہتھیار پھینک دیے اور خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے اس لیے اوس کے لوگ ان کی سفارش کے لیے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نرمی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے بارے میں آپ ہی کا ایک آدمی فیصلہ کرے؟ کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: تو یہ معاملہ سعد بن معاذ کے حوالے ہے۔اوس کے لوگوں نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ نے حضرت سعد بن معاذ کو بلا بھیجا، آپ کو ایک گدھے پر سوار کر

کے لایا گیا۔ جب قریب پہنچے تو آپ کے قبیلے نے آپ کو گھیر لیا اور بنو قریظہ سے احسان کرنے کے لیے کہنے لگے۔ حضرت سعد کوئی جواب نہیں دے رہے تھے، جب لوگوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو آپ نے کہا: اب وقت آگیا ہے کہ سعد کو اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کی پروا نہ ہو۔

پھر حضرت سعد نبی کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا: اپنے سردار کے استقبال کے لیے اٹھ کر جاؤ۔

اس وقت حضرت سعد شدید تکلیف میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا:

يَا سَعْدُ اُحْكُمْ فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ ۔

اے سعد! بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ سناؤ۔

حضرت سعد بنو قریظہ کے ان تمام غدارانہ ہتھکنڈوں کو ذہن میں لائے ہوں گے جن کی آخری کڑی وہ غزوۂ خندق تھی جس میں قریب تھا کہ اہل مدینہ کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ آپ نے فیصلہ صادر کرتے ہوئے فرمایا:

"میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے،

بچوں کو قیدی بنا لیا جائے،

اور اموال تقسیم کر لیے جائیں۔"

رسول اللہ نے فرمایا: تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

اس کے بعد آپ کا زخم روز بروز بلکہ لحہ بہ لحہ خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا تھا، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کو الوداعی لمحات میں دیکھ کر آپ نے آپ کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور گڑ گڑا کر اللہ سے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ سَعْدًا قَدْ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِكَ وَصَدَّقَ رَسُوْلَكَ وَقَضَى الَّذِيْ عَلَيْهِ، فَتَقَبَّلْ رُوْحَهٗ بِخَيْرِ مَا تَقَبَّلْتَ بِهٖ رُوْحًا۔

اے اللہ! سعد نے تیری راہ میں جہاد کیا، تیرے رسول کی تصدیق کی اور اپنے اوپر عائد

حقوق کو ادا کیا، اس کی روح کو اسی بہترین انداز میں قبول فرما جس میں تو روحوں کو قبول فرماتا ہے۔

زبان رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ حضرت سعد کے اوپر بَرد وسلام بن کر نازل ہوئے۔ آپ نے انتہائی کوشش کر کے اس امید پر اپنی آنکھیں کھولیں کہ زندگی میں یہ آنکھیں جس آخری چیز کو دیکھیں وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک ہو۔ پھر آپ نے یہ الفاظ کہے:

''السلام علیک یا رسول اللہ! میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کے چہرے پر نظر ڈالی اور فرمایا:

هَنِيْئًا لَكَ اَبَا عَمْرٍو ''ابو عمرو مبارک ہو!'' حضرت سعد بن معاذ عمر کے اکتیسویں برس اسلام لائے اور سینتیسویں برس وفات پا گئے! اس طرح حضرت سعد مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے تو بنو قریظہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مطمئن ہو چکا تھا۔ حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ ''میں حضرت سعد کی قبر کھودنے والوں میں شامل تھا۔ ہم تہہ بہ تہہ مٹی کھودتے جاتے تو مشک کی خوشبو آتی جاتی یہاں تک کہ ہم نے پوری قبر کھود لی۔'' حضرت سعد کی شہادت کی صورت میں مسلمانوں کے لگنے والا زخم بہت بڑا تھا مگر ان کے لیے یہ غمخواری اور تعزیت اس زخم سے کہیں بڑی ثابت ہوئی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ!

''سعد بن معاذ کی موت سے رحمٰن کا عرش لرز اٹھا۔'' (نقوش صحابہ، ص ۴۸۱۔۴۸۸)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

سعید بن جبیر، کنیت ابو محمد ہے، مشاہیر تابعین میں سے ہیں، بہت بڑے فقیہ محدث، مفسر تھے، اسی وجہ سے آپ کا لقب جہبذ العلماء ہے، جہبذ، پرکھنے والا، دانا، کے معنی میں ہے، ان کے تبحر علمی اور جلالت شان پر اتفاق ہے، بڑے عابد و زاہد شب زندہ دار تھے، ہر سال دو بار مکہ معظمہ حاضر ہوتے، ایک بار حج کے لیے ایک بار عمرہ کے لیے، دو رات میں پورا قرآن

مجید ختم فرما لیتے، رات میں خشیت خداوندی سے مسلسل رونے کی وجہ سے بینائی کمزور ہوگئی تھی، زبردست مستجاب الدعوات تھے، ان کے گھر میں ایک مرغ تھا جس کی آواز پر رات میں اُٹھ بیٹھتے، ایک رات مرغ کسی وجہ سے نہ بول سکا، آنکھ نہیں کھلی، نماز فجر قضا ہوگئی، نماز کے قضا ہونے کی اذیت پر زبان سے مرغ کے بارے میں یہ کلمات نکل گئے، اسے کیا ہوگیا تھا کہ آج نہیں بولا، اللہ اس کی آواز ختم کردے، وہ مرغ پھر زندگی بھر نہ بول سکا، یہ دیکھ کر والدہ ماجدہ نے کسی کے لیے بددعا کرنے سے منع فرمایا، والدہ ماجدہ کے بہت فرمانبردار تھے۔ ایک مرتبہ بچھو نے ہاتھ میں ڈنک مار دیا، والدہ نے حکم دیا کہ کسی سے جھڑ والیں، سخت کشمکش میں پڑ گئے، جھاڑ پھونک کو وہ اپنے اعلیٰ توکل کے خلاف جانتے تھے، اور ادھر والدہ کی اطاعت فرض، بالآخر یہ ایک جھاڑنے والے کے پاس پہنچے، نیش زدہ ہاتھ اس کے سامنے کردیا۔ مشہور ثقفی ظالم حجاج نے شعبان ۹۵ھ میں شہید کیا، مزار پاک واسط میں ہے، ننانوے سال کی عمر مبارک ہوئی۔ (نزہۃ القاری، ج۱، ص۲۱۲)

حضرت سلمہ ام رافع رضی اللہ عنہا کا عشق رسول

حضرت سلمہ ام رافع کہتی ہیں کہ حضور پرنور علیہ السلام نے غسل فرمایا تو میں نے آپ کے غسل شریف کا پانی پی لیا۔ اور آپ کو اطلاع دی، آپ نے ارشاد فرمایا "اذهبی فقد حرم الله بذلك على النار. جا اللہ تعالیٰ نے تیرے بدن پر آتش دوزخ حرام کردی۔"

(عقائد اہل سنت۔ ص۲۴۲، ج۱، ص۸۷۷۔ خصائص الکبریٰ ج۴، ص۲۲۵،)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

غزوہ ذی قرد سے واپسی پر انصار کے ایک شخص نے جو بہت تیز دوڑتا تھا پکار کے کہا، ہے کوئی جو میرے ساتھ دوڑے، اس وقت سلمہ بن الاکوع، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عضبا اونٹنی پر سوار تھے، فرماتے ہیں۔

قلت یا رسول الله بابی انت وامی ذرنی فلا سابق الرجل۔

''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت دیجیے، میں اس شخص کے ساتھ دوڑ دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اور میں نے دوڑ میں اس شخص کو پیچھے چھوڑ دیا۔

(صحیح مسلم کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة ذی قرد وغیرها۔)

حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خیبر کے موقعہ پر اپنی تلوار سے ایک یہودی پر حملہ کیا، تلوار ذرا چھوٹی تھی، وہ بجائے یہودی کے لوٹ کر انہیں لگی اور وہ شہید ہو گئے، جب لوگ واپس پلٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا سلمہ! تجھے کیا ہوا۔ عرض کیا۔

فداك ابی وامی زعموا ان عامرا رضی الله عنه حَبِطَ عمله۔

میرے ماں باپ آپ پر قربان! لوگوں کا خیال ہے کہ عامر کے اعمال ضائع ہو گئے۔ (تو خودکشی تصور کرتے ہوئے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے غلط کہا، عامر کو دوہرا ثواب ہوا۔

(صحیح مسلم کتاب الجهاد والسّیر، باب غزوة خیبر)

حضرت سواد رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے میرے شکم پہ چھڑی ماری ہے، مجھے اس کا قصاص دیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عدل و انصاف کے بول بالا کے لیے دنیا پر تشریف لائے چنانچہ آپ نے اپنا پیراہن مبارک اٹھا کر فرمایا اے سواد! ''لو بدلا لے لو'' تم بھی چھڑی مارو جس طرح میں نے تم پر ماری تھی۔

حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر آپ کے شکم اطہر کو چوما، اور والہانہ انداز کے ساتھ پیٹ مبارک سے چمٹ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سواد! ''تم نے کیا کیا؟'' آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی، آقا! میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ موت کے بادل میرے سر پر منڈلا رہے ہیں اور میری دلی تمنا یہی تھی کہ کاش میں آخری وقت میں جسدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دوں بس میری دلی آرزو پوری ہو گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سواد کے اس والہانہ تعلق عشقی کو دیکھا تو خوش ہو گئے

اور دعا فرمائی، اور حضرت سواد نے معذرت کرتے ہوئے اپنا قصاص معاف کر دیا۔

(تیر اد جو د الکتاب، ص ۲۵۲، سیرت ابن ہشام ج ۱)

مدارج النبوۃ اور دوسری کتابوں کے اندر یہی واقعہ اس طرح درج ہیں:

جنگ بدر میں جب لشکر اسلام میدان کارزار میں آیا تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی صفیں سیدھی فرمارہے تھے، اور آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی، حضرت سواد بن عزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خوش طبع اور خوش فہم صحابی تھے، وہ صفوں سے آگے نکل کر کھڑے ہوگئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھڑی کو ان کے سینہ پر مار کر فرمایا ''اِسۡتَوِ یَاسَوَادُ'' یعنی ''اے سواد! صف کو برابر کرو۔'' حضرت سواد نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اور عدالت و انصاف کا پیمانہ آپ کے دست اقدس میں ہے، میرا اقصاص (بدلا) دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لباس مبارک اپنے سینۂ اقدس سے دور فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے سواد! ''اسی وقت اپنا قصاص لے لو'' حضرت سواد نے فی الفور اپنا چہرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اقدس پر رکھ کر اس کا بوسہ لے لیا، حضور نے فرمایا ''ایسا کیوں کرتے ہو؟'' حضرت سواد نے عرض کیا کہ یارسول للہ! یہ میرا آخری وقت ہے نہ جانے پھر آپ کی زیارت ہو پاتی ہے یا نہیں، میں نے چاہا کہ زندگی کی آخری ساعتوں میں میرا جسم آپ کے جسم مبارک سے مس ہو جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ (عرفان رضا در مدح مصطفیٰ، ج ۲، ص ۱۸۳، مدارج النبوۃ، اردو، ج ۲، ص ۱۴۹)

سوید بن صامت رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

ایام تبلیغ وارشاد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سوید بن صامت ملا، اس کا لقب اپنی قوم میں کامل تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت اسلام فرمائی، وہ بولا، شاید آپ کے پاس وہی کچھ ہے جو میرے پاس بھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''تمہارے پاس کیا ہے۔'' وہ بولا، حکمت لقمان۔ نبی نے فرمایا ''بیان کرو'' اس نے کچھ عمدہ اشعار اپنے

سنائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ اچھا کلام ہے، لیکن میرے پاس قرآن ہے جو اس سے افضل تر ہے اور ہدایت و نور ہے۔'' اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قرآن سنایا۔ اور وہ بے تامل اسلام لے آیا۔ جب یثرب لوٹ کر گیا تو قوم خزرج نے اسے قتل کر ڈالا۔ (رحمۃ اللعالمیں، ج ۱، ص ۶۳، طبری۔)

حضرت سعد بن ربیع کا پیغام اہل اسلام کے نام اور عشق رسول

جنگ اُحد میں سعد بن ربیع شہید ہوئے تھے، جنگ ختم ہو جانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاش میں آدمی بھیجے، ایک نے دیکھا کہ زخمیوں میں پڑے سانس توڑ رہے ہیں، پوچھا کیا حال ہے؟ سعد نے کہا، مجھے اب مردہ ہی سمجھو، لیکن مہربانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام عرض کر دینا۔ اور میری طرف سے یہ بھی گذارش کرنا۔
''اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے، جو کسی نبی کو کسی امت کی ہدایت پر نہ دی گئی ہو۔''
قوم کو میری طرف سے یہ کہہ دینا، کہ جب تک ایک جھپکنے والی آنکھ بھی تم میں سے باقی رہے، اس وقت تک اگر دشمن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا تو خدا کے حضور میں تم کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں ابوبکر سے ملنے گیا، ان کی چھاتی پر ایک چھوٹی سے لڑکی بیٹھی تھی، جسے وہ بار بار چومتے اور پیار کرتے تھے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ فرمایا یہ سعد بن ربیع کی لڑکی ہے وہ مجھ سے بھی برتر تھا۔ اور قیامت کے دن وہ نقیبان محمدی میں شمار کیا جائے گا۔ (رحمۃ اللعالمین، ج ۱، ص ۱۰۵، تاریخ طبری۔)

سہیل بن عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

اس کا بیٹا عبداللہ پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، لیکن فتح مکہ کے روز سہیل چھپ گیا تھا تا کہ کوئی مسلمان اس کو قتل نہ کر دے، اس کا بیٹا عبداللہ حضور کی خدمت میں آیا تا کہ اپنے باپ کے لیے حضور سے امان طلب کرے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ کی

امان سے وہ امن میں ہے، بیشک اسے کہو کہ چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں، سامنے آؤ، پھر سرکار نے اپنے صحابہ کو فرمایا، تم میں سے جس کی ملاقات سہیل بن عمرو سے ہو وہ تیز نظروں سے اس کی طرف مت دیکھے، مجھے اپنی زندگی کی قسم! سہیل بڑا دانشمند اور شریف النفس ہے اور سہیل جیسا آدمی زیادہ دیر تک اسلام کا انکار نہیں کر سکتا۔

اس کا بیٹا عبداللہ، سہیل کے پاس گیا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اس کو آگاہ کیا، سہیل کہنے لگا:

كَانَ وَاللهِ بَرًّا صَغِيْرًا بَرًّا كَبِيْرًا۔

بخدا حضور جب چھوٹے تھے تب بھی احسان و کرم فرمایا کرتے تھے اور جب بڑے ہوئے تب بھی احسان و کرم ان کا شیوہ ہے۔

پھر غزوۂ حنین میں وہ شریک ہوا حالانکہ ابھی اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب سرکار دو عالم جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے نور اسلام سے اس کے سینے کو منور فرما دیا۔ پھر ان کا شمار ان بزرگ صحابہ کرام میں ہوتا تھا جنہوں نے بڑے مشکل حالات میں اسلام کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا، مکہ مکرمہ میں جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر ملال کی المناک اطلاع پہنچی تو کئی لوگوں کے قدم ڈگمگانے لگے، حضرت سہیل نے اس وقت ایک ایسا ایمان افروز خطبہ دیا جس سے اہل مکہ کو اسلام پر استقامت نصیب ہوئی، آپ یرموک کی جنگ میں شریک ہوئے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے خلعت شہادت سے ان کو مشرف فرمایا۔ (ضیاء النبی، ج ۴۔ص ۶۶۸)

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

بلبل شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زمینِ نعت پر ایسی گل کاری کی ہے کہ انقلاب زمانہ سے وہ کبھی مرجھائیں گے نہیں۔ بادِ خزاں سے ان کے رنگ و روپ ماند نہیں پڑیں گے۔ گردش ایام ان کی نزاکت کو پھیکا نہیں کر سکے گی۔ یہ وہ ہستی ہے جس نے عشق کو اپنا بچھونا، بنایا، عشق کی آگ میں جلے، اسی میں پلے، بحرِ عشق میں غوطہ زن ہو کر سراپا عشق ہو

گئے۔ عشق کی مورت بن کے آج بازارِ عشق میں ان کا سکہ چلتا ہے کیوں کہ محبوب پاک علیہ السلام نے دیارِ پاک پر بک گئے تو انمول ہو گئے۔

جب تک بکے نہ تھے تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر ہمیں انمول کر دیا

آیئے دماغ میں تازگی پیدا کرنے، روح کو قرار بخشنے کے لیے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے عشق کا چمن نظر آئے گا، پیار اور روحانیت نظر آئے گی۔

چہ نعت پسندیدہ گویم ترا علیک السلام اے نبی الوری

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے لیے کیا پسندیدہ نعت کہوں، آپ پر سلام اے ساری مخلوق کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

خدایت ثنا گفت وتجلیل کرد زمیں بوس قدرِ تو جبریل کرد

خدائے بزرگ نے آپ کی تعریف کی اور آپ کو عزت دی، آپ کی قدر و مرتبہ کا زمین بوس جبریل کو کیا۔

بلند آسماں پیش قدرت خجل تو مخلوق و آدم ہنوز آب وگل

بلند آسمان آپ کی بلندی کے سامنے شرمندہ ہے، حضرت آدم علیہ السلام پانی، مٹی کے درمیان تھے مگر آپ پیدا کیے جا چکے تھے۔

ندانم کدامی سخن گویمت کہ والا تری زانچہ می گویمت

میں آپ کے لیے کس طرح سے تعریف کی زبان کھولوں میں نہیں جانتا ہوں کہ آپ کی شان وشوکت میں جو کچھ کہوں گا اس سے آپ بہت بلند ہیں۔

ترا عز لولاک تمکیں بس است ثنائے تو طٰہٰ ویٰسیں بس است

آپ کے لیے خدا کی طرف سے بھی بڑی عزت ہے کہ اے محبوب اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو زمین و آسمان کو نہیں پاتا۔ آپ کو قرآن پاک نے طٰہٰ اور یٰسین کہا یہ عزت و کرامت آپ کے لیے کافی ہے۔

درود ملک بر روانِ تو باد بر اصحاب بر پیروانِ تو باد

فرشتوں کا درود آپ کی مبارک روح پر آپ کے اصحاب پر اور آپ کی پیروی کرنے والوں پر۔

چہ وصفت کند سعدی ناتواں　　علیک الصلوٰۃ اے نبی السلام

ناتمام سعدی آپ کی کیا خوبی بیان کرسکتا ہے۔ آپ پر درود ہو اے نبی اور سلام۔ (سہ ماہی سنی دعوت اسلامی، ممبئی، اکتوبر تا دسمبر، ۲۰۰۶ء، ص ۴۰، ۴۱، مضمون، مفتی ولی محمد رضوی)

حضرت سراج بلقینی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت عبدالوہاب شعرانی اپنی ''الیواقیت والجواہر'' کے ج ۲ ص ۶۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''قال شیخ الاسلام السراج البلقینی والله لو وجدت شیئا من بول النبي صلی الله علیه وسلم وغائطه لاکلته، وشربته۔''

یعنی شیخ الاسلام سراج بلقینی نے فرمایا قسم بخدا اگر مجھے حضور علیہ السلام کے بول و براز مبارک مل جائیں تو میں انہیں ضرور کھاؤں اور پیوں۔

حضرت محدث اعظم پاکستان محمد سردار چودھری کا عشق رسول

ایک مرتبہ حضرت علیہ الرحمہ فیصل آباد ہی میں تقریر کے لیے ایک جگہ تشریف لے گئے۔ انتظامیہ کے افراد جلسہ کے اختتام پر سامان وغیرہ محفوظ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ حضرت ان کا انتظار کیے بغیر پیدل ہی جامعہ رضویہ کی طرف چلنے لگے۔ راستہ میں کسی نے کہہ دیا حضرت! یہ کیسے لوگ ہیں، تانگے کا بھی انہوں نے انتظام نہیں کیا۔ حضرت نے خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا۔ بندۂ خدا کیا کہا؟ انہوں نے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلسے کا انتظام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر خیر کے لیے اس فقیر کو بلایا۔ یہ ان کا تھوڑا احسان ہے؟ اگر وہ چاہتے تو آپ کے ذکر خیر کے لیے کسی اور کو بلا لیتے۔''

(حیات محدث اعظم پاکستان ص ۵۲۲ بحوالہ قلمی یادداشت مولانا علی احمد سندیلوی۔ لاہور۔ محررہ ۳۰ نومبر ۱۹۵۸ء)

پرائمری کی تعلیم کے بعد آپ اسلامیہ ہائی اسکول بٹالہ ضلع گورداسپوری میں داخل

ہوئے بٹالہ ہائی اسکول کے صدر معلم جناب حاجی پیر محمد تھے۔ حاجی صاحب کا بیان ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سردار احمد کو بچپن ہی سے بزرگان کرام اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد عقیدت ومحبت تھی، چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے۔

''ماسٹر جی! ہمیں بزرگوں کی باتیں سنایئے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر تو ضرور روشنی ڈالا کیجیے۔

(حیات محدث اعظم پاکستان، ص ۳۸ بحوالہ مضمون ''ایک عالم ایک عارف'' مرتبہ، رانا محمد اکرم چشتی، مشمولہ ماہنامہ معارف رضا، لاہور، فروری ۱۹۶۳ء بحوالہ ہفت روزہ محبوب حق۔ لائل پور، ۳۱ جنوری ۱۹۶۴ء، ص ۶)

دوران درسِ حدیث پاک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''ضحک مبارک'' یعنی تبسم فرمانے کا ذکر آتا تو آپ بھی محض حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا کو اپنانے کے لیے تبسم فرماتے اور طلباء کو بھی تبسم کی ہدایت فرماتے اور اس کے باوجود جن حضرات کے لبوں پر تبسم نہ دیکھتے تو انہیں آپ شخصی طور پر مخاطب کر کے فرماتے مولانا! شاہ صاحب! آپ کے لبوں پر تبسم کیوں نہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم فرمانے پر اگر آپ نے تبسم نہ فرمایا تو تبسم کا اور کونسا موقع ہوگا۔ (ابوداؤد محمد صادق، مولانا محدث اعظم پاکستان کی مختصر سوانح حیات، ص ۱۰)

سوز وساز عشق

جن احادیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم فرمانے کا ذکر ہے ان کا درس دیتے ہوئے آپ اتباع سنت کی نیت سے مسکراتے یونہی جن احادیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گریہ فرمانے کا ذکر ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کا بیان ہے۔ تو آپ بھی روتے۔

۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں دوران تدریس مشکوٰۃ شریف کی وہ حدیث پاک پڑھی گئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ انور میں درد اور کپڑا باندھنے کا ذکر ہے۔ آپ نے اس حدیث پاک پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: ''جب سرکار کے سرِ انور میں درد تھا اور آپ نے کپڑے سے سر مبارک کو باندھا ہوا تھا آپ اس وقت منبر پر تشریف فرما تھے۔ سرِ انور میں درد

کی شدت کی بناء پر آپ کا کپڑے سے باندھنا جب یارِ غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دیکھا ہوگا تو ان کا کیا حال ہوا ہوگا؟ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملاحظہ کیا ہوگا تو ان پر کیا گزری ہوگی۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بھی جب یہ منظر دیکھا ہوگا تو انہوں نے کیا محسوس کیا ہوگا۔۔۔؟

اسی طرح شدت درد میں صحابۂ کرام پر وارد ہونے والے احوال بیان فرما رہے تھے محسوس ہوتا تھا کہ سرکار کے سرِ انور میں درد کی کلفت آپ بھی محسوس فرما رہے ہیں۔ دوران بیان آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور آپ حلقۂ درس سے اٹھ کر اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد نہ معلوم یہ کیفیت کتنی دیر آپ پر طاری رہی۔

اسی نوعیت کا ایک واقعہ جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی میں پیش آیا۔ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی سالوں کا بیان فرما رہے تھے کہ خاندان کے افراد کو جب تبلیغ کرنے کا حکم نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبیلے کو جمع کرنے کے لیے بلند آواز سے پکارا۔ حدیث شریف کا جملہ یا صباحاہ! آپ کے بلانے کی کیفیت کا بیان ہے۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریش کو بلند آواز سے پکارا جسے پنجابی محاورہ میں "کوک" مارنا کہتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے طلبا سے فرمایا "بھلا کوک کیسے مارتے ہیں؟" آپ نے بھی آواز بلند فرمائی اور طلبا سے بھی ایسا کروایا۔ (حیات محدث اعظم پاکستان، ص ۳۱۳)

حدیث پر عمل کی نادر مثال

حافظ ملت مولانا عبد العزیز محدث مبارک پوری علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ: "ترمذی شریف کی حدیث ہے:

طعام الواحد یکفی الاثنین وطعام الاثنین یکفی الثلثة۔
ایک شخص کا کھانا دو کے لیے کافی ہو سکتا ہے اور دو کا تین کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

اس حدیث پر حضرت علامہ موصوف نے پورا عمل کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب آپ

دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف کے شیخ الحدیث تھے تو میں نے آپ کی خدمت میں ایک طالب علم حافظ محمد صدیق مراد آبادی کو تحصیل علم کے لیے روانہ کیا۔ حضرت موصوف نے اسے دارالعلوم منظر اسلام میں داخل کرلیا۔ مگر اس کے کھانے کا انتظام نہ ہوسکا۔ حضرت کو جو کھانا معمولا آیا کرتا تھا اسی کھانے میں اپنے ساتھ کھلانا شروع کردیا۔ دو، چار، دس، بیس روز نہیں بلکہ جب تک حافظ محمد صدیق بریلی شریف رہے برابر ان کو اپنے ساتھ اسی ایک کھانے میں شریک رکھا۔ ان سے فرمایا کرتے تھے۔ "کھاؤ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ ان شاء اللہ دونوں کو کافی ہوگا" حافظ محمد صدیق کا بیان ہے کہ میرا پیٹ تو بھر جاتا تھا حضرت مولانا کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ حضرت موصوف علیہ الرحمہ کا یہ وہ عمل ہے جو فی زمانہ اپنی نظیر آپ ہے۔ حدیث پر اسی بے مثال عمل کی برکت سے آپ کے درس حدیث میں غیر معمولی تاثیر تھی۔ (حادثہ جانکاہ مشمولہ نوری کرن محدث اعظم پاکستان نمبر، ص ۲۷، حافظ عبدالعزیز مبارک پوری)

حلقۂ درس میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اثر انگیزی صرف درس حدیث پر ہی موقوف نہ تھی بلکہ دیگر فنون کی تدریس میں جب بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آجاتا، عشق و محبت کی بناء پر وہیں فضائل ومحامد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان جاری ہوجاتا۔

۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء میں اوّلین دارالحدیث میں میراث کی مشہور کتاب "سراجی" کا سبق پڑھا رہے تھے۔ میراث کے ایک مسئلہ پر تقریر کے دوران سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اقدس آیا۔ اس پر آپ حضور کے فضائل ومحامد بیان فرمانے لگے اور جو مسئلہ میراث شروع تھا اس سے توجہ ہٹ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب احساس ہوا، تو فرمایا:

"مسئلہ تو میراث کا بیان ہو رہا تھا، لیکن توجہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کی طرف ہوگئی۔ الحمد للہ!"

یہ کہنا تھا کہ آنکھوں میں آنسو آگئے، رقت طاری ہوگئی اور حسب معمول طلباء سے فرمایا "پڑھو"

بود در جہاں ہر کسے راخیالے　　　مرا از ہمہ خوش خیال محمد

آپ کے چشمان اقدس سے آنسو جاری تھے اور دارالحدیث عارف جامی علیہ الرحمہ

کے اس نعتیہ کلام سے گونج رہا تھا۔

بارگاہ رسالت میں درس حدیث کی مقبولیت

یہ نورانی واقعہ مولانا معین الدین شافعی کا بیان کردہ ہے۔ فرماتے ہیں:

''مولانا حامد بخاری، بخارا شہر کے فاضل اور مدرس تھے۔ ان کو مشکوٰۃ شریف پڑھانے میں ایک مقام پر کچھ دقت محسوس ہوئی۔ ان کو خواب میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ کی مجلس میں تشریف فرما حضرات میں مولانا سردار احمد صاحب بھی شامل تھے۔ مولانا حامد بخاری نے حدیث کی وہ مشکل سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مولانا سردار احمد صاحب کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے حدیث پاک کی وہ علمی مشکل حل فرمائی اور انہیں اطمینان نصیب ہوا۔ جب صبح ہوئی تو مولانا حامد نے بخارا سے بریلی کا قصد کیا اور آپ کی خدمت میں آ کر فیض حاصل کیا۔　　(حیات محدث اعظم پاکستان، ص ۶۳)

ش

حضرت شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

شیبہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بڑے مزے لے لے کر خود بیان کرتے تھے، آپ بھی ان کے الفاظ میں یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

"لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لے آئے۔ مگر میں اپنے کفر و شرک پر اڑا رہا، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بنو ہوازن کی سرکوبی کے لیے مکہ سے روانہ ہوئے تو میں بھی ساتھ ہولیا، میری نیت یہ تھی کہ شاید اس سفر میں مجھے کوئی ایسا موقع مل جائے کہ میں حضور پر حملہ کر کے آپ کی شمع حیات کو گل کر دوں، مسلمانوں نے میدان اُحد میں میرے باپ، چچا اور چچازاد بھائیوں کا قتل عام کیا تھا۔ شاید اس طرح میں اپنے عزیز مقتولوں کا انتقام لینے میں کامیاب ہو جاؤں، میں نے اپنے دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ اگر عرب اور عجم کا ہر شخص اسلام قبول کر لے، میں کسی بھی قیمت پر حضور کی اطاعت قبول نہیں کروں گا۔ اسلام ترقی کر رہا تھا، لوگ دھڑا دھڑ حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے۔ لیکن کفر پر ڈٹے رہنے کے میرے عزم میں مزید پختگی پیدا ہوتی جا رہی تھی، جب حنین کی جنگ میں دونوں فریق آپس میں گتھم گتھا ہوئے اور نبی کریم بھی اپنے خچر سے نیچے اتر آئے تو میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اپنی تلوار بے نیام کر لی اور میں حضور کے نزدیک ہونے کے لیے آگے بڑھا میں وار کرنے ہی والا تھا کہ آگ کا ایک شعلہ بجلی کی تیزی سے میری طرف لپکا۔ اور میری آنکھیں اس کی دمک سے خیرہ ہو گئیں، میں خوف سے کانپنے لگا، اس کی تیز روشنی سے بچنے کے لیے میں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا، اس وقت شفیع عاصیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری طرف متوجہ ہو کر تبسم فرمایا۔ حضور نے میری نیت بد کو بھانپ لیا تھا اور میرا نام لے کر پکارا "یَا شَیْبَۃُ اُدْنُ مِنِّی۔" اے شیبہ! میرے نزدیک آجاؤ۔" جب میں قریب ہوا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست

مبارک میرے سینہ پر رکھ دی اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اَعِذْہُ مِنَ الشَّیْطٰنِ۔ الٰہی! شیبہ کو شیطان کے شر سے بچا لے، اس ایک نگاہ لطف و کرم نے میرے دل کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ شیبہ اپنے دل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فَوَاللّٰہِ لَھُوَ فِی السَّاعَۃِ صَارَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَاَذْھَبَ اللّٰہُ مَا کَانَ فِیَّ۔

اسی لمحہ حضور مجھے اپنے کانوں اور آنکھوں سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے اور میرے دل میں حضور کے خلاف جو جذبات جوش مار رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔

پھر حضور نے حکم دیا۔ "اُدْنُ فَقَاتِلْ" "میرے قریب آ جا اور کفار سے برسر پیکار ہو جا۔" میں اس جوش و خروش سے کفر پر حملہ آور ہوا کہ اگر میرا باپ زندہ ہوتا وہ میرے سامنے آتا تو میں اس کا سر بھی قلم کر کے رکھ دیتا، جب تک یہ جنگ جاری رہا میں دشمنان اسلام سے برسر پیکار رہا۔

جنگ کے بعد میں خدمت اقدس میں زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے، مجھے دیکھا تو فرمایا:

یَاشَیْبَۃُ الَّذِیْ اَرَادَ اللّٰہُ خَیْرٌ مِمَّا اَرَدْتَّ بِنَفْسِکَ فَدَلَّنِیْ بِکُلِّ مَا اَضْمَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ مِمَّا لَمْ اَذْکُرْہُ لِاَحَدٍ قَطُّ فَقُلْتُ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔

اے شیبہ! اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں جو ارادہ فرمایا وہ اس ارادہ سے کہیں بہتر تھا جو تو نے اپنے بارے میں کیا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دل میں چھپے ہوئے جذبات پر مجھے آگاہ کیا حالانکہ میں نے کسی شخص کو بھی ان پر مطلع نہیں کیا تھا، یہ سن کر میں بیساختہ کہہ اٹھا، بیشک میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔" (ضیاء النبی، ج ۴ص ۱۷۱، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۹۴۔۲۹۵)

حضرت شقران صالح رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت شقران صالح رضی اللہ عنہ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت اور

عقیدت تھی اور وہ آپ کے ہر حکم کی جلد از جلد تعمیل کرنے میں اپنی جان لڑا دیتے تھے۔ حضور انہیں اپنے کسی ذاتی کام کے لیے حکم دیتے یا کوئی دینی خدمت ان کے سپرد فرماتے وہ اسے نہایت مستعدی اور دیانتداری کے ساتھ انجام دینا اپنا جزو ایمان سمجھتے تھے، یہی سبب تھا کہ حضور انہیں بہت عزیز جانتے تھے اور اپنا نہایت قابل اعتماد جاں نثار سمجھتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اپنے وصال سے پہلے خاص طور سے ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ سب سے بڑی سعادت جو حضرت شقران صالح کو نصیب ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں اہل بیت اور چند دوسرے صحابۂ کرام کے ساتھ شریک تھے۔ بقول حافظ ابن حجر جس وقت حضور کا جسد اطہر قبر میں رکھا گیا تو حضرت شقران صالح بھی اس وقت موجود تھے اور انہوں نے حضور کی چادر مبارک اپنے ہاتھوں میں تھام رکھی تھی۔ (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۱۸۱)

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مخدوم جہاں نے خدا کی رضا جوئی میں اپنی حیات عزیز کا ایک ایک لمحہ گذارا، عشق رسول ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، وہ عشق رسول میں سرشار نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو جب کہ تعلیم و تربیت خود بارگار نبوت سے ہوئی۔ اپنے عشق رسول کا اظہار اپنے مکتوبات و ملفوظات میں فرمایا ہے۔

مخدوم جہاں مکتوبات صدی کے بیسویں مکتوب میں فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! کیا بارگاہ رسالت ہے اور کیا شانِ محمدی ہے ذرا جبرئیل علیہ السلام کے مراتب پر نظر رکھ کر اس بات کو دیکھو تو صحیح کہ تمام عمر کی جان توڑ عبادت کے صلہ میں ان کو کیا ملتا ہے۔ یہ دولت دی جاتی ہے کہ معراج کی شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے براق کی وہ خدمت کرتے ہیں اور اسی کو سجا کر سامنے لاتے ہیں اور اسی خلعت شاہی پر اُن کو ناز ہوتا ہے۔ (مکتوبات صدی ص ۱۶۰)

یعنی جبرئیل علیہ السلام کو اپنی عبادت و ریاضت پر ناز نہیں اگر ناز ہے تو مصطفےٰ جان

رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر۔

اور تیسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں مقام قاب قوسین تک پہنچ کر پھر واپس تشریف لائے۔ یہ جانا آنا دونوں اسرار سے خالی نہ تھا۔ حضور کے جانے سے یہ ہوا کہ فرشتوں نے درود پڑھ کر آداب واحترام سیکھے اور واپس آنے سے اہل زمین نے آپ کے بیان سے رموز شریعت سیکھے۔ (مکتوبات صدی، ص ۶۴)

آٹھواں مکتوب میں فرماتے ہیں:

ذرا دیکھو! ہمارے رسول مقبول حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ شانِ دل ربائی کیا کہا جارہا ہے۔ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ آپ ہماری صرف اس عنایت پر محو ہو رہے ہیں کہ ہم نے اس شان کی نبوت اور اس مرتبے کی رسالت آپ کو عطا کی ہے اجی! صرف یہی نہیں ہے آپ تو آپ ہی ہیں آپ کے غلاموں کو بھی ہم نے خاک سے پاک کر دیا ہے اور آپ کے کرم سے دل دھو دیا ہے۔ لیجئے اس وحی مبارک کے مزے لے کر ذرا ہمارے راز و نیاز سے ان آلودگان معاصی کو بھی آگاہ کر دیجیے تا کہ دل میں ان کی قوت ایمان باقی رہے اور شرمساریٔ گناہ ہمارے در سے ان کو بھگا کر لے نہ جائے بلکہ امیدواری کی ڈوری کو یہ خوب مضبوطی سے پکڑے رہیں بے شک ہم ان سب کے قصور معاف کرنے کو تیار ہیں اگر آپ اپنی زبان معجزہ بیان سے یہ فرمادیں کہ اے اللہ! ان کو بخش دے یعنی فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ پس ان کو معاف فرما اور ان کی توبہ قبول کر۔ کیوں کہ ہزار سب کچھ سہی مگر جب تک آپ نہ چاہیں گے ان کا قصور معاف ہو جائے جب تک آپ کی خواہش نہ ہوگی کہ یہ بخش دیے جائیں اس وقت تک ہم کہاں کچھ کرنے والے ہیں جہاں آپ کی توجہ ان کی جانب ہوگی پھر دیکھئے ہم کیا سے کیا کرتے ہیں۔ ہمارے دریائے رحمت کی موجیں ان کے گناہ کی آلودگی اور مہمات کی پلیدگی کو کس طرح دھو دیتی ہیں۔

یعنی اے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو صرف آپ کی رضا چاہتے ہیں آپ کا اشارہ کل قیامت کے دن جس کی جانب ہو جائے گا ہم اس کو بخش دیں گے ہمیں صرف آپ کی خوشنودی

چاہیے اسی کو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم

خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

مکتوبات صدی کے چالیسواں مکتوب میں فرماتے ہیں:

برادر عزیز! لا اله الا الله کے ساتھ محمد رسول الله بھی ہے تم جانتے ہو آپ کی کیا شان ہے قرآن شریف سے توفَاعْلَمْ اَنَّهٗ لا اله الا الله (اے پیغمبر خدا آپ جان لیں کہ خدا کے سوا کچھ نہیں) اور دوسرے کے لیے کہا گیا کہ قُلْ لَآ اِلٰـهَ الا الله کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اول تو آپ کے حجاب بشریت کا پردہ برائے نام تھا۔ (مکتوبات صدی)

۸۸واں مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

اے بھائی! ان سات آسمانوں اور زمین میں کسی کے لیے دولت و اقبال کا ایسا تخت آراستہ نہیں کیا گیا جیسا کہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسمان و زمین کی آرائش حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے طفیل میں کی گئی ہے اور اس سلطنت کائنات میں آپ ہی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ آپ کی ابتدا اور انتہا کو مغفرت کے عنوان پر قائم کر دیا ہے اور آپ مامون العاقبت بنائے گئے۔ (مکتوبات صدی)

مکتوبات صدی کے ۲۲واں مکتوب میں رقم طراز ہیں:

جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک جھاڑتے تھے تو اصحاب موئے مبارک آپس میں بانٹ لیتے تھے اور جو کپڑا زیب تن فرماتے تھے حضور کے جسم مطہر کا اثر اس میں آجاتا تھا۔ اس لیے آپ نے ایک منافق کو اس کے لڑکے کی خاطر جو مسلمان ہو چکا تھا ایک کرتا مرحمت فرمایا اس نے اپنے باپ کی قبر میں رکھ دیا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس سے مرنے والے منافق کو کوئی فائدہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک اس کا ایک دھاگہ بھی باقی ہے اس پر کوئی عذاب نہ ہوگا۔

۲۷واں مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احدٌ جبلٌ یحبنا و نحبه۔

احد پہاڑ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں احد سے محبت کرتا ہوں۔

عرصۂ محشر میں اس کا سنگی چولا اتار کر انسان کی صورت میں صدیقوں کی صف کے درمیان کھڑا کریں گے چوں کہ اس میں صدیقوں کی صفت کا غلبہ تھا اس لیے انہیں کی صورت دی گئی۔

۲۷واں مکتوب میں لکھتے ہیں:

برادرم شمس الدین! سلمہ اللہ تعالیٰ تم یقین جانو کہ سعادت ابدی وعزت سرمدی انسان کے لیے خداوند جل وعلا کی محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسی دولت وخلعت کا محل حضرت سیدالمرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا دربار شاہانہ ہے۔ یہ دولت وخلعت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی موافقت پر موقوف ہے۔ دیکھو! قرآن شریف کس طرح گہر ریز ہے۔

فاتبعونی یحببکم الله۔

میری پیروی کرو۔ اللہ تم کو دوست بنائے گا۔

یعنی اپنے شاہنشاہ کی فرماں برداری کا طوق گلے میں ڈالو اور حلقہ اطاعت کانوں میں پہن لو۔ حکم سرکاری بجالاؤ نواہی سے دور رہو، سراپا قصر ایمان کو طاعت کے گلدستوں سے سجا ڈالو، سنتوں سے واقفیت تامہ حاصل کرو اور اس پر ایسا عمل کرو جیسا عمل کرنے کا حق ہے۔ پھر دیکھ لو گے کہ وہ عہد نامہ دوستی جو لکھا گیا ہے اور خطبۂ عقیدت جو پڑھا گیا ہے، یہ سند اتباع حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم، یقینی نافذ ہو کر رہے گا اور ضرور مکمل سمجھا جائے گا۔

مزید رقم طراز ہیں:

کیا روح پرور شربت وصال بھیجا ہے یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ ان کو دوست رکھتے ہیں) بندگی دوستی کے برابر کبھی نہیں ہوسکتی کیونکہ کہ بندگی کے لیے ذلت کا مقام ہے اور دوستی کے لیے عزت کا مقام ہے۔ بندہ بہرحال ذلیل ہے اور محبوب بزرگ و برتر ہے ذلیل عزیز کے برابر نہیں ہوسکتا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ اگر خدا نے

حضرت ابرہیم کو کہا اِتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا (یعنی اللہ نے ابراہیم کو دوست بنایا) اور اللہ نے حضرت موسیٰ کو کہا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا۔ (اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا) اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا: يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ (یعنی وہ ان کو دوست رکھتا ہے) اور یحبهم میں محبت کا لفظ آیا ہے قدیم ہے جس سے محبت کی جائے گی وہ محدث ہے اور یحبونه میں محب محدث اور محبوب قدیم ہے اور خدا کی باتیں جھوٹ سے مبرا ہیں اور اس کی گواہی شک وشبہ سے پاک ہے۔ ہم سے سنو حضرت خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَنْ يَتَجَلّٰى الْخَلْقَ عَامَّةً وَلِاَبِىْ بَكْرٍ خَاصَّةً

اللہ تعالیٰ ساری مخلوق پر تجلی فرماتا ہے عام طور سے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر خاص طور سے۔

اس خصوصیت کا آخر سبب، وجہ، باعث؟ اللہ اللہ وہ ہر صبح کو ساکنانِ ملاءِ اعلیٰ کا متعجب ہو کر یہ کہنا کہ یہ کون دل جلا ہے جس کے جگر سوختہ کی بو آتی رہتی ہے۔ حضرت حق کی طرف سے جواب دیا گیا تم نہیں جانتے۔ یہ دولت اس دور میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصہ کی ہے۔ (مکتوبات صدی)

معدن المعانی میں بیان فرماتے ہیں:

مخدوم الملک کی مجلس شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج شریف کا ذکر آ گیا۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بیداری میں ہوئی اور بجسم ہوئی۔ معتزلی اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ معراج خواب میں ہوئی بیداری میں نہ ہوئی، جسم کے ساتھ آپ اوپر لے جائے گئے اس کو عقل قبول نہیں کرتی کہ انسان ایک رات میں ساتوں آسمان کی سیر کر کے واپس چلا آئے۔ اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اگر معراج خواب میں مانی جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خصوصیت کیا ہوئی اور فضیلت کیا نکلی، بہت ممکن ہے کہ جمہور تر سا بھی بہشت و دوزخ کو خواب میں دیکھے، اگر نبی نے بھی اس چیز کو خواب میں دیکھا تو نبی کی اس میں کیا بڑائی ہوئی۔ اس کے بعد آپ (مخدوم پاک)

نے فرمایا کہ یہ قول معتبر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور پیغمبروں کے اعتبار سے دو بات میں خصوصیت دی ہے۔ دنیا میں معراج، عقبیٰ میں شفاعت کیوں کہ کتاب اگر آپ کو ملی تو دوسروں کو بھی ملی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دوسروں پر فضل ظاہر ہوا تو ان ہی دو چیزوں سے کہ مخصوص آپ کی ذات کے لیے ہیں۔ دنیا میں معراج عقبیٰ کی شفاعت۔ معتزلی ان دونوں کے منکر ہیں۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بعضوں کے نزدیک معراج کا منکر کافر ہے اور بعضوں کے نزدیک بدعتی ہے کافر نہیں۔ ہاں جو شخص بیت المقدس تک معراج کا منکر ہے، یہ ضرور کفر ہے۔ (معدن المعانی ص ۹۲)

اس کے بعد (مخدوم نے) یہ حکایت بیان فرمائی کہ شب معراج میں جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بہشت سے یہ بات کہہ دو کہ اتنے زمانے میں تیری پیدائش کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم اپنے دوست کو تیری بہار دِکھائیں گے۔ آج کی رات اس دوست کی شب معراج ہے تیرا فرض ہے کہ تو سنور بن کر آراستہ ہو جا پھر اس دوست کے سامنے حاضر ہو۔ جبرئیل علیہ السلام نے بہشت کو حکم پہنچایا۔ جہاں تک ہو سکا بہشت نے زیور وغیرہ سے اپنے آپ کو آراستہ کیا ایک تو بہشت بہ نفس نفیس خود حسین، اس پر اتنی آرائش حسن اور بھی دو بالا ہو گیا۔ الغرض جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی جنت سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ آپ نے دائیں جانب منہ پھیر لیا۔ وہ دائیں جانب پہنچی۔ آپ نے بائیں جانب منہ پھیر لیا، وہ بائیں جانب پہنچی پھر آپ نے دائیں جانب منہ پھیر لیا۔ تب جنت گھبرا گئی اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھ میں کیا خرابی ہے کہ حضور روئے مبارک مجھ سے پھیر لیتے ہیں۔ اگر کوئی سراپا آراستہ دولہن ہو سکتی ہے تو میں ہی ہوں اور اگر شراب طہور کی کہیں نہر جاری ہوئے تو وہ میرے ہی آس پاس ہے اور کہیں زنجبیل ہے تو وہ مجھ میں ہی ہے۔ اس طرح ہر صفت کو اس نے دہرایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا کہنا سب درست مگر یہاں معاملہ دوسرا ہے، ان آنکھوں کی جنت جمال و کمال حق ہے، تجھ کو دیکھیں ہم، تو کیا دیکھیں۔ (معدن المعانی)

دیکھ ہی نہیں سکتے تجھ کو کیا خبر کہ شہباز ہمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواز کہاں تک ہے۔ وہ اپنے ادنیٰ شکار کے لیے پستی کا رخ کر نہیں سکتا۔ اس نے اپنا شکار تاک لیا ہے جو لامکاں

ہے، تجھ کو جن زیباؤں پر ناز ہے، اس کی حقیقت سن لے، اگر ہماری امت چاہے گی تو ایک دفعہ کلمہ پڑھ کر تجھ کو خرید لے گی۔ جنت نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سا کلمہ ہے جو ہماری قیمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہماری امت میں سے جو شخص لا الـہ الا اللـہ محمد رسول اللہ کہے گا تجھ کو خرید لے گا۔ (معدن المعانی)

مخدوم جہاں معراج شریف کے متعلق ایک جگہ یہ بیان فرماتے ہیں:

جب معراج شریف کی شب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر لے جائے گئے۔ سیر کناں ایک جگہ پہنچے۔ حضور کے پسینہ مبارک سے گلاب کا پھول پیدا ہوا تو یقیناً جب کوئی گلاب کا پھول دیکھے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو جائے گی اور جب رسول علیہ السلام کی یاد آئے گی تو درود شریف پڑھیں گے اور یہ بات تمام پھولوں کے لیے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خوشبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے تو یقیناً جس وقت مومن کو خوشبو ملے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرے اور جب آپ کی یاد آئے تو درود بھیجے۔ تو اس اعتبار سے سب خوشبو پھول برابر ہیں کوئی فرق نہیں اور حضرت مولانا تقی الدین سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ گلاب کے پھول کو پھینکو نہیں اس لیے کہ یہ درود یاد دِلاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا اور یہ سب اسی سبب سے ہے کہ میت کے کفن میں گلاب چھڑکتے ہیں اور گلاب کا پھول بھی رکھتے ہیں یہ اس بنا پر ہے کہ گلاب چوں کہ خوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضور کے پسینہ سے پیدا ہوا ہے جب تک یہ میت پر رہے گا دوزخ کی آگ کا اثر میت پر نہ ہوگا تو چاہیے کہ مردہ کے کفن میں گلاب کا پھول اور گلاب کا عرق بہت زیادہ ڈالیں۔ اور جس کوزہ سے پانی پیتے ہیں چاہیے کہ اس میں گلاب کی چند پتیاں ڈال دیا کریں۔ خوشبو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے اور گلاب کے پھول سے خوشبو آتی ہے جیسا کہ اس بارے میں ارشاد ہوا ہے:

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثَةٌ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ۔

تم میرے لیے دنیا میں تین چیزوں سے محبت کرو خوشبو، عورتیں، اور نماز جو کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

سادات کی تعظیم کا ذکر آپ نے فرمایا۔نسب کے سبب سے کسی کی تعظیم ضروری نہیں مگر پیغمبروں کی اولاد اور مشائخ صلوۃ اللہ علہیم اجمعین۔ کی اولاد کی تعظیم محض ان کے نسب کی بنا پر کرو اگرچہ ان میں کچھ اہلیت اور علم نہ ہو،اُن کی تعظیم کے لیے ان کی یہی نسبت پسندیدہ کافی ہے۔رسول کی اولاد سے عداوت کفر ہے۔

ایک ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

فرزندان رسول علیہ السلام اور فرزندان مشائخ کی شرف نسبت کی حیثیت سے اس کی تعظیم کی جائے گی۔ان کی تعظیم کے لیے عالم ہونا ضروی نہیں ہاں اگر ان میں علم ہوگا شرف (بزرگی) زیادہ ہوگا۔حدیث پاک ہے کہ میرے نیک اولاد کی تعظیم اللہ کے لیے کرو اور بڑوں کی تعظیم میرے واسطہ کرو۔ (تجلیات شرف،ص۸۲۔۸۹)

حضرت مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حج کی سعادت اور حرمین شریفین کی حاضری ہر مسلمان کے دل کی آرزو ہوتی ہے۔ شارح بخاری کئی بار دیار حرم کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ذوالحجہ ۱۴۰۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۵ء میں آپ نے پہلا حج بفضلہ تعالی و کرم حبیبہ الاعلیٰ جناب الحاج ابراہیم احمد برکاتی (بمبئی) کی خصوصی توجہ اور تعاون سے کیا۔بمبئی سے جدہ کے لیے پرواز کرنے کے لیے جانشین سید العلماء سید شاہ آل رسول حسنین میاں برکاتی مارہروی،مولانا خلیل احمد پٹھان ماہم شریف (بمبئی) قاری تراب علی رضوی (منارہ مسجد بمبئی) اور شارح بخاری ایک ہی ہوائی جہاز سے ہم سفر تھے۔جدہ سے مکہ مکرمہ تک حسنین میاں اور شارح بخاری ایک پرائیویٹ گاڑی سے پہنچے۔شارح بخاری بیان کرتے ہیں کہ میں ترساں ولرزاں حرم شریف میں نماز فجر کی جماعت کے بعد معا بعد پہنچا،وضو کر کے مسجد شریف میں حاضر ہوا،کعبہ شریف پر نظر پڑی۔

شارح بخاری اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:میں نے نظر اٹھائی تو سامنے گنبد خضریٰ اپنی پوری زیبائی وعظمت کے ساتھ جلوہ فگن تھا گنبد خضراء پر نظری پڑتے ہی میں بے خود ہو گیا۔کچھ دیر تک سکتہ وخاموشی کی کیفیت رہی اور بدن لرزتا رہا۔جب ہوش آیا

تو میں نے دست بستہ صلوٰۃ وسلام عرض کرنا شروع کیا۔ فرط مسرت میں میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈتا رہا۔ میری کیفیت اس وقت ایسی تھی کہ نہ وہاں سے قدم آگے بڑھانے کی جرأت ہوتی تھی اور نہ پیچھے ہٹانے کو جی چاہتا تھا۔ سعودی عرب کے اخلاقی واجتماعی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے شارح بخاری فرماتے ہیں۔ میں نے حرمین طیبین جاکر یہ محسوس کیا کہ مزارات و مآثر کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کے سوانجدیوں کے نزدیک کوئی چیز جرم نہیں۔ داڑھی منڈاؤ، فلم دیکھو، گھروں میں ٹیلی ویزن لگاؤ، اس پر عیاں فحش مخرب اخلاق سین دیکھو، گانے سنو، تصویریں کھنچواؤ اور تصویریں بیچو خریدو کوئی چیز جرم نہیں۔ نجدی حکومت کے طرف داروں سے میرا سوال ہے کہ کیا یہ سب چیزیں جائز ہیں قرآن مجید کی جو بے حرمتی میں نے وہاں دیکھی وہ کسی چیز کی نہیں دیکھی۔ شارح بخاری اپنے تاثرات و حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے دس روزہ قیام میں تقریباً ہر نماز کے بعد سرکار کی بارگاہ میں حاضری دیتا رہا۔ احد شریف، مسجد قبا، مسجد قبلتین، غزوۂ خندق کے میدان میں مساجد خمسہ اور دیگر مساجد مثلاً مسجد غمامہ وغیرہ کی بھی زیارت کرتا رہا۔ جنت البقیع شریف بھی روزانہ حاضر ہوتا رہا۔ مدینہ طیبہ کو باچشم نم الوداع کہتے ہوئے دوبارہ مکہ مکرمہ کا رخ ہوا۔ بیر علی اور بدر ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ واپسی ہوئی۔ جنت المعلیٰ کی پہلی سفر میں زیارت ہو چکی تھی۔ دوسرے سفر میں حسنین میاں اور قاری تراب علی کے ساتھ میں نے غار حرا کی زیارت کی۔

ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ احسن العلما سید شاہ حسن حیدر میاں سجادہ نشین مارہرہ مطہرہ احرام باندھے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ مفتی صاحب آپ حج کے لیے آئے اور مجھ سے نہیں ملے؟ میں نے عرض کیا سرکار مجھے اس کی خبر ہی نہیں تھی کہ حضور بھی حج کے لیے آئے ہوئے ہیں پھر مسکرا کر فرمایا۔ اچھا چلتے ہیں پھر ملیں گے۔ اس کے بعد ایک موقع پر مزدلفہ میں بحالت بیداری دیکھتا ہوں کہ مفتی اعظم ہند احرام باندھے ہوئے قبلہ کی طرف سے چلے آرہے ہیں۔ میں کھڑا ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا مگر قدم اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہاں تک کہ آنے والے بزرگ جب بہت قریب آگئے تو میں نے دیکھا کہ وہ مفتی اعظم نہیں بلکہ کوئی اور بزرگ ہیں۔ میں سخت استعجاب و اضطراب میں پڑ گیا۔ اتنے میں وہ

بزرگ قریب آکر مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں اجازت ہو تو آپ کی چادر پر بیٹھ جاؤں۔
میں نے عرض کیا! آپ ضرور تشریف رکھیں یہ تو میرے لیے بڑی سعادت اور اعزاز کی بات ہے۔ تشریف فرما ہونے کے بعد بزرگ نے میرا نام، مشغلہ، اور وطن دریافت کیا۔ میں نے اختصار سے سب کچھ بتا دیا۔ پھر جب میں نے ان کا نام وغیرہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا! نام پوچھ کر کیا کیجیے گا۔ میں سیلانی آدمی ہوں آج یہاں کل وہاں، میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔ میں نے دعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے، میں نے عرض کیا حضور میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ تو آپ نے دعا کی۔ اللھم اغفر لاخی ھذا۔ انہوں نے بار بار یہ دعا کی پھر اچانک کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ اچھا اب ہم چل رہے ہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس لیے آگئے۔ جاتے ہوئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اور تیزی کے ساتھ جانب قبلہ قدم بڑھاتے ہوئے نکل گئے۔ ادھر مجھ پر سکتہ کی سی کیفیت طاری تھی، میں عالم حیرت میں کھڑا سوچتا رہ گیا کہ یہ کون بزرگ ہیں انہوں نے کب مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ مکہ مکرمہ میں مناسک و آداب حج کے بعد بذریعہ ہوائی جہاز جدہ ممبئی واپسی ہوئی۔ (حیات فقیہ اعظم ہند، ص ۴۶، ۴۸)

حضرت مولانا محمد شہاب الدین لطیفی کٹیہاری کا عشق رسول

حضرت استاذ العلما عشق و وارفتگی کی اس منزل پر فائز ہیں، جہاں پہنچ کر آدمی اخروی نعمتوں کا مستحق بن جاتا ہے۔ جب بھی آپ کا دل گھبراتا، طلبہ سے یا کسی اچھے نعت خواں سے نعت پاک سنتے ہیں۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت اور اشرفی میاں علیہ الرحمۃ کی کہی ہوئی نعتیں، یا از خود نعت پاک پڑھ کر دل کو تسلی دیتے ہیں۔ کبھی کبھی پوری رات گزر جاتی ہے اور یہ حال ہوتا ہے، کہ آنکھوں سے مسلسل اشک رواں رہتا ہے اور آپ محبت رسول میں ڈوب کر محو ہو جاتے ہیں۔ رسول پاک علیہ السلام کی نسبت اور ہمہ بزرگوں کی نسبتوں کا اتنا خاص خیال فرماتے ہیں اور ادب و احترام بجالاتے ہیں، جس کی مثال اس زمانے میں بمشکل ملے گی۔

(جہان ملک العلماء، ص ۱۰۶۲)

ص

حضرت صادق بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

آپ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے ہیں۔ایک غزوہ کے موقع پر عبداللہ ابن ابی نے ایسی بات کہی کہ گویا یہ اوراس کے ساتھی معزز اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ذلیل ہوں، اور اب مدینے میں وہی رہ پائے گا جو اس کا ہمنوا ہے، مسلمان بیٹے کی حرارت ایمانی جوش میں آئی وہ غزوہ سے واپسی میں آگے بڑھ کر مدینے کے ناکے پر کھڑے ہو گئے اور یہ باپ جب وہاں پہنچا تو تلوار نکال کر کہا کہ تم اسی شکل میں مدینہ کے اندر قدم رکھ سکتے ہو جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجازت دیدیں، معاملہ حضور کو پہنچا، آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارا باپ ہے اس کے ساتھ حسن سلوک اور ادب ہی کرو، چنانچہ اس رحم وکرم کی بدولت وہ مدینہ میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو سکا۔(مجھے ہے حکم اذاں، ص ۷۰)

یہ عبداللہ ابن ابی کے بیٹے کا عشق رسول تھا کہ وہ اپنے باپ کو حضور کی گستاخی پر مرنے مارنے پر تیار تھے۔وہیں حضور کا اخلاق کریمانہ دیکھئے کہ آپ فرماتے ہیں ”اسے رہنے دو یہ تمہارا باپ ہے اس کے ساتھ حسن سلوک اور ادب ہی کرو۔“

حضور کے اخلاق حسنہ پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب عتیق الرحمٰن سنبھلی خوبصورت تحریر رقم کرتے ہیں کہ ”منافقین کے بارے میں شفقت نبوی کا کلائمکس (CLIMAX) یہ تھا کہ قرآن پاک نے آپ کو ان کے لیے دعائے مغفرت سے روکنے کے لیے کہا کہ:

”سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔

(منافقون، ۶)

اور ان پر ایک سا ہے تم ان پر معافی چاہو یا نہ چاہو، اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔(کنزالایمان)

مگر اس میں چونکہ اللہ نے صرف اپنا فیصلہ بیان کیا تھا، آپ کو صاف صاف منع نہیں کیا

تھا، اس لیے آپ نے حضرت عمر جیسے صحابہ کی گرانی پر فرمایا کہ ''اللہ نے مجھے اختیار دیا (منع نہیں کیا ہے) اس لیے میں اس اختیار سے فائدہ اٹھا کر ان کے لیے استغفار جاری رکھنا پسند کرتا ہوں۔'' اس کے بعد سورہ توبہ کی آیت نمبر ۸۰ نازل ہوئی:

''اِنْ تَسْتَغْفِرْلَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔''

اگر تم ان پر ستر مرتبہ بھی معافی چاہو، اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ (کنزالایمان)

اس پر صحابہ نے سمجھا کہ اب تو آپ رک ہی جائیں گے، مگر آپ نے فرمایا کہ ''میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا (تب شاید اللہ انہیں بخش دے۔'') حتی کہ توبہ کی آیت نمبر ۸۴ نازل ہوئی کہ ''ان میں سے کوئی مر جائے تو نہ آپ اس پر ہرگز نماز جنازہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر جائیں'' تب جا کر نبی رحمت نے اپنے آپ کو مجبور پایا۔ (مجھے ہے حکم اذاں، ص ۷۰)

دیکھا آپ نے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی جو کہ رأس المنافقین تھا اس کی شرارتوں اور اذیتوں سے حضور کو ذاتی اور جماعتی دونوں نقصانات پہنچے تھے، باوجودیکہ جب اس کا انتقال ہوا تو آپ نے اس کی نماز جنازہ تو پڑھائی ساتھ ہی اپنی قمیص مبارک بھی اس کے کفن میں شامل کرنے کے لیے دیدی۔ حضرت عمر سے نہ رہا گیا تو حضو کا دامن پکڑلیا یا رسول اللہ! آپ اس دشمن خدا کی نماز پڑھاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''عمر مجھے رہنے دو۔'' چنانچہ سیرت کی کتابیں حضور کی اخلاقیات سے بھری پڑی ہیں۔

دیکھیے! حضور اپنی امت کے تئیں کس قدر فکر مند ہیں۔ آپ دعا کرتے ہیں اے اللہ! میں تجھ سے ایک عہد چاہتا ہوں، اس کے خلاف ہرگز نہ فرمائیو، اور وہ یہ کہ میں بشر ہوں، (اسی بشریت کے ماتحت میں اگر کسی مومن کو ایذاء پہنچادوں، اسے برا بھلا کہہ دوں، اسے مار پیٹ دوں، یا اس پر لعنت کر بیٹھوں۔ تو میری ایسی تمام باتوں کو اس کے حق میں رحمت بنادیجیو، اس کے لیے پاکیزگی کا ذریعہ کردیجیو، اور اس کی ایک ایسی نیکی اسے ٹھیرادیجیو جو اسے تیرا قرب عطا کرنے کا باعث بنے۔'' (مجھے ہے حکم اذاں، ص ۷۱، رحمۃ اللعالمین، ج ۱)

☆☆☆

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بڑے عابد وزاہد لوگوں میں سے تھے، جب ان کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ لوگ اٹھ کر چلے جاتے اور ان کو اسی حال میں اپنی جگہ چھوڑ جاتے۔" (عرفان رضا درمدح مصطفیٰ، ج ۲۔ ص ۱۵۸)

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا کا عشق رسول

غزوۂ احزاب (۵ ھ) میں سارے عرب کے مشرکین اور یہود نے متحد ہو کر مرکز اسلام پر یلغار کر دی تھی اور خاص مدینہ منورہ کے اندر یہودِ بنو قریظہ غداری کر کے اہل حق کی جانوں کے لاگو ہو گئے۔ مسلمانوں کے لیے یہ بہت بڑی آزمائش تھی، لیکن آفریں، اللہ کے ان پاکباز بندوں پر کہ کیا مجال ایک لمحے کے لیے ان کے پائے استقامت میں لغزش آگئی ہو۔ انہوں نے اپنی جانیں اور مال راہِ حق میں بیچ کر دیے تھے اور زندگی کے آخری سانس تک کفر وشرک کے طوفانوں سے ٹکرانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ تاہم عورتوں اور بچوں کو گھر کے دشمنوں، یہودِ بنو قریظہ کی دست درازی اور شر سے بچانا ضروری تھا، چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمان خواتین اور بچوں کو بہ نظر احتیاط انصار کے ایک قلعہ "فارع" یا "اطم" میں منتقل کر دیا اور حضرت حسان بن ثابت (شاعر رسول اللہ) کو ان کی نگرانی پر مامور فرما دیا۔ قلعہ اگرچہ خاصا مضبوط تھا۔ لیکن پھر بھی یہ انتظام خطرے سے یکسر خالی نہ تھا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام جاں نثاروں کے ہم راہ جہاد میں مشغول تھے اور بنو قریظہ کے محلے اور اس قلعے کے درمیان کوئی فوجی دستہ موجود نہ تھا۔ انہی پر آشوب ایام میں ایک دن ایک یہودی اس طرف آنکلا اور قلعے میں موجود لوگوں کی سُن گن لینے لگا۔ حسن اتفاق سے ایک بوڑھی لیکن صحت مند خاتون نے اس یہودی کو دیکھ لیا، وہ اپنی خداداد فراست سے سمجھ گئیں کہ یہ شخص جاسوس ہے، اگر اس نے بنو قریظہ کے شریر النفس لوگوں کو جا کر بتا دیا کہ قلعے میں صرف عورتیں اور بچے ہیں تو ہوسکتا ہے وہ میدان خالی دیکھ کر قلعے پر حملہ کر دیں۔

چنانچہ انہوں نے نگرانِ قلعہ حضرت حسان سے کہا کہ باہر نکل کر اس یہودی کو قتل کر دیں۔
حضرت حسان نے عذر کیا، اس کا سبب اہل سیرت کے نزدیک ان کی جسمانی یا قلبی کم زوری تھی، جو کسی مرض میں مبتلا رہنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے اس موقعے پر یہ جواب دیا:
''میں اس یہودی سے لڑنے کے قابل ہوتا تو اس وقت رسول اللہ کے ساتھ نہ ہوتا؟''
وہ خاتون حضرت حسان کا جواب سن کر فوراً اٹھیں، خیمے کی ایک چوب اکھاڑی قلعے سے باہر آئیں اور اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، حافظ ابن حجر نے ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ یہودی کو قتل کرنے کے بعد انہوں نے حضرت حسان سے کہا، جا کر اس کا سر کاٹ لاؤ، انہوں نے اس میں بھی عذر کیا تو بہادر خاتون نے خود ہی اس کا سر کاٹ کر قلعے سے نیچے پھینک دیا یہودی بنی قریظہ کو کٹا ہوا سر دیکھ کر یقین ہو گیا کہ قلعے کے اندر مسلمانوں کی فوج موجود ہے۔ چنانچہ انہیں قلعے پر حملہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔
علامہ ابن اثیر جزری کا بیان ہے کہ پھر اس خاتون نے حضرت حسان سے کہا: ''اب جا کر مقتول یہودی کا سامان اتار لو۔'' وہ بولے: ''مجھے اس کی خواہش نہیں۔'' ابن اثیر کہتے ہیں کہ یہ پہلی بہادری تھی، جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی، چنانچہ سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔
یہ شیر دل خاتون، جن کی شجاعت اور بے خوفی نے ایک بڑا خطرہ ٹال دیا اور تمام مسلمان عورتوں اور بچوں کو یہودیوں کے دستِ ستم سے بچالیا، بنو ہاشم کی چشم و چراغ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب تھیں۔ (تذکار صحابیات، ص ۱۳۶، ۱۳۷)
یہ وہی صفیہ ہیں جو غزوۂ احد ۳ھ میں جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسا پلٹ گیا تھا اور مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا، تو حضرت صفیہ ہاتھ میں نیزہ لیے مدینہ سے نکلیں جو لوگ میدان جنگ سے منہ موڑ کر مدینہ کی طرف آ رہے تھے، ان کو شرم اور غیرت دلاتی تھیں، اور نہایت غصے سے فرماتی تھیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چل دیے؟'' رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو میدان جنگ کی طرف آتے دیکھا ان کے ثابت قدم

فرزند حضرت زبیر کو پاس بلا کر ارشاد فرمایا: "صفیہ اپنے بھائی حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائے۔"
(تذکار صحابیات، ص، ۱۴۱)

حضور سے غیر معمولی محبت

۱۱ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت صفیہ پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ اس موقعہ پر انہوں نے جو دردناک مرثیہ کہا اس کے چند اشعار کے ترجمے یہ ہیں:

یارسول اللہ! آپ ہماری امید تھے۔
آپ ہمارے محسن تھے، ظالم نہ تھے۔
آپ رحیم تھے، ہدایت کرنے والے اور تعلیم دینے والے تھے۔
آج ہر رونے والے کو آپ پر رونا چاہیے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری ماں، خالہ، چچا اور ماموں قربان ہوں۔ پھر میں اور میرا مال بھی۔
کاش! اللہ ہمارے آقا کو ہمارے درمیان رکھتا
تو ہم کیسے خوش قسمت تھے۔
لیکن حکم الٰہی اٹل ہے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا سلام ہو اور آپ جناتِ عدن میں داخل ہوں۔
اور ایک مرثیہ کا مطلع ہے:
"اے آنکھ! رسول اللہ کی وفات پر خوب آنسو بہا۔" (تذکار صحابیات، ص، ۱۴۴)

حضرت صفیہ کا استقلال دیکھنے سے تھا

جنگ اُحد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ دشمنوں نے ان کے اعضاء کاٹ کر ان کی لاش کو بھی بے حرمت کیا تھا، جنگ کے بعد صفیہ مادرِ زبیر، اپنے بھائی حمزہ کی لاش کو دیکھنے آئی، زبیر نے ماں کو دور ہی سے روکا، صفیہ نے

کہا، مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑی گئی اور بے حرمت کی گئی ہے۔ لیکن یہ تو ہمارے لیے فخر کا مقام ہے بیٹا! میں نہ روؤں گی نہ چلاؤں گی، صرف دعا پڑھ کر لوٹ جاؤں گی۔ (رحمۃ العالمین، ج ۱، ص ۱۰۵، تاریخ طبری)

حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام اور عشق رسول

جنگ خیبر میں قلعہ خیبر فتح کرنے کے بعد سارے اسیران جنگ مرد و زن کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ ان میں صفیہ بھی تھیں جو اپنے صوری اور معنوی محاسن کے اعتبار سے سب سے ممتاز تھی۔ یہ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجہ تھیں جو یہودیوں کا حکمران تھا۔ نیز یہودیوں کے ایک دوسرے رئیس اعظم حی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ حضور کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت دحیہ کلبی نے اسے حضور کی اجازت سے اپنے لیے چن لیا تھا۔ ایک صحابی نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! حضور نے بنی نضیر اور بنو قریظہ کی مخدومہ سیدہ صفیہ، دحیہ کلبی کو عطا فرمادی ہے حالانکہ یہ خاتون حضور کے ہی شایان شان ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ کو یاد فرمایا اور کہا کہ۔

"دحیہ! تم صفیہ کے بجائے کوئی دوسری کنیز چن لو اور اس سے دستبردار ہو جاؤ۔"

دحیہ نے فرمان نبوی سنتے ہی کنانہ کی بہن اپنے لیے پسند کر لی۔ حضرت صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالی مرتبت خاتون کو اپنے لیے منتخب فرمالیا۔ پھر حضور نے انہیں اختیار دے دیا کہ اگر ان کی مرضی ہو تو حضور ان کو آزاد کر دیں اور وہ اپنے باقی ماندہ رشتہ داروں کے پاس واپس چلی جائیں یا اسلام قبول کر لیں۔ اور رحمت عالم انہیں اپنی زوجیت کا اعزاز عطا فرمائیں۔ آپ نے عرض کی۔ اختار اللہ ورسولہ۔ کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں اور اپنے خاندان کے لوگوں کے پاس جانے کے لیے تیار نہیں۔

اس ذرہ نواز اور قدر شناس نبی نے حضرت صفیہ پر مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کو آزاد کر دی اور ایک آزاد خاتون کی طرح ان کو اپنی زوجیت کا شرف بخشا، ان کا پہلا نام زینب تھا۔

رحمت عالم نے ان کا نام بدل کر صفیہ رکھا، اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔

علامہ زرقانی ''شرح المواہب الدنیہ'' میں رقم طراز ہیں:

''چونکہ یہ اپنی قوم کے بادشاہ کی بیٹی تھیں، اس لیے ان کی دل جوئی اور عزت افزائی کی یہ صورت تھی کہ شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں اپنی زوجیت کی عزت سے سرفراز فرمائیں۔'' علامہ محمد رضا لکھتے ہیں:

انه اخذ صفية لانها بنت ملك من ملوكهم۔

یہودیوں کے بادشاہوں میں سے وہ ایک بادشاہ کی صاحبزادی تھیں اس لیے حضور علیہ السلام نے انہیں اپنے لیے پسند فرمایا۔

ایک روز صفیہ اپنے پہلے خاوند کنانہ بن ابی الحقیق کے پاس بیٹھی تھیں تو آپ نے اسے اپنا ایک خواب سنایا کہ آسمان کا چاند میری گود میں آ گرا ہے، جب اس نے یہ خواب سنا تو وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور کہنے لگے:

ماهذا الا انك تمنين ملك الحجاز محمدا۔

اس سے پتا چلا کہ تیری تمنا یہ ہے کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکہ بنے۔

اس نے غصہ سے ان کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا۔ اس سے ان کی آنکھ سبز ہو گئی۔ حضور کی بارگاہ میں شب زفاف جب حاضر ہوئیں تو حضور نے دریافت کیا، یہ سبز داغ کیا ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ عرض کیا۔ (ضیاء النبی، ج ۴، ص ۲۴۴)

مگر تذکار صحابیات کے صفحہ ۸۳ پر ہے کہ حضرت صفیہ نے یہ خواب اپنے باپ کو سنایا جس سے وہ سخت غضبناک ہوا اور اتنے زور سے میرے منہ پر تھپڑ مارا کہ چہرے پر اس کے انگلیوں کے نشانات ابھر آئے پھر اس نے کہا تو ملکہ عرب بننے کی خواب دیکھتی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ان کا باپ کسریٰ کی حکومت میں اعلیٰ افسر تھا۔ رومی لشکر نے ایران پر حملہ کیا صہیب کو جو ابھی چھوٹے بچے تھے قیدی بنا کر لے گئے، انہوں نے روم میں ہی نشو ونما پائی۔ یہاں تک

کہ جوان ہو گئے۔ پھر عرب کا ایک گروہ روم گیا۔ ان میں سے کسی نے صہیب کو خرید لیا، وہ انہیں سوق عکاظ میں لے آیا، اور یہاں انہیں فروخت کر دیا، پھر عبداللہ بن جدعان نے انہیں خرید لیا۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو ایک روز صہیب حضور کے کاشانۂ اقدس کے ارد گرد منڈلا رہے تھے، وہاں عمار بن یاسر سے ملاقات ہو گئی، عمار نے پوچھا صہیب کدھر کا قصد ہے؟ انہوں نے کہا میں حضور کی گفتگو سننے کے لیے حضور کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، عمار نے کہا میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ دونوں اکٹھے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے حضور نے انہیں خوش آمدید کہی۔ فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' دونوں بیٹھ گئے سرکار نے دونوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش کیں، اور قرآن کریم کی چند آیات تلاوت کر کے انہیں سنائیں۔ دونوں کے دل نور ایمان سے منور ہو گئے انہوں نے فوراً کلمہ شہادت پڑھ کر ایمان کا اعلان کر دیا۔ شام تک وہیں حاضر رہے، شام کے وقت چھپ چھپا کر اپنے گھروں کو روانہ ہوئے، عمار، جب گھر پہنچے والدہ نے پوچھا دن بھر کہاں غائب رہے، انہوں نے صاف صاف بات بتا دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اس دین حق کو قبول کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے ماں باپ کے سامنے اسلام کی مؤثر تعلیمات پیش کیں۔ قرآن کریم کی چند آیتیں جو آج ہی انہوں نے ازبر کی تھیں پڑھ کر سنائیں۔ دونوں اتنے متاثر ہوئے کہ اسی وقت ایمان لانے کا اعلان کر دیا گویا اس ایک دن میں حضرت صہیب، عمار ان کے والدین یاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہم چاروں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ الحمد للہ رب العلمین۔ (ضیاء النبی، ج ۲۔ ص ۲۴۷)

صالح بن حسین شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

وَكَانَ لَدَى الْفِرْدَوْسِ فِيْ زَمَنِ الرِّضَا وَاَبْوَابُ شَمْلِ الْاُنْسِ مُحْكَمَةُ السُّدَا

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے زمانے میں فردوس میں تھے اور عنایت کے شامل حال ہونے کے دروازے مکمل طور پر کھلے ہوئے تھے۔

يُشَاهِدُ فِيْ عَدْنٍ ضِيَاءً مُشَعْشِعًا يَزِيْدُ عَلَى الْاَنْوَارِ فِي الضَّوْءِ وَالْهُدٰى

آپ جنت عدن میں ضیا پاشی کرتی ہوئی روشنی دیکھتے تھے جو چمک اور ہدایت میں دوسرے انوار سے بڑھ کر تھی۔

فَقَالَ :اِلٰهِیْ مَاالضِّیَاءُ الَّذِیْ اَرٰی جُنُوْدَ السَّمَاءَ تَغْشُوْ اِلَیْهِ تَرَدُّدَا

عرض کیا اے میرے اللہ! یہ روشنی کیا ہے؟ جو میں دیکھ رہا ہوں، اور آسمان کے لشکر اس کی طرف آجا رہے ہیں۔

فَقَالَ نَبِیٌّ خَیْرُ مَنْ وَطِیَ الثَّرٰی وَاَفْضَلُ مَنْ فِی الْخَیْرِ رَاحَا وَاغْتَدَا

ارشاد فرمایا: یہ وہ نبی ہیں جو زمین پر چلنے والوں میں سب سے افضل ہیں اور خیر میں صبح وشام کرنے والوں میں سب سے اعلیٰ ہیں۔

تَخَیَّرْتُهٗ مِنْ قَبْلِ خَلْقِكَ سَیِّدَا وَاَلْبَسْتُهٗ قَبْلَ النَّبِیِّیْنَ سُؤْدَدَا

میں نے تمہارے پیدائش سے پہلے انہیں منتخب کیا ہے اور تمام انبیا سے پہلے انہیں تاج سیادت پہنایا ہے۔

وَاَعْدَدْتُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَافِعًا طَاعًا اِذَا الْغَیْرُ حَادَ وَحَیَّدَا

میں نے انہیں قیامت کے دن مقبول شفاعت والا بنایا ہے جب کہ دوسرے پہلوتہی کر جائیں گے۔

فَیَشْفَعُ فِیْ اِنْقَاذِ کُلِّ مُوَحِّدٍ وَیُدْخِلُهٗ جَنَّاتِ عَدْنٍ مُخَلَّدَا

پس میرے حبیب ہر موحد کی رہائی کے لیے شفاعت کریں گے اور اسے جنت عدن میں داخل کریں گے۔

وَاِنَّ لَهٗ اَسْمَاءَ سَمَّیْتُهٗ بِهَا وَلٰکِنَّنِیْ اَحْبَبْتُ مِنْهَا مُحَمَّدَا

میں نے ان کے بہت سے نام رکھے ہیں لیکن مجھے سب سے زیادہ محبوب نام "محمد" ہے۔

فَقَالَ :اِلٰهِیْ اُمْنُنْ عَلَیَّ بِتَوْبَةٍ تَکُوْنُ عَلٰی غَسْلِ الْخَطِیْئَةِ مُسْعِدَا

انہوں نے عرض کیا: اے اللہ! مجھے ایسی توبہ کی توفیق عطا فرما جو میری لغزش کو دھونے میں کامیاب ہو۔

فَقَالَ نَبِیٌّ خَیْرُ مَنْ وَطِیَ الثَّرٰی وَاَفْضَلُ مَنْ فِی الْخَیْرِ رَاحَا وَاغْتَدَا

اس نام کی حرمت سے اور اس قرب کے وسیلے سے، جو تو نے صرف اپنے حبیب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے اور باقی مخلوقات کو نہیں دیا۔

اَقِلْنِیْ عِثَارِیْ یَا اِلٰھِیْ فَاِنَّ لِیْ عَدُوَّ الْعِیْنَا جَارَ فِی الْقَصْدِ وَاعْتَدٰی

اے اللہ! میری لغزش معاف فرما، کیونکہ میرا دشمن ایسا ملعون ہے جس نے راہ راست میں ظلم کیا ہے اور حد سے تجاوز کیا ہے۔

فَتَابَ عَلَیْہِ رَبُّہٗ وَحَمَاہُ مِنْ جِنَایَۃِ مَا اَخْطَا بِہٖ اَوْ تَعَمَّدَا

پس ان کے رب نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں ان کے ارادی یا غیر ارادی فعل کی جزا سے بچالیا۔ (پکارو یارسول اللہ، ص ۶۱)

یہ اشعار یقیناً اس بات پر شاہد ہیں کہ حضرت صالح بن حنفی شافعی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس درجہ پیار تھا یہ اشعار اسی الفت ومحبت کے شاہکار ہیں۔

حضرت مولانا ابوالنور محمد صدیق چشتی بصیر پوری کا عشق رسول

آپ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے، ذکر مصطفیٰ سن کر آپ کا جسم لرز جاتا تھا، ایک مرتبہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے سالانہ جلسہ پر شیخ القرآن علامہ ابوالحقائق محمد عبدالغفور ہزاروی قدس سرہ اپنے خاص انداز میں تقریر شروع کی، آپ بہت علیل تھے، علامہ ہزاروی کی آواز سن کر فرمایا مجھے جلسہ گاہ میں لے چلو چنانچہ دو آدمی کندھوں پر آپ کو جلسہ گاہ میں لائے اور تین فٹ اونچے اسٹیج پر بٹھا دیا۔ علامہ ہزاروی نے امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا یہ شعر پڑھا۔

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

تو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس مخصوص مہک سے محظوظ ہو کر آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی چنانچہ آپ بڑی روانی سے ذکر کرتے ہوئے اسٹیج سے نیچے اتر آئے۔ آپ نے ۱۹۴۸ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ (تذکرۂ اکابر اہل سنت، ص ۴۹۱)

ض

حضرت ضماد ازدی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

ازدشنوءۃ، عرب کے نامور قبیلوں میں سے ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اس قبیلہ کا ایک رئیس ضماد ازدی مکہ مکرمہ میں آیا۔ یہ اُن مریضوں کو دم کیا کرتا تھا، جنہیں آسیب یا جنات کی تکلیف ہوتی تھی، اسے یہاں کے چند احمقوں نے حضور کے بارے میں بتایا کہ انہیں آسیب کی تکلیف ہے۔ وہ بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں، انہیں غشی کے دورے پڑتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک نئے مذہب کا پراپیگنڈا بھی بڑے زور شور سے کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سارے شہر میں فتنہ وفسا کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں، ایسے بیماروں کے لیے تیرا دم بڑا اکسیر ہے اگر تم ان کو دم کرو، تیرے دم سے وہ صحت یاب ہو جائیں تو ساری قوم تیری شکر گزار ہوگی۔

اس نے دل میں طے کیا کہ اگر میری اس شخص سے ملاقات ہوئی تو میں ضرور اسے دم کروں گا شائد اللہ تعالیٰ اسے میرے ذریعہ شفایاب کردے۔ چنانچہ اس نے ایک روز حضور کو حرم کے صحن میں بیٹھے دیکھا، وہ حضو کے پاس جا کر بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ میرے پاس آسیب کا بڑا مجرب دم ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے میرے دم سے اس کو صحت بخش دیتا ہے۔ کیا آپ کی مرضی ہے کہ میں آپ کو دم کروں۔ اس کی یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوں گویا ہوئے۔

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِى اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

بیشک تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اللہ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور وہ جسے گمراہ کردے وہ کبھی

ہدایت نہیں پاسکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

ضماد یہ کلمات طیبات سن کر بے خود ہو گیا۔ اور عرض کی ایک بار پھر یہ ارشاد دہرائیے، ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین بار ان کلمات کو دہرایا۔ انہیں سننے کے بعد ضماد کہنے لگا۔

لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ، وَقَوْلَ السَّحَرَةِ وَقَوْلَ الشُّعَرَاءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَاءِ هَاتِ يَدَكَ أُبَايِعْكَ عَلَى الْإِسْلَامِ۔

میں نے کاہنوں، جادوگروں، کے اقوال سنے، شعرا کے اشعار سنے۔ لیکن میں نے آپ کے ان کلمات کی مثل کوئی کلام نہیں سنا۔ ہاتھ آگے بڑھائیے تا کہ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کروں۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دست مبارک بڑھایا اس نے بیعت کر لی۔ پھر حضور نے فرمایا "یہ بیعت صرف تمہاری طرف سے نہیں بلکہ تیری قوم کی طرف سے بھی ہے۔" اس نے کہا بے شک، یہ بیعت میری قوم کی طرف سے بھی قبول فرمائیں۔

(ضیاء النبی، ج ۲۔ ص ۴۱۰، سیرۃ الحلبیہ، ج ۱، ص ۳۲۹)

☆☆☆

ط

حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت صدیق اکبر کی کوششوں سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ نوفل بن عدویہ جو اسد قریش کے لقب سے مشہور تھا، اسے جب اس بات کا علم ہوا تو وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا، اس نے دونوں کو یعنی حضرت صدیق اور طلحہ کو ایک رسی میں جکڑا اور کس کر باندھ دیا، وہ دونوں کراہتے رہے لیکن ابن عدویہ کے قوت اور دبدبہ کے ڈر سے ان کے قبیلہ بنو تمیم کے کسی فرد کو ہمت نہ ہوئی کہ انہیں آکر چھوڑا دے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِكْفِنَا شَرًّا بْنِ الْعَدَوِيَّةِ۔ اے اللہ عدویہ کے بیٹے کے شر سے ہمیں بچا۔

حضرت طلحہ کے ایمان لانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ طلحہ بصریٰ کی منڈی میں تجارت کے لیے گئے۔ وہاں خانقاہ میں ایک راہب رہتا تھا، اس نے اپنے لوگوں کو کہا کہ دریافت کرو کہ بیرونی تاجروں میں کوئی حرم کا تاجر بھی آیا ہوا ہے۔ میں نے بتایا کہ میں مکہ سے آیا ہوں۔ مجھے اس کے پاس لے گئے، اس نے دریافت کیا کہ کیا احمد نامی کوئی شخص تم میں ظاہر ہوا ہے میں نے پوچھا کون احمد؟ اس نے کہا احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب یہ مہینہ اس کے ظہو رکا ہے وہ نبی آخر الانبیاء ہے۔ اس کے ظہور کی جگہ مکہ ہے اور ہجرت گاہ نخلستانوں والی وہ شور زمین ہے۔ خبردار! اس پر ایمان لانے میں تم پر کوئی سبقت نہ لے جائے۔ میرے دل میں اس کی بات بیٹھ گئی، میں جلدی سے مکہ لوٹا میں نے پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ محمد بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور حضرت ابوبکر آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ میں آپ کے پاس گیا آپ نے مجھے اسلام کے بارے میں بتایا مجھے لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں مشرف باسلام ہوا۔ (ضیاء النبی، ج ۲۔ ص ۲۳۶، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۱۸۸)

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوْا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔ (سورہ: الاحزاب:آیت: ۲۳)

مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے۔ (کنزالایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت طلحہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ يَّمْشِىْ عَلَى الْاَرْضِ وَقَدْ قَضٰى نَحْبَهٗ، فَلْيَنْظُرْ اِلٰى طَلْحَةَ! ''جو شخص اس بات پر خوش ہو کہ وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو زمین پر چلتا ہو اور اس نے اپنی نذر پوری کر دی ہو وہ طلحہ کو دیکھ لے!''

غزوۂ احد میں حضرت طلحہ نے دور سے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک سے لہو بہہ رہا ہے اور آپ سخت تکلیف میں ہیں۔ یہ صورتحال حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو کھا گئی اور آپ نے ہولناک فاصلے کو ایک یا دو چھلانگوں میں ہی طے کر ڈالا جبکہ مشرکین کی چھائیں چھائیں کرتی تلواریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حصار میں لیے ہوئے تھیں اور آپ کو کاری ضرب لگانا چاہتی تھیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس خوفناک صورت حال میں لشکر جرار کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بن کر کھڑے ہوئے۔ آپ اپنے دائیں بائیں بوٹیاں اڑانے والی تلوار کے وار کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا خون بہہ رہا ہے اور آپ کی تکلیف بڑھ رہی ہے تو آپ کو سہارا دیا اور اس گڑھے سے باہر نکالا جس میں آپ کا پاؤں پھسل گیا تھا۔

آپ اپنے بائیں ہاتھ اور سینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دیے ہوئے تھے اور محفوظ مقام پر لے جا رہے تھے ساتھ ساتھ اپنے دائیں ہاتھ سے تلوار بھی چلا رہے تھے اور ان مشرکوں سے لڑ رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے ہوئے تھے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

''جب احد کے روز کا ذکر کیا جاتا تو حضرت ابو بکر فرمایا کرتے تھے یہ دن تو سارے کا

سارا طلحہ کا تھا۔ میں پہلا شخص تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے مجھے اور ابو عبیدہ بن جراح سے فرمایا: اپنے بھائی کی حالت کو دیکھو!

ہم نے دیکھا تو طلحہ کے جسم پر نیزے، تلوار اور تیر کے اسی کے قریب زخم تھے۔ ان کی ایک انگلی بھی کٹ گئی تھی۔ پھر ہم نے ان کی مرہم پٹی کی۔"

حضرت طلحہ تمام غزوات میں اگلی صفوں میں ہوا کرتے تھے، آپ اللہ کی رضا مندی اور پر چم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونا چاہتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد حضرت طلحہ مسلمان جماعت کے وسط میں زندگی گزارنے لگے۔ عبادت گزاروں کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے رہے اور مجاہدین کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف رہے۔ بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے بازوؤں سے اس نئے دین کی نبیادیں مضبوط کرتے رہے جو دین اس لیے آیا تھا کہ انسایت ..... ساری کی ساری انسانیت ..... کو اندھیروں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لے آئے۔

جب آپ رب کا حق ادا کر لیتے تو پھر زمین میں اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔ اپنی منافع بخش تجارت اور سودمند کاروبار میں مصروف ہو جاتے۔

حضرت طلحہ بہت زیادہ دولتمند اور اہل ثروت مسلمانوں میں سے تھے۔ آپ کی ساری دولت وثروت اس دین کی خدمت کے لیے وقف تھی جس کا علم آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اٹھا رکھا تھا۔ آپ اس دولت سے بے حساب خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بھی آپ کی اس دولت کو بے حساب ہی بڑھاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جود وسخا کو مزید بڑھانے کے لیے آپ کو طلحہ الخیر، (سراپا خیر طلحہ) طلحہ الجود (سراپا سخاوت طلحہ) اور طلحہ الفیاض (بحر سخاوت طلحہ) کا نام دے رکھا تھا۔ (نقوش صحابہ، ص ۳۴۱۔۳۴۴)

حضرت طلحہ نے محبت رسول میں خود کو ڈھال بنالیا

جنگ اُحد میں حضرت طلحہ بن عبداللہ کے جسم پر ۵۷ ستاون زخم لگے تھے۔ ایک ہاتھ بھی

کٹ کرلٹک گیا تھا۔اسی دوران اللہ کے رسول زخمی ہوکر ایک گڑھے میں گر پڑے۔حضرت طلحہ نے دیکھا تو اسی حالت میں گڑھے میں کود گئے اور اپنے سینے سے رسول کو لپٹا کر گڑھے سے نکالا۔ہمارے نبی کے چار دانت بھی شہید ہو چکے تھے۔اور پیشانی پر گہرا زخم لگا تھا۔جس کی وجہ سے خون بہہ رہا تھا۔حضرت طلحہ نے اپنی پیٹھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھالیا اور پہاڑ پر چڑھ گئے تاکہ دشمنوں سے بچا جاسکے۔جب بھی کوئی تیر دشمن کی طرف سے آتا تو اپنے جسم کو ڈھال بنالیتے حضرت کو نہ لگنے دیتے۔اللہ کے رسول پر غشی سی طاری تھی۔لیکن جب بھی ہوش آتا تو فرماتے کہ ''طلحہ تم پر جنت واجب ہوگئی۔ (حیات سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص ۴۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: احد کے دن لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے اِدھر اُدھر منتشر ہونے لگے تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت اپنی ایک ڈھال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کررہے تھے۔ وہ بڑے تیرانداز تھے۔اور خوب کھینچ کر تیر چلاتے تھے۔ چنانچہ اس دن دو، یا تین، کمانیں توڑیں۔اس وقت اگر کوئی شخص سرکش لیے ہوئے گزرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تیر ابوطلحہ کو دے دو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے دیکھنے لگتے تو ابوطلحہ عرض کرتے:

يا نبي الله بابي انت وامي لا تشرف ليصيبك سهم من سهام القوم نحري دون نحرك الخ۔

اے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان نہ جھانکیے، کوئی تیر نہ لگ جائے میرا سینہ آپ کے سینے کی ڈھال ہے۔

(صحيح بخاري ،ج ١، كتاب الانبياء ،باب مناقب ابي طلحه رضي الله عنه)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عسفان سے واپسی پر تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر اپنے پیچھے اپنی بیوی صفیہ بنت حی کو بٹھایا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پھسلی اور دونوں گر پڑے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے کود ے اور عرض کیا:

يا رسول الله صلى الله عليه وسلم جعلني الله فداك۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ مجھے آپ پر فدا کرے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا خیال کرو انہوں نے کپڑا اپنے چہرے پر ڈالا تاکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا پر نظر نہ پڑے، اور قریب آکر وہ کپڑے ان پر ڈال دیے، اس کے بعد سواری درست کی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے، تو ہم آپ کے چاروں طرف آگئے۔ (صحیح بخاری ج ۱، کتاب الجهاد، باب ما یقول اذا رجع الجهاد)

طفیل بن عمر الدوسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

کفار مکہ نے اہل اسلام کو سنگدلانہ بائیکاٹ کا پروگرام اور طویل عرصہ تک اس پر سختی سے پابند رہنے کا اہتمام اس لیے کیا تھا کہ وہ اس طرح اسلام کی ترقی کے سامنے مضبوط بند باندھ دیں گے۔ لیکن قدرت خداوندی کی شان ہی نرالی ہے۔ یہی چیز اسلام کی شہرت اور اس کی مقبولیت کا باعث بن گئی، جو لوگ حج، عمرہ، تجارت اور دیگر مقاصد کے لیے مکہ مکرمہ میں آتے تو انہیں اس بائیکاٹ کا پتہ چل جاتا، قدرتی طور پر ان کے دلوں میں اس کے اسباب جاننے کی خواہش پیدا ہوتی۔ اس طرح انہیں اس نئے دین کی نبیادی عقائد، انقلابی تعلیمات اور دلکش خصوصیات کا پتہ چلتا۔ نیز اس دین حق کے داعی اکمل کی دلنواز سیرت اور آلام و مصائب کے ہجوم میں اس کے معتقدین کی حیرت انگیز استقامت اور صبر کی داستانیں بھی سننے کا موقع ملتا۔ توفیق الٰہی جن کی دستگیری فرمائی، وہ تو اس دین کو قبول کر لیتے لیکن جو لوگ اس دین کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتے وہ بھی اتنے متاثر ہوتے کہ جب وطن واپس جاتے تو اٹھتے بیٹھتے سب کے سامنے اس نئی دینی تحریک اور اس کے حیرت انگیز عقائد کا تذکرہ ضرور کرتے، اس طرح اسلام کی تشہیر کا کام خود بخود انجام پذیر ہونے لگا، مکہ میں باہر سے آنے والا ہر نو وارد بڑی بے تابی سے اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔
اہل مکہ نے جب دیکھا کہ اسلام کی شہرت دور دراز علاقوں میں پہنچ رہی ہے اور لوگ اس میں دلچسپی لینے لگے ہیں تو انہوں نے حضور پرنور کی ذات اور حضور کے دین متین کے خلاف غلط بیانی اور بہتان تراشیوں کی انتہا کر دی۔ وہ حضور کو کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی ساحر کہتے، ان

کا اس سے مقصد یہ تھا کہ باہر سے آنے والے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متنفر ہو جائیں، نہ حضور کی بات سنیں، اور نہ حضور کی مجلس میں جا کر بیٹھیں، اگر کوئی اہم شخصیت مکہ میں وارد ہوتی تو اس کا اس طرح گھیراؤ کر لیا جاتا کہ اسے حضور کے قریب جانے کا موقع ہی نہ ملتا۔

اسی قسم کا واقعہ طفیل بن عمر الدوسی کے ساتھ پیش آیا۔

طفیل قبیلہ دوس کا سردار تھا۔ اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے ساری قوم اس پر جان چھڑکتی تھی۔ اس کے اشارہ ابرو پر وہ سب کچھ لٹانے کے لیے تیار ہو جاتی تھی، عقل مند اور معاملہ فہم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ قادر الکلام، نغز گو شاعر بھی تھا۔ اس کے اشعار اور قصائد کو سن کر عرب کے فصحاء بلغا سر دھنتے تھے۔ ایک دفعہ عمرہ ادا کرنے کے لیے وہ مکہ آیا قریش کو اس کی آمد کا علم ہوا، تو قریش کے روسا نے اس کی خاطر و مدارات کی حد کر دی۔ ہر وقت اس کے ساتھ چمٹے رہتے۔ اس کو حضور سے دور رکھنے کے لیے ہر تدبیر بروئے کار لاتے، طفیل خود بیان کرتے ہیں کہ:

میں جب مکہ پہنچا تو وہاں کے سرداروں نے مجھے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا، ناصح مشفق کی حیثیت سے انہوں نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

يَا طُفَيْلُ اِنَّكَ قَدِمْتَ بِلَادَنَا، وَهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بَيْنَ اَظْهُرِنَا قَدْ اَعْضَلَ بِنَا۔ قَدْ فَرَّقَ جَمَاعَتَنَا، وَشَتَّتَ اَمْرَنَا، وَاِنَّمَا قَوْلُهٗ كَالسِّحْرِ يُفَرِّقُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ اَبِيْهِ وَبَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ اَخِيْهِ وَبَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ زَوْجَتِهٖ، وَاِنَّا نَخْشٰى عَلَيْكَ وَعَلٰى قَوْمِكَ مَا قَدْ دَخَلَ عَلَيْنَا فَلَا تُكَلِّمَهٗ وَلَا تَسْمَعَنَّ مِنْهُ شَيْئًا۔

"اے طفیل! تم ہمارے شہر میں تشریف لے آئے ہو۔ ہمارے ہاں ایک شخص ہے جس نے ہمیں بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے، ہمارے اتحاد کو اس نے پارہ پارہ کر دی ہے۔ ہمارے حالات کو اس نے پراگندہ کر دیا ہے۔ اس کی گفتگو میں جادو کا اثر ہے۔ اس نے بیٹے اور باپ کو، بھائی اور بھائی کو، خاوند اور بیوی کو جدا جدا کر دیا ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی اس مصیبت میں نہ مبتلا ہو جائے۔ جس کا ہم شکار ہیں اس لیے

ہماری مخلصانہ گزارش ہے کہ س کے ساتھ گفتگو نہ کرنا۔اور ہرگز اس کی کوئی بات نہ سننا۔"
طفیل کہتے ہیں کہ وہ لوگ بار بار مجھے یہی نصیحتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی، اور میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ نہ میں ان کے پاس بیٹھوں گا اور نہ ان کی بات سنوں گا۔حتی کہ جب میں مسجد حرام میں جانے لگتا تو اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ کہ کہیں بے خبری میں ہی ان کی آواز میرے کانوں میں نہ پڑ جائے۔
طفیل اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے خود بتاتے ہیں کہ ایک روز میں حرم شریف میں گیا وہاں اچانک میں نے دیکھا کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ کے سامنے نماز ادا کررہے ہیں۔ میں نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میری مرضی کے بغیر اس کے محبوب کی آواز میرے کانوں تک پہنچ گئی چنانچہ جب میں نے دل آویز کلام سنا تو میں نے اپنے آپ کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

وَاثُكْلَ اُمِّىْ ! وَاللّٰهِ اِنِّىْ لَرَجُلٌ لَبِيْبٌ شَاعِرٌ مَا يَخْفٰى عَلَىَّ الْحَسَنُ مِنَ الْقَبِيْحِ، وَمَا يَمْنَعُنِىْ اَنْ اَسْمَعَ مِنْ هٰذَا الرَّجُلِ مَا يَقُوْلُ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ يَاْتِىْ بِهٖ حَسَنًا قَبِلْتُهٗ وَاِنْ كَانَ قَبِيْحًا تَرَكْتُهٗ۔

"میری ماں کے بچے مریں! بخدا میں ایک عقل مند آدمی ہوں اور شاعر بھی ہوں، کلام کے حسن وقبح کو اچھی طرح پہچانتا ہوں اس شخص کی بات سننے سے مجھے روکنے والا کون ہے اگر اس نے کوئی اچھی بات کہی تو قبول کرلوں گا اور اگر کوئی قبیح بات کہیں گے تو اسے مسترد کردوں گا۔
چنانچہ میں وہاں رک گیا۔ حضور نے نماز پڑھی اور اپنے گھر تشریف لے گئے، میں بھی پیچھے پیچھے چل پڑا۔ حضور گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی وہاں پہنچ گیا، میں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں یہ یہ باتیں بتائی ہیں۔ وہ مجھے حضور سے ڈراتے رہے۔ یہاں تک کہ اس خوف سے کہ آپ کی آواز میرے کانوں کے پردوں سے ٹکرائے، میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی لیکن آج اچانک آپ کی آوز میرے کانوں میں پڑی ہے جو مجھے پسند آئی ہے، میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے اپنی دعوت کے بارے میں خود بتائیں تا کہ اس کے متعلق میں کچھ فیصلہ کرسکوں۔

طفیل کہتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اسلام کے بارے میں بتایا پھر قرآن کریم پڑھ کر سنایا۔

خدا کی قسم! اس سے زیادہ دلکش اور اثر آفریں کلام میں نے آج تک نہیں سنا تھا، اور نہ اس دین سے بہتر کوئی اور دین میں جانتا تھا، میرے دل نے اس دعوت کی عظمت اور سچائی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اسی وقت سرکار کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

پھر میں نے عرض کی یا نبی اللہ! میں اپنی قوم کا سردار ہوں سب لوگ میرے حکم کی تعمیل کر تے ہیں میں یہاں سے اب واپس ان کے پاس جا رہا ہوں۔ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں گا حضور دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نشانی عطا فرمائے جو تبلیغ کے اس کام میں میری معاون اور مددگار ثابت ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَہٗ آیَۃً ۔ ''اے اللہ! اس کو کوئی نشانی عطا فرما دے۔''

دولت ایمان اور نعمت یقین سے مالا مال ہو کر میں مکہ سے روانہ ہوا۔ جب اس وادی کے اونچے ٹیلے پر پہنچا جس کے دامن میں میری قوم کی بستی تھی۔ جہاں سے نیچے والے لوگ مجھے دیکھ سکتے تھے، رات کا وقت تھا، اچانک میری آنکھوں کے درمیان سے نور چمکنے لگا جیسے کسی نے چراغ روشن کر دی ہو، میں نے عرض کی یا اللہ! اس نور کو اس جگہ سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ ظاہر فرما دے، ایسا نہ ہو کہ لوگ کہنے لگیں کہ اس نے اپنے بتوں کو چھوڑا ہے جس کی سزا میں اس کے چہرے پر برص کا داغ ظاہر ہو گیا ہے۔ اچانک وہ نور میری دونوں آنکھوں کے درمیان سے ہٹ کر میری سوٹی کے ایک کنارے پر جگمگانے لگا، جب میں نیچے اتر رہا تھا میری قوم نے دیکھا کہ میری سوٹی کے ایک کنارے پر روشنی چمک رہی ہے میں اپنے گھر پہنچ گیا۔ رات بسر کی صبح سویرے میرے باپ جو کافی بوڑھے تھے مجھے ملنے کے لیے آئے تو میں نے کہا

ابا جی! آج سے میرا آپ کا تعلق ختم، آپ تشریف لے جائیں۔

باپ نے پوچھا بیٹا! کیا بات ہے۔

میں نے کہامیں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔اور محمد مصطفیٰ علیہ اطیب والثنا کی غلامی قبول کر لی ہے باپ نے کہا جو دین تو نے قبول کیا ہے میں بھی اسی دین کو قبول کرتا ہوں۔میں نے کہا جایئے غسل کیجیے۔پاک کپڑے پہنئے، پھر میرے پاس تشریف لایئے۔میں آپ کو اس دین کی تعلیم دوں گا جو مجھے دی گئی ہے۔چنانچہ میرے والد گھر گئے، غسل کیا، پاک کپڑے پہنے اور واپس آئے۔میں نے انہیں اسلام کے بارے میں بتایا اور انہیں کلمہ شہادت پڑھایا۔

طفیل کہتے ہیں! پھر میری بیوی میرے پاس آئی میں نے اسے بھی یہی کہا کہ یہاں سے چلی جا۔اب میرا تیرکوئی تعلق نہیں۔

اس نے کہا! میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہو جائیں، ناراضگی کی وجہ کیا ہے مجھے کوئی بات تو بتاؤ۔

میں نے کہا! اسلام نے میرے اور تیرے درمیان جدائی کردی ہے۔اب تو میری بیوی نہیں رہی۔

اس نے بھی کہا! کہ میں بھی وہی دین قبول کرتی ہوں جو تم نے قبول کیا ہے۔

میں نے اسے کہا کہ ذوشریٰ کی چراگاہ میں جاؤ وہاں چشمہ پر غسل کرو۔اور پھر آؤ۔ (ذوشریٰ، قبیلہ دوس کے بت کا نام تھا ارد گرد کا علاقہ اس کے لیے وقف تھا وہاں پہاڑی سے ایک چھوٹی سے آبشار آکر گرتی تھی) بیوی نے وہاں جانے سے پہلے اپنے خاوند کو کہا کہ ہمارے چھوٹے بچے ہیں، کہیں یہ دیوتا ناراض ہو کر انہیں گزند نہ پہنچائے، اس بات کا بھی خیال کرلو۔پھر لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔طفیل نے مومنانہ یقین سے کہا" انا ضامن ذلك" کہ میں اس کا ضامن ہوں تو فکر مت کر۔چنانچہ وہ بھی نہا کر کپڑے بدل کر آ گئی۔تو طفیل نے اسے بھی اسلام کی تعلیم دی پھر اسے کلمہ شہادت پڑھایا۔

اپنے گھر والوں سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنے قبیلہ دوس کو دعوت اسلام دینا شروع کی لیکن انہوں نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا۔اور اپنے قدیم عقائد پر جمے رہے۔میں قدرے مایوس ہو کر مکہ مکرمہ میں اپنے ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اور عرض کیا یا نبی اللہ! میں نے اپنے قوم کو مسلمان بنانے کی بہت کوشش کی لیکن دنیا

سے ان کی محبت اور لہو ولعب سے ان کا شغف انہیں مسلمان ہونے نہیں دیتا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کے لیے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور عرض کی۔

اَللّٰھُمَّ اِھْدِ دَوْسًا۔ ''اے اللہ تعالیٰ! قبیل دوس کو ہدایت دے۔''

پھر مجھے فرمایا: اِرْجِعْ اِلٰی قَوْمِكَ فَادْعُھُمْ وَارْفِقْ بِھِمْ۔

''تم واپس چلے جاؤ انہیں تبلیغ کرو لیکن نرمی اور محبت سے انہیں اسلام کی طرف بلاؤ۔''

آپ کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے سرگرم عمل رہا۔ یہاں تک کہ حبیب کبریاء علیہ التحیۃ والثنا مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے بدر، احد، اور خندق کے معرکے بھی انجام پذیر ہوگئے، ان کے بعد اپنی قوم کے نو مسلموں کو لے کر میں زیارت کے لیے روانہ ہوا ہمارا قافلہ جو قبیلہ دوس کے ستر اسی گھرانوں پر مشتمل تھا۔ مدینہ طیبہ پہنچا، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی مہم سر کرنے کے لیے تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ ہم وہاں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہماری دلنوازی فرماتے ہوئے ہمیں دوسرے مجاہدین کی طرح مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔

حضرت طفیل کے دوسرے رفقاء شرف نیاز حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس لوٹ گئے۔ لیکن وہ خدمت اقدس میں حاضر رہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا، اور اس پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا، خانہ خدا جو جھوٹے بتوں کا مرکز بنا ہوا تھا، اسے ان نجاستوں سے پاک کیا گیا۔ اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی وہاں عبادت کی جانے لگی۔ طفیل کہتے ہیں فتح مکہ کے دن میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یارسول اللہ! مجھے حکم ہو تو میں ذوالکفین (جو عمر بن حمہ کا بت تھا) کو جا کر نذر آتش کر دوں، حضو کی اجازت سے میں وہاں پہنچا جہاں ذوالکفین کا بت نصب تھا، اس پر ایندھن رکھا اس کو آگ لگائی وہ جل کر خاکستر ہو رہا تھا اور اس کا پرانا پجاری جو، اب ساقی کوثر کے مے خانہ سے توحید کی شراب طہور سے سرخوش تھا، وہ یہ شعر الاپ رہا تھا۔

يَا ذَا الْكَفَيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَا
مِيْلَادُنَـــا اَقْدَمُ مِـنْ مِيْلَادِكَ
اِنِّی خَشَوْتُ النَّارَ فِیْ فُوَادِكَا

اے ذوالکفین میں تیرے پجاریوں سے نہیں ہوں۔ ہماری تاریخ پیدائش تیری تاریخ پیدائش سے بہت پہلے کی ہے۔ میں نے تیرے دل میں آگ جھونک دی ہے۔

اس بت کو جلا کر راکھ کر دینے کے بعد پھر یہ حضور کی بارگاہ عالی میں حاضر ہو گئے اور آخر وقت تک نعمت دیدار سے مالا مال ہوتے رہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر ملال کے بعد جب فتنہ انکار، ختم نبوت نے اسلام کی نوخیز مملکت کو ہلا کر رکھ دیا تو طفیل بن عمر الدوسی اپنے نوجوان فرزند عمر کے ساتھ اس جہاد میں پیش پیش رہے، یہاں تک کہ مسیلمہ کذاب کے خلاف فیصلہ کن معرکہ میں یمامہ کے مقام پر شہادت کی رنگین قبا زیب تن فرما کر بارگاہ رب العالمین میں حاضر ہو گئے۔ ان کا فرزند داد شجاعت دیتا ہوا شدید زخمی ہوا۔ لیکن وہ صحت یاب ہو گیا، آخر کار شہید باپ کا بیٹا عہد فاروقی میں یرموک کے میدان میں شہید ہوا (رضی الله تعالیٰ عنه وعن ابیه الماجد الکریم البطل الجلیل۔'')

(ضیاء النبی، ج ۲۔ ص ۴۰۱۔ ۴۰۷، سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۰۷۔ ۴۱۱۔ رحمۃ اللعالمین ج ۱، ص ۶۹، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۹۳۔ ۴۹۴)

طارق بن عبداللہ کی حاضری

طارق بن عبداللہ کا اپنا بیان ہے کہ وہ ایک روز سوق مجاز میں کھڑا تھا (سوق مجاز، ایک بازار کا نام ہے جو زمانہ جاہلیت میں اہل عرب لگایا کرتے تھے) اچانک ایک آدمی ہمارے پاس آیا، جس نے جبہ پہنا ہوا تھا، وہ کہہ رہا تھا،

اے لوگو! کہو لا الٰـه الاالله۔ نجات پا جاؤ گے۔ ایک آدمی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا اور اس پر پتھر برسا رہا تھا اور لوگوں کو کہہ رہا تھا، اے لوگو! اس کی بات مت ماننا یہ کذاب ہے۔ میں نے پوچھا، پہلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ قبیلہ بنی ہاشم کا ایک نوجوان ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ میں نے پوچھا، دوسرا کون ہے جو اسے پتھر مار رہا تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ ان کا چچا ہے اس کا نام عبدالعزّیٰ (ابولہب) ہے، یہی طارق کہتا ہے کہ جب لوگوں کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔

ہم ربذہ سے نکلے تا کہ مدینہ جائیں اور وہاں سے کھجوریں خرید کر لے آئیں، جب ہم مدینہ کی دیواروں اور نخلستانوں کے قریب پہنچے تو ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم یہاں اتریں اور لباس تبدیل کر لیں۔ ہم لباس تبدیل کر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا جس نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے ہمیں سلام کیا اور پوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ ہم ربذہ سے آئے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کدھر جا رہے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ ہم اس شہر میں جا رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا اس شہر میں کس کام کے لیے جا رہے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ ہم یہاں کی کھجوریں خریدنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ اس نے پوچھا، کیا یہ اونٹ تم بیچنا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا کہ اتنے صاع کھجوروں کے بدلے ہم اس کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ جو قیمت ہم نے بتائی تھی اس نے اس میں ذرا کمی کی خواہش نہ کی تھی۔ اس نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور چل دیا۔

جب وہ دور نکل گیا اور مدینہ کی دیواروں اور گھنی کھجوروں میں غائب ہو گیا تو ہم خیال کرنے لگے، ہم نے یہ کیا حرکت کی ہے کہ ایسے آدمی کے ہاتھ اونٹ فروخت کر دیا ہے جس کو ہم جانتے ہی نہیں اور اس کی قیمت بھی وصول نہیں کی۔ ایک خاتون ہمارے ہم سفر تھی، جب اس نے ہماری پریشانی دیکھی تو بولی:

وَاللّٰهِ لَقَدْ رَاَيْتُ رَجُلاً كَاَنَّ وَجْهَهٗ شِقَّةُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ اَنَا ضَامِنَةٌ لِثَمَنِ جَمَلِكُمْ۔

میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح نورانی تھا، میں تمہارے اونٹ کی قیمت کی ضامن ہوں۔

تمہیں آپس میں لڑنے کی ضرورت نہیں، میں نے ایک ایسا چہرہ دیکھا ہے جو لوگوں سے دھوکا بازی نہیں کر سکتا۔

وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں اچانک ایک آدمی آیا، اس نے کہا:

اَنَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

میں اللہ کے رسول کا قاصد ہوں

حضور نے فرمایا: لو، یہ تمہاری کھجوریں ہیں، کھاؤ اور خوب سیر ہو کر کھاؤ، پھر اسے ماپ لو اور پوری کر لو۔ ہم نے کھجوریں کھائیں جس سے ہمارے شکم پر ہو گئے۔ ہم نے ان کو ماپا اور ان کو پورا پایا۔ پھر ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہو گئے، سامنے حضور کی مسجد تھی، اس میں چلے گئے۔ ہم نے اس ہستی کو منبر پر کھڑے دیکھا جو لوگوں کو خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ہم نے بھی وہ خطبہ سنا، اس کے چند جملے یاد رہ گئے۔ انہوں نے فرمایا:

تَصَدَّقُوْا فَاِنَّ الصَّدَقَةَ خَیْرٌ لَّکُمْ
اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی
اُمَّكَ وَاَبَاكَ وَاُخْتَكَ وَأَخَاكَ وَأَدْنَاكَ

صدقہ دیا کرو، صدقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہت بہتر ہے۔ ابتدا اپنی ماں سے کرو، پھر باپ سے، پھر بہن سے، پھر بھائی سے، پھر دوسرے قریبی رشتہ دار ہیں درجہ بدرجہ۔

اچانک بنو یربوع کا ایک آدمی آگے آیا، اس نے عرض کی، یارسول اللہ!

اِنَّھَا فِیْ ھٰؤُلَاءِ دَماً فِی الْجَاھِلِیَّةِ۔

''ان لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے چند آدمیوں کو قتل کیا تھا۔''

حضور نے فرمایا: لَا تَجْنِیْ اُمٌّ عَلٰی وَلَدٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

کوئی ماں اپنی اولاد پر تین مرتبہ ظلم نہیں کرتی۔

(ضیاء النبی، ج ۴۔ ص ۷۱۹، زاد المعاد ج ۳۔ ص ۶۴۸)

☆☆☆

حضرت ملک العلما ظفرالدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ کی ذات وشخصیت محتاج بیان وتعارف نہیں کہ قلم کی زد میں لاکر آپ کی تعریف وتوصیف کی جائے بفضلہٖ تعالیٰ آپ میدان درس و تدریس ہو یا میدانِ تالیف و تصنیف، میدانِ حدیث ہو یا فقہ حنفی، اصول فقہ ہو یا عقائد دینی، علم توقیت ہو یا علم ہیئت، علم مقابلہ ہو یا مناظرہ۔ ہر میدان کے راہی ورہنمائے زمانہ تھے۔ آپ اپنے زمانے میں چند ممتاز علم وفن میں فرد فرید مانے جاتے تھے۔ کسی موقع سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے آپ کو علم ہیئت وتوقیت کے خاص الفرد سے یاد فرمایا ہے۔

آپ جب درس گاہ میں تشریف لاتے تو حدیث رسول کے احترام میں یوں اہتمام کرتے، غسل یا وضو ضرور کرتے، سر پر عمامہ باندھتے، پلکوں کو سرمہ سے سجاتے، پھر عطر وعنبر سے معطر ہوتے، پھر نہایت مؤدب انداز میں کھڑے ہو کر درس حدیث دیتے۔ دلنشیں اسلوب، سنجیدہ لب ولہجہ، شستہ وشگفتہ ترجمہ، تشریح وتوضیح ایسی کہ ذہن لپک کر قبول کر لیتا۔ بیانِ مسائل بدلائل فرماتے۔ متعارض اقوال واحادیث میں تطبیق دیتے۔ اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کے موضوعات پر روشنی ڈالتے اور جب مابین الائمہ اختلاف اور مسلک حنیف کی بات آتی تو تیور دیدنی ہوتا۔ درجنوں آیات واحادیث سے موقفِ بوحنیفہ کو ثابت کرتے حدیث محبت کے مقام پر کہیں تو مسکراتے اور کہیں آنکھیں آب اشک سے وضو کرنے لگتیں۔ گستاخان نبی کے نام آنے پر آپ کا طرز کلام دودھارا، اور دوآتشہ ہو جاتا۔ منظر ہی بدل دیتے۔

حیات ملک العلما کے جس پہلو پر نظر ڈالیے۔ وہ ہشت پہلو ہیرے کی طرح نظر آتا ہے، جدھر سے دیکھئے نہایت خوش رنگ چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ دل جھوم اٹھتا ہے امام احمد رضا نے انہیں علم ہیئت وتوقیت اور ریاضی کا بے تاج بادشاہ قرار دیا۔ فقہ فتاویٰ میں وہ امام احمد رضا کے معتمد خاص تھے، فن مناظرہ میں وہ یکتائے روزگار تھے۔ علم مناظرہ کے موضوع پر ان کی

آٹھ تصانیف، اس پر برہان مبین ہیں۔ باب حدیث میں وہ بلند پایہ محدث اور شارح حدیث تھے جس پر آپ کی تصیف ''صحیح البہاری'' شاہد عدل ہے۔

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی، جنوری ۲۰۰۱ء، ص ۶۴، مضمون مولانا محمد شرافت حسین رضوی)

فاضل بریلوی اور ملک العلما کا عشق رسول

کشتۂ نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام احمد رضا عاشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لافانی تحریک کے بے مثال سفیر تھے۔ اس راہ میں آپ نے کسی قسم کی کوئی رکاوٹ برداشت نہ کی۔ بلکہ آپ نے دوٹوک الفاظ میں اپنا منصفانہ فیصلہ یوں فرمایا: ''ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہاں پر تقدیم، تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو، جیسے تمہارے باپ، تمہارے استاذ، تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی وغیرہ وغیرہ کسے باشد۔ جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں۔ اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت، ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے۔ فوراً، ان سے الگ ہو جاؤ، ان کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوسری الفت کا پاس کرو نہ اس کی مولویت، مشیخیت، بزرگی، فضیلت کو خطرے میں لاؤ۔ آخر یہ جو کچھ تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی غلامی کی بنا پر تھا۔ جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا، پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا؟ اس کے جبے و عمامے پر کیا جائیں۔'' ملخصا (۴۴)

حضور ملک العلما فاضل بہاری علیہ الرحمہ بھی اپنے پیر و مرشد کے رنگ میں رنگے ہوئے اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار نظر آتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں:

''تو اصل ایمان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوئی، بغیر حضور کی محبت کے خدا

سے محبت کرنا بھی نجات کے لیے کافی نہیں، بلکہ جو شخص ایسا دعویٰ کرے محض لاغی ہے اس لیے کہ محبوب کا محبوب، محبوب ہوتا ہے، جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں، خدا کی محبت بھی نہیں۔ خدا کی محبت اور اس کا راستہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دکھایا۔ بغیر حضور کے خدا تک رسائی ناممکن ہے۔ انعامات تو اس رحمۃ اللعالمین کے صدقے میں ملتے ہیں۔ بے وسیلہ و بغیر واسطہ کے کوئی شخص نعمت ایمان سے کیونکر بہرہ ور ہوسکتا ہے۔ پس اے اللہ والو! تم کو لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے کو فنا کردو، دیکھو! خداوند عالم خود ان سے محبت کرتا ہے تو ضروری ہے تم بھی تخلقوا باخلاق اللہ کے ساتھ متصف ہو جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارا جانو۔"

ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں جانے کی ضرور تڑپ ہوتی ہے لیکن امام اہل محبت امام احمد رضا فاضل بریلوی کو نہ صرف جانے کی بلکہ وہیں خاتمہ بالخیر ہونے کی آرزو تھی جس کا اظہار مولوی عرفان علی علیہ الرحمہ کے نام ایک خط میں یوں فرماتے ہیں۔

"وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا، اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے، بہر حال اپنا خیال ہے۔"

آپ کے مرید صادق ملک العلماء فاضل بہاری بھی اسی کی خواہش رکھتے ہوئے دعا فرماتے ہیں:

"جب مرنے کا وقت ہو، مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو اور منبر گنبد کو دیکھ کر قفس عنصری سے روح پرواز کرے۔ جنت البقیع مدفن ہو۔ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھتے ہوئے اٹھیں اور ان کے سایۂ دامن عاطفت کے نیچے ان کے غلاموں کے زمرے میں داخل جنت الماویٰ ہوں۔"

برصغیر پاک و ہند میں گستاخان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک طائفہ نے جب بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کیے تو کشتۂ نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس کی گرفت کرتے ہوئے خطوط بھیجے،

رسائل لکھے، بڑا سمجھایا لیکن ان میں سے کوئی باز نہ آیا۔ کافی مدت کے بعد آپ نے ناموس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کا حق ادا کرتے ہوئے ان کفریہ عبارت کے بنا پر فتاویٰ کفر صادر فرمایا، حرمین شریفین کے جلیل القدر علمائے کرام نے بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فتوے کی تصدیق فرماتے ہوئے ان گستاخوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا۔

بعد ازاں پاک وہند کے جلیل القدر علمائے کرام نے بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فتوے پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے روحانی فرزند ملک العلما فاضل بہاری نے بھی ناموس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، آپ نے بھی اپنے پیر و مرشد کے اس تاریخ ساز فتوے کی ان الفاظ میں تصدیق فرمائی:

''فتاویٰ حرمین طیبین ضرور حق ہیں، جن کی حقیقت میں اصلاً شبہہ نہیں، اس کی حقیقت پر آفتاب سے بھی روشن تر دلیل یہ ہے، کہ ان اقوال کے قائلوں نے اس کے مقابل نہ صرف سکوت ہی کیا۔، بلکہ حکم میں اتفاق کیا۔ جس کا مجموعہ ایک مستقل رسالہ بنام ''الختم علی لسان الخصم '' دیوبند میں چھپ چکا ہے۔ جس میں انہیں لوگوں نے تصریح کی، کہ بے شک ایسے اعتقاد و خیال واقوال والے کافر ہیں۔ رہی یہ بات کہ ایسے اقوال کن لوگوں کے ہیں جن پر باتفاق علمائے بریلی، وہابی، دیوبند کفر کا فتویٰ ہے ان مطبوعہ کتابوں کو دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے، جن کا حوالہ حسام الحرمین میں ہے۔ جسے چھپے ہوئے بیس سال ہو گئے۔ کیا قادیانیوں کے ارتداد اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کے کفر جیسے اتفاقی مسئلے میں بھی استفسار و سوال کی ضرورت ہے۔''

(جہان ملک العلماء، ص ۳۳۷، مضمون، حضرت سید صابر حسین شاہ بخاری، پاکستان)

☆☆☆

ع

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ''صبیغ'' نامی ایک شخص مدینہ منورہ میں وارد ہوا، اور جن جن صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس قرآنی ذخائر یا قرآنی اجزاء موجود تھے ان کی خدمت میں آمد و رفت شروع کی اور ان حضرات صحابہ کی مدد سے ان ذخائر اور اجزاء میں سے آیات متشابہات کو تاویلات فاسدہ کی غرض سے علیحدہ کرنا شروع کیا۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر فارق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ آپ نے ''صبیغ'' کو دربار خلافت میں طلب فرمایا اور کھجور کے درخت کی شاخیں منگوائیں۔ جب صبیغ دربار خلافت میں حاضر ہوا تو حضرت فاروق اعظم نے اس سے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام تو عبداللہ بن صبیغ ہے مگر میں صبیغ کے نام سے مشہور ہوں۔''

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم نے اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع نہیں دیا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو معتمد اطلاعات فراہم کیں تھیں اس پر اعتماد کرتے ہوئے صبیغ کو کھجور کی شاخوں سے پیٹنا شروع کیا۔ آپ نے اسے خوب پیٹا۔ یہاں تک کہ کھجور کی کئی شاخیں ٹوٹ گئیں، مگر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے پیٹتے رہے یہاں تک کہ اس کے سر سے خون کے فوارے جاری ہوگئے۔ اور اس کی تہبند بھی خراب ہوگئی۔ پھر آپ نے پیٹنا موقوف فرمایا۔ اور اسے قید میں ڈال دیا۔ جب صبیغ قید خانے میں چند دنوں رہنے پر صحت یاب ہوگیا تو امیر المؤمنین نے اسے دوبارہ دربار خلافت میں طلب فرمایا۔ مگر صبیغ نے اپنی کرتوت سے باز آنے کا انکار کیا۔ چنانچہ امیر المؤمنین نے اسے دوبارہ پیٹنا شروع فرمایا اور جب صبیغ پیٹتے پیٹتے خون سے تر بتر ہوگیا تو امیر المؤمنین نے اس سے پوچھا ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' صبیغ نے اڑیل اور سرکش ہوتے ہوئے کہا کہ ''اگر آپ کا اراد

قتل کرنے کا ہے تو مجھے بے شک قتل کر دیجیے لیکن جب تک میں زندہ ہوں اپنے کام سے باز نہیں آنے والا۔''

امیر المومنین حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ ''اگر مجھے یقین ہوتا کہ تمہارے قتل کرنے سے یہ فتنہ ختم ہو جائے گا تو یقیناً میں تجھے قتل کر دیتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ جس دروازہ کو تم نے کھولا ہے وہ بند ہونے والا نہیں۔'' لہٰذا مدینہ منورہ کو اپنے وجود سے آج ہی پاک کر دو اور جہاں سینگ سمائے چلے جاؤ۔'' عبداللہ بن صبیغ نے اسی وقت ملک شام کا راستہ اختیار کیا اور ملک شام (Syria) چلا گیا۔

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط ارسال فرمایا اور یہ حکم تحریر فرمایا کہ عبداللہ بن صبیغ کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے اور کوئی بھی مسلمان اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ کرے۔''

اس واقعہ میں امیر المومنین سیدنا عمر فارق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ ارشاد گرامی کہ ''اگر مجھے یقین ہوتا کہ تمہارے قتل کرنے سے یہ فتنہ ختم ہو جائے گا تو یقیناً میں تجھے قتل کر دیتا'' قابل غور و توجہ ہے کہ یہ فتنہ صرف عبداللہ بن صبیغ کی شخصیت تک ہی منحصر اور محدود نہ تھا بلکہ بقول حضرت فاروق اعظم ''میں جانتا ہوں کہ جس دروازہ کو تم نے کھولا ہے وہ بند ہونے والا نہیں۔''

۱۹ھ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، کی ہوئی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی ہے۔ کیونکہ خلافت فاروقی کے زمانے سے لے کر آج تک یعنی کہ اُس پیشین گوئی کے چودہ سو سال بعد تک یہ فتنہ جاری ہے۔ بلکہ دور حاضر میں تو یہ فتنہ اپنے شباب پر ہے کیونکہ دور حاضر کے منافقین بارگاہ رسالت میں گستاخی اور توہین کرنے کی غرض سے ہمیشہ آیات متشابہات ہی بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور قرآن کے نام پر اور قرآن ہی کے ذریعہ امت مسلمہ میں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں۔

دور حاضر کے منافقین نے ماحول ایسا پراگندہ بنا دیا ہے کہ جاہل ملاؤں کی تبلیغی ٹولی کے ساتھ دہلی، یا مدراس کا ایک چلہ کر آنے والا ''اجہل مبلغ'' اپنے آپ کو مولانا، مولوی، مفتی، محدث اور مفسر سے کم نہیں سمجھتا، جن جہلاء کو استنجا، طہارت اور نماز کے مسائل کی بھی معلومات

نہیں ہوتی ان کو چالیس دن کے چلے کے درمیان دو، چار آیات متشابہات رٹادی جاتی ہیں اور وہ جہلا ان آیات متشابہات کے لفظی معنوں کو بطور دلیل پیش کر کے بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی و بے ادبی کرنے کی گھناونی حرکت و جرأت کرتے ہیں۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دور حاضر کے منافقین کی بے راہ روی اور علمی بے مائیگی کا یہ عالم ہے کہ قرآن کی آیات کے محکم، متشابہ، مقدم، موخر، عامہ، خاصہ، مجملہ، مبینہ، ناسخہ، منسوخہ، مطلقہ، منطوقہ مبہمہ، مفہومہ، کے احوال کا جنہیں ضروری اور لازمی علم نہیں اور جو قرآن مجید کے انداز بیان کے اہم شعبے مثلاً حقیقت، مجاز، تشبیہ، استعارات، مقفّیٰ، ربط، تعریض، کنایات، ایجاز، اطناب، حصر، اختصار، مبتدا و خبر، انشاء وغیرہ سے مکمل بے خبر اور جاہل بلکہ اجہل ہوتے ہیں وہ قرآنی تعلیم، قرآن فہمی اور تفہیم کے مبلغ اعظم اور مفسر اجل بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ تبلیغ دین کے نام پر وہ ضال و مضل کی تحریک چلاتے ہیں۔

(خیر بشر کی نوری بشریت، ص ۱۲۱۔۱۲۲)

جنگ یرموک اور حضرت فاروق اعظم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ یرموک کے تعلق سے اسلامی لشکر کے لیے بہت زیادہ فکر مند تھے۔ کیونکہ ان کو اطلاع ملی تھی کہ یرموک میں عیسائیوں کے لشکر کی تعداد آٹھ لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں کئی دنوں سے حضرت ابو عبیدہ کی جانب سے کوئی خبر یا اطلاع نہیں آئی تھی جس دن جنگ یرموک میں رومیوں کو شکست فاش اور لشکر اسلام کو فتح عظیم حاصل ہوئی، اس رات حضرت عمر فاروق نے خواب میں دیکھا، جس کو امام سیر و تواریخ حضرت علامہ واقدی قدس سرہ نے اس طرح نقل فرمایا ہے۔

دیکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شب ہزیمتِ روم کو یہ خواب، کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے روضۂ مقدس میں ہیں۔ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ ہیں اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلام کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا دل مسلمانوں سے متعلق ہے، اور نہیں جانتا ہوں میں، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا

کے بعد مجھے مسجد حرام کی مرمت کے علاوہ کسی عمل کی حاجت نہیں ہے۔ تیسرا شخص بولا اللہ کی راہ میں جہاد تمہارے بیان کیے ہوئے اعمال سے افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹا اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔

(صحیح مسلم کتاب الامارة باب فضل الشهادة فی سبیل الله)

حضرت حفصہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دختر نیک تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔

صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہ کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی اور وہ کبھی کبھار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بے باکی سے جواب دیتی تھیں۔ ایک دن ان کے پدر محترم حضرت عمر فاروق کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت حفصہ سے پوچھا:

''میں نے سنا ہے کہ تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہو۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟''

حضرت حفصہ نے جواب دیا: ''بے شک میں ایسا کرتی ہوں۔''

حضرت عمر فاروق نے ان سے فرمایا:

''بیٹی خبردار میں تمہیں خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں، تم اس خاتون (حضرت عائشہ) کی ریس نہ کرو، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔''

حضرت حفصہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر قسم کے مسائل پوچھنے میں بھی بے باک تھیں۔ ایک دفعہ حضور نے فرمایا۔ ''اصحاب بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔''

حضرت حفصہ نے کہا: ''یارسول اللہ خدا تو فرماتا ہے:

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا۔ ''تم میں سے ہر ایک وارد جہنم ہوگا۔''

حضور نے فرمایا، ہاں مگر یہ بھی تو ہے:

ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا۔ (سورہ: مریم: آیت: ۷۲)

پھر ہم ڈر والوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل گرے۔ (کنز الایمان)

حافظ ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں یہ حدیث ان کی شان میں بیان کی ہے کہ ایک

مرتبہ جبریل امیں نے حضرت حفصہ کے بارے میں یہ الفاظ حضور کے سامنے کہے:

"وہ بہت عبادت کرنے والی، بہت روزے رکھنے والی ہیں۔ (اے محمد) وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہیں۔" (تذکار صحابیات، ص ۱۵۱۔)

عشق رسول کی ایک دوسری مثال

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ایمان کا تقاضا ہے اور نہ کرنا بے ایمانی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت عالیہ اور آپ کے فیصلوں کو اتنی اہمیت دی فرمایا:

لَا یُؤْمِنُوْنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَكُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (النساء، آیت ۶۵)

وَمَاكَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔

(الاحزاب، آیت ۳۶)

وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (کنزالایمان)

اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا۔ (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ کی روشنی میں حضرت فاروق اعظم کا یہ تاریخی فیصلہ ملاحظہ کریں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی محبت تاریخ کے آئینہ میں

آپ کے جذبہ عشق رسول کی شگفتگی ایسی ہے، کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے، ہوشمندی سر پٹک دیتی ہے، خرد کی توانائی دم توڑ دیتی ہے کہ عشق و محبت کی ایسی دیوانگی تو کہیں نظر نہیں

کیا ان کے دشمنوں کے معاملے میں، اور میں نے سنا ہے کہ رومی آٹھ لاکھ ہیں۔ پس ارشاد فرمایا رسول للہ صلی للہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اے عمر! خوش ہو تم کہ تحقیق فتح دی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو، اور شکست دی ان کے دشمنوں کو۔ اس قدر ان میں سے مارے گئے۔ پھر پڑھی رسول للہ صلی للہ علیہ وسلم نے یہ آیت:

"تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (القصص، آیت ۸۳)

"یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لیے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد، اور عاقبت پرہیزگاروں ہی کی ہے۔" (کنزالایمان) (فتوح الشام، از: علامہ واقدی، ص ۲۷۳)

صبح نماز فجر کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے اپنا خواب بیان کیا، خواب سن کر سب بیحد مسرور ہوئے کیونکہ شیطان خواب میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں نہیں آسکتا۔ لہٰذا اس خواب کے سچے ہونے کا اعتماد کیا اور یرموک میں لشکر اسلام کی فتح کا یقین کیا۔ چند دن گزرے کہ حضرت حذیفہ بن یمان اپنے دس ساتھیوں کے ہمراہ مال غنیمت اور حضرت ابو عبیدہ کا خط لے کر مدینہ منورآئے۔ حضرت حذیفہ نے امیر المؤمنین کو حضرت ابو عبیدہ کا خط دیا۔ امیر المومنین نے خط کا مضمون لوگوں کو پڑھ کر سنایا تو خط کا مضمون حضور اقدس، عالم غیب، مطلع علی ماکان وما یکون، رسول مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ خواب میں عمر کو دی گئی بشارت کے عین مطابق تھا۔ حضرت عمر فاروق اعظم نے سجدۂ شکر ادا کیا اور تمام حاضرین نے الحمد اللہ اور سبحان اللہ کی صدائیں بلند کیں۔ (سرکٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب، ج ۲، ص ۱۷۶)

حضرت عمر کا عشق وادب

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بیٹھا تھا، ایک شخص بولا: مسلمان ہو جانے کے بعد میں اگر حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں تو اس کے علاوہ مجھے کسی اور عمل کی پرواہ نہیں ہے۔ دوسرے نے کہا: اسلام قبول کر لینے

آئی، حضرت فاروق اعظم، بارگاہ رسالت میں حاضر ہیں، اور عرض کر رہے ہیں، یا رسول اللہ! آپ مجھے میری عزیز جان کے علاوہ کائنات کی ہر نعمت سے زیادہ عزیز ہیں، ارشاد ہوا:

لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من نفسه۔

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسے اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

''عمر! ابھی تمہاری محبت نامکمل ہے، اس میں کمال پیدا کرو۔'' ارشاد نبی نے گردن فاروقی خم کردی اب عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ اب تو آپ مجھے میری عزیز جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔

انسان کو ماں باپ اولاد عزیز واقارب اور خونی رشتوں سے بڑی محبت ہوتی ہے اور اپنی جان تو ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے دنیا میں جان سے زیادہ کوئی شے پیاری نہیں ہوتی۔ مگر جذبہ فاروقی نے رسول کے لیے والدین سے منہ پھیر لیا، اولاد کو ٹھوکر ماردی عزیز واقارب اور خونی رشتوں سے ناتا توڑ لیا، حتی کہ ان جیسی عزیز شے بھی محبوب کے قدموں میں ڈھیر کردی، یہ تمام چیزیں تو سرکار کے قدموں کی خاک ہیں، اور یا رسول اللہ! میرے لیے عزیز و محبوب تو صرف آپ ہیں۔ ہے کوئی دشت محبت کا شہسوار جو اس کی نظیر پیش کر سکے، مجنون اور فرہاد جیسے عشق و محبت میں مرے ہوئے آزمودہ کار بھی محبت فاروقی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کریں۔

حجر اسود اور فاروق اعظم

عشق فاروقی کا ایک اور منظر بھی قابل دید ہے، آپ حجر اسود کے سامنے کھڑے ہیں اور جوش محبت میں اس کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں۔ تو ایک پتھر ہے۔ تجھ میں نفع وضرر کی صلاحیت نہیں، تیری ذات سے میرے لیے کوئی منفعت و مضرت نہیں، میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا، اگر میری آنکھوں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، میں تجھے اس لیے چومتا ہوں کہ تجھ سے محبوب کے لبہائے مقدس مس ہوئے ہیں۔ نسبت رسول کی وجہ سے تجھے چوم رہا ہوں۔

مقام ذوالحلیفہ اور حضرت فاروق اعظم

محبت فاروقی کی جلوہ سامانی کا ایک اور دل کش پہلو بھی قابل دید ہے۔ آپ نے مقام ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز ادا کر کے فرمایا، میری نگاہوں نے آقا کو جو کرتے ہوئے دیکھا میں نے بھی وہی کیا، آقا نے دو رکعت نماز ادا فرمائی تھی۔ عشق نے مجبور کیا کہ عمر تم بھی یہاں اپنا سجدہ لٹاؤ، اس لیے اس دو رکعت کی ادائیگی ہوئی ہے۔

مختصر یہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی محبت رسول بھی دست محبت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ (عقائد اہل سنت، ص ۱۸۶، بحوالہ شفا شریف)

حضرت عمر کے عشق رسول کی ایک دوسری مثال

بشر نامی ایک منافق تھا اس کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا چلو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فیصلہ کرالیں۔ منافق نے خیال کیا کہ حضور حق فیصلہ کریں گے کبھی کسی کی طرفداری اور رعایت نہ فرمائیں گے جس سے اس کا مطلب حاصل نہ ہو سکے گا۔ اس لیے اس نے مدعی ایمان ہونے کے باوجود کہا کہ کعب بن اشرف یہودی کو پنچ بنائیں گے۔ یہودی جس کا معاملہ تھا وہ خوب جانتا تھا کہ کعب رشوت خور ہے اور جو رشوت خور ہو اس سے صحیح فیصلہ کی امید رکھنا غلط ہے۔ اس لیے کعب کے ہم مذہب ہونے کے باوجود یہودی نے اس کو پنچ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو منافق کو فیصلہ کے لیے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہاں مجبوراً آنا پڑا۔ حضور نے جو حق فیصلہ کیا وہ اتفاق سے یہودی کے موافق اور منافق کے مخالف ہوا۔ منافق حضور کا فیصلہ سننے کے بعد پھر یہودی کے درپے ہوا اور اسے مجبور کر کے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا، یہودی نے آپ سے عرض کیا کہ میرا اور اس کا معاملہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طے فرما چکے ہیں۔ لیکن یہ حضور کے فیصلہ کو نہیں مانتا آپ سے فیصلہ چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا ٹھہرو میں ابھی آخری فیصلہ کیے دیتا ہوں۔ یہ فرما کر مکان میں تشریف لے گئے اور تلوار لا کر اس منافق مدعی ایمان کو قتل کر

دیا۔اور فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو نہ مانے اس کے متعلق میرا یہی فیصلہ ہے تو بیان واقعہ کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا۔ (پ ۵، رکوع ۶)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا۔ پھر چاہتے ہیں کہ اپنا پنچ شیطان کو بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے ہرگز نہ مانیں۔اور ابلیس یہ چاہتا ہے انہیں دور بہکا دے۔ (کنزلایمان)

پھر کسی نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ حضرت عمر نے اس مسلمان کو قتل کر دیا جو حضور کے دربار میں فیصلہ کے لیے حاضر ہوا تھا۔آپ نے فرمایا کہ مجھے عمر سے ایسی امید نہیں کہ وہ کسی مومن کے قتل پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کر سکے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پھر مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل فرمائی۔(تاریخ الخلفاء، ص۸۴)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔(پ۵،ع۶)

اے محبوب! تمہارے رب کی قسم! وہ لوگ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ تسلیم کرلیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اسے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔

عشق رسول کا جواب نہیں

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے بھائی حضرت زید بن خطاب کے پوتے کا نام بھی محمد تھا۔سیدنا حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت زید کے پوتے کو پکار کر برا بھلا کہا۔حضرت عمر فاروق کو معلوم ہوا تو ان کو بلا کر فرمایا کہ تمہارے نام کی وجہ سے ''اسم محمد'' کو سب وشتم کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔آج سے

تمہارا نام "محمد" کے بجائے عبدالرحمن ہے۔

پھر انہوں نے حضرت طلحہ کے لڑکوں کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا اور تمہاری اولاد میں سے جس جس کا نام محمد ہے اسے بدل دیا جائے، حضرت محمد بن طلحہ نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر عرض کی۔

"امیر المؤمنین میرے نام "محمد" کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا تھا۔"

حضرت عمر فاروق نے فرمایا، اگر یہ سچ ہے تو جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسند کیے ہوئے نام کو میں نہیں بدل سکتا۔ (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ۴۸۲)

ایک عربی بڑھیا کا عشق رسول اور فاروق اعظم کا تڑپ جانا

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مدینہ شریف میں رات کا وقت تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کو گشت کر رہے تھے۔

فرای مصباحا فی بیت۔ آپ نے ایک گھر میں چراغ جلتے ہوئے دیکھا۔

آپ کو تجسس ہوا کہ رات کا آخری پہر ہے اور گھر میں چراغ کیوں جل رہا ہے۔ فرای عجوزا تنفش صوفا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بڑھیا کو دیکھا، وہ بیٹھ کے اون کات رہی تھی۔ مدینہ شریف کا پُر کیف نگر ہے، ایک نہایت بوڑھی خاتون چرخہ کاتتے کاتتے نعت شریف پڑھ رہی ہے اور اُس کا بڑا عجیب انداز ہے۔ کہتی ہے: علی محمد صلاۃ الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ہمارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نیک لوگوں کا دُرود ہو۔ صلی علیہ الطیبون الاخیار۔ یہ وہ محبوب ہیں کہ جن پر ہر پاک بندہ ہی دُرود پڑھتا ہے۔ ہر اچھا بندہ ہمارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے۔ دوسرے شعر میں محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تصور میں سامنے رکھ کر کہنے لگی:

قد کنت قواما بکاء بالاسحار۔

میرے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہاری ساری رات قیام میں گزر جاتی تھی

اور تم سحر کے وقت روتے تھے، اُمت کے لیے آنسو بہاتے تھے۔

یا لیت شعری و المنایا اطوار۔

مجھے پتا نہیں ہے موت کے اسباب کئی ہوتے ہیں کہ موت کب آتی ہے، کس سبب آتی ہے، مجھے معلوم نہیں ہے۔ رو رو کے کہتی ہے: هل یجمعنی و حبیبی الدار۔

کیا جنت مجھے اور میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اِکٹھا کرے گی۔ کیا جنت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اتنی دیر تک مَیں تڑپتی رہوں گی، مجھے پتا نہیں چلا کہ میری اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میری ملاقات کیسے ہوگی، کیا مروں گی تو مرنے کا پتا نہیں، وقت معین ہے، کب جا ملوں گی۔ رو رہی ہے، رات کا آخری پہر ہے اور وہ چرخا کات رہی ہے۔ جس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہی تھی تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے گلی میں کھڑے ہو کے سُنا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے اور روتے روتے دروازے پر دستک دی، آپ نے جب دروازہ کھٹکھٹایا۔

فقالت من هذا؟ اُس نے کہا دروازے پر کون ہے؟

فقال عمر بن الخطاب۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مَیں عمر بن خطاب ہوں۔ مَیں بھی اندر آنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگی:

مالی و لعمر فی هذه الساعة؟

عمر کو میرے ساتھ اس وقت کیا کام ہے؟

میری نعت میں تُو نے خلل ڈالا ہے۔ عمر دروازہ کیوں کھٹکھٹاتا ہے، یہ آخری وقت ہے۔ مَیں اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بات کر رہی ہوں۔

مالی و لعمر۔ عمر کون ہوتا ہے میرا دروازہ کھٹکھٹانے والا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، مَیں بھی اس نعت میں شریک ہونا چاہتا ہوں، دروازہ کھولو تو سہی۔ فقال افتحی یرحمك الله فلا باس۔ آپ نے کہا، دروازہ کھولو۔ اللہ تجھ پر رحم کرے، کوئی حرج نہیں، مَیں امیر المؤمنین ہوں۔ تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مَیں دروازہ کھولنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر اس بڑھیا نے دروازہ کھولا تو آپ نے فرمایا: ادی لکلمات التی قلتیها انفا۔ وہی کلمات پھر پڑھو جو تم ابھی پڑھ رہی تھی، اُس نے

پھر وہی پڑھنا شروع کر دیا۔ جس وقت وہ عورت پڑھتے پڑھتے هل يجمعنى وحبيبى الدار پر پہنچی تو عمر کہنے لگے، اگلا مصرعہ میرے بارے میں بھی شامل کر دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

وعمر فاغفرله يا غفار۔ اے غفار عمر کو معاف کر دے، عمر کو بخش دے۔

(نسیم الریاض: ۴/ ۴۲۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ رحمتوں کے نزول کا وقت ہے، اس بڑھیا صحابیہ پر عشق کا اس وقت عروج ہے۔ اس نعت میں ایک مصرعہ عمر کے بارے میں شامل ہو جائے گا تو عمر کی مغفرت ہو جائے گی۔ یہ ہیں اسلام کی مائیں اور اسلام کی خواتین اور اسلام میں عشقِ رسول کے لحاظ سے جو خواتین کو کردار دیا گیا ہے کہ راتیں گزر رہی ہیں، عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وظیفہ پڑھا جا رہا ہے اور اس انداز میں وہ خالص عشق ہے کہ انہیں کائنات کی کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہے اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق میں آنسو بہا رہی ہیں۔ (سالنامہ اہل سنت، ممبئی، ۲۰۱۲ء ص ۹۵، تا ۹۶، مضمون، مولانا محمد اشرف جلالی)

وصالِ محبوب میں موت کی دیرینہ خواہش

موت کی محبت اور لقائے پروردگار کا شوق اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر نماز کے بعد دعا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ فِیْ سَبِيْلِكَ وَوَفَاةً بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ۔

یارب مجھے اپنی راہ میں شہادت اور اپنے رسول کے شہر میں وفات نصیب فرما!

بالعموم تمام صحابہ کرام اور بالخصوص شہدائے بدر و احد و اصحاب بیعت رضوان موت فی سبیل اللہ کی محبت رکھتے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے لشکر کفار کے سردار رستم بن فرخ زاد کے پاس جو خط بھیجا اس میں تحریر فرمایا تھا:

اِنَّ مَعَنَا قَوْمٌ يُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا يُحِبُّ الْاَعَاجِمُ الْخَمْرَ۔

میرے ساتھ ایسی قوم ہے جو موت کو اتنا محبوب رکھتی ہے جتنا عجمی شراب کو۔

اس میں لطیف اشارہ تھا کہ شراب کی ناقص مستی کو محبت دنیا کے دیوانے پسند کرتے ہیں اور اہل اللہ موت کو محبوب کے حقیقی وصال کا ذریعہ سمجھ کر محبوب جانتے ہیں۔ فی الجملہ اہل ایمان آخرت کی رغبت رکھتے ہیں اور اگر طول حیات کی تمنا بھی کریں تو وہ اس لیے ہوتی ہے کہ نیکیاں کرنے کے لیے کچھ اور عرصہ مل جائے، جس سے آخرت کے لیے ذخیرۂ سعادت زیادہ کر سکے اگر گذشتہ ایام میں گناہ ہوئے ہیں تو ان سے توبہ واستغفار کر لیں۔

(حاشیہ کنز الایمان، ص ۲۳، سورہ بقر، آیت: ۹۵، تفسیر، حضرت سید نعیم الدین مراد آبادی)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو طواف کعبہ کی اجازت دے دی، عثمان اگر تم چاہو تو صرف تمہارے لیے اجازت ہے تم کعبہ کا طواف کر سکتے ہو، مگر تمہارے رسول اور رفقا اس اجازت سے مستثنیٰ ہیں، طواف کعبہ ایک عظیم عبادت ہے نصیبہ والوں کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔ حضرت عثمان کی یہ خوش بختی ہے کہ انہیں طواف کی اجازت مل گئی انہیں طواف کر لینا چاہیے، مگر محبت کہتی ہے کہ محبوب نے ابھی طواف نہیں کیا ہے تم طواف کرو گے؟ نہیں نہیں بغیر محبوب کے طواف کرنے کا قصد بھی نہ کرنا محبت کی اس آواز پر انہوں نے قریش کو جواب دیا، میری غیرت ایمان یہ گوارہ نہیں کر سکتی کہ رسول سے پہلے میں طواف کر لوں، میں اس وقت تک ہر گز طواف نہیں کر سکتا جب تک کہ سرکار ﷺ طواف نہ فرما لیں۔

عثمانی عشق و محبت کی ایک اور روایت سے کائنات دل کو معمور کر لیجئے۔ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو سہلہ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم نے دیکھا کہ سرکار حضرت عثمان سے سرگوشی فرما رہے ہیں آپ کے گوش اقدس میں کچھ ایسی باتیں پہنچیں جس سے آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، شگفتہ چہرہ پژمردہ ہو گیا۔ پھر ایک زمانہ کے بعد وہ مہیب ساعت آئی، کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں نے ان کے کاشانہ اقدس میں محصور کر دیا ہم نے آپ سے عرض کیا، اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے۔ اب ان کی سرکوبی کی

اجازت دیجیے آپ نے فرمایا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ میرے آقا نے مجھے مقابلہ کی نہیں بلکہ صبر و شکر کی وصیت فرمائی ہے۔

قابل توجہ ہے یہ امر کہ جان خطرے میں ہے، کھانا پانی بند ہے، گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتے، جان کو عظیم خطرہ لاحق ہے آپ کو حکم دے دینا چاہئے تھا کہ ہاں ہاں ان بلوائیوں کو روند ڈالو، صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دو، مگر آپ ایسا کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ کیونکہ محبت کہتی ہے کہ چاہے جان چلی جائے مگر محبوب کی وصیت پر آنچ نہ آنے پائے، آپ کا یہ جذبۂ عشق ہی تھا کہ رسول کے ایک اشارہ پر آپ نے اونٹوں کی ایک کثیر جماعت، دیناروں کے کھنکتے ہوئے ہزاروں سکے مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے زمین اور بیر رومہ خرید کر قدم مصطفیٰ میں بچھا دیا۔ (عقائد اہل سنت، ص ۱۸۷، بحوالہ شفا شریف)

غرض کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زندگی بھی عشق رسول کا گلدستہ ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"ولا وضعت یمینی علی فرجی منذ بایعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔"

میں نے اپنے داہنے ہاتھ کو اپنی شرمگاہ پر اس وقت سے نہ رکھا جب سے اس ہاتھ کو بیعت کے لیے حضور کے ہاتھ میں دیا۔

سبحان اللہ! ذرا جذبۂ ایمانی کی جلوہ گری تو دیکھئے کہ سیدنا ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ہاتھ کو قابل تعظیم و تکریم سمجھتے ہیں جو ہاتھ ایک مرتبہ دست پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لگ گیا ہے۔ (عقائد اہل سنت، ص ۲۳۵۔ بحوالہ، تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۲)

آپ نے لشکر اسلام کے تیسرے حصہ یعنی دس ہزار مجاہدین کے لیے سواری کے جانور، اسلحہ، زرہیں اور دیگر ضروریات جہاد مہیا کیں۔ کلمہ حق کو بلند کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس فیاضی سے اپنی دولت خرچ کی، اس کی نظیر نہیں ملتی، حضرت امام احمد بن حنبل اور امام بیہقی، حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ان کی آستین میں دس ہزار دینار تھے وہ

آپ نے فخر دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جھولی میں پلٹ دِیے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور ان دیناروں کو الٹ پلٹ رہے تھے اور ساتھی ہی دعا فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِرْضَ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْهُ رَاضٍ۔

غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا عُثْمَانَ مَا اَسْرَرْتَ وَ مَا اَعْلَنْتَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا يُبَالِىْ مَاعَمِلَ بَعْدَهَا۔

"اے اللہ عثمان سے راضی ہو جا، میں اس سے راضی ہوں۔ پھر انہیں دعا دی۔"

اے عثمان! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے اس دولت پر جو تم نے مخفی رکھی اور جس کا تو نے اعلان کیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے، عثمان کو کوئی پرواہ نہیں کہ آج کے بعد وہ کوئی عمل کرے۔

دوسرے مسلمان بھی اپنے قبیلہ کے نادار مجاہدوں کے لیے سواری کا انتظام بھی کرتے اور اسلحہ بھی مہیا کرتے۔ خواتین بھی اپنے مومن بھائیوں سے پیچھے نہ رہیں۔ ہر قسم کے زیور، سونے کے کڑے، گلوبند، پازیب، گوشوارے اور انگشتریاں۔ جو کچھ زیور کسی نے پہن رکھا تھا، اس نے اتار کر مجاہدین کی خدمت کے لیے بارگاہِ نبوت میں پیش کر دیا۔

(ضیاء النبی، ج ۴ ص ۵۹۵۔)

حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ، میں حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ جیش عسرہ (غزوہ تبوک) کی تیاری کے بارے میں فرما رہے تھے۔ حضرت عثمان نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک سو اونٹ مع ساز وسامان اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔ آپ نے دوبارہ ضرورت بیان فرمائی، حضرت عثمان نے دو سو اونٹ کا اعلان کیا۔ آپ نے سہ بارہ ارشاد فرمایا تو عثمان نے تین سو اونٹ پیش کر دِیے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے یہ کلمات کہتے ہوئے تشریف لائے۔

ما علی عثمان ما عمل بعد ما علی عثمان ما عمل بعد هذه۔

اس کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہیں دے سکتا۔

مسند احمد میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ سے مروی ہے: جیش عسرہ کی تیاری کے وقت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار اپنے کریم آقا کی بارگاہ میں پیش کیے۔آپ نے انہیں اپنی جھولی میں رکھا اور انہیں اوپر نیچے کرتے ہوئے فرمایا:

ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم مرتین

''آج کے بعد عثمان جو کرے اسے نقصان نہ ہوگا۔''

خاص طور پر زاہد کا لفظ آپ کے لیے اس لیے استعمال فرمایا کہ انہوں نے تمام مال مضاربت پر دے دیا تھا۔اس لیے اکثر وقت صحبت نبوی اور مسجد نبوی میں بسر کرتے تھے۔

(شرح سلام رضا ص ۵۶۶)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبہ عشق

جنگ تبوک کا واقعہ ایسے وقت میں پیش آیا جبکہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔اور عام مسلمان بہت زیادہ تنگی میں تھے۔یہاں تک کہ درخت کی پتیاں کھا کر لوگ گذارہ کرتے تھے۔اسی لیے اس جنگ کے لشکر کو جیش عُسرہ کہا جاتا ہے یعنی تنگدستی کا لشکر۔ترمذی شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر تھا۔جبکہ آپ جیش عسرہ کی مدد کے لیے لوگوں کو جوش دلا رہے تھے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پرجوش لفظ سن کر کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اونٹ پالان اور سامان کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی راہ میں پیش کروں گا۔۔۔اس کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سامان لشکر کے بارے میں ترغیب دی اور امداد کے لیے متوجہ فرمایا۔تو پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں دو سو اونٹ مع ساز و سامان اللہ تعالیٰ کی راہ میں نذر کروں گا۔اس کے بعد پھر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سامان جنگ کی درستگی اور فراہمی کی طرف مسلمانوں کو رغبت دلائی۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں تین سو اونٹ پالان اور سامان کے ساتھ خدتعال تعالیٰ کی راہ میں حاضر کروں گا۔حدیث کے راوی

حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: "ما علی عثمان ما عمل بعد ہذہ۔ ما علی عثمان ما عمل بعد ہذہ۔" یعنی ایک جملہ کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار فرمایا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اب عثمان کو وہ عمل کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا جو اس کے بعد کریں گے۔

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ آپ نے ساز و سامان کے ساتھ ایک ہزار اونٹ اس موقع پر چندہ دیا تھا۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیش عُسرہ کی تیاری کے زمانہ میں ایک ہزار دینار اپنے کرتے کی آستین میں بھر کر لائے (دو دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا سکہ ہوتا ہے) ان دیناروں کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیا۔ راوی حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو اپنی گود میں الٹ پلٹ کر دیکھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ۔ یعنی آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں اس جملہ کو دو بار فرمایا، مطلب یہ ہے کہ فرض کر لیا جائے کہ اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی خطا واقع ہو تو آج کا ان کا یہ عمل ان کی خطا کے لیے کفارہ بن جائے گا۔ (خطبات محرم، ص ۱۵۳۔ بحوالہ مشکوٰۃ شریف، ص ۵۶۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا عشق رسول

جناب ابوطالب کثیر العیال تھے، اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح خوش حال نہ تھے مکہ میں قحط پڑا، اس سے ان کی مالی حالت اور زیادہ کمزور ہوگئی، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کی یہ تکلیف دیکھی نا جا سکی۔ حضور اپنے چچا حضرت عباس کے پاس گئے اور انہیں اس بات کی ترغیب دی کہ ہمیں مل کر جناب ابوطالب کا بوجھ بانٹ لینا چاہیے۔ ان کا ایک

بیٹا میں لے لیتا ہوں، اس کی کفالت میں کروں گا، ایک لڑکا آپ لے لیں۔ اور اس کی کفالت آپ اپنے ذمہ لے لیں اس طرح ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ چنانچہ دونوں جناب ابو طالب کے پاس گئے اور اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ حضرت ابو طالب کے چار بیٹے تھے۔ وہ سب ایک دوسرے سے دس دس سال چھوٹے تھے طالب، عقیل جعفر اور علی۔ انہوں نے کہا کہ عقیل اور طالب کو میرے پاس رہنے دیں۔ اور باقی بچوں کے بارے میں جو آپ لوگوں کی مرضی ہو کریں۔ چنانچہ حضرت علی کو جو سب سے کمسن تھے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ اور جعفر کو حضرت عباس اپنے ساتھ لے گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو اعلان نبوت سے پہلے ہی آغوش نبوت میں پہنچا دیا، تاکہ یہ قطرہ، صدف احمدی میں پرورش پا کر درّ شہسوار بنے۔ اپنے علمی اور روحانی انوار ساطعہ سے تاقیامت اکناف عالم کو منور اور روشن کرتا رہے۔

آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد فرماتی ہیں۔

جب میرا یہ بچہ پیدا ہوا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام علی رکھا۔ اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا، اور اپنی زبان مبارک اس مولود مسعود کو چوسنے کے لیے اس کے منہ میں ڈالی جسے یہ بچہ چوستا رہا یہاں تک کہ سو گیا۔

حضرت سیدنا علی کے ایمان لانے کا واقعہ یوں بیان کیا گیا۔

ایک روز آپ کا شانہ نبوی میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ حضور کریم اور حضرت خدیجہ دونوں نماز پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنُ اللّٰهِ الَّذِىْ اِصْطَفَاهُ لِنَفْسِهٖ وَبَعَثَ بِهٖ رُسُلَهٗ فَادْعُوْكَ اِلَى اللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاِلٰى عِبَادَتِهٖ وَاِلَى الْكُفْرِ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ان کا دین ہے جسے اس نے اپنے لیے پسند کیا ہے اور اس کی تبلیغ کے لیے رسول مبعوث کیے ہیں۔ پس میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاؤ اور اس کی عبادت کرو۔ اور لات وعزیٰ کے ساتھ کفر کرو۔"

حضرت علی نے جواب دیا یہ عجیب بات ہے اس کے بارے میں، میں نے آج تک نہیں سنا، جب تک میں اپنے والد سے مشورہ نہ کرلوں میرے لیے کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔

حضور نے فرمایا ''اے علی! اگر تم اسلام نہیں لانا چاہتے تو کم از کم اس راز کو افشانہ کرنا۔ ایک رات یوں ہی گزر گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو نور ایمان سے روشن کردیا۔ وہ صبح سویرے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ سوموار کا دن تھا، جب حضرت علی نے حضور کو بمع ام المؤمنین نماز پڑھتے دیکھا منگل کے روز آپ مشرف باسلام ہوئے اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی۔

ایک روایت میں آپ کی عمر دس سال بیان کی گئی ہے اگرچہ آپ بالغ نہیں ہوئے تھے۔ لیکن سن تمیز کو پہنچ چکے تھے ابتدا میں آپ نے ایمان کو اپنے والد کے خوف سے پوشیدہ رکھا۔ آخر یہ راز فاش ہو گیا انہوں نے اپنے فرزند علی کو امام الانبیا کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ پوچھا اے بیٹے! یہ کیسا دین ہے جو تو نے اختیار کیا ہے آپ نے جواب دیا۔

یَا اَبَتِ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَصَدَّقْتُ بِمَا جَاءَ بِهٖ وَصَلَّيْتُ مَعَهٗ لِلّٰهِ وَاتَّبَعْتُهٗ قَالَ لَهٗ اَمَا اِنَّهٗ لَمْ يَدْعُكَ اِلَّا اِلٰى خَيْرٍ فَالْزَمْهُ۔

اے میر باپ! میں اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں اور جو دین لے کر یہ آئے ہیں اس کی میں نے تصدیق کی ہے اور آپ کی معیت میں اللہ کے لیے نماز پڑھی ہے اور آپ کی پیروی کی ہے۔ حضرت ابو طالب نے فرمایا اے علی! انہوں نے تمہیں خیر کی طرف بلایا ہے ان کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا۔

حضور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز کا وقت قریب آجاتا تو مکے کی کسی وادی میں تشریف لے جاتے حضرت علی بھی حضو کے ہمراہ ہوتے اور وہیں مل کر نماز ادا کرتے اور شام کے وقت واپس آجاتے۔

ایک روز جناب ابو طالب وہاں اچانک پہنچ گئے اور دونوں کو نماز پڑھتے دیکھ لیا، تو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہنے لگے میرے بھتیجے! یہ کیا دین ہے جو تو نے اختیار کر رکھا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا :

اَیْ عَمِّ! هٰذَا دِیْنُ اللّٰهِ وَدِیْنُ مَلٰئِکَتِهٖ وَدِیْنُ رُسُلِهٖ وَدِیْنُ اَبِیْنَا اِبْرَاهِیْمَ۔ بَعَثَنِیَ اللّٰهُ رَسُوْلًا اِلَی الْعِبَادِ۔ وَاَنْتَ اَیْ عَمِّ اَحَقُّ مَنْ بَذَلْتُ لَهُ النَّصِیْحَةَ۔ وَدَعَوْتَهٗ اِلَی الْهُدٰی وَاَحَقُّ مَنْ اَجَابَنِیْ اِلَیْهِ وَاَعَانَنِیْ عَلَیْهِ۔"

اے محترم چچا! یہ اللہ کا دین ہے، اس کے فرشتوں کا دین ہے اس کے رسولوں کا دین ہے۔ اور ہمارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر اپنے بندوں کی طرف مبعوث کیا ہے۔ اور اے محترم چچا! آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ میں آپ کو نصیحت کروں اور ہدایت کی دعوت دوں اور آپ سب سے زیادہ حق دار ہیں کہ میری اس دعوت کو قبول کریں۔ اور اس سلسلہ میں میری مدد کریں۔

جناب ابوطالب نے جواب دیا میرے بھتیجے! میں (سردست) اپنے آبا کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن بخدا کوئی شخص تیرے قریب نہیں آسکتا کہ تمہیں تکلیف پہنچائے جب تک میں زندہ ہوں۔" (ضیاء النبی، ج ۲، ص ۲۲۹-۲۳۲، سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۶۵)

جس رات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر قیام کیا اور اپنی جان نثاری کا مظاہرہ کیا، حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے تمہارے درمیان عقد مواخاۃ باندھا ہے۔ اور ہر ایک کی عمر ایک دوسرے سے زیادہ بتائی، تم اپنے دوست کی زندگی کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہر شخص اپنی زندگی کو زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ وحی آئی کہ علی بن ابی طالب کو دیکھو، میں نے علی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عقد مواخاۃ باندھا، حضرت علی نے اپنی جان شیریں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر قربان کر دیا۔ اور اسے اپنی زندگی پر ترجیح دی۔ اب تم اس سبز گنبد یعنی آسمان سے محیط غبرا یعنی زمین پر جاؤ اور دشمنوں کے شر سے ان کی حفاظت کرو، حق سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے انہوں نے اس نیلگوں چھت سے پرواز کی اور ربع مسکوں پر اترے، جبرائیل علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرہانے اور حضرت میکائیل علیہ السلام آپ کے پاؤں کی طرف بیٹھ گئے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا واہ واہ! علی تجھ جیسا کوئی نہیں، ملاء اعلیٰ میں ملائکہ کے درمیان خداوند قدوس تجھ پر فخر و مباہات کرتا ہے۔

ہر آں کہ بہر خدا راہ نفس بر بندو ملک ز عرش بفرمان او کمر بندد

حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں آیت نازل فرمائی۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ۔

(معارج النبوۃ، ص ۳)

محبوب ومحبّ کا اٹوٹ رشتہ

مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ عشق رسول سے معمور ہے ان کا ایک ہی فرمان اتنی جامعیت کا حامل ہے کہ محبت کے تمام شعبے اس میں سمٹ آتے ہیں۔ آپ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ حضرات رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کس انداز کی محبت کرتے تھے، آپ کے جذبہ عشق کے کیا تیور ہوتے تھے؟ ارشاد فرمایا، لوگوں کو اپنا مال بہت عزیز ہوتا ہے، مگر ہم رسول کے سامنے مال کو ٹھوکر مارتے تھے، اپنی اولاد سے بے پناہ پیار ہوتا ہے مگر ہماری اولاد رسول کی محبت کی بھینٹ چڑھتی تھی، والدین سے یک گونہ محبت ہوتی ہے مگر محبت رسول کے سامنے والدین کی محبت بھی دم توڑتی نظر آئی۔ سخت پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی جتنا محبوب ہوتا ہے اس کا اندازہ پیاسا ہی کر سکتا ہے، مگر شدت تشنگی میں رسول کو اختیار کرتے ہو یا فرحت بخش ٹھنڈے پانی کو تو قسم ہے خدائے وحدہ لاشریک کی ہم سکون بخش ٹھنڈے پانی کو ٹھوکر مار کر اپنی جان قربان کر دیں گے۔ مگر ہم یہ کبھی گوارہ نہیں کر سکتے کہ، رسول کو چھوڑ کر سرد پانی کی طرف نگاہ اٹھا دیں۔ (عقائد اہل سنت، ص ۱۸۷۔۱۸۹، شفا شریف)

نگاہِ علی میں احترام مصطفیٰ

یوم حدیبیہ کو امیر المؤمنین حضرت علی کفار مکہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ کی شرطیں لکھ رہے تھے۔ ابھی حضرت علی نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور محمد رسول اللہ لکھا ہی تھا کہ سہیل بن عمر (جو ابھی ایمان نہ لائے تھے۔) کہنے لگے: میں ''رحمٰن'' کو نہیں پہچانتا۔ ہمارا اسم کتاب یوں ہے: باسمك اللهم۔ لہٰذا یہی لکھا جائے۔ پھر کہا محمد رسول اللہ بھی نہ لکھا

جائے کیونکہ اگر ہمیں ان کی رسالت کا اعتراف ہوتا تو جھگڑا کس بات کا ہوتا۔؟

اس ضمن میں حضور علیہ السلام اور کفار کے درمیان بات چیت ہوئی آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو فرمایا ''اچھا اسے مٹا دو'' اور سہیل جس طرح کہتا ہے لکھو۔ حضرت علی از روئے ادب نام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قلم سے محو کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے محو کر دیا اور فرمایا اے علی! رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم پر بھی ایسا آنے والا ہے۔ چنانچہ جنگ صفین کے بعد حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ایک صلح نامہ ہوا۔ کاتب نے اصلاح نامہ کی تحریر یوں شروع کی یہ معاہدہ امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جناب امیر معایہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا امیر المؤمنین نہ لکھو۔ اگر میں انہیں امیر المؤمنین تسلیم کر لوں تو جھگڑا کس بات کا ہے؟ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو فرمایا: صدق الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم۔ ہاں بھئی! علی ابن ابی طالب ہی لکھو۔ (شواہد النبوۃ ص ۱۴۷)

حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا خواب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آداب

ایک دن آپ دوپہر میں مسجد میں سو رہے تھے کہ خواب میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، آپ نے ارشاد فرمایا ''میرے بیٹے! تم لوگوں کو وعظ و نصیحت کیوں نہیں کرتے۔'' شیخ نے عرض کیا، حضور میں عجمی ہوں۔ فصحائے بغداد کے سامنے کیسے زبان کھولوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''منہ کھولو۔'' شیخ نے منہ کھول دیا۔ تو حضور نے اپنا لعاب دہن سات دفعہ شیخ کے منہ میں گرایا اور پھر ارشاد گرامی ہوا، تھوڑا! قوم کو وعظ و نصیحت کرو اور حکمت و موعظت کے ساتھ لوگوں کو خدا کے راستے کی طرف بلاؤ، شیخ فوراً بیدار ہو گئے، اور بے حد مسرور تھے اس حالت سرور و خوشی میں اسی مسجد میں نماز ظہر ادا کی۔ نماز کے بعد خود بخود ایک بہت بڑی جماعت شیخ کے پاس آئی اور آپ نے انہیں وعظ و نصیحت کی۔

کچھ دنوں کے بعد شیخ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا انہوں نے بھی وہی سوال فرمایا جو حضور نے دریافت فرمایا تھا، پھر وہی جواب ملنے پر چھ دفعہ اپنا لعاب دہن ان

کے منہ میں گرایا، شیخ نے باادب عرض کیا، سات دفعہ کے بجائے، چھ ہی دفعہ کیوں؟ تو مولائے کائنات نے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کی وجہ سے اس کے بعد آپ کے دل میں وعظ وتبلیغ کا جذبہ شدت سے موجزن تھا، آپ نے ارشاد حکمت وموعظت کے ساتھ تبلیغ کا کام شروع کیا۔ ۵۲۱ھ میں جب آپ پہلی بار منبر پر تشریف لائے تو اگرچہ چند بدیہی کلمات وعظ ہی ارشاد فرمائے تھے لیکن مخلوق کا یہ حال تھا کہ وجد وحال سے بے چین وبے قرار ہوگئی۔ (تاریخ اولیاء، ص ۳۹)

اخبار غیب کا خاتمہ

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری غسل دے رہے تھے تو اپنی زبان سے یوں فرما رہے تھے:

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ لَقَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا یَنْقَطِعُ بِمَوْتِ غَیْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْاَنْبَاءِ وَاَخْبَارَ السَّمَاءِ۔

میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں، حضور کی موت سے وہ چیز ختم ہوگئی، جو اور کسی شخص کی موت سے ختم نہ ہوئی تھی۔ یعنی نبوت اور اخبار غیب اور آسمان سے خبروں کا آنا اب ختم ہوگیا۔

ان صحیح ترین روایات اسلامیہ کی تصدیق قدرت قاہرہ نے جملہ مذاہب کی زبان بندی سے فرمادی ہے اور معلوم ہوا کہ ختم نبوت وہ خصوصیت خاصہ ہے جو بالکل حضور ہی کی ذات اقدس کو حاصل ہے۔

اس آیت کے ساتھ، الیوم اکملت لکم دینکم۔ کی تفسیر بھی پڑھ لینا چاہیے، تاکہ معلوم ہوجائے کہ ختم نبوت کا منصب اس کو شایاں ہے جو کمال دین اور اتمام نعمت کی بشارت سے بھی مبشر ہو۔ الغرض آیت زیب عنوان نہایت مستحکم دلائل اور قطعی براہین کے ساتھ حضور کی خصوصیت ''ختم المرسلین'' کو واضح کررہی ہے۔ والحمدللہ علی ذالک!

(رحمۃ اللعالمین، ج ۳، ص ۹۲)

حضرت علی کی محبت پر حضور خود شہادت دے رہے ہیں

جنگ اُحد میں جب کہ مسلمان آگے اور پیچھے سے کفار کے بیچ میں آگئے جس کے سبب بہت سے لوگ شہید ہوئے تو اس وقت سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی کافروں کے گھیرے میں آگئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ اے مسلمانو! تمہارے نبی قتل کر دیے گئے۔ اس اعلان کو سن کر مسلمان بہت پریشان ہو گئے یہاں تک کہ اِدھر اُدھر تتر بتر ہو گئے بلکہ ان میں سے بہت لوگ بھاگ بھی گئے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ جب کافروں نے مسلمانوں کو آگے پیچھے سے گھیر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو پہلے میں نے حضور کو زندوں میں تلاش کیا مگر نہیں پایا پھر شہیدوں میں تلاش کیا وہاں بھی نہیں پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حضور میدان جنگ سے بھاگ جائیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اس لیے اب بہتر یہ ہے کہ میں بھی تلوار لیکر کافروں میں گھس جاؤں یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تلوار لیکر ایسا سخت حملہ کیا کہ کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو مجھے بے انتہا خوشی ہوئی اور میں نے یقین کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ اپنے حبیب کی حفاظت فرمائی۔ میں دوڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔ کفار گروہ در گروہ حضور پر حملہ کرنے کے لیے آنے لگے۔ آپ نے فرمایا علی ان کو روکو! تو میں نے تنہا ان سب کا مقابلہ کیا اور ان کے منہ پھیر دیے اور کئی ایک کو قتل بھی کیا۔ اس کے بعد پھر ایک گروہ اور حضور پر حملہ کرنے کی نیت سے بڑھا آپ نے پھر میری طرف اشارہ فرمایا تو میں نے پھر اس گروہ کا اکیلے مقابلہ کیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل نے آکر حضور سے میری بہادری اور مدد کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا" انه منی وانا منه۔" یعنی بیشک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ علی کو مجھ سے کمال قرب حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سن کر حضرت جبریل نے عرض کیا" وانا منکما" یعنی میں تم دونوں سے ہوں۔ (خطبات محرم، ص ۱۸۹،۱۹۰)

خیبر کا قلعہ ''ناعم'' کے عشاق ونامور فاتحین کی بے مثال داستان

علامہ ابن کثیر نے اپنی کتاب ''السیرۃ النبویہ'' میں، علامہ مقریزی نے ''امتاع الاسماع'' میں اور دیگر متعدد سیرت نگاروں نے اپنی اپنی تالیفات میں لکھا ہے کہ مرحب اپنے بھائیوں کے ہمراہ اسی قلعہ میں موجود تھا اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اس کی جنگ اسی قلعہ کے دروازے کے سامنے ہوئی جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

حضرت بریدرضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی درد شقیقہ کی تکلیف ہوتی تھی، یہ تکلیف ایک دو، روز جاری رہتی تھی، جب حضور خیبر میں تشریف لائے تو پھر اس دردِ شقیقہ کی تکلیف ہوگئی، جس کی وجہ سے آپ باہر تشریف نہ لا سکے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا پرچم عطا فرما کر بھیجا جنہوں نے ان کے ساتھ شدید جنگ کی۔ لیکن قلعہ فتح نہ ہوا، دوسرے روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم لے کر قلعہ پر حملہ کیا، اور شدید جنگ کی جو پہلے دن سے بھی زیادہ سخت تھی لیکن قلعہ فتح نہ ہوا، بارگاہ رسالت میں صورت حال عرض کی گئی، حضور نے فرمایا:

لَاُعْطِيَنَّ رَأْيَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيْسَ بِفَرَارٍ، يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَأْخُذُهَا عَنْوَةً۔

کل میں یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس قلعہ کو فتح فرمائے گا، وہ شخص فرار نہیں ہوگا، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ہوگا اور قوت بازو سے اس قلعہ پر قابض ہو جائے گا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سب مجاہدین نے سن لیا، ان کی یہ رات پیچ وتاب کھاتے گزری ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ سعادت اس کو نصیب ہو، جب صبح ہوئی تو سارے مجاہدین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، وہ یہ جاننے کے لیے از حد بے قرار تھے کہ وہ کون خوش نصیب ہے، جس کو آج پرچم عطا کیا جائے گا۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم آشوبِ چشم کی تکلیف کے باعث مدینہ طیبہ سے

حضور کے ہمرکاب خیبر کی طرف روانہ نہیں ہو سکے تھے، جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گئے تو علی مرتضیٰ نے اپنے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاد پر تشریف لے جائیں اور میں پیچھے رہ جاؤں؟ بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہوگا، چنانچہ دکھتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنے آقا کے پیچھے روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ خیبر میں حضور کے قریب جا کر اپنی اونٹنی بٹھائی، اور حالت یہ تھی کہ آنکھوں پر پٹی بندھی تھی، اس روز جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ ادا فرما چکے، تو جھنڈا منگوایا اور کھڑے ہو کر لوگوں کو وعظ فرمایا پھر پوچھا:

''این علی'' علی کہاں ہیں؟ عرض کی گئی، ان کی دونوں آنکھیں دکھتی ہیں، اس لیے یہاں موجود نہیں۔ حضور نے انہیں بلا بھیجا، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کو بلانے کے لیے میں گیا، میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضور کی خدمت میں لے آیا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا علی! تمہیں کیا ہے؟ عرض کی، یا رسول اللہ! آنکھیں دکھنے لگی ہیں اور مجھے اپنے سامنے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا میرے نزدیک آجاؤ، سیدنا علی فرماتے ہیں، میں نزدیک ہوا، حضور نے میرا سر اپنی گود مبارک میں رکھا، پھر اپنا لعاب دہن ہاتھوں پر لگا کر میری آنکھوں پر ملا تو میں اسی وقت صحت یاب ہو گیا۔ گویا مجھے کبھی آشوب چشم کی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ اس لعاب دہن کی برکت سے ساری عمر آپ کی آنکھوں کو کبھی کوئی تکلیف نہ ہوئی، پھر حضور نے انہیں پرچم عطا فرمایا۔

آپ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا میں ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں؟ حضور نے فرمایا، آہستہ آہستہ ان کے میدان میں جاؤ اور وہاں پہنچ کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دو۔ نیز انہیں بتاؤ کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کون سے حقوق ان پر واجب الاداء ہوں گے، اے علی! بخدا! اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے اس سے بدر جہا بہتر ہے کہ تمہیں سرخ اونٹ دیے جائیں۔

حضرت علی رخصت ہو کر قلعہ کے سامنے تشریف لے گئے اور جا کر اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے اس قلعہ کی چھت سے جھانکا اور آپ کو دیکھ کر پوچھا، آپ کون ہیں؟ آپ

نے فرمایا میں علی ہوں، یہودی کے منہ سے نکلا کہ اس خدا کی قسم! جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی، آپ یہودیوں پر غالب آجائیں گے۔

یہودیوں کی طرف سے جو شخص پہلے نکلا وہ مرحب کا بھائی حارث تھا، اس نے آکر دعوت مبارزت دی، سیدنا علی مرتضیٰ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے، آپ نے پلک جھپکنے میں اس کا کام تمام کر دیا اور جو یہودی حارث کے ساتھ گئے تھے، وہ لوٹ کر اپنے قلعہ میں آگئے، پھر ایک دوسرا یہودی جو طویل القامت اور بھرے ہوئے جسم کا تھا، اس کا نام "عامر" تھا، وہ مقابلہ کے لیے نکلا تو حضور نے فرمایا، اس پانچ گزے کو تم دیکھ رہے ہو؟ حضرت علی مرتضیٰ اس کے مقابلہ کے لیے نکلے، آپ نے اس پر کئی وار کیے لیکن اس کا کچھ نہ بگڑا، پھر آپ نے س کی پنڈلیوں پر تلوار اکا وار کیا وہ گھٹنوں کے بل گر پڑا، اور آپ نے اس کو جہنم رسید کر دیا، اور اس کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد ایک اور یہودی میدان میں نکلا۔ اس کا نام "یاسر" تھا، اور اس نے رجزیہ اشعار پڑھنے شروع کیے، یہ یہودی کے بڑے طاقتور اور بہادر سپاہیوں میں سے تھا، اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ تھا جس سے وہ لوگوں کو ہانکتا تھا، اس کے مقابلے کے لیے بھی شیر خدا علی مرتضیٰ میدان میں آئے، حضرت زبیر بن عوام نے آپ کو کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ میرے اور اس کے درمیان حائل نہ ہوں، چنانچہ علی مرتضیٰ درمیان سے ہٹ گئے، حضرت زبیر کی والدہ اور حضور کی پھوپھی حضرت صفیہ نے جب دیکھا کہ ان کا لخت جگر اس پیل تن یہودی کے سامنے نکل آیا ہے تو عرض کی، یا رسول اللہ! کیا یہ شخص میرے بیٹے کو قتل کر دے گا؟

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بَلْ اِبْنُکِ یَقْتُلُہٗ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ۔

"اس کی کیا مجال کہ آپ کے بیٹے کا بال بیکا کر سکے، آپ کا بیٹا اس کو قتل کر دے گا، ان شاءاللہ۔"

چنانچہ حضرت زبیر رجز کہتے ہوئے اس کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، آپ اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا، جب حضرت زبیر نے یاسر کو واصل جہنم کیا تو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا چچا اور خالو تم پر قربان ہوں۔ پھر فرمایا، ہر نبی کا ایک

حواری ہوتا ہے اور میرا حواری میری پھوپھی کا لڑکا زبیر ہے۔

امام مسلم نے سلمہ بن اکوع سے روایت کیا ہے کہ مرحب اپنی تلوار ہوا میں لہراتا ہوا میدان میں نکلا، اس کے سر پر زرد رنگ کا خود تھا جو یمن کا بنا ہوا تھا، اس نے یہ رجز پڑھتے ہوئے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبْ
شَاكِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبْ
اِذَا اللُّيُوْثُ اَقْبَلَتْ تَلَهَّبْ

خیبر کے درو دیوار جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں سے مسلح ہوں، بہادر ہوں اور تجربہ کار ہوں، جب شیر مجھ پر حملہ کرتے ہیں تو میں جوش سے بھڑک اٹھتا ہوں۔

اس کے مقابلہ کے لیے عامر بن اکوع نکلے اور آپ نے یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ عَامِرٌ   شَاكِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرٌ

خیبر جانتا ہے کہ میرا نام عامر ہے، میں اسلحہ سے مسلح ہوں، بہادر ہوں اور خطرات میں کود جانے والا ہوں۔

انہوں نے ایک دوسرے پر وار کیے، مرحب کی تلوار حضرت عامر کی ڈھال پر لگی، عامر نے جھک کر اس پر اپنی تلوار کا وار کیا، آپ کی تلوار زیادہ لمبی نہ تھی اور وہ آپ کے گھٹنے کی ہڈی پر جا لگی جس کے باعث وہ شہید ہو گئے، مرحب پھر شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آیا، رجز پڑھا اور مدّ مقابل کا مطالبہ کیا، اب اس کے سر غرور کو خاک مذلت میں ملانے کے لیے اللہ کے شیر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ آپ نے سرخ رنگ کا جبہ پہنا ہوا تھا اور آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَيْدَرَا
كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرِ
اُوْفِيْهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

"میں وہ ہوں جس کا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا ہے، جنگل کے شیروں کی طرح میں

بڑا خوفناک ہوں، میں ان کو ایک صاع کے بدلے بہت بڑے پیالے سے ماپ کردوں گا۔"

آپ نے اپنی شمشیر خارہ گداز کا وار مرحب کے سر پر کیا، آپ کی تلوار اس کے فولادی خود کاٹتی ہوئی اس کے دانتوں تک اتر گئی، پھر آپ نے اس کے سر کو کاٹ کر تن سے جدا کر دیا۔

امام احمد سے مروی ہے کہ سیدنا علی مرتضٰی نے فرمایا کہ جب میں نے مرحب کو قتل کیا تو میں اس کا سر کاٹ کر لے آیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔

حضرت جابر کی ایک روایت میں ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔ لیکن صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع کی روایت سے یہ مروی ہے کہ مرحب کو موت کے گھاٹ اتارنے والے سیدنا علی مرتضٰی تھے۔

حدیث بریدہ بن الحصیب اور ابی نافع کی حدیث سے اس قول کی تائید ہوتی ہے اور جابر کی روایت سے امام مسلم کی حدیث زیادہ قوی اور اس پر دو وجوہ سے مقدم ہے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس سند سے صحیح مسلم کی حدیث مروی ہے۔ وہ دوسری سند سے اصح ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت جابر خیبر کی جنگ میں شریک نہ تھے، ان کی روایت دید پر نہیں شنید پر موقوف ہے۔ لیکن حضرت سلمہ، بریدہ اور ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ تینوں اس جنگ میں شریک تھے اور انہوں نے چشم دید واقعہ بیان کیا ہے۔ ابوعمر نے بھی اسی روایت کی تصحیح کی ہے کہ سیدنا علی مرتضٰی نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ اور علماء ابن اثیر کا یہی قول ہے۔

(ضیاء النبی، ج ۴۔ ص ۲۲۸۔۲۳۲، ابن کثیر "السیرۃ النبویۃ" ج ۳، ص ۳۵۶۔۳۵۹)

اعرابی کا بارگاہ نبوی سے اظہار محبت

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے تین دن بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا، اس نے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر گرا دیا، اور روضۂ مقدسہ کی مبارک مٹی اپنے سر پر ڈال لی اور کہنے لگا: یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تو ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے وہ کچھ محفوظ کیا جو ہم نے آپ سے محفوظ کیا اور آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا اس میں یہ ارشاد بھی تھا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (سورۂ نساء: آیت ۶۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں، تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (کنز الایمان)

روضۂ اقدس سے آواز آئی کہ تجھے بخش دیا گیا ہے۔

(پکارو یارسول اللہ، ص ۵۰، تا ۵۱، وفاء الوفا، ج ۴، ص ۱۳۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عشق رسول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور سے شدید محبت بلکہ شغف و عشق تھا، کبھی راتوں کو بیدار ہوتیں آپ کو حجرہ میں نہ پاتیں تو بے قرار ہو جاتیں۔ ایک بار شب کو آنکھ کھلی اور آپ کو نہ پایا گھر میں چراغ نہیں تھا، ادھر ادھر ٹٹولنے لگیں۔ آخر آپ کا ہاتھ سرور دو عالم کے مبارک قدم پر لگا۔ دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجدہ ہیں۔

ایک بار اسی طرح کا واقعہ پیش آیا رات کا نصف حصہ گزر چکا تھا، اِدھر اُدھر ڈھونڈا مگر آپ کا دیدار نہ ہوا، آخر تلاش کرتی ہوئی قبرستان پہنچ گئیں، دیکھا آپ دعا و استغفار میں مشغول ہیں، الٹے پاؤں واپس آئیں جب آپ کے سامنے واقعہ بیان فرمایا تو آپ نے فرمایا "کوئی کالی چیز جاتی معلوم ہوئی تھی وہ تم ہی تھی۔"

حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ فرمایا عائشہ! جب تم مجھ سے خوش یا ناراض ہوتی ہو تو مجھ کو پتہ لگ جاتا ہے۔ ناراض ہوتی ہو تو 'ابراہیم کے خدا کی قسم' اور خوش ہوتی ہو تو "محمد کے خدا کی قسم" کھاتی ہو، حضرت عائشہ نے عرض کیا یارسول اللہ! صرف زبان سے نام چھوڑ دیتی ہوں۔" جب حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ رات کو آپ کی قبر انور کے ساتھ ہی سو جایا کرتی تھیں۔ (شرح سلام رضا، ص ۴۸۹، الموطا، باب ما جاء فی الدعا۔ والترمذی، باب الاستغفار۔ البخاری، باب ما یجوز من الھجران)

غم وفراق کا گھر

حدیث شریف میں ہے: صحابہ فرماتے ہیں کہ جس دن حضور مدینہ میں تشریف لائے اس سے اچھا اور پرمسرت دن ہم نے مدینہ شریف میں کبھی نہیں دیکھا کہ اس شہر مبارک کی ہر چیز روشن اور تابناک ہوگئی۔ اور جس دن کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس دن سے زیادہ المناک اور بُرا، دن ہم نے مدینہ طیبہ میں کبھی نہیں دیکھا کہ سب چیزوں پر تاریکی چھاگئی۔ ہر گھر سے رونے اور گریہ وزاری کرنے کی آواز آتی تھی پورا مدینہ شریف ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا کہ ان کا حجرۂ مبارک کہ جس میں حضور کا وصال ہوا تھا دفن کے بعد وہ بَیْتُ الْحُزْنِ وَالْفِرَاقِ۔ ہوگیا تھا کہ شب وروز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی رویا کرتی تھیں۔ (خطبات محرم، ص ۵۶)

حضرت عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راہیِ دارالبقا ہوئے تو فراق وہجر کے خنجروں نے سب کا کلیجہ چھلنی کردیا، حضرت عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے بھی یہ سانحہ جانکاہ ناقابل برداشت تھا۔ ان کے دُکھ نے اشعار کا لبادہ اوڑھا اور زبان سے اداس جھرنوں کی طرح بہنے لگا۔ اُن اشعار کا مطلب تھا:

شام ہی سے سواریاں وحشت زدہ ہیں۔

جن پر وہ سوار ہوتے کہ سواری کی ان سے زینت بڑھ جاتی۔

شام سے ہی سردار کو رو رہی ہیں۔

آنکھ سے رہ رہ کر آنسو آتے جاتے ہیں۔

فرطِ رنج وغم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو افاقہ تک نہیں۔

رہ رہ کر رنج بڑھتا ہے۔

وہ زرد ہوگئیں ہیں۔

اس سوفار کی سی حالت ہوگئی ہے۔
جو بے کار ہو گیا ہو اس کا رنگ جاتا رہا ہو۔
اس رنج وغم کی چارہ گری میں۔
جو دیر سے جانے والے ہیں۔
اس سینے میں اس کا درد ہے۔
ہتھیلیوں سے چہرے بگاڑ رہی ہے۔
ایسے پر ایسا ہی ہوتا ہے۔
وہ فاضل تھے، سردار تھے، برگزیدہ تھے۔
ان کی وجہ سے حق پر دین مجتمع تھا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کیسے جیوں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وصال فرما گئے۔

(خواتین کا عشق رسول: مولانا محمد شاکر علی نوری، ص ۱۷، ۱۸)

حضرت عبّاد بن بشر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ غزوہ ''ذات الرقاع'' سے فارغ ہوئے تو رات گزارنے کی خاطر ایک جگہ ٹھہر گئے۔ آپ نے کچھ صحابہ کو پہرہ دینے کی ذمہ داری سونپی کہ وہ باری باری یہ کام سرانجام دیں۔ اس میں حضرت عمار بن یاسر کے ساتھ جناب عباد بن بشر کی ذمہ داری لگی۔ یعنی ان دونوں اصحاب کو ایک ہی وقت میں پہرے کا کام انجام دینا تھا۔

جناب عمار و جناب عباد اپنے فرض کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔ حضرت عباد نے اپنے ساتھی حضرت عمار کو کچھ تھکا ہوا پایا تو ان سے کہا کہ رات کے پہلے حصے میں تم سو جاؤ اور میں پہرہ دیتا ہوں پھر تم یہ ذمہ داری سنبھالنا اور میں آرام کرلوں گا۔ اس طرح ہر ایک اپنی ذمہ داری بیداری اور چستی کے ساتھ ادا کر سکے گا۔

حضرت عمار محو استراحت ہو گئے اور حضرت عباد پہرے کا فرض نبھانے لگے۔ حضرت عباد نے دیکھا کہ ماحول پر سکون ہے دشمن کا کوئی خطرہ اور خدشہ نہیں ہے۔ لہٰذا کیوں نہ اس فارغ وقت کو نماز سے قیمتی بنالیا جائے اور پہرے کے ساتھ قیام اللیل کا ثواب بھی سمیٹ لیا جائے!

جناب عباد کھڑے ہوئے اور نماز شروع کر دی۔ قیام میں سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کی کوئی سورہ تلاوت کر رہے تھے کہ دشمن کی طرف سے چلایا گیا ایک تیر آ کر آپ کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچا اور پرے پھینک کر دوبارہ نماز میں مصروف ہو گئے۔!

رب کی راہ میں رب کا بندہ اپنے محبوب سے ہم کلامی کی حلاوت کا مزہ لے رہا تھا کہ ایک اور تیر آ لگا۔ اس کے بعد دشمن نے رات کے اندھیرے میں تیسرا تیر چلا دیا۔ آپ نے تیر جسم کے نکالے اور تلاوت کا اختتام کرتے ہوئے رکوع میں چلے آئے۔ پھر سجدہ کیا اس وقت تک تکلیف سے آپ چور چور ہو گئے تھے۔ آپ نے حالت سجدہ میں ہی اپنے محو استراحت ساتھی کو ہلایا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے مگر آپ نماز کی ادائیگی میں مصروف رہے۔ سجدوں سے اٹھے اور تشہد پڑھتے ہوئے نماز کو مکمل کیا۔

حضرت عمار نیند سے بیدار ہوئے تو جناب عباد کے تکلیف اور کپکپاہٹ میں رندھے ہوئے الفاظ سنائی دیے کہ: "میری جگہ کھڑے ہو کر پہرہ دو مجھے تیر آ لگا ہے۔"

جناب عمار ایسی تیزی اور ہیبتناک انداز میں اٹھے کہ تیر چلانے والے خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر حضرت عمار نے حضرت عباد کی طرف متوجہ ہو کر کہا: سبحان اللہ تمہیں جب پہلا تیر لگا تھا اسی وقت کیوں نہ مجھے جگا دیا؟

حضرت عباد نے جواب دیا: "میں نماز میں قرآن کریم کی کچھ آیات تلاوت کر رہا تھا۔ شوق سے میرا دل بھر گیا اور مجھے گوارا نہ ہوا کہ میں اس کیفیت کو توڑ دوں۔ اور اللہ کی قسم! اگر میں کسی ایسی سرحد کو غیر محفوظ نہیں ہونے دے رہا جس کی حفاظت کا رسول اللہ نے مجھے حکم دیا ہے تو میں ان آیات کی تلاوت کو ختم کرنے کی بجائے موت کو ترجیح دوں گا!!"

(نقوش صحابہ، ص ۴۹۹۔۵۰۰)

حضرت عباس بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

۱۰ھ بعدِ بعثت میں سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ حق کے لیے طائف تشریف لے گئے۔اہل طائف کی بدبختی کہ انہوں نے نہ صرف دعوت توحید کورد کردیا بلکہ عربوں کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھ کرآپ سے سخت بدسلوکی بھی کی۔لیکن حضورعزم واستقامت کا پہاڑ تھے آپ اہل طائف کے رویہ سے مطلق دل برداشتہ نہ ہوئے اور مکہ واپس تشریف لا کرحسب سابق تبلیغ حق میں مشغول ہو گئے،آپ کا معمول تھا کہ ایام حج میں زائرین حرم کے پاس جا کرانہیں دعوت توحید دیتے تھے اور وقتاً فوقتاً مختلف قبائل میں جا کران کے سامنے بھی دین حق پیش کرتے تھے،رؤسائے قبائل بڑے روکھے سوکھے جواب دیتے اور زائرین حرم پر بھی دعوت توحید کا چنداں اثر نہ ہوتا تھا۔لیکن ۱۱ھ بعد بعثت کے موسم حج میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب صورت پیدا کی،حضور تبلیغ کرتے کرتے منیٰ میں چند ایسے خیموں کے پاس پہنچ گئے جہاں یثرب سے آئے ہوئے چند سعید الفطرت لوگ قیام پذیر تھے،یہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی تھے،حضور نے جب ان کے پاس پہنچ کراللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بڑائی بیان کرنی شروع کی تو وہ بہت متاثر ہوئے،اس کے بعد حضو نے قرآن حکیم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی تو ان کے دل بالکل ہی پگھل گئے،انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا،واللہ یہ تو وہی نبی آخرالزماں ہیں جن کا تذکرہ ہروقت یہود یثرب کی زبان پر رہتا ہے دیکھنا یہود کہیں ہم سے قبول حق میں سبقت نہ لے جائیں۔یہ کہہ کرسب اسی وقت مشرف بہ ایمان ہو گئے۔

قبیلہ خزرج کے ان چھ نفوس قدسی کا قبول اسلام گویا یثرب میں صبح سعادت کا طلوع تھا،انہوں نے یثرب واپس جا کرنہایت تندہی سے دین حق کی تبلیغ شروع کردی۔یوں چراغ سے چراغ جلنے لگا اور یثرب کے سعید الفطرت لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے، چنانچہ اگلے سال ۱۲ھ بعد بعثت میں بارہ مسلمان سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کرنے کے لیے مکہ پہنچے اللہ کے ان بارہ پاکباز بندوں میں قبیلہ خزرج کی شاخ بنوسالم کے ایک فرزند عباس بن عبادہ (بن نعضلہ بن مالک بن عجلان بن زید بن غنم

بن سالم بن عمرو بن عوف بن خزرج) بھی شامل تھے۔ ان کا شمار اپنے قبیلے کے بہادر جوانوں میں ہوتا تھا۔ شجاعت اور شہامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرت سعید سے بھی نوازا تھا۔ انہوں نے توحید کی آواز کانوں میں پڑتے ہی بلا تامل اس پر لبیک کہا اور آنے والے موسم حج میں گیارہ دوسرے یثربی اہل ایمان کے ساتھ مکہ جا کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ان چھ باتوں پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

(۱) ہم شرک نہ کریں گے۔ (۲) ہم چوری نہ کریں گے۔ (۳) ہم بدکاری نہ کریں گے۔ (۴) ہم کسی کی چغلی نہ کریں گے اور نہ کسی پر جھوٹی تہمت لگائیں گے۔ (۵) ہم اپنی لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے۔ (۶) ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اچھی باتوں میں اطاعت کریں گے۔ تاریخ میں یہ بیعت ''بیعت عقبہ اولیٰ'' کے نام سے مشہور ہے۔

واپسی کے وقت ان اصحاب نے حضور سے درخواست کی کہ انہیں قرآن پڑھانے اور دین کی باتیں سکھانے کے لیے ایک معلم عطا کریں۔ حضور نے حضرت مصعب بن عمیر کو یہ خدمت تفویض فرمائی اور ان کو اس مقدس قافلے کے ساتھ یثرب روانہ کر دیا۔

(سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۵۳۱)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

عن عبد الله ابن عباس قال قيل للعباس انت اكبر او رسول الله صلى الله عليه وسلم قال هو اكبر منى وانا ولدت قبله۔ (کنز العمال)

حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عباس نے جواب دیا کہ حضرت بڑے ہیں لیکن میں آپ سے پہلے پیدا ہوا۔

حضرت عباس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا احترام کرتے تھے لیکن حضرت عباس کو احترام نبوی نے اپنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اکبر کہنے کا اجازت نہیں دی، بلکہ حضرت عباس نے

فرمایا کہ میں آپ سے پہلے پیدا ہوا۔ (روح البیان، ج ۵، پ ۹،۱۰۔ص ۳۵۴)

حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

سیدنا عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی تھے:
علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ جناب عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معرکۂ بدر کے دن سب مسلمانوں میں عمر رسیدہ بزرگ تھے، غزوہ میں ان کا پاؤں مبارک کٹ گیا، تو رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم نے ان کا سر اپنے مبارک گھٹنے پر رکھ دیا، یہ منظر ذرہ نوازی پاکر وہ عرض کرنے لگے، یارسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام اگر حضرت ابو طالب مجھے اس حال میں دیکھتے تو سمجھ لیتے کہ ان کے اس شعر کا میں ان سے زیادہ مستحق ہوں۔

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ ۔۔۔ وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

ہم ان کی اطاعت کرتے ہوئے ان کے اردگرد قتل ہو جاتے ہیں اپنے بچوں اور بیویوں کو بھول جاتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس ہوئے تو یہ بھی آپ کے ساتھ تھے مقام صفراء پر ان کی وفات ہوگئی، مروی ہے کہ جب محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد وہاں تشریف لائے تو صحابہ نے عرض کیا کہ ہمیں کستوری کی خوشبو آرہی ہے، سید کل ختم رسل نے فرمایا، ایسا کیوں نہ ہو یہاں ابو معاویہ (کنیت حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ) کی قبر ہے۔ مروی ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر چھیاسٹھ سال تھی میانہ قد اور خوبصورت چہرے والے تھے، تینوں ائمہ ابن مندہ، ابونعیم اور ابن عبدالبر نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

(جامع کرامات اولیا، ص ۴۲۹)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

آپ نے دو سو اوقیہ چاندی حضور کی خدمت میں پیش کردی اور بقیہ سارا مال نصف نصف بانٹ دیا اور ایک نصف جہاد کے اخراجات پورا کرنے کے لیے حاضر کر دیا۔ نبی

رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس انداز ایثار کو اپنی دعاؤں سے نوازا اور بارگاہ الٰہی میں ان کے لیے یوں دعا کی:

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ مَا اَنْفَقْتَ وَفِيْ مَا اَبْقَيْتَ۔

اے عبدالرحمٰن! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے اس مال میں بھی جو تو نے خرچ کیا اور اس میں بھی جو تو نے باقی رکھا۔

حضور کی اس دعا کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کے مال میں اتنی برکت دی جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ صرف اندازہ لگانے کے لیے آپ ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے چار ہزار درہم ایک مرتبہ خرچ کیے۔ پھر ایک موقع پر چالیس ہزار دینار خرچ کیے۔ پھر ایک موقع پر پانچ صد گھوڑے راہ خدا میں پیش کیے۔ پھر ایک موقع پر پانچ سو اونٹ اللہ کی راہ میں دیے۔ آپ نے سنہ ۴۱ ہجری میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر پچھتر سال تھی۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ ان کے مال سے پچاس ہزار دینار اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں، اور ہر بدری کو جو زندہ تھا چار سو دینار دینے کی وصیت کی۔ زندہ بدریوں کی تعداد اس وقت ایک سو تھی، ایک ہزار گھوڑے مجاہدین کو مہیا کرنے کی وصیت کی۔ ان وصیتوں کو ادا کرنے کے بعد اتنا سونا ورثہ میں چھوڑا کہ کلہاڑوں سے کاٹا گیا۔ آپ نے چار بیوائیں چھوڑیں، آپ کی ایک بیوی نے میراث میں سے اپنے حصے کے بدلے میں اسی ہزار دینار وصول کیے۔ (ضیاء النبی، ج ۴، ص ۵۹۴)

عبدالرحمٰن بن عوف کا ایثار

آپ نے ایک روز اپنے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ:

يَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّكَ مِنَ الْاَغْنِيَاءِ وَاِنَّكَ سَتَدْخُلُ الْجَنَّةَ حَبْوًا، فَاَقْرِضِ اللّٰهَ يُطْلِقْ لَكَ قَدَمَيْكَ۔

اے ابن عوف! تم غنی لوگوں میں سے ہو، اور تم سست روی سے جنت میں داخل ہو گے۔ لہٰذا اللہ کو قرض دو تمہارے قدم کھول دیے جائیں گے۔

جب سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نصیحت بھرے کلمات سنے تھے، آپ اپنے رب کو قرض حسن دیتے رہے اور اللہ بھی اس کو کئی گنا بڑھاتا رہا!

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا تو اس موقع پر مال کی ضرورت افراد کی ضرورت سے کم نہیں تھی، کیونکہ آگے تعداد و تیاری کے اعتبار سے روم کا بہت بڑا لشکر تھا۔ ادھر مدینہ میں خشک سالی تھی اُدھر سفر طویل اور زادِ سفر قلیل تھا۔ سواریاں اس قدر کم تھیں کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی جو رسول اللہ سے بار بار اصرار کر رہے تھے کہ رسول اللہ انہیں ساتھ لے چلیں مگر آپ کے پاس اتنی سواریاں نہیں تھیں کہ ان لوگوں کو بھی فراہم کر دی جاتیں لہٰذا یہ لوگ واپس ہوئے تو ان کی آنکھیں اشک بار اور دل فگار تھے کہ ان کے پاس کچھ نہیں جو وہ خرچ کر سکیں۔ اسی سخت صورتحال کی بنا پر اس لشکر کو جیش العسرہ کہا جاتا ہے۔

اس موقع پر رسول اللہ نے صحابہ کو انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا تو مسلمانوں نے بھاگ کر آپ کی پکار پر لبیک کہا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف صدقہ و انفاق کرنے والے اس اولین گروہ میں شامل تھے۔ آپ نے "دو سو اوقیہ سونا" اللہ کی راہ میں نچھاور کیا۔

حضرت عمر نے اس بہت بڑے مال کو دیکھ کر نبی سے عرض کیا: میرا خیال ہے کہ عبد الرحمٰن گناہ کا مرتکب ہو گیا ہے، اس نے اہل خانہ کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عبد الرحمٰن سے پوچھا: عبد الرحمٰن! کیا اہل خانہ کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے؟

جناب عبد الرحمٰن نے جواب دیا: ہاں! میں نے جو خرچ کیا اس سے زیادہ اور بہتر مال ان کے لیے چھوڑا ہے۔!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کتنا؟

آپ نے جواب دیا: جس رزق، خیر اور اجر کا اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا ہے!

ایک بار آپ نے چالیس دینار کی ایک زمین خریدی اور ساری کی ساری بنی زہرہ میں سے اپنے اہل، امہات المومنین اور فقرائے مسلمین میں تقسیم کر دی۔

جب آپ کی روح نئے سفر کی تیاری میں تھی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے

اور آپ کی زبان سے یہ کلمات جاری تھے کہ: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھے میری دولت کی وجہ سے میرے دوستوں سے دور نہ کر دیا جائے۔''

لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت واطمینان جلد ہی آپ کے اوپر سایہ فگن ہو گیا اور آپ کے چہرے پر خوشی وشادمانی اور طمینان وچمک کا باریک غلاف آراستہ ہو گیا۔ اور آپ کے کان کچھ سننے کے لیے یوں قریب ہوئے گویا وہاں کوئی شیریں آواز ہے۔ شاید اس وقت آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو سن رہے تھے جو ایک مدت قبل آپ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ: عبد الرحمن بن عوف فی الجنة۔ ''عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہیں۔'' اور شاید آپ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں درج یہ وعدہ بھی سن رہے ہوں کہ:

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًی لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ (البقرة: ۲۶۲)

وہ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دیے پیچھے نہ احسان رکھیں، نہ تکلیف دیں، ان کا نیگ ان کے رب کے پاس ہے اور انہیں نہ کچھ اندیشہ ہو، نہ کچھ غم۔ (کنزالایمان)

(نقوش صحابہ، ۴۴۹۔۴۵۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

قاضی عیاض لکھتے ہیں: لقد کان عبدالرحمن بن قاسم یذکر النبی صلی الله علیه وسلم فینظر الی لونه کانه نزف منه الدم، وقد جف لسانه فی فمه هیبة لرسول الله صلی الله علیه وسلم۔

''(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے) عبدالرحمٰن بن قاسم جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک سنتے تو ان کے جسم کا رنگ اس طرح زرد پڑ جاتا جیسے اس سے خون نچوڑ لیا گیا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی ہیبت کی وجہ سے ان کی زبان ان کے منہ میں خشک ہو جاتی۔'' (میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص ۴۸۱)

☆☆☆

حضرت عبداللہ بن اُنَیس جُہَنّی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ہجرت کے بعد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو اسلام نہ صرف خاص مدینہ منورہ بلکہ اس کے نواحی علاقوں میں بھی بڑی تیزی سے پھیلنے لگا لیکن یہود اور بعض دوسرے سیاہ باطن مشرکین کے سینے پر سانپ لوٹنے لگا۔ وہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نام لیواؤں کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بنانے لگے، نہ صرف لوگوں کو قبول حق سے روکتے بلکہ حضور کے خلاف شرانگیز اور گمراہ کن باتیں بھی پھیلاتے تھے، بنوہذیل کا ایک شخص خالد بن نبیح بھی ایسے ہی حق دشمن لوگوں میں تھا۔ وہ بڑے ڈیل ڈول کا ایک مہیب صورت آدمی تھا اور اس نے حق کی مخالفت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک اُس کی شرارتوں اور ویسہ کاریوں کی خبریں تواتر سے پہنچیں تو ایک دن آپ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا: ''خالد بن نبیح سے کون نپٹے گا۔؟ معاً ایک صاحب رسول جن کا نورانی چہرہ ان کے علاوہ شب بیدار ہونے کی شہادت دے رہا تھا، اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ کام میرے سپرد کیجیے۔ اور اس شخص کی کوئی نشانی بتا دیجیے۔'' حضور نے فرمایا ''اس کی نشانی یہ ہے کہ جو اسے دیکھتا ہے، ڈر جاتا ہے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! میں تو کبھی کسی چیز سے نہیں ڈرا۔'' پھر وہ خالد بن نبیح کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے جو عرنہ میں مقیم تھا وہاں پہنچ کر خالد کو دیکھا تو اسے ویسا ہی پایا جیسا حضور نے فرمایا تھا لیکن وہ ایک باہمت آدمی تھے اس سے دو چار باتیں کیں پھر اپنی تلوار نکال کر اس پر پل پڑے اور آناً فاناً اس کا سر قلم کر دیا۔ واپس آ کر بارگاہ رسالت میں عرض کی ''یا رسول اللہ میں نے اللہ کے اُس دشمن کو کیفر کردار تک پہنچا دیا ہے۔'' حضور کو یہ خبر سن کر بہت مسرت ہوئی اور آپ نے انہیں اپنا عصا مرحمت کر کے فرمایا: ''اس عصا پر ٹیک لگایا کرو تا آنکہ قیامت کے دن تم مجھے اس عصا کے ساتھ ملو'' یہ صاحب رسول جنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر حق کے ایک خوفناک دشمن کو ٹھکانے لگایا اور جن کو سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانبازی پر خوش ہو

کر اپنا عصائے مبارک مرحمت فرمایا حضرت عبداللہ بن اُنیس جہنی تھے۔
(سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۵۹۶)

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ایک نابینا صحابی کی ام ولد تھی جو حضو صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے ادبی و گستاخی اور اہانت و تنقیص کا ارتکاب کرتی، سب وشتم، ہجو وہرزہ سرائی بھی کیا کرتی تھی، نابینا صحابی اس لونڈی کے آقا و مولی ہونے کے ناطے اسے گستاخی و بے ادبی سے منع کرتے، ڈانٹتے، جھڑکتے لیکن وہ اس خباثت سے باز نہ آتی بلکہ ہٹ دھرمی اور ضدی پن کا مظاہرہ کرتی تھی، کسی بھی صورت گستاخی کی روش ترک کرنے پر آمادہ نہ تھی، حسب معمول اس نے ایک شب شان رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بے ادبی و گستاخی، تنقیص وتوہین کا آغاز کیا اور برا بھلا بھی کہا، صحابی رسول رضی اللہ عنہ کی غیرت وحمیت شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ گستاخی برداشت نہ کرسکی، چھرا اٹھایا اس کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ یوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا قصہ ہی تمام کردیا۔ جب صبح ہوئی بارگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے قتل کا ذکر ہوا، آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا۔

حضرت عبداللہ ذوالبخادین رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت عبداللہ ذوالبخادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدیم نام عبدالعزیٰ تھا۔ مدینے سے منزل دومنزل کے فاصلے پر کسی گاؤں میں رہتے تھے، بچپن میں باپ نے انتقال کیا تھا، ابھی نوجوان ہی تھے کہ اسلام کی آواز کانوں میں پڑی۔ ولی چچا تھا، جو تمام مال و اسباب اور جائداد پر قابض تھا، دیدار رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شوق عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بے چین کررہا تھا، مگر ظالم چچا کے خوف سے خاموش تھے، آخر شوق دیدار ہر خوف پر غالب آیا، چچا سے خدمتِ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی، چچا نے خوب مارا، پھر جسم کے کپڑے تک اتار کر گھر سے نکال دیا لیکن

گر ہمہ تن ریزہ ریزہ گردد　　مہر تو زجاں رود محال است

عبداللہ اسی حالتِ عریانی میں اپنی ماں کے پاس آئے، ماں نے ایک کمبل دی، جس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے ستر پوشی کیا اور ایک بدن کے اوپر ڈال لیا، اسی حالت میں مدینے پہنچے بیعت اسلام کی اور شوقِ شہادت ظاہر کیا، اسی دن سے اُن کا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین (کملی کے دو ٹکڑوں والا رکھا گیا) یہ اصحابِ صُفّہ میں داخل ہو گئے، دن رات تعلیم دین میں بسر کرتے، نوجوان تھے۔ قرآن زوردار آواز میں پڑھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن شکایت کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کی آواز سے نمازیوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو، یہ اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر کے آیا ہے، انہی ایام میں سفر تبوک پیش آیا عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی مجاہدین میں شامل ہوئے اور حضور اکرم سے شہادت حاصل ہونے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اگر تمہیں راستے میں موت آجائے تب بھی تم شہیدوں میں داخل ہو جاؤ گے،" الغرض لشکر روانہ ہوا، اور راستے میں ہی عبداللہ کو تیز بخار آیا جس سے انہوں نے وفات پائی۔ بوقتِ وفات عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، جمال اقدس پر نظر جمی ہوئی تھی کہ پیام اجل آگیا۔

بہ چہ ناز رفتہ باشو رز جہاں نیاز مندے　　کہ بوقت جاں سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

بعض روایتوں میں ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تکفین کے لیے حضور اکرم نے اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی، اس لیے کہ خدا اور رسول کی راہ میں عبداللہ نے برہنہ ہو کر گھر سے نکلنا گوارا کیا تھا، ان کی تدفین بھی عجیب شان سے ہوئی اجلّہ صحابی نے قبر کھودی، قبر تیار ہونے کے بعد حضور اکرم خود قبر میں لیٹے پھر اُٹھ کر کہا "لاؤ اپنے بھائی کو۔" حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس مبارک لاشے کو سہارا دے کر اتارا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اوبا الی اخیکما۔" یعنی عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عام مرنے والوں جیسا نہیں، اسے دھیرے دھیرے ادب سے اتارو۔

آہستہ برگِ گل بفشاں بر مزارِ او　　بس نازک است شیشۂ دل در کنار او

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ میں مشعل لیے تھے اس لیے کہ شب کے وقت تدفین عمل میں آئی تھی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم "ہمہ تن فدا" (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی لاش کو اپنی گود میں لے کر اتارا۔ زمین پر لٹا کر ماتھے پر بوسہ دیا اور فرمایا: اے اللہ! "آج شام تک مرنے والے پر راضی رہا ہوں تو بھی اس سے راضی رہنا۔" حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) جیسے صحابہ اس مرنے والے کی موت پر رشک کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے "اے کاش! اس قبر میں ہم دفن کیے جاتے۔ ایک عمر اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر کیا موقوف ہے؟ دیکھنے والے تو الگ رہے سننے والوں میں کون اہل ایمان ہے جو ایسی موت پر زندگیوں کو قربان کرنے کی تمنا نہ رکھتا ہو!؎

منم وہمیں تمنا کہ بہ وقتِ جاں سپردن　　برُخ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

(روح البیان مترجم، ج ۵، ص ۳۴۷)

انشد الله رجلا فعل مافعل لی علیه حق الاقام فقام الا عمی بتغطی الناس هو یتزلزل حتی قعد بین یدی النبی فقال یا رسول الله! انا صاحبها کانت تشتمك وتقع فیك فانهاها فلا تنتهی وازجرها فلا تنزجر ولی منها ابنان مثل اللؤلوتین وکانت بی رفیقة فلما کان البارحة جعلت تشتمك وتقع فیك فاخذت المفعول فوضعته فی بطنها واتکأت علیها حتی قتلتها فقال النبی الا اشهدوا ان دمها هدر۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الحدود، ۲۸۱)

جس شخص نے یہ کام کیا ہے میں اسے خدا کی قسم دیتا ہوں اور اپنے حق کی جو میرا اس پر ہے، وہ کھڑا ہو جائے اور اقرار کرے کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔

یہ سن کر وہی نابینا صحابی کھڑا ہوا، لوگوں کو پھاندتا اور لرزتا ہوا آیا یہاں تک کہ آپ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لونڈی کا قاتل ہوں وہ آپ کو برا بھلا کہتی تھی، آپ کی ہجو کرتی تھی میں اسے منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہ آئی، جھڑکتا تھا پھر بھی نہ مانی، اس کے پیٹ سے موتیوں جیسے دو میرے بیٹے ہیں۔ وہ میری رفیقہ حیات تھی گذشتہ رات وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگی اور ہجو کرنے لگی تو میں نے چھرا اس کے

پیٹ پر رکھا، زور سے دبایا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ ہو جاؤ اس کا خون رائیگاں گیا۔ (اس کے قاتل سے قصاص و دیت کچھ بھی نہ لیا جائے گا۔) یہ صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھے۔ (تحفظ ناموس رسالت، ص ۲۴۰)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

۳ھ میں جنگ احد کے موقع پر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے لڑائی سے پہلے دعا مانگی:

"اے خالق کون و مکاں مجھے ایسا مقابل عطا کر، جو نہایت شجاع اور غضب ناک ہو۔ میں تیری راہ میں لڑتا ہوا اس کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤں اور وہ میرے ہونٹ، ناک اور کان کاٹ ڈالے تاکہ میں جب تجھ سے ملوں اور تو پوچھے کہ اے عبداللہ تیرے ہونٹ ناک اور کان کیوں کاٹے گئے تو میں عرض کروں الٰہی تیرے اور تیرے رسول کے لیے۔"

بارگاہ الٰہی میں ان کی دعا قبول ہوئی اور ملہم غیبی نے انہیں شہادت کی بشارت دی چنانچہ فرمایا:

"خدا کی قسم میں دشمن سے لڑوں گا۔ حتی کہ وہ مجھے قتل کر کے میری لاش کا مثلہ کرے گا۔"

چنانچہ احد کے معرکۂ کارزار میں حضرت عبداللہ بن جحش اس جوش سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ حضور نے انہیں کھجور کی ایک چھڑی عطا فرمائی، جس سے انہوں نے تلوار کا کام لیا۔ اسی حالت میں لڑتے لڑتے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ مشرکین نے ان کے ہونٹ، ناک، کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے اور یوں ان کی تمنا پوری ہوگئی۔

(تذکار صحابیات، ص ۵۵)

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے ہمراہ رکاب ہیں، حضور قبیلۂ انصار میں کسی غرض سے تشریف لائے ہیں سواری میں گدھا پیش خدمت ہے۔ اتفاق سے

گدھے نے پیشاب کر دیا عبداللہ بن ابی منافق جو اس مجلس میں تھا رومال سے اپنی ناک بند کر لیتا اور کہتا ہے اسے جلد ہٹاؤ اس کی بدبو سے ہمیں سخت تکلیف پہنچی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، نے اتنا سن کر فرمایا۔

والله ان بول حماره لا طيب من مسك۔

خدا کی قسم سرکار جس گدھے کو اپنی سواری میں قبول فرمائیں اس گدھے کا پیشاب تیرے مشک وعنبر سے زیادہ خوشبودار ہے۔

سبحان اللہ! حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اس سواری کی توہین بھی گوارہ نہ ہوئی جسے مصطفیٰ علیہ السلام سے بہت دور کی نسبت ہے اور واقعی تقاضائے ایمان یہی ہے کہ مصطفیٰ علیہ السلام کی بارگاہ عالی سے نسبت رکھنے والی شئی کو سرمایہ کونین سمجھا جائے،

(عقائد اہل سنت، ص ۲۴۶، بحوالہ، مدارک شریف، ج ۴، ص ۱۲۹)

فی البدیہہ شاعر اسلام

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی آگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

كَيْفَ تَقُوْلُ الشِّعْرَ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَقُوْلَ؟ ''جب تم شعر کہنا چاہو تو کیسے کہتے ہو؟''

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جواب دیا:

''میں اس بارے میں سوچتا ہوں پھر شعر کہتا ہوں۔'' اور پھر فی البدیہہ اشعار کہنے گے:

يَا هَاشِمَ الْخَيْرَ اِنَّ اللهَ فَضَّلَكُمْ　　عَلَى الْبَرِيَّةِ فَضْلاً مَا لَهٗ غِيَرُ

ا۔ اے ابن ہاشم! اے بہترین انسان! اللہ نے آپ کو انسانیت پہ ایسی فضیلت بخشی ہے جو کسی اور کو نہیں ملی۔

اِنِّىْ تَفَرَّسْتُ فِيْكَ الْخَيْرَ اَعْرِفُهٗ　　فِرَاسَةً خَالَفَتْهُمْ فِى الَّذِىْ نَظَرُوْا

میں نے آپ کے اندر خیر کو تلاش کرنا چاہا تو یہ خیر مجھے ایسی فراست کی صورت میں نظر آئی جو اہل نظر میں نہیں ہے۔

وَلَوْسَاَلْتَ اَوِ اسْتَنْصَرْتَ بَعْضَهُمْو فِىْ حَلِّ اَمْرِكَ مَا رَدُّوْا وَلَا نَصَرُوْا
فَثَبَّتَ اللّٰهُ مَا اٰتَاكَ مِنْ حَسَنٍ تَثْبِيْتَ مُوْسٰى وَنَصْرًا كَالَّذِىْ نُصِرُوْا

اگر آپ اپنا کوئی مسئلہ حل کرنے کے لیے ان میں سے کسی کو نصرت کے لیے بلائیں یا ان سے کوئی سوال کریں تو وہ نہ انکار کریں گے اور نہ مدد ہی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو خوبی عنایت فرمائی ہے اسے موسیٰ جیسا ثبات اور نصرت عطا فرمائی۔'

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا:

وَاِيَّاكَ فَثَبَّتَ اللّٰهُ "اللہ تمہیں ثابت قدم رکھے۔"

عمرۂ قضا کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، تو اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ آپ کے پاس یہ رجز پڑھ رہے تھے:

يَـارَبِّ لَوْ لَا اَنْـتَ مَـا اهْتَدَيْنَـا وَلَا تَـصَـدَّقْنَـا وَلَا صَـلَّيْنَـا

اے ہمارے رب اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔

فَـانْـزِلَـنْ سَكِيْنَةً عَـلَيْنَـا وَثَبِّـتِ الْاَقْـدَامَ اِنْ لَا قَيْنَـا

اے ہمارے رب ہم پر اپنی سکینت نازل فرما اور اگر دشمن سے ہمارا آمنا سامنا ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھنا۔

اِنَّ الَّـذِيْـنَ قَـدْ بَـغَـوا عَـلَيْـنَـا اِذَا اَرَادُوْا فِتْـنَـةً اَبَيْـنَـا

جو لوگ ہمارے خلاف بغاوت کر چکے ہیں وہ ہمیں میدان جنگ سے بھگانا چاہیں تو ہم بھاگنے سے انکار کر دیں۔"

اس موقع پر مسلمان بھی جناب ابن رواحہ کے اس خوبصورت ترانہ کو دہرا رہے تھے۔

جب قرآن کریم کی آیت: وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۔ (الشعراء:۲۲۴) شعراء کے پیچھے تو بھٹکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں نازل ہوئی تو کثرت سے شعر کہنے والے شاعر جناب ابن رواحہ رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے۔ لیکن اس وقت ان کی دلی خوشی اور سکون لوٹ آیا جب دوسری آیت نازل ہوئی:

اِلَّا الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُوْ وَعَمِلُو االصّٰلِحٰتِ، وَذَكَرُوْا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَانْتَصَرُوْا مِنْ

بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا۔ (الشعراء: ۲۲۷)

مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور بدلا لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا، اور اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (کنزالایمان)

حضرت عبداللہ بن رواحہ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے

حضرت ابن رواحہ اپنے شعر وقصیدے کے الفاظ: یَا نَفۡسَ اِلَّا تُقۡتَلِیۡ تَمُوۡتِیۡ ''اے جان اگر تو میدان میں قتل نہ ہوئی تو ہلاک ہو جائے گی۔'' کو اپنا دائمی اشعار بنا کر تلوار اٹھائے بدر واحد، خندق وحدیبیہ اور خیبر کے غزوات میں موجود رہے۔ آپ ہر معرکہ وغزوہ میں مشرکین کے درمیان یہ آواز بلند کرتے:

خَلُّوۡا بَنِیۡ الۡکُفَّارِ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ　　خَلُّوۡا، فَکُلُّ الۡخَیۡرِ فِیۡ رَسُوۡلِہٖ

''کافرو! اس کے راستے سے پرے ہٹ جاؤ! پرے ہٹ جا! سن لو کہ بھلائی تمام کی تمام اللہ کے رسول میں موجود ہے۔''

پھر ایک روز آیا کہ موتہ کا مشہور معرکہ بپا ہوا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنے دو پیش رووں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب کے بعد اس غزوہ کے تیسرے امیر لشکر تھے۔ سپاہ اسلام مدینہ سے کوچ کرنے لگی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ کھڑے ہو کر شعر کہنے لگے:

لٰکِنَّنِیۡ اَسۡأَلُ الرَّحۡمٰنَ مَغۡفِرَۃً　　وَضَرۡبَۃً ذَاتَ فَرۡعٍ تَقۡذِفُ الزَّبَدَا

میں رحمٰن سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور ایسی کاری ضرب لگانے کی توفیق مانگتا ہوں جو ہمہ پہلو ہو اور خس وخاشاک کو اڑا کر رکھ دے۔

اَوۡ طُعۡنَۃً بِیَدَیۡ حَرَّانَ مُجۡھِزَۃً	حتی کہ (شہادت کے بعد)
بِحَرۡبَۃٍ تَنۡفُذُ الۡاَحۡشَاءَ وَالۡکَبِدَا	لوگ میری قبر کے پاس سے گزریں تو
حَتّٰی یُقَالَ اِذَا مَرُّوۡا عَلٰی	مجھے ایسا مجاہد کہہ کر پکاریں جس کو اللہ
جَدَثِیۡ یَا اَرۡشَدَ اللّٰہُ مِنۡ	نے ہدایت سے سرفراز فرمایا تو وہ
غَازٍ، وَقَدۡ رَشَدَا	ہدایت پا گیا۔''

...اکبر........ یہ تھی ان کی تمنا کہ تلوار اور نیزہ زنی کی ایسی قوت وطاقت انہیں میسر آ ...ئے جو انہیں کامیاب و کامران شہدا کی صف میں پہنچادے۔ اس کے سوا کسی اور چیز کی انہیں طلب تھی، نہ خواہش! لشکر اسلام موتہ کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر جب مسلمانوں نے اپنے دشمن ... دیکھ کر اس کی عددی قوت کا اندازہ لگایا تو وہ دو لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل تھی۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ بے انتہا صفیں ہیں اور شمار وحساب سے ماورا انسان ہیں۔ ادھر اپنی چھوٹی سی جمعیت پر نظر ڈالی تو ہل کر رہ گئے۔ کچھ تو کہنے لگے! ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... پاس آدمی بھیجنا چاہیے تاکہ آپ کو دشمن کی تعداد کے بارے میں خبر دی جاسکے۔ پھر یا تو آپ مزید آدمی بھیج کر ہماری مدد فرمائیں گے یا ہمیں تصادم کا حکم دیں گے تو ہم آپ کے حکم کی پیروی کرلیں گے۔ لیکن ادھر جناب ابن رواحہ صفوں کے درمیان سے سورج کی طرح ابھرے اور کہنے لگے: ''اے قوم! اللہ کی قسم یقیناً ہم اپنی تعداد، قوت اور کثرت سے دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

ہم ان سے لڑ سکتے ہیں تو اسی دین کی طاقت سے لڑ سکتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔ چل پڑو...... فتح نہیں تو شہادت! دو چیزوں میں سے ایک تو ضرور ملے گی۔'' یہ سن کر تعداد کی کمی سے دوچار لیکن قوت ایمان سے سرشار مسلمان بول اٹھے: اللہ کی قسم! ابن رواحہ نے سچ کہا ہے! لشکر اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ جہاں اسے اپنی قلیل تعداد کے ساتھ دشمن کی دو لاکھ افواج سے ٹکرانا تھا جس روم نے خوفناک اور تباہ کن جنگ کے لیے اکٹھا کیا تھا۔ دونوں فوجیں بالمقابل آگئیں۔ لڑائی شروع ہوگئی۔ لشکر اسلام کے امیر اول حضرت زید بن حارثہ شہادت سے ہمکنار ہو کر زمین پر گر پڑے۔ پھر اپنے امیر کی نیابت کرنے والے امیر ثانی حضرت جعفر بن ابی طالب بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ اب علَم اسلام، امیر ثالث حضرت عبداللہ بن رواحہ نے تھاما۔ لڑائی اپنی پوری شدت اور ہولناکی کو پہنچ چکی تھی۔ قریب تھا کہ چھوٹی سی مسلمان جمعیت روم کے اس بے شمار لشکر میں گم ہو کر رہ جاتی۔ حضرت ابن رواحہ جب ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑ رہے تھے تو یہاں وہاں ہر جگہ بڑی بے پروائی اور بے احتیاطی سے گھوم رہے تھے لیکن اب جبکہ آپ امیر بن چکے تھے اور

ایک ذمہ دار کی حیثیت اختیار کر گئے تھے، مسئولیت کی اس حالت میں لشکر روم کے تباہ کن حملوں کے سامنے کھڑے ہوئے تو آپ کو کچھ تردد و تامل ہوا لیکن پھر کسی توقف کے بغیر جسم و جان کی پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور پکارا:

اَقْسَمْتُ یَا نَفْسُ لَتَنْزِلَنَّه مَالِیْ اَرَاكَ تَكْرَهِیْنَ الْجَنَّةَ ؟؟	اے جان! میں نے قسم کھائی ہے کہ تو میدان جنگ میں اتر کر رہے گی۔ میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ تو جنت میں داخل ہونے کو پسند نہیں کرتی؟
یَا نَفْسَ اِلَّا تُقْتَلِیْ تَمُوْتِیْ هٰذَا حِمَامُ الْمَوْتِ قَدْ صَلِیْتِ	اے جان! اگر تو قتل نہ ہوئی تو ہلاک ہو جائے گی۔ جہاں تو آچکی ہے یہ تو موت کا حمام (قتل گاہ) ہے۔
وَمَا تَمَنَّیْتِ فَقَدْ اُعْطِیْتِ اِنْ تَفْعَلِیْ فِعْلَهُمَا هُدِیْتِ	تو نے دنیا میں جس چیز کی تمنا کی تھی وہ تجھے دے دی گئی۔ اب اگر تو اپنے پیش رووں جیسا کارنامہ کر دکھائے گی تو ہدایت پا جائے گی۔

پھر جناب ابن رواحہ رضی اللہ عنہ آندھی کی مانند لشکر روم پر ٹوٹ پڑے۔ اگر آج کا روز آپ کی شہادت کا روز نہ ہوتا تو آپ اس وقت تک تلوار زنی کرتے رہتے جب تک تمام جنگجوؤں کا فنا نہ کر ڈالتے۔ لیکن ادھر آپ کی شہادت نے اللہ کی طرف آپ کے سفر کا اعلان کر دیا اور آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی بہادر روح نے پرواز کی اور رفیق اعلیٰ کے پاس پہنچ گئی۔ اور آپ کی سب سے قیمتی خواہش پوری ہو گئی کہ:

حَتّٰی یُقَالَ اِذَا مَرُّوْا عَلٰی جَدَثِیْ یَا اَرْشَدَ اللّٰهُ مِنْ غَازٍ، وَقَدْ رَشَدَا	حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ یعنی وہ مجاہد جس کو اللہ نے ہدایت بخشی تو وہ ہدایت پا گیا۔

شام میں بلقاء کی سرزمین پر لڑا جانے والا یہ معرکہ موتہ جاری تھا اور مخبر صادق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں بیٹھے اپنے صحابہ کے ساتھ محو گفتگو تھے۔ بات چیت بڑے سکون و طمانیت کے ماحول میں ہو رہی تھی کہ اچانک زبان رسالت خاموش ہو گئی۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں کو قدرے بند کیا پھر انہیں کھولا تا کہ محبت و غم کے ملے جلے جذبات سے ابھر آنے والے آنسوؤں کو صاف کیا جا سکے۔آپ نے اپنی غمناک نگاہیں صحابہ پر ڈالیں اور گویا ہوئے:

اَخَذَ الرَّأيَةَ "زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ "فَقَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ شَهِيْدًا ثُمَّ اَخَذَهَا "جَعْفَرُ "فَقَاتَلَ بِهَا حَتّٰى قُتِلَ شَهِيْدًا

"زید بن حارثہ نے پرچم پکڑا اور وہ لڑتے رہے حتیٰ کہ وہ قتل ہو کر شہید ہو گئے۔ پھر پرچم جعفر نے پکڑا، اور وہ بھی لڑتے رہے حتیٰ کہ قتل ہو کر شہید ہو گئے۔"

اس کے بعد آپ نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی پھر فرمایا:

ثُمَّ اَخَذَهَا "عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ رَوَاحَةَ "فَقَاتَلَ بِهَا، حَتّٰى قُتِلَ شَهِيْدًا

"پھر پرچم عبد اللہ بن رواحہ نے تھاما او رلڑتے رہے حتیٰ کہ قتل ہو کر شہادت پا گئے۔"

اس کے بعد پھر آپ نے کچھ دیر توقف کیا اور آپ کی آنکھیں اطمینان واشتیاق اور شکر گزاری کے جذبے سے چمک اٹھیں، پھر آپ نے فرمایا:

لَقَدْ رُفِعُوْا اِلَيَّ فِي الْجَنَّةِ۔ انہیں اٹھا کر میرے پاس جنت میں لایا جا چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ان کی دائمی یادگار کے لیے بہترین تحفہ ہیں۔

(نقوش صحابہ، ص ۲۷۶۔۲۸۱)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ رونے لگتے یہاں تک کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تک بھی باقی نہ رہتے۔"

اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت و محبت تھی وہ اکثر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوتے اور فیضان رسالت سے خوب بہرہ یاب ہوتے۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو بھانجے سے بہت محبت تھی اس لیے وہ کبھی

والدہ کے ہمراہ اور کبھی تنہا ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حافظہ نہایت قوی پایا تھا۔ حضور کو جو کچھ کرتا دیکھتے یا آپ سے جو کچھ سنتے اسے یاد رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے متعدد احادیث براہ راست حضور سے روایت کی ہیں۔ (عرفان رضا در مدح مصطفیٰ، ج ۲، ص ۱۵۸)

حضرت عبداللہ بن زبیر حضور کا خون مبارک پی گئے

ایک مرتبہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بھی بارگاہ رسالت میں حاضر تھے۔ پچھنے لگنے سے جو خون نکلا، حضور نے وہ حضرت عبداللہ کو دے کر فرمایا کہ اس کو کہیں دبا دو۔ ان کو حضور سے اس قدر محبت اور عقیدت تھی کہ یہ مقدس خون خاک میں دبانا گوارا نہ ہوا۔ حضور کی نظروں سے اوجھل ہو کر اس کو پی لیا۔ واپس آئے تو آپ نے پوچھا، اس کو کہاں پھینکا؟

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اس کو پی لیا۔"

حضور نے فرمایا: جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی البتہ ایک دن تم لوگوں کے ہاتھ سے اور لوگ تمہارے ہاتھ سے مارے جائیں گے۔"

(سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۳۹۹)

حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کے بیٹے نے ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر دی تو وہ دیہات میں اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے، حضور کے وصال کی خبر سن کر نہایت ہی غمگین ہوئے اور اسی وقت بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ اذْهَبْ بَصَرِیْ حَتّٰی لَا اَرٰی بَعْدَ حَبِیْبِ مُحَمَّدٍ اَحَدًا فَکَفَّ بَصَرٌ۔

اے اللہ! میری آنکھیں واپس لے لے تاکہ میں اپنے پیارے حبیب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کو دیکھ ہی نہ سکوں پس ان کی نظر اسی وقت ختم ہو گئی۔

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی صحابی کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ان کی بینائی جب جاتی رہی تو لوگ ان کی عیادت کے لیے گئے اور افسوس کا اظہار کرنے لگے، انہوں نے جواب میں کہا کہ:

كُنْتُ أُرِيْدُ بِهَا لِاَ نْظُرَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَوَا اللّٰهِ مَا يَسُرُنِيْ اِنْ بِهِمَا بِظَبِيٍ مِنْ ظَبَا تَبَالَةٍ۔

یعنی مجھے ان آنکھوں سے صرف اس لیے محبت تھی کہ ان کے ذریعہ مجھے اپنے پیارے آقا کا دیدار نصیب ہوتا تھا۔ اب چونکہ آپ کا وصال ہوگیا ہے اس لیے اگر مجھے ہرن کی آنکھیں بھی مل جائیں تو مجھے کیا خوشی۔؟

یہ تھا عشق رسول، اور حضرت عبداللہ بن زید انصاری کے واقعہ کو حضرت رضا بریلوی ایک مقام پر یوں بیان کرتے ہیں کہ:

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

(المواہب الدنیہ، ج ۲۔ ص ۹۴)

حضرت عبداللہ بن زید صحابی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت عبداللہ بن زید صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک دن خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضور! مجھے اہل و مال سے زیادہ پیارے ہیں۔ جب مجھے یاد آجاتے ہیں تو میں اپنے گھر میں ٹک نہیں سکتا، اور جبھی چین پاتا ہوں جب حضور کو دیکھ لیتا ہوں، مگر جب اپنی موت کا تصور کرتا ہوں تو پریشان ہو جاتا ہوں کہ حضور تو فردوس بریں میں انبیاء کے بلند درجہ پر ہوں گے، ور میں اگر پہنچا بھی تو بہشت کے کسی ادنیٰ مقام میں ہوں گا اور وہاں کیسے دیدار پا سکوں گا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نسا کی یہ آیت ان کی تسلی کے لیے پڑھ کر سنائی، ”من يطع الله ورسوله۔ (مجھے ہے حکم اذاں، ص ۵۹)

☆☆☆

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

حضرت عبداللہ بن سلام حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، ان کا شمار اکابر علماے یہود میں ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قدم رنجہ ہوئے اور لوگ آپ کی مجلس مبارک کی حاضری میں سبقت کرنے لگے تو میں بھی ان کے ہمراہ حضور کی بارگاہ میں باریابی سے مشرف ہوا۔ جب میری پہلی نظر آپ کے روئے انور پر پڑی تو میں نے جان لیا کہ یہ کذابوں یعنی جھوٹوں کا چہرہ نہیں ہے۔ پھر میں نے آپ کی زبان اقدس سے پند و نصیحت کے کلمات سماعت کیے، بعدہ اپنے گھر لوٹ آیا۔ آپ کی گفتگو سے میں بہت متاثر ہوا تھا۔ لہٰذا دوسری مرتبہ خلوت میں حضور کی خدمت میں حاضری دی۔ اس وقت کی حاضری میں، میں نے عالم ماکان و مایکون سے تین ایسے سوالات کیئے جن کا جواب نبی کے سوا دوسرا کوئی نہیں دے سکتا۔ جب میں نے اپنے سوالوں کا شافی اور کافی جواب سنا تو باآواز بلند کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہوگیا۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کرنے کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہود ایسی قوم ہے جو کذب و بہتان میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ باوجودیکہ وہ میرے علم، میری سیادت اور سرداری کے قائل ہیں لیکن جب ان کو پتہ چلے گا کہ میں ایمان لیے آیا ہوں تو وہ بہتان باندھیں گے۔ لہٰذا آپ میرا ایمان لانا ان پر پوشیدہ رکھ کر پہلے میرے بارے میں ان کی رائے دریافت فرمالیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پوشیدہ مقام میں بٹھا دیا اور یہودیوں کی ایک جماعت کو بلا کر حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق پوچھا کہ وہ کیسے شخص ہیں؟ تمام نے ایک زبان ہو کر کہا کہ "وہ ہمارے سردار، ہمارے سردار کے فرزند، ہم میں سب سے زیادہ عالم، ہمارے پیشوا، ہم میں بہترین، ہم میں دانا ترین ہیں۔" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جماعت یہود سے بار بار حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق... ہر مرتبہ انہوں نے یہی جواب دیا اور ان کی تعریف و توصیف کے پل باندھے۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے ابن سلام باہر آؤ۔'' حضرت عبداللہ بن سلام کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے باہر آئے اور فرمایا اے گروہ یہود! ایمان لے آؤ۔ اس پر گروہ یہود نے کہنا شروع کیا کہ عبداللہ بن سلام ہم میں بدترین و جاہل ہیں اور بدترین اور جاہل ترین کے فرزند ہیں۔

اس کو کہتے ہیں بغض و عناد، تھوڑی دیر پہلے جنہوں نے اپنی زبانوں سے ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ جس کی تعریف میں آسمان وزمین کے قلابے ملادیے تھے، وہی لوگ اسی نشست میں، انہیں زبانوں سے چند لمحوں کے اندر حضرت عبداللہ بن سلام کی تذلیل میں آسمان سر پر اٹھا رہے تھے۔ صرف اسلام قبول کرنے کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن سلام اپنی قوم کی نظروں میں مدح وثنا کے بجائے طعن و تشنیع کے سزاوار ہو گئے تھے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قوم یہود کی افتراپردازی سے قطع نظر فرما کر صداقت وہدایت سے منحرف نہ ہوئے۔ کیا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن پر تلوار کی دھار رکھ کر ایمان لانے پر مجبور کیا گیا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ ان کو اسلام سے منحرف کرنے کے لیے قوم یہود نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ مگر وہ اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا البتہ سادہ مسلمانوں کو تلوار کے زور سے اسلام سے پھیرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر اسلام تلوار سے پھیلا ہوتا تو اسلام لانے والے تلوار کی خوف سے اسلام سے پھر جاتے اور مرتد ہو جاتے، لیکن تمام باطل طاقتیں متحد ہو کر بھی مسلمانوں کے اعتقاد ویقین میں تزلزل برپا نہ کرسکیں اور مسلمان دین حق پر ثابت قدم رہے اور رہیں گے۔

(سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب۔ ج۱۔ ص۷۸)

حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت عاصم بن ثابت کے علاوہ دوسرے چھ صحابہ بھی ان کفار کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ باقی تین حضرات بچے۔ حضرت خبیب بن عدی، حضرت عبداللہ بن طارق اور حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان تینوں کو مشرکوں نے قید کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن طارق نے کسی طرح سے اپنے ہاتھوں کی بندش کو کھول ڈالا اور شمشیر تان کر دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ شیر کی مانند ان پر حملہ آور ہوئے انفرادی طور پر ان کے حملے کی کسی میں تاب نہ تھی لہٰذا مشرکوں نے سنگ باری کر کے ان کو شہید کر دیا۔

(عرفان رضا در مدح مصطفیٰ، ج ۲ ص ۱۸۵۔۱۸۸، مدارج النبوۃ، ج ۲ ص ۲۴۳

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عشق رسول

مسند احمد میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس نے کہا، "پنجشنبہ کا دن، کون پنجشنبہ" اتنا کہنے پائے تھے کہ ان پر رقت طاری ہوگئی اور زار و قطار رونے لگے اس قدر روئے کہ زمین پر سامنے پڑے ہوئے کنکر گیلے ہوگئے، جب ذرا طبیعت سنبھلی تو ہم (حاضرین) نے پوچھا، ابوالعباس پنجشنبہ کے دن میں کیا خاص بات تھی؟ فرمایا، اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں شدت ہوگئی تھی۔

حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت حضور کی جانب منسوب نہ ہونے پائے، جہاں اس قسم کا ذرہ برابر بھی اندیشہ ہوتا وہ بیان نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ غلط باتیں حضور سے منسوب کرتے ہیں تو فرمایا تم کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ۔

حضور کا اس قدر پاس ادب تھا کہ فتویٰ دیتے تو آپ کا اسم گرامی نہ لیتے تھے تا کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کی ذمہ داری نہ اٹھانا پڑے۔

مسند دارمی میں ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کر دی ہیں تو انہوں نے روایت کرنا ہی چھوڑ دیا۔

امہات المومنین کا بھی بے حد احترام کرتے تھے، ام المومنین حضرت میمونہ ان کی خالہ تھیں ان کی خدمت میں اکثر جایا کرتے تھے، ان سے حدیثیں سنتے تھے اور وہ کوئی حکم دیتیں تو اس کو بجا لاتے تھے، حضرت میمونہ نے ۵۱ ھ میں وفات پائی تو حضرت ابن عباس ہی نے

جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔صحیح بخاری میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو ابن عباس نے فرمایا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم ہیں۔ جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، ادب کے ساتھ آہستہ لے چلو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کا ہمیشہ احترام و ادب ملحوظ رہا لیکن ایک دفعہ وہ بعض وجوہ کی بنا پر ان سے ناراض ہو گئیں، جب مرض الموت میں مبتلا ہوئیں اور حضرت ابن عباس کو ان کی شدید علالت کی خبر ہوئی تو وہ فوراً ان کے در دولت پر پہنچے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، ام المؤمنین نے پہلے تو اجازت دینے میں تامل کیا لیکن جب ان کے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے عرض کی:

"اماں، عبداللہ بن عباس آپ کے سعادت مند بیٹے آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ کی خدمت میں باریاب ہونے کی اجازت چاہتے ہیں، ان کو اجازت دیجیے۔"

تو ام المؤمنین نے فرمایا: "خیر، اگر تم چاہتے ہو تو بلالو۔"

حضرت ابن عباس نے اندر آکر سلام کیا، ام المؤمنین کے قریب بیٹھ گئے اور کہا "آپ کو بشارت ہو۔" ام المؤمنین نے بھی جواب میں یہی کلمات خیر دہرائے، پھر حضرت ابن عباس نے عرض کیا:

اب آپ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے (مرحوم) اعزہ و اقارب کے مابین وہی پردہ ہے جو جسم اور روح کے درمیان حائل ہے۔

"اس کے دور ہوتے ہی آپ کی ان سب سے ملاقات ہو جائے گی۔"

پھر انہوں نے ام المؤمنین کے فضائل بیان کرنا شروع کر دیے اور عرض کیا:

"آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین زوجہ تھیں اور حضور ہمیشہ پاکیزہ ہی شے کو محبوب رکھتے تھے۔" (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۹۳۵)

بے مثال عشق رسول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی (اس کے ہاتھ سے) اتار کر پھینک دی اور فرمایا: آگ کی انگاری اپنے ہاتھ میں ڈالتے ہو؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے تو اس سے کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی لے لو اور اس سے فائدہ حاصل کرو، اس نے کہا نہیں، خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینک دیا ہے اب میں اسے کبھی نہیں لوں گا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۵ کتا اللباس باب تحریم خاتم الذهب علی الرجال)

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو رافع (دشمن اسلام) کی طرف ایک گروہ بھیجا آپ کے فرستادوں میں سے حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے رات کو اسے سوتے میں جالیا اور قتل کر دیا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں میں نے اس کے پیٹ پر تلوار رکھ کر دبائی اور وہ پیٹھ کی طرف نکل گئی (چونکہ اندھیرا تھا جب تلوار جسم سے پار ہوگئی تو میں سمجھ لیا کہ وہ قتل ہو گیا ہے اب میں سب دروازے (اس کے گھر اور ماحول کے) کھول کر سیڑھی تک آپہنچا۔ (جو فصیل کے ساتھ حسب پروگرام لگی ہوئی تھی۔) میں نے پاؤں تو رکھا لیکن پاؤں صحیح نہ ٹکا اور چاندنی رات میں، میں سیڑھی سے گر گیا۔ میری پنڈلی ٹوٹ گئی، پگڑی سے پنڈلی باندھ کر اپنے دوستوں کے پاس آپہنچا۔ پھر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے پورا واقعہ خدمت عالیہ میں پیش کر دیا۔ حضور مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ذرا پاؤں پھیلا دیجیے" میں نے پاؤں پھیلایا تو آپ نے اس پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیا مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا مجھے (ٹانگ ٹوٹنے کی) کبھی تکلیف ہی نہ تھی۔ (رواہ البخاری، جامع کرامات اولیا، ص ۳۳۴۔ تحفظ ناموس رسالت، ص ۲۳۸)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عشق رسول

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زندگی کا ایک گوشہ ہمیں دعوت فکر دیتا ہے۔ آپ اکثر و بیشتر منبر رسول کے پاس کھڑے ہوتے اور منبر رسول پر رسول کے تشریف فرما ہونے کی جگہ

ادب سے ہاتھ رکھتے اور پھر اسے اپنے چہرے پر مل لیتے۔ (شفا شریف)

عقل کہتی ہے کہ ایک منبر کی کیا حیثیت ہے لکڑی کا ایک ڈھانچہ ہے، ادنیٰ حقیقت رکھتا ہے جب وہ خود مقدس نہیں، تو اس سے تقدس کیسے حاصل ہوگا، مگر محبت عبداللہ کہتی ہے کہ اسے رسول کے مقدس جسم سے نسبت ہے، مقدس سے نسبت رکھنے والا بھی مقدس ہوتا ہے، لہٰذا ایسی چیزوں سے تقدس حاصل کرو، محبت رسول کرو۔

محبت رسول میں آپ کی وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ آپ ہمیشہ دباغت شدہ اور زرد رنگ کا کالا جوتا پہنتے تھے کیوں کہ آپ نے سرکار کو ہمیشہ ایسے ہی نعلین میں دیکھا تھا۔ محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ چلتی پھرتی چیزوں میں بھی محبوب کی پسند مدِ نظر ہونا چاہیے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما گروہ صحابہ میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، آپ کا پیر سُن ہوگیا ہے آپ سے کہا گیا کہ کائنات میں جو سب سے زیادہ آپ کو محبوب ہو اس کو پکاریے مرض سے نجات مل جائے گی، آپ نے فوراً پکارا یا محمد الخ۔ پکارتے ہی پیر درست ہوگیا۔

(نزھۃ الناظرین)

ایک مقام پر آپ کی محبت دیوانگی کے روپ میں نظر آتی ہے، آپ کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار ہے اور اونٹ کو کبھی اس گلی میں لے جاتے ہیں اور کبھی اس گلی میں لے جاتے ہیں کبھی اس گلی کو گذرگاہ بناتے ہیں کبھی ادھر کا رخ کرتے ہیں کبھی اُدھر کا، ان سے سوال کیا گیا حضور والا یہ کیا ہو رہا ہے، ارشاد فرمایا: یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم میں تو اتنا جانتا ہوں کہ ایک روز میں نے اپنے آقا کو اسی انداز میں دیکھا تھا، محبت نے مجبور کیا کہ عبداللہ! محبوب کی اداؤں کو دُہراؤ، اور میں سرکار کی اداؤں کی نقل کرنے لگا۔ (عقائد اہل سنت، ص، ۱۹۰، تا ۱۹۱، بحوالہ شفا شریف)

حضرت عبداللہ ابن عمر کے گلشن اخلاق

حضرت عبداللہ ابن عمر کے گلشنِ اخلاق میں حب رسول، اتباع سنت، خشیت الٰہی، شوق جہاد وعبادت، زہد وتقویٰ، فیاضی وایثار نفسی، تواضع، انکسار، استغنا وقناعت سادگی اور حق گوئی وبے باکی سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔

کیفیت حب رسول

حبِ رسول کی یہ کیفیت تھی کہ عہدِ رسالت میں زیادہ سے زیادہ وقت بارگاہ رسالت میں حاضر رہنے کی کوشش کرتے تھے، حضور کا وصال ہوا تو وہ اس قدر مغموم اور شکستہ دل ہوئے کہ عمر بھر نہ کوئی مکان بنایا اور نہ کوئی باغ لگایا۔ جب بھی زبان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آتا آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی، جب غزوات رسول کے مقامات سے گزر ہوتا تو آنکھوں کے سامنے عہدِ رسالت کا نقشہ کھینچ جاتا اور اشکبار ہو جاتے، کوئی ان کے سامنے حضور کا ذکر کرتا تو بے قابو ہو کر رونے لگتے، یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیوخ سے سنا ہے کہ بعض لوگ حضرت ابن عمر کے عشق رسول کی کیفیت دیکھ کر انہیں مجنوں تک کہنے لگے تھے۔ دراصل حضرت ابن عمر کو عشق رسول کی بنا پر پابندیِ سنت کا والہانہ جنون تھا اور ان کی زندگی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین ودلکش زندگی کا پرتو جمیل بن گئی تھی، وہ چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں بھی نہایت شدت کے ساتھ اتباع سنت کا التزام کرتے تھے حتی کہ اتفاقی اور بشری عادت میں بھی وہ حضور کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔

سفر وحضر میں حضور نے جہاں کبھی نماز ادا کی، حضرت ابن عمر بھی وہاں نماز ادا کرتے تھے۔ جہاں آپ نے آرام فرمایا وہاں آرام کرتے تھے، جہاں آپ نے تھوڑی دیر کے لیے قیام فرمایا، حضرت ابن عمر نے بھی وہاں ضرور قیام کیا، جن درختوں کے سایہ میں حضور نے کبھی آرام فرمایا تھا، حضرت ابن عمر ان کو پانی دیتے رہتے تھے۔ تاکہ خشک نہ ہونے پائیں اور وہ بھی ان کے سایہ میں آرام کر کے سنت کی پیروی کر سکیں، جب سفر سے لوٹتے تو سونے سے پہلے روضۂ نبوی پر حاضر ہوتے اور سلام کہتے، مدینہ منورہ سے اس قدر محبت تھی کہ کسی حالت میں بھی وہاں سے نکلنا گوارا نہ تھا، ایک مرتبہ ان کے غلام نے تنگدستی کی بناء پر مدینہ چھوڑنے کی اجازت چاہی، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مدینہ کے مصائب پر صبر کرے گا، قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اولاد سے بھی غیر معمولی محبت تھی اور وہ لوگوں کو اکثر ان

کے فضائل سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ عام طور پر معلوم ہے کہ حضرت ابن عمر مناسک حج کے سب سے بڑے عالم تھے، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ مناسک حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سنن کا بدرجۂ غایت لحاظ رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ نے جہاں جہاں طہارت کی تھی وہاں وہ بھی ضرور طہارت کرتے تھے۔ حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے تھے جو حضور نے اختیار کیا تھا۔ حضور ذوالحلیفہ میں اتر کر نماز پڑھتے۔ حضرت ابن عمر بھی ذوالحلیفہ میں ضرور نماز پڑھتے تھے۔ حضور نے جن مقامات پر منزل کی تھی وہ بھی وہاں منزل کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ: رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا میں کبھی پا پیادہ اور کبھی سواری پر تشریف لے جاتے تھے، حضرت ابن عمر بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ حضور مکہ میں داخل ہونے سے قبل بطحا میں تھوڑا سا سو لیتے تھے، حضرت ابن عمر کا بھی یہی معمول تھا، حضور اپنے جاں نثاروں کی دعوت ہمیشہ قبول فرمالیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر بھی کسی کی دعوت رد نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ روزہ کی حالت میں بھی دعوت میں تشریف لے جاتے گو کھانے میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ غرض وہ تمام کاموں میں اسوۂ نبوی کو پیش نظر رکھتے تھے۔

حضرت ابن عمر نے نہایت گداز دل پایا تھا، خوفِ خدا اور روز جزا سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے، کوئی آیت جس میں محاسبۂ آخرت کا ذکر ہوتا۔ سنتے تو لرزہ بر اندام ہو جاتے اور رونے لگتے، ایک دن عبید بن عمر سے یہ آیت سنی:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا۔

اے رسول! (آخرت کے) اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔

آیت سنتے ہی رونے لگے یہاں تک کہ ڈاڑھی اور گریبان آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ خشیت الٰہی نے ان کے دل میں جہاد اور عبادت کا ایسا شوق پیدا کر دیا تھا کہ ان کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ پندرہ برس کی عمر سے لے کر بڑھاپے تک جہاد فی سبیل اللہ میں برابر حصہ لیتے رہے۔ عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ قائم اللیل اور دائم الصوم تھے (نہایت کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے اور نہایت کثرت سے روزے رکھتے تھے۔) بعض اوقات ایک رات

میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ساٹھ حج کیے اور ایک ہزار عمرے۔

زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے، حافظ ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے کہ جوانان قریش میں عبداللہ بن عمر سے زیادہ کوئی شخص اپنے نفس پر قابو رکھنے والا نہیں تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمر آغازِ شباب ہی میں مسجد میں جا کر سویا کرتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے خواب میں دوزخ کے فرشتوں کو دیکھا، دوسرے دن اس کا ذکر اپنی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ سے کیا، انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''عبداللہ جوان صالح ہے۔''

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سوائے ابن عمر کے کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو دنیا کی دلفریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کی ہو لیکن ان کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہ ہوا۔ جو شخص حضور کے کسی ایسے صحابی کو دیکھنا چاہے جس میں آپ کے وصال کے بعد بھی مطلق کوئی تغیر نہیں ہوا، تو وہ ابن عمر کو دیکھے۔

ایک دفعہ کوئی شخص ان کی خدمت میں جوارش (یا چورن) لے کر حاضر ہوا۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا، ہاضم طعام۔ انہوں نے فرمایا، مجھے اس کی کیا ضرورت ہے، میں نے تو مہینوں سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

ایک مرتبہ کسی سے پانی مانگا، اس نے شیشے کے پیالے میں لا کر پیش کی انہوں نے پینے سے انکار کر دیا، پھر ان کے سامنے لکڑی کے پیالے میں پانی پیش کیا گیا اب انہوں نے پی لیا، پانی پی کر وضو کے لیے برتن مانگا تو ان کے سامنے طشت و آفتابہ لایا گیا، انہوں نے صاف انکار کر دیا اور لوٹے سے وضو کیا۔

میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے تمام اثاث البیت کی قیمت لگائی تو سو درہم سے زیادہ کا سامان نہیں تھا اس میں فرش اور بستر بھی شامل تھا۔

حضرت ابن عمرؓ کے پاس دنیا کئی بار پورے ساز و سامان کیساتھ آئی لیکن انہوں نے

اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا ان کو بارہا ایسے موقعے ملے کہ اگر چاہتے تو بڑے سے بڑے عہدہ کیا، سند خلافت تک پہنچ سکتے تھے۔ زرو جواہر سمیٹنا چاہتے تو اپنے دور کے متمول ترین آدمی بن سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور اپنے زہد و تقویٰ سے باہر قدم نہ نکالا، ان کے زمانے میں جو سیاسی لڑائیاں ہوئیں انہوں نے ان میں مطلق کوئی حصہ نہیں لیا۔ خانہ جنگی کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے ہر امیر کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تھے اور نتائج کو خدا پر چھوڑ دیتے تھے۔

سادگی کا یہ عالم تھا کہ تمام کام جو خود کر سکتے تھے اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے حتیٰ کہ اونٹنی وغیرہ بٹھانے میں بھی دوسروں سے مدد نہ لیتے تھے۔ لباس عموماً نہایت معمولی پہنتے تھے۔ البتہ کبھی کبھار عمدہ لباس بھی زیب تن کر لیتے تھے وہ بھی اس لیے کہ ایک دو مرتبہ حضور کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔ لباس، قمیص، ازار اور سیاہ عمامہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ ازار نصف ساق تک ہوتا تھا۔ حضور کو زرد رنگ پسند تھا اس لیے ان کو بھی زرد رنگ مرغوب تھا۔ دستر خوان بھی تکلفات سے خالی ہوتا تھا بعض اوقات ایک بڑے برتن میں کھانا رکھ دیا جاتا تھا۔ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اس کے گرد بیٹھ کر کھا لیتے انہیں ہر وہ چیز ناپسند تھی جس میں کسی قسم کی نمائش یا تکلف کی آمیزش ہوتی یہاں تک کہ جمعہ کے دن کے سوا کبھی سر ڈاڑھی اور کپڑوں میں خوشبو نہیں لگائی۔ (سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۱۰۶۔ تا ۱۱۰)

ادائے رسول کی ادائیگی ہی جان ایمان ہے

سیدنا عبداللہ بن عمر کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا "حضرت سفر کی نماز کے بارے میں قرآن سے تفصیل نہیں ملتی کیسے پڑھوں؟"

ان اللّٰہ بعث الینا محمدا صلی اللہ علیہ و سلم و لانعلم شیئا انما نفعل کما رأیناہ یفعل۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ہماری طرف مبعوث فرمایا جبکہ ہم کچھ نہیں جانتے تھے ہم تو اسی طرح کرتے ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا دیکھتے تھے۔
(ایمان کا مرکز و محور ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۴۵)

عبداللہ بن دینار فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہر ہفتہ کو مسجد قبا میں آتے تھے اور فرمایا کرتے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہاں ہر ہفتے آتے دیکھا ہے۔

(صحیح مسلم، ج۱کتاب الحج، باب فضل مسجد قباء)

عبید اللہ بن جریج نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا: اے ابا عبدالرحمان آپ میں آپ کو چار ایسے کام کرتے دیکھتا ہوں جو آپ کے ساتھیوں کو کرتے نہیں دیکھتا انہوں نے پوچھا: اے ابن جریج! وہ چار کام کیا ہیں؟ کہا: میں نے آپ کو دیکھا آپ صرف دو یمانی رکنوں کو چھوتے ہیں باقی کو نہیں، آپ سبتی جوتے پہنتے ہیں، زرد رنگ استعمال کرتے ہیں اور مکہ میں لوگ ذی الحج کا چاند دیکھ کر لبیک پکارنے لگتے ہیں اور حج کا احرام باندھ لیتے ہیں اور آپ آٹھویں دن احرام نہیں باندھتے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: دوسرے ارکان کو اس لیے نہیں چھوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف انہی دونوں کو چھوتے دیکھا ہے سبتی جوتے اس لیے استعمال کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے جوتے پہنے دیکھا جن پر بال نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہی کو پہنے وضو فرمالیا کرتے تھے، سو میں بھی ایسے ہی پہننا پسند کرتا ہوں۔

اور زرد رنگ کی بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زرد رنگ رنگتے ہوئے دیکھا ہے تو میں ایسے رنگ کو پسند کرتا ہوں اور احرام باندھنے کا معاملہ یہ ہے کہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت لبیک پکارتے نہیں دیکھا جب تک کہ آپ کی سواری آپ کو لے کر اٹھ کھڑی نہ ہوتی۔

(صحیح بخاری، ج۱ص۲۸، کتاب الوضو، باب غسل الرجلین فی النعلین،)

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب کعبہ میں داخل ہوتے تو چند قدم آگے بڑھتے، دروزاہ پشت کی طرف ہوتا۔ آپ آگے بڑھتے اور جب ان کے اور سامنے والی دیوار کے درمیان تقریباً تین ہاتھ فاصلہ رہ جاتا تو نماز پڑھتے، اس طرح وہ اس جگہ نماز پڑھنا چاہتے تھے جس کے متعلق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہاں نماز پڑھی تھی، آپ فرماتے تھے بیت اللہ میں جس جگہ

بھی نماز پڑھیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(صحیح بخاری، ج۱، کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ بین السواری فی غیر جماعۃ)

حضرت ابن عمر کے چند حکیمانہ اقوال

سب سے آسان نیکی خندہ پیشانی اور شیریں کلامی ہے۔

علم تلاش کرو چاہے وہ دشمن کے پاس ہو۔

دوسروں کے عیوب ڈھونڈنے سے پہلے اپنے عیوب پر نظر ڈالو۔

جس طرح میٹھا شربت پی جاتے ہو اسی طرح غصہ بھی پی جایا کرو۔

بندہ خواہ خدا کے نزدیک برگزیدہ ہی کیوں نہ ہو مگر جب اس کو دنیا کا کچھ حصہ مل جاتا ہے تو خدا کے یہاں اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور گھٹ جاتا ہے۔

آدمی اس وقت اہل علم کی جماعت میں شمار ہونے کے قابل ہوگا جب وہ اپنے سے بلند آدمی پر حسد نہ کرے گا، اپنے سے کم تر کو حقیر نہ سمجھے گا اور اپنے علم کی قیمت نہ لے گا۔

اخلاق خراب ہیں تو ایمان بھی خراب ہوگا۔

گناہ کرنا چاہتے ہو تو وہ جگہ تلاش کرو جہاں اللہ موجود نہ ہو۔

عبات کی لذت حاصل کرنا چاہتے ہو تو تنہائی ڈھونڈو، دوستوں اور واقف کاروں سے علیحدگی اختیار کرو مگر یہ اس وقت جب روزی تلاش کر لو اور اہل وعیال کو میٹھی نیند سو لینے دو۔

میں پہلے خود حدیث پر عمل کرتا ہوں اور پھر لوگوں کو سناتا ہوں۔

(سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ ص، ۱۱۷۔۱۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمر بن حرام رضی اللہ عنہ کا ذوق جہاد اور عشق رسول

غزوۂ بدر میں آپ ایک مجاہد کے حیثیت سے جہاد کے لیے نکلے اور بہادروں کی طرح جنگ میں حصہ لیا۔ غزوۂ احد میں تو آپ نے مسلمانوں کے جہاد کے لیے نکلنے سے قبل ہی اپنی شہادت کو دیکھ لیا تھا۔ یہ حقیقی احساس آپ کے اندر بیدار ہو گیا تھا کہ آپ غزوہ سے

واپس نہیں آئیں گے۔ اس لیے آپ کا دل خوشی سے اڑا جاتا تھا! آپ نے اپنے بیٹے جلیل القدر صحابی "حضرت جابر بن عبداللہ" کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا:

"مجھے تو یہ یقین ہو رہا ہے کہ میں اس غزوہ میں شہید ہو جاؤں گا بلکہ ممکن ہے کہ مسلمانوں کا پہلا شہید میں ہی ہوں۔ واللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو ہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے جس کو میں اپنے وارث کے طور پر چھوڑوں گا۔ میرے ذمے قرض ہے، میری طرف سے میرا یہ قرض ادا کر دینا اور اپنے بھائیوں سے اچھا سلوک کرنا۔"

اگلے روز صبح مسلمان قریش سے مقابلے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ قریش جو بہت بڑے لشکر کے ساتھ پر امن مدینہ سے مقابلے کے لیے آئے تھے۔ خوفناک معرکہ شروع ہوا، ابتدا میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، قریب تھا کہ فیصلہ کن فتح بن جاتی اگر وہ تیر انداز ے کو نہ چھوڑتے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں تعینات کیا تھا دراصل یہ دستہ اس رائی فتح سے دھوکہ کھا گیا اور درے کو چھوڑ کر شکست خوردہ لشکر کے غنائم جمع کرنے لگا۔

قریش کے شکست خوردہ لشکر نے جب دیکھا کہ مسلمان پچھواڑے سے غیر محفوظ ہیں تو ں نے اپنی منتشر قوت کو جمع کیا اور اچانک پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، اس طرح سلمانوں کی فتح عارضی شکست میں بدل گئی۔ اس جنگ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے موت کے کنارے کھڑے آدمی اور شہادت کو سامنے دیکھنے والے شخص کی طرح بڑی بے جگری سے حصہ لیا۔ جنگ کے بعد جب مسلمان اپنے شہداء کو دیکھنے کے لیے گئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت جابر بھی اپنے والد کے جسد اطہر کا دیدار کرنے کے لیے ان کی تلاش میں نکلے۔ حضرت جابر نے آپ کو شہداء کے درمیان ایک مقام پر پالیا اور دیکھا کہ مشرکوں نے آپ کا بھی اسی طرح مثلہ کر دیا ہے جس طرح دیگر مسلمان بہادروں کی لاشوں کا کیا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت جابر اور ان کے بعض قریبی لوگ، شہید اسلام حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام کو رونے لگے۔ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے قریب سے گزر ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا:

اِبْکُوْہُ اَوْلَا تَبْکُوْہُ فَاِنَّ الْمَلٰئِکَةَ لَتُظِلُّهٗ بِاَجْنِحَتِهَا۔

تم اس پر روؤ یا نہ روؤ، فرشتے اس کے اوپر اپنے پروں سے سایہ کیے ہوئے ہیں۔

جناب ابو جابر حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام کا ایمان بڑا مضبوط اور چمکتا دمکتا تھا۔ اور راہ خدا میں موت کے ساتھ آپ کی محبت بلکہ شغف تو آپ کی تمناؤں اور آرزوؤں کا منتہا تھا۔

رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے بارے میں ایسی عظیم خبر دی جو شہادت کے ساتھ آپ کے شغف کی تصویر کشی کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے فرزند حضرت جابر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

يَاجَابِرُ! مَاكَلَّمَ اللّٰهُ اَحَدًا قَطُّ اِلَّا مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ. وَلَقَدْ كَلَّمَ اَبَاكَ كِفَاحًا فَقَالَ لَهُ :يَاعَبْدِيْ ،سَلْنِيْ اُعْطِكَ. فَقَالَ : يَا رَبِّ،اَسْأَلُكَ اَنْ تَرُدَّنِيْ اِلَى الدُّنْيَا،لِاُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ ثَانِيَةً . قَالَ اللّٰهُ لَهُ:اِنَّهُ قَدْ سَبَقَ الْقَوْلُ مِنِّيْ :اَنَّهُمْ اِلَيْهَا لَايُرْجَعُوْنَ.

قَالَ :يَارَبِّ ! فَاَبْلِغْ مَنْ وَرَائِيْ بِمَا اَعْطَيْتَنَا مِنْ نِعْمَةٍ.

اے جابر! اللہ تعالیٰ جب بھی کسی سے ہمکلام ہوتا ہے تو پردے کے پیچھے سے ہمکلام ہوتا ہے، لیکن تمہارے والد سے رو برو ہمکلام ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا: اے میرے بندے! مجھ سے مانگ میں تجھے عطا کروں گا۔ تو اس نے کہا: اے میرے رب! میں تجھ سے یہ چیز مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں دوبارہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو میرا اٹل فیصلہ ہے کہ وہ (جو میرے پاس آچکے ہیں) دنیا میں واپس نہیں جا سکتے۔

اس نے کہا: اے میرے رب! تو پھر جو نعمتیں تو نے ہمیں دی ہیں ان کے بارے میں ان لوگوں کو خبر دے دے جو میرے پیچھے رہ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ،وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ....اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ " (آل عمران:۱۶۹)

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ

ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوش وخرم ہیں، اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ (کنزالایمان)

جنگ کے بعد جب مسلمان اپنے شہدا کو پہچان چکے اور حضرت عبداللہ کے اہل خانہ نے بھی آپ کو پہچان لیا تو آپ کی اہلیہ نے آپ کی لاش کو اپنی اونٹنی پر رکھا اور ساتھ ہی اپنے شہید بھائی کی لاش بھی رکھی اور انہیں لے کر مدینہ کی طرف چل پڑیں تا کہ وہاں جا کر ان کو دفن کریں۔ کچھ اور مسلمانوں نے بھی ایسے ہی کیا۔ اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان کرنے والے نے آپ کے اس حکم کا اعلان کیا کہ:

اِدْفِنُوا الْقَتْلٰى فِيْ مَصَارِعِهِمْ مقتولوں کو ان کی جائے قتل پر ہی دفن کرو۔

یہ اعلان سن کر ہر کوئی اپنے شہید کے جسد کو واپس لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید صحابہ کی تدفین کے مقام پر تشریف فرما تھے۔ شہدا یکے بعد دیگرے دفن کیے جا رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام کی باری آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باآواز بلند فرمایا:

اِدْفِنُوْا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو وَعَمْرَ وبْنَ جَمُوْحٍ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ فَاِنَّهُمَا كَانَا فِي الدُّنْيَا مُتَحَابَّيْنِ مُتَصَافِيَيْنِ۔

"عبداللہ بن عمرو اور عمرو بن جموح کو ایک ہی قبر میں دفن کرو، یہ دونوں دنیا میں ایک دوسرے سے خالص محبت کرتے رہے ہیں۔" (نقوش صحابہ، ص ۴۵۵۔۴۵۸)

۴۶ برس گذر جانے کے بعد بھی جسم حسب سابق ہی رہا

ان کی تدفین کے چھیالیس برس گزرنے کے بعد اس جگہ پانی کا ایک ایسا ریلا آیا کہ اس نے قبروں کی زمین کو ڈھانپ لیا۔ پانی کا یہ ریلا اس چشمہ کے سبب آیا تھا جو جناب معاویہ نے جاری کرایا تھا۔ مسلمانوں نے فوراً شہداء کے جسموں کو کسی اور جگہ منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ جب قبر کشائی کی گئی تو ان کے جسم تروتازہ اور آس پاس معطر تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ اس وقت زندہ تھے۔ آپ اپنے خاندان کے لوگوں کے ساتھ وہاں گئے تاکہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام اور اپنے پھوپھا حضرت عمرو بن جموح کے جسد اطہر کو منتقل کریں۔ حضرت جابر نے ان دونوں حبیبوں کے جسموں کو یوں پایا گویا آپ سو رہے ہوں۔ مٹی نے ان کے جسم کا کوئی حصہ نہیں کھایا تھا اور نہ ان کے چہروں سے خوشی و مسرت کی مسکراہٹ ختم ہوئی تھی جو اللہ سے ملاقات کے روز ان کے چہروں پر نمودار ہوئی تھی۔ (نقوش صحابہ، ص ۲۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

امام ابو داؤد طیالسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے ان کے ایمان لانے کا واقعہ ان کی زبانی یوں بیان کیا ہے:

آپ بتاتے ہیں کہ میں اپنی نوعمری کے زمانہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں مکہ کے گرد ونواح میں چرایا کرتا تھا، ایک روز میرے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے اور مجھے فرمایا! ''اے جوان! کیا ہمیں دودھ پلاؤ گے، میں نے جواب دیا کہ دودھ تو ہے لیکن میں امین ہوں۔ امانت میں خیانت نہیں کر سکتا اس لیے آپ کو دودھ پلانے سے معذور ہوں۔ حضور نے فرمایا ''کیا تمہارے پاس ایسی پٹھ ہے جس سے کسی نر نے جفتی نہ کی ہو۔ میں نے عرض کی جی ہاں چنانچہ میں ایک پٹھ کو پکڑ کر لے آیا۔ حضرت ابوبکر نے اسے رسی سے جکڑا، اور نبی اکرم نے اس کی کھیری کو پکڑ کر دعا کی وہ اسی وقت دودھ سے لبریز ہوگئی۔ حضور نے اسے دوہا پہلے وہ دودھ مجھے اور حضرت ابوبکر کو پلایا پھر خود نوش فرمایا، پھر اس کھیری کو حکم دیا ''اقلص'' سکڑ جا۔ وہ پہلے کی طرح سکڑ گئی۔

یہ معجزہ دیکھ کر میں نے اسلام قبول کیا اور عرض کی ''یا رسول اللہ علمنی'' مجھے کچھ سکھائیے! حضور نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا:

بارك الله فيك فانك غلام معلم۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی برکتوں سے نوازے تم تعلیم یافتہ نوجوان ہو۔

حضور کے اس ارشاد کی برکت سے حضرت ابن مسعود کا شمار طبقہ صحابہ کے جلیل القدر علما میں ہوتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا بہت احترام کرتے بارگاہ رسالت میں ہر وقت حاضری کی انہیں اجازت تھی۔ حضور کی خدمت میں ہر وقت مشغول رہتے۔ حضور غسل فرماتے تو یہ پردہ تان کر کھڑے ہو جاتے۔ نعلین مبارک پہناتے۔ حضور جب اپنی نعلین اتارتے تو وہ انہیں اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیتے۔ سرکار دو عالم نے انہیں جنت کی خوشخبری سے نوازا تھا۔

(ضیاء النبی، ج ۲، ص ۲۴۱، السیرۃ الحلبیہ، ج ۱، ص ۲۶۶)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کنکری پھینکتے دیکھا تو فرمایا کنکری نہ پھینکو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کنکر پھینکنے سے منع فرمایا، ناپسند فرماتے تھے۔ اور فرمایا: کہ اس سے نہ شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے البتہ! یہ کبھی دانت توڑ دیتی ہے اور کبھی آنکھ پھوڑ دیتی ہے، اس کے بعد انہوں نے اس شخص کو پھر کنکریں مارتے دیکھا تو فرمایا: میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث سناتا ہوں کہ آپ نے کنکری پھینکنے سے منع فرمایا ہے اور تم پھر کنکر پھینکتے جا رہے ہو۔ میں اتنے دن تم سے کلام نہیں کروں گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ کتاب الذبائح والصید باب الخذف والبندقۃ)

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

جنگ احد میں سلافہ بنت سعد نام کی عورت کافروں کے لشکر کی علمبردار تھی۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلافہ کے شوہر طلحہ بن ابی طلحہ اور اس کے دو بیٹوں کو جنگ اُحد میں قتل کیا تھا۔ لہٰذا جنگ اُحد کے بعد سلافہ بنت سعد نے اعلان کرایا تھا کہ جو شخص حضرت عاصم بن ثابت کا سر لائے گا اسے سو منتخب اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ کیونکہ اس عورت نے منت مانی تھی کہ وہ اپنے شوہر اور بیٹوں کے قاتل کے سر کی کھوپڑی کو بطور

پیالہ کے استعمال کر کے اس میں شراب پیئے گی۔ سفیان بن خالد شقی نام کے ایک شخص نے سو اونٹ کا انعام حاصل کرنے کے لیے ایک منصوبہ بنایا اور اس نے اپنی قوم میں سے سات شریر اشخاص کو چنا اور ان کو یہ مکر و فریب سکھایا کہ تم مدینہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اسلام کا اظہار کرو اور یہ گذارش کرنا کہ وہ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو ہمارے ہمراہ بھیجیں تا کہ وہ ہماری قوم کو اسلامی احکام کی تعلیم کریں۔ ممکن ہے وہ سلافہ بنت سعد کے لڑکوں اور شوہر کے قاتل کو تمہارے ہمراہ روانہ کریں۔ اور اس طرح ہمارا مدعا حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ قوم عضل اور قوم قارہ کے یہ ساتوں آدمی مدینہ آئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ہماری ایک جماعت بھی اسلام میں آگئی ہے لہٰذا اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو ارسال فرمائیے تا کہ وہ ہمیں قرآن پڑھائیں اور احکام شریعت سکھائیں۔ قوم عضل و قارہ کا یہ وفد مدینہ میں حضرت ثابت ابن ابی الافلح کے یہاں ٹھہرا تھا، جو حضرت عاصم بن ثابت کے والد تھے، اور دوران قیام مدینہ ان لوگوں نے حضرت عاصم کے ساتھ بہت ہی محبت و مروت کا اظہار کیا اور حضرت عاصم کی خوشامد کرتے رہے۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کا وفد ان سات آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا جن میں حضرت عاصم بن ثابت بحیثیت امیر تھے اور ان کے علاوہ حضرت خبیب بن عدی، عبداللہ بن طارق، خالد بن ابی بکر، زید بن الدثنہ وغیرہ تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

جب یہ قافلہ ”بدہ“ نام کے ایک گاؤں میں پہنچا جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے تو ان سات منافقوں میں سے ایک جدا ہو کر سفیان بن خالد کے پاس چلا گیا اور اس نے حضرت عاصم اور ان کے ساتھیوں کے آنے کی خبر دی۔ سفیان بن خالد دو سو سواروں کو لیکر روانہ ہوا۔ ان دو سو میں سے ایک سو آدمی تیر اندازی میں مہارت رکھتے تھے۔ حضرت عاصم نے ان سات منافقوں میں سے ایک شخص کے جدا ہونے سے یہ انداز کر لیا کہ ان کے ساتھ فریب اور دھوکہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ساتھیوں کو لیکر ”بدہ“ نام کے گاؤں میں جہاں وہ ٹھہر گئے تھے وہاں سے روانہ ہو کر ”رجیع“ نام کے موضع کے قریب ایک گاؤں میں چلے گئے لیکن سفیان بن خالد وہاں بھی آپہنچا۔ یہ دس مقدس حضرات صحابہ ایک چھوٹے ٹیلے پر چڑھ گئے۔

حضرت عاصم بن ثابت نے اپنے ساتھیوں کو کافروں سے جنگ کرنے اور جام شہادت نوش کرنے کی ترغیب دی۔ جب کافروں نے دیکھا کہ یہ صرف دس آدمی ہم دوسو کی تعداد کے ساتھ آمادہ جنگ ہیں تو کافروں نے کہا کہ اے عاصم! اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ ہم تمہیں امان دیتے ہیں، یہ سن کر حضرت عاصم نے فرمایا کہ میں کسی مشرک کی امان قبول نہیں کرتا اور کسی کافر کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیتا۔ اے لوگو! مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ طلحہ کی بیوی نے نذر مانی ہے کہ وہ میرے سر کے پیالے میں شراب پیے۔ اس لیے ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ عہد کیا ہے اور اسی قادر مطلق سے التجا کی ہے کہ "میرے کسی عضو کو کوئی کافر نہ چھوئے۔" اس کے بعد حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے کہا کہ "اے خدا! ہمارے احوال کی خبر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے۔" یہ دعا مانگنے کے بعد حضرت عاصم اور ان کے ساتھیوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزے سے مقابلہ شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت عاصم کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد تلوار نکال کر مقابلہ شروع کر دیا۔ آپ کافروں سے مقابلہ کرتے وقت بھی یہی دعا مانگتے تھے کہ "اے خدا! میرے جسم کو مشرکوں سے محفوظ رکھ۔' حضرت عاصم کی بہادری اور شجاعت سے کافروں میں لرزہ برپا ہو گیا لہٰذا انہوں نے حضرت عاصم پر تیروں کی بارش شروع کر دی اور حضرت عاصم کو شہید کر دیا۔

(رضی اللہ تعالیٰ عنه وجزاه الله خير الجزاء عن سائر المسلمن)

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کے احوال کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی اور حضور نے مدینہ منورہ میں لوگوں کو وہ سب کچھ بتا دیا جو انہیں مصیبت پہنچی تھی۔ حضرت عاصم کے شہید ہونے کے بعد جب ان ظالم مشرکوں نے ارادہ کیا کہ حضرت عاصم کے سر مبارک کو ان کے مبارک جسم سے جدا کر کے طلحہ کی بیوی سلافہ کے پاس لیے جائیں اور شرط کے بموجب سو اونٹ انعام میں حاصل کریں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زنبور یعنی شہد کی مکھیوں کا ایک لشکر حضرت عاصم کے جسم شریف کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ شہد کی مکھیوں کے لشکر نے حضرت عاصم کے جسم کو اپنے

گھیرے میں لے لیا، جو کافر بھی آگے بڑھتا تو ایک دم ہجوم کر کے اس پر حملہ کرتیں اور اپنے ڈنک سے اسے کاٹتیں۔ اور اس کافر کو حضرت عاصم کے جسم سے دور بھگا دیتی تھیں، یہاں تک کہ کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ ان کے قریب آئے۔ جب رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے پانی کا ایک سیلاب بھیجا جو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم شریف کو بہا کر لے گیا اور ان کے جسم کو دشمنوں سے اوجھل کر دیا۔ (مدارج النبوۃ، ج ۲ ص ۲۳۳)

جب سفیان بن خالد اور اس کی قوم ملاعنہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کے بعد طلحہ بن ابوطلحہ کی بیوی سلافہ بنت سعد کے پاس گئے اور حضرت عاصم کو شہید کر دینے کی پوری تفصیل بتائی اور سو اونٹ انعام کے طلب کیے تو سلافہ نے کہا کہ میں نے تو یہ شرط لگائی تھی کہ جو کوئی میرے لڑکوں کے قاتلوں کو بجنسہ یا ان کا سر لائے گا تو میں اسے سو اونٹ دوں گی لیکن تم تو اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لائے۔ میں اونٹ کس لیے تمہیں دوں۔ چنانچہ وہ وہاں سے نامراد اور خائب و خاسر لوٹے۔" (مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۲۳۳)

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت عتبان بن مالک کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ سید المرسلین کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے میرے آقا! میں نابینا ہو چکا ہوں اور مسجد میں لوگوں کا امام بھی ہوں جب بارش ہوتی ہے تو میرے گھر اور مسجد کے درمیان جو نالہ ہے وہ پانی سے بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ تو اس صورت میں مسجد میں جانے سے معذور ہو جاتا ہوں اور لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکتا۔ یا رسول اللہ! آپ کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور ایک جگہ پر نماز پڑھائیں میں اسی جگہ کو جائے نماز بنا لوں گا۔

تیرا آستاں تو نہ مل سکا تیرے راہ گزر پہ جبیں سہی
مجھے سجدہ کرنے سے غرض ہے جو وہاں نہیں تو یہیں سہی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان شاء اللہ آؤں گا۔ حضرت عتبان کہتے ہیں

صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے جبکہ سورج بلند ہو چکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت طلب فرمائی میں نے آپ کو اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ تشریف لائے اور بیٹھے نہیں بلکہ فرمایا تم اپنے گھر کی کس جگہ کو پسند کرتے ہو میں نماز پڑھوں؟ چنانچہ میں نے گھر کے کونے میں اشارہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی ہم بھی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری صف بندی کی اور دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ (بخاری کتاب الاذان، ج ا)

مندرجہ بالا حدیث پاک سے درج ذیل مسائل کھل کر سامنے آ رہے ہیں

(۱) یہ کہ سخت سردی، بارش وغیرہ میں نماز گھر پڑھی جا سکتی ہے۔

(۲) یہ کہ معذور کے لیے مسجد میں نماز ادا کرنا ضروری نہیں۔

(۳) یہ کہ نابینا امامت کر سکتا ہے بشرطیکہ پاکی پلیدی کو سمجھتا ہو اور متقی ہو۔

(۴) یہ کہ امام کو بھی ضروری نہیں کہ شدید سردی یا طوفان میں مسجد میں ضرور جائے۔

(۵) یہ کہ آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنا جائز بلکہ سنت صحابہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام میں پیدا کردہ تنگ نظریوں کا قلع قمع کر کے کشادگیاں پیدا کی ہیں، حتی کہ اگر کسی شخص کو غلبہ نیند کی وجہ سے نماز میں تنگی محسوس ہو اور دوران نماز اونگھنے لگے تو سو جائے۔ اگر اسی حالت میں نماز پڑھتا رہا تو اسے کیا خبر کیا پڑھ رہا ہے استغفار پڑھ رہا ہے یا اپنے آپ کو گالیاں دے رہا ہے۔

(تیراوجود الکتاب، ص ۳۵۹، مشکوٰۃ القصر فی العمل)

عثمان بن طلحہ کلید بردارِ کعبہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ سے یہ واقعہ ان کی زبانی سنئے۔ وہ کہتے ہیں:

ہجرت مکہ سے پہلے ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی، حضور نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، میں نے کہا یا محمد! آپ کیسی عجیب و

غریب باتیں کر رہے ہیں؟ آپ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ میں آپ کا پیروکار بن جاؤں۔ حالانکہ آپ نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا ہے اور ایک نیا دین لے آئے ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ عہد جاہلیت میں ہمارا یہ دستور تھا کہ ہم زائرین کے لے سوموار اور جمعرات کو کعبہ شریف کا دروازہ کھولا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضور تشریف لائے تا کہ دوسرے لوگوں کی معیت میں کعبہ میں داخل ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ بڑی بدخلقی کا مظاہرہ کیا اور نہایت ناشائستہ انداز میں گفتگو کی۔ لیکن حضور نے کسی قسم کی برہمی کا اظہار نہ کیا بلکہ بڑے حلم اور برد باری سے میری بدکلامی کو برداشت کیا۔ البتہ بڑی نرمی سے مجھے فرمایا:

يَاعُثْمَانُ لَعَلَّكَ سَتَرٰى هٰذَا الْمِفْتَاحَ يَوْمًا بِيَدِي اَضَعُهٗ حَيْثُ شِئْتُ۔

''اے عثمان! یاد رکھو ایک دن آنے والا ہے جب تو دیکھے گا کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کروں گا۔''

میں یہ سن کر بوکھلا گیا اور میں نے کہا، کیا اس روز قریش کی عزت و آبرو خاک میں مل چکی ہوگی تبھی تو یہ انقلاب رونما ہو سکتا ہے؟ حضور نے فرمایا، اے عثمان! جس دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اس روز قریش ذلیل و خوار نہیں ہوں گے بلکہ ان کی عزت و شوکت کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہوگا۔ بَلْ عَمِرَتْ يَوْمَئِذٍ وَعَزَّتْ۔''

عثمان کہتا ہے کہ حضور کا یہ ارشاد میری لوح قلب پر نقش ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ ان کی زبان پاک سے جو بات نکلتی ہے وہ لامحالہ ہو کر رہتی ہے۔ میں نے سوچا کہ میں مسلمان ہو جاؤں لیکن میری قوم کو میرے اس ارادہ کی کہیں بھنک پڑ گئی، انہوں نے مجھے سختی سے جھڑکا، اس لیے میں نے ایمان لانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

جس روز مکہ فتح ہوا تو حضور نے مجھے حکم دیا کہ ''کعبہ کی کلید پیش کرو۔'' میری کیا مجال تھی کہ انکار کرتا۔ فوراً گھر سے چابی لے آیا اور بصد ادب بارگاہ رسالت میں پیش کر دی۔ حضور نے فرمایا ''عثمان! تمہیں وہ دن یاد ہے جب میں نے تمہیں کہا تھا کہ ایک روز یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کروں گا۔'' میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! بیشک آپ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ سرکار دو عالم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ چابی مجھے عطا فرمائی۔ ساتھ ہی فرمایا:

"خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَا يَنْزَعُهَا مِنْكُمْ اِلَّا ظَالِمٌ۔

یعنی یہ چابی لے لو اور میں یہ تمہیں ابد تک کے لیے دے رہا ہوں اور جو تم سے یہ کلید چھینے گا وہ ظالم ہو گا۔

حضرت علی مرتضیٰ اور عبد الرزاق کی روایت کے مطابق حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کی:

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِجْمَعْ لَنَا الْحِجَابَةَ وَالسِّقَايَةَ۔

اے اللہ کے رسول! کعبہ کے زائرین کو پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ ساتھ ہمیں کعبہ کی کلید برداری کا شرف بھی مرحمت فرمائیے۔

لیکن رحمت عالم نے اپنے محترم چچا کی اس عرضداشت کو شرف قبول نہیں بخشا بلکہ فرمایا: "آج کا دن انتقام لینے کا دن نہیں، آج کا دن میرے ابر کرم و وفا کے برسنے کا دن ہے۔" اس وقت چابی سیدنا علی مرتضیٰ کے ہاتھ میں تھی ان کے ہاتھ سے لے کر حضرت عثمان کو دیدی۔ اور فرمایا:

خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَا يَنْزَعُهَا مِنْكُمْ اِلَّا ظَالِمٌ

اے عثمان! یہ کلید میں صرف تمہیں نہیں دے رہا بلکہ قیامت تک آنے والی تیری نسلوں کو بخش رہا ہوں، میری عطا کی ہوئی یہ کلید جو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہو گا۔

چودہ صدیاں بیت چکی ہیں۔ ابھی تک وہ کلید جو مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انہیں دی تھی انہیں کی نسل میں ہے۔ اور یقیناً قیامت تک ان کی نسل میں ہی باقی رہے گی اور کعبہ مشرفہ کی کلید برداری کا شرف انہیں ہی حاصل رہے گا۔

(ضیاء النبی، ج ۴۔ ص ۵۳۴، خاتم النبیین۔ ج ۲۔ ص ۱۰۵۷)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے، جو مکہ لوٹ آئے تھے

اور ولید بن مغیرہ نے انہیں پناہ دی تھی۔ دوسرے حضرات کو بھی کسی نہ کسی رئیس نے پناہ دی۔ اور وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ عبداللہ بن مسعود کو کسی نے پناہ نہ دی۔ آپ بغیر کسی پناہ کے مکہ مکرمہ واپس آ گئے قلیل عرصہ یہاں قیام کیا پھر حبشہ چلے گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ولید بن مغیرہ نے پناہ دی تھی، آپ امن وسکون کے ساتھ مکہ میں اپنے دن گزار رہے تھے کوئی کافر آپ کو کچھ نہیں کہتا تھا۔ لیکن آپ دیکھتے تھے کہ ان کے دوسرے دینی بھائیوں پر کفار بڑا تشدد کر رہے ہیں۔ ان کی ایمانی غیرت یہ برداشت نہ کر سکی، کہ اس کے دینی بھائیوں پر تو ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوں اور وہ ایک کافر کی پناہ لے کر عیش وآرام کی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ولید کی پناہ اس کو لوٹا دیں گے، تاکہ کفار ان کو بھی اسی طرح تشدد کا نشانہ بنائیں، جس طرح دوسرے مسلمانوں پر وہ جور وستم کر رہے ہیں۔ آپ ولید کے پاس گئے اور کہا اے عبدشمس! تو نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ لیکن اب میں تمہاری پناہ میں نہیں رہنا چاہتا اس لیے تمہاری پناہ کو واپس کرتا ہوں۔ اس نے پوچھا بھانجے کیا بات ہے کیا کسی نے تجھ پر کوئی زیادتی کی ہے آپ نے کہا۔

لَا وَلٰكِنِّیْ اَرْضٰی بِجَوَارِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا اُرِیْدُ اَنْ اَسْتَجِیْرَ بِغَیْرِهٖ۔

”نہیں مجھ پر کسی نے زیادتی نہیں کی لیکن میں صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ کو پسند کرتا ہوں اور اس کے سوا کسی غیر کی پناہ مجھے منظور نہیں۔“

ولید نے کہا پھر مسجد میں چلیے جس طرح میں نے مجمع عام میں آپ کو پناہ دی تھی آپ بھی مجمع عام میں اس کو واپس کرنے کا اعلان کریں۔ دونوں حرم شریف میں گئے حضرت عثمان بن مظعون نے اعلان کیا کہ ولید نے مجھے پناہ دی تھی۔

صَدَقَ قَدْ وَجَدْتُهٗ وَفِیًّا كَرِیْمَ الْجَوَارِ وَلٰكِنِّیْ قَدْ اَحْبَبْتُ اَنْ لَا اَسْتَجِیْرَ بِغَیْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَقَدْ رَدَدْتُ عَلَیْهِ جَوَارَهٗ

اس نے اپنے وعدے کو نبھایا، میں نے اس کو وعدہ پورا کرنے والا اور باعزت طور پر پناہ دینے والا پایا، لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر، میں کسی اور کی پناہ میں

زندگی بسر کروں اس لیے میں نے اس کی پناہ اسے لوٹا دی ہے۔

وہاں سے حضرت عثمان اور لبید بن ربیعہ (مشہور شاعر) اکٹھے چل کر قریش کی ایک محفل میں آئے، لبید نے یہ مصرعہ پڑھا۔

لَاکُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ
کُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ

بے شک ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سوا فنا ہونے والی ہے۔ کہ نعمت یقیناً مٹنے والی ہے۔

حضرت عثمان نے فرمایا:

کَذِبْتَ نَعِیْمُ الْجَنَّۃِ لَا یَزُوْلُ۔ تم نے جھوٹ کہا جنت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی۔

لبید کو یہ بات سخت ناگوار گزری اس نے کہا اے گروہ قریش! پہلے تو تمہارے ہم نشین کو ایسا تلخ اور گستاخانہ جواب نہیں دیا جاتا تھا۔ اپنے مہمان کی دل آزاری کا یہ طریقہ تم نے کب سے اپنایا ہے ایک شخص بولا، اے لبید! ناراض نہ ہو، یہاں بے وقوفوں کی ایک جماعت ہے جو ہمارے خداؤں کے منکر ہیں یہ شخص انہیں میں سے ایک ہے۔ حضرت عثمان نے بھی اس کو جواب دیا۔ تلخ کلامی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اس آدمی نے حضرت عثمان کی آنکھ پر زور سے طمانچہ دے مارا۔ چوٹ سے وہ سوج گئی ولید بن مغیرہ بھی پاس بیٹھا تھا۔ اس نے سب کچھ دیکھا اور بطور طنز بولا عثمان جب تک تم میری پناہ میں تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ ایسا کرتا اب مزہ چکھو میری پناہ کو مسترد کرنے کا۔ حضرت عثمان بن مظعون نے فرمایا۔

بَلْ وَاللّٰہِ اِنَّ عَیْنِیَ الصَّحِیْحَۃَ لَفَقِیْرَۃٌ اِلٰی مِثْلِ مَا اَصَابَ اُخْتَھَا فِی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَاِنِّیْ لَفِیْ جِوَارِ مَنْ ھُوَ اَعَزُّ مِنْکَ وَاَقْدَرُ یَا اَبَا عَبْدِ شَمْسٍ۔

"بخدا! میری درست آنکھ بھی چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے بھی ایسا ہی طمانچہ لگے اور اے ابا عبد شمس! میں اب اس ذات کی پناہ میں ہوں جو تجھ سے زیادہ معزز اور تجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔"

ولید نے کہا میرے بھتیجے! اب بھی اگر تم میری پناہ میں آنا چاہو تو آسکتے ہو۔ عثمان نے جواب دیا ہرگز نہیں۔ (ضیاء النبی، ج ۲، ص ۳۵۵۔ ۳۴۷، سبل الہدیٰ ج ۲۔ ص ۴۹۰)

حضرت عثمان بن مظعون کے بارے میں آپ ﷺ کے ارشادات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ جب حضرت عثمان کی پاکیزہ روح آخرت کے سفر کی تیاری کر رہی تھی کہ اس کا مالک مدینہ میں مہاجرین میں سے پہلا شخص قرار پائے جو موت سے ہمکنار ہو۔ اور جنت کی راہ پر چلنے والا بھی پہلا شخص وہی ہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ان کے پہلو میں موجود تھے۔ آپ جھک کر ان کی جبین کا بوسہ لیتے ہیں او محبت سے لبریز آنکھوں سے گرنے والے آنسوؤں سے اس کو معطر اور چہرے کو تر کر دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس حبیب کو الوداع کہتے ہوئے فرماتے ہیں:

رَحِمَكَ اللّٰهُ اَبَا السَّائِبِ خَرَجْتَ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا اَصَبْتَ مِنْهَا وَلَا اَصَابَتْ مِنْكَ۔

اے ابو سائب! اللہ تیرے اوپر رحم فرمائے۔ تو دنیا سے جا رہا ہے تو اس کی کھوئی چیز ساتھ نہیں لے جا رہا اور نہ یہ دنیا تجھ تک پہنچ سکی ہے۔

پھر مشفق و مہربان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی کی وفات کے بعد بھی انہیں نہ بھولے بلکہ ہمیشہ ان کا تذکرہ کرتے اور ان کی تعریف کیا کرتے تھے حتیٰ کہ اپنی بیٹی حضرت رقیہ کی وفات کے وقت انہیں ان الفاظ میں الوداع کہا:

اَلْحِقِيْ بِسَلَفِنَا الْخَيْرِ عُثْمَانَ ابْنِ مَظْعُوْنَ۔

"جاؤ! ہمارے بہترین سلف عثمان بن مظعون کے ساتھ جا ملو۔" (نقوش صحابہ، ص ۲۳۹)

حضرت عداس رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے نکلے اور "بیرونجات" کو وعظ کے لیے تشریف لے گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے، مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبیلے تھے سب کو وعظ سناتے، توحید کی منادی کرتے

ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیادہ پا طائف پہنچے، طائف میں بنوثقیف آباد تھے۔ سرسبز ملک اور سرد پہاڑ پر رہنے کی وجہ سے ان کے غرور کی کوئی حد نہ تھی، عبد یالیل، مسعود، حبیب، تینوں بھائی وہاں کے سردار تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انہی سے ملے، اور انہیں اسلام کی دعوت فرمائی، ان میں سے ایک بولا میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈ وا دوں، اگر تجھے اللہ نے رسول بنایا ہو۔

دوسرا بولا کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی بھی رسول بنانے کو نہ ملا جسے چڑھنے کی سواری بھی میسر نہیں۔ اسے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا۔

تیسرا بولا کہ میں تجھ سے کبھی بات ہی نہیں کرنے کا، کیونکہ اگر تو خدا کا رسول ہے، جیسا کہ تو کہتا ہے تب تو یہ خطرناک بات ہے کہ میں تیرے کلام کو رد کر دوں، اور اگر تو خدا پر جھوٹ بولتا ہے۔ تو مجھے شایاں نہیں کہ تجھ سے بات کروں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو، ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسرے لوگوں کو ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں۔''

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعظ کہنا شروع فرمایا۔ ان سرداروں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا، وہ لوگ وعظ کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنے پتھر پھینکتے کہ حضور خون میں تر بتر ہو جاتے، خون بہہ بہہ کر جوتے میں جم جاتا اور وضو کے لیے پاؤں سے جوتا نکالنا مشکل ہو جاتا۔

ایک دفعہ بدمعاشوں اور اوباشوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس قدر گالیاں دیں، تالیاں بجائیں، چیخیں لگائیں کہ خدا کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مکان کے احاطے میں جانے پر مجبور ہوئے، یہ جگہ عقبہ وشیبہ فرزندان ربیعہ کی تھی انہوں نے دور سے اس حالت کو دیکھا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ترس کھا کر اپنے غلام عداس کو کہا کہ ایک پلیٹ میں انگور رکھ کر اس شخص کو دے آؤ، غلام نے انگور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا،

اور زبان سے فرمایا۔ ''بسم اللہ'' اور پھر انگور کھانے شروع کیے۔
عداس نے حیرت سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور پھر کہا، یہ ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے۔
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تم کہاں کے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے۔''
عداس نے جواب دیا۔ میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں۔
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''کیا تم مرد صالح یونس علیہ السلام ابن متی کے شہر کے باشندے ہو؟''
عداس نے جواب دیا آپ کو کیا خبر ہے، کہ یونس ابن متی کون تھا اور کیسا تھا۔؟
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''وہ میرا بھائی ہے، وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔''
عداس یہ سنتے ہی جھک پڑا، اور اس نے نبی کا سر ہاتھ، قدم چوم لیے۔
عقبہ بن شیبہ دور سے غلام کو ایسا کرتے دیکھا اور آپس میں کہنے لگے، لو غلام تو ہاتھوں سے نکل گیا۔ جب عداس اپنے آقا کے پاس لوٹ کر گیا تو انہوں نے کہا۔ کم بخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں، سر چومنے لگ گیا تھا۔''
عداس نے کہا۔ حضور عالی! آج اس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی بھی نہیں، اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔''
انہوں نے عداس کو ڈانٹ دیا کہ خبردار! کہیں اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھنا، تیرا دین تو اس کے دین سے بہتر ہے۔ عداس نے جواب دیا حضور میں تو اپنا دین کب کا چھوڑ بیٹھا ہوں، اور میرا دل کہہ رہا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (رحمۃ للعالمین، ص ۶۱، طبری، ص ۲۳۱)

حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب طائف سے مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرماتے ہوئے تو عروہ بن مسعود طائف پہنچے۔ جب انہیں پتا چلا کہ رحمت عالم واپس مدینہ طیبہ روانہ

ہو گئے ہیں تو حضور کے دیدار کا شوق انہیں کشاں کشاں حضور پاک کے پیچھے لے آیا۔ اور راستے میں ہی ان کی ملاقات حضور پاک سے ہو گئی۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے اجازت ہو تو میں واپس طائف چلا جاؤں اور اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں۔ حضور پاک نے فرمایا "تمہاری قوم تمہیں کہیں قتل نہ کر دے۔" عروہ کہنے لگے، یارسول اللہ! وہ مجھ پر جان چھڑکتے ہیں اور اپنی کنواری بچیوں سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ بلا شبہ اپنی قوم میں وہ مخدوم اور مطاع تھا۔ وہ جب پہنچا اسے امید تھی کہ جب یہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے گا تو بلا تامل وہ اسے قبول کر لیں گے۔ لیکن جب اس نے ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کی تو انہوں نے اسے اپنے تیروں کا نشانہ بنایا جن کے لگنے سے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اپنی وفات سے پہلے انہوں نے ایک بڑا ایمان افروز جملہ کہا:

کَرَامَةٌ اَکْرَمَنِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهَا وَشَهَادَةٌ سَاقَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیَّ۔

یہ بڑی عزت افزائی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرف فرمایا ہے۔ یہ میری موت شہادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے ارزانی فرمائی۔"

میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا جو میرے دوسرے شہید بھائیوں کے ساتھ کرو گے اور مجھے انہیں شہداء کے پہلو میں دفن کر دینا۔ عروہ جیسے محبوب اور ہر دلعزیز رئیس کو انہوں نے قتل تو کر دیا لیکن اس سانحہ نے ان کو ہلا کر رکھ دیا۔ اب انہیں اپنی اس حماقت کا احساس ہونے لگا۔ انہوں نے اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی تو ارد گرد آباد قبائل کی غالب اکثریت نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اب ان کی مثال ایک چھوٹے سے جزیرے کی تھی جس کو چاروں طرف سے سمندر نے گھیر رکھا ہو، انہوں نے سوچا کہ اگر اب بھی وہ کفر پر اڑے رہے تو وہ اسلامی لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اور انہیں عبرت ناک شکست سے دوچار ہونا پڑے گا۔ انہوں نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ وہ عبد یا لیل کو حضور کے پاس بھیجیں۔ عبد یا لیل نے ان کی اس درخواست کو مسترد کر دیا۔ انہوں نے کہا تم میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرو گے جو تم نے عروہ کے ساتھ کیا ہے عبد یا لیل نے کہا کہ میرے ساتھ اپنا ایک وفد روانہ کرو، چنانچہ یہ

وفد مدینہ طیبہ پہنچا۔ (ضیاء النبی، ج ۴۔ ص ۵۳۲، خاتم النبیین۔ ج ۲۔ ص ۱۰۵۷)

حضرت عقبہ بن عامر کی خدمت گذاری اور عشق رسول

ایک خادم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے جو دوران سفر حضور اکرم کا اونٹ کھینچتے تھے۔ امام ذہبی نے ''کاشف'' میں ان کی تعریف اس طرح بیان کی ہے کہ وہ امیر، کبیر، شریف، فصیح، مقرسی، فرضی شاعر صحابی تھے غزوۂ بحرین کا والی بنایا گیا۔ اور انہوں نے مصر میں وفات پائی جبکہ وہ امیر معاویہ کی جانب سے اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان کی معزولی کے بعد مصر کے والی ہو گئے تھے۔ وہ مصر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ حضور اکرم سے انہوں نے روایت کی ہے، اور ان سے صحابہ میں سے حضرت جابر، ابن عباس اور تابعین میں سے خلق کثیر نے روایت لی ہے (کذافی جامع الاصول) ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ کھینچ رہا تھا اور پہاڑی راستہ تھا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عقبہ سوار ہو جاؤ۔'' مگر میں نے اسے بزرگ جانا کہ میں حضور اکرم کے مرکب پر سوار ہوں پھر میں ڈرا کہ معصیت ہو جائے گی حکم شریف بجالانا چاہیے۔ چنانچہ میں سوار ہو گیا اور جلدی ہی اتر آیا۔ اس کے بعد حضور اکرم سوار ہوئے اور میں نے حضور اکرم کی سواری کو کھینچا پھر حضور اکرم نے مجھ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی دو سورتیں بتاؤں اور سکھاؤں جنہیں لوگ پڑھیں، میں نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ! بتایئے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمایا وہ دو سورتیں۔

قل اعوذ برب الناس۔ اور قل اعوذ برب الفلق ہیں۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ملاحظہ فرمایا کہ میں ان دونوں سورتوں سے مسرور نہ ہوا مطلب یہ کہ ان دونوں سورتوں کی افضلیت اور خیریت سے ان تمام قرآنی سورتوں کے مقابلہ میں خصوصاً سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ وغیرہ سے جو کہ تمام سورتوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔ میں مسرور نہ ہوا تو حضور اکرم نماز صبح کے لیے اترے۔ اور ان دونوں سورتوں کے ساتھ نماز صبح پڑھی جو کہ سب سے چھوٹی سورتوں میں سے ہیں۔ اور میری طرف نگاہ کرم کر

کے فرمایا تم نے دیکھ لیا۔ مطلب یہ کہ تم نے دیکھا میں نے انہیں دونوں سورتوں کی خیریت اور افضلیت، استعاذہ کے باب میں ہے جو جسمانی اور روحانی تمام آفتوں اور بلاؤں کے دفعیہ کو شامل ہیں۔ سفر میں نماز صبح میں پڑھنا بھی اسی بنا پر ہے۔ اسے امام احمد ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ امام احمد کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں تمہیں تین سورتیں بتاؤں جو توریت وانجیل اور فرقان میں ہیں۔ میں نے عرض کیا ضرور یارسول اللہ! فرمایا:

"تم قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھا کرو۔ (مدارج النبوۃ ج ۲، ص ۸۵۶، تا ۸۵۳)

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ہمارے نبی نے آخری وقت میں مدینہ کے لوگوں کو بلا کر وصیت فرمائی کہ میں شاید تمہارے درمیان زیادہ دنوں تک نہیں رہوں گا، اس لیے مجھ پر جس کا حق نکلتا ہو وہ مجھ سے لے لے۔ کسی کا قرض ہو تو وصول کر لے، کسی کی دلآزاری ہوئی ہو تو وہ اپنا بدلا لے لے۔ تاکہ میں آخرت میں جواب دہ نہ رہوں۔ لوگ آپ کی جدائی کی خبر سن کر رو پڑے، آپ بار بار لوگوں سے یہ کہتے رہے کہ جس کے ساتھ میں نے زیادتی کی ہو وہ بدلا لے لے۔ مگر لوگ خاموش کھڑے رہے۔ آپ نے لوگوں کی خاموشی دیکھ کر فرمایا کہ تم میں سے میرا پیارا وہی ہے جو مجھ سے بدلا لے لے۔

اس پر حضرت عکاشہ مجمع میں کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول مجھے اپنا حق لینا ہرگز مقصود نہ تھا مگر آپ کے اصرار پر مجبور ہو گیا ہوں، آپ نے جب تبوک کا سفر کیا تھا تو راستے میں آپ نے اونٹنی کو تیز کرنے کے لیے کوڑا چلایا تو وہ میرے مونڈھے پر پڑا۔

آپ نے فرمایا کہ عکاشہ تو نے یہ بات یاد دلا کر مجھ پر احسان کیا، اور پھر آپ نے سلمان فارسی کو حضرت فاطمہ کے گھر بھیجا کہ جاؤ میرا کوڑا فاطمہ کے گھر پر پڑا ہے وہ لے آؤ۔ سلمان فارسی روتے ہوئے چل دئے اور حضرت فاطمہ کے گھر سے کوڑا لے آئے۔

کوڑا دیکھ کر صحابہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور دل ہی دل میں عکاشہ کو برا بھلا کہنے

لگے۔ ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ عکاشہ حضور کا بدلا ہم سے لے لے۔ اور ایک کوڑے کے بجائے چاہے کتنے ہی کوڑے مارلے۔ مگر عکاشہ کی ضد تھی کہ میں اپنا حق حضور سے ہی لوں گا۔

چنانچہ اللہ کے نبی نے قبلہ کی جانب رخ کیا اور کہا کہ اے عکاشہ اگر تجھے مجھ سے محبت ہے تو ایسا ہی کوڑا میری پیٹھ پر مار جیسا کہ تیری پیٹھ پر لگا تھا۔ تاکہ میں آخرت کے حساب سے بچ سکوں، عکاشہ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول جب میری پیٹھ پر کوڑا پڑا تھا تو میری پیٹھ برہنہ تھی۔ یعنی میں نے قمیض نہیں پہنی تھی، یہ سن کر اللہ کے نبی نے اپنی پیٹھ کھول دی اور آپ کی مہر نبوت نظر آنے لگی جو مرغی کے انڈے کے برابر تھی۔ حضرت عکاشہ نے مہر نبوت دیکھی اور فرط محبت سے جھومنے لگے، اور مہر نبوت کے بار بار بوسے لیتے رہے۔ اور پھر عرض کیا کہ اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان، نہ تو آپ کا کوڑا مجھے کبھی لگا اور نہ ہی میری اتنی جرأت کہ آپ سے حق مانگوں، بس آخری وقت میں مہر نبوت کی زیارت کی تمنا تھی وہ میں نے پوری کرلی، اس طرح میں آتش جہنم کو اپنے اوپر سے حرام کرنا چاہتا تھا۔

(حیات سرکار دو عالم، ص ۱۰۷، سید المرسلین ص ۱۷۸)

حضرت عکرمہ بن ابو جہل رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور عشق رسول

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہما مسلمان ہوگئیں، پھر حضرت ام حکیم نے کہا یا رسول اللہ! عکرمہ آپ سے ڈر کر یمن بھاگ گئے ہیں۔ انہیں ڈر تھا کہ آپ انہیں قتل کردیں گے۔ آپ ان کو امان دے دیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں امان ہے۔ اپنے ساتھ اپنا رومی غلام لے کر وہ عکرمہ کی تلاش میں نکلیں۔ اس غلام نے حضرت ام حکیم کو پھسلانا چاہا۔ وہ اسے امید دلاتی رہیں یہاں تک کہ قبیلہ عک میں پہنچ گئیں۔ تو انہوں نے اس قبیلہ والوں سے اس غلام کے خلاف مدد طلب کی۔ انہوں نے اس غلام کو رسیوں میں جکڑ دیا۔ حضرت ام حکیم عکرمہ کے پاس جب پہنچیں تو وہ تہامہ کے ایک ساحل پر پہنچ کر کشتی پر سوار ہو چکے تھے۔ اور کشتی بان ان سے کہہ رہا تھا کہ کلمہ اخلاص پڑھ لو، عکرمہ نے پوچھا میں کیا

کہوں؟ اس نے کہا لا الہ الا اللہ کہو۔

عکرمہ نے کہا میں تو صرف اسی کلمہ سے ہی بھاگ رہا ہوں۔ اتنے میں حضرت ام حکیم وہاں پہنچ گئیں۔ اور (کپڑے ہلا کر) ان کی طرف اشارہ کرنے لگیں۔ (یا ان پر اصرار کرنے لگیں) اور وہ ان سے کہہ رہی تھیں اے میرے چچازاد بھائی! میں تمہارے پاس ایسی ذات کے پاس سے آرہی ہوں جو لوگوں میں سب سے زیادہ بہترین انسان ہیں اپنے آپ کو ہلاک مت کرو چنانچہ عکرمہ یہ سن کر رُک گئے اور وہ ان کے پاس پہنچ گئیں، اور ان سے کہا میں تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم سے امن لے چکی ہوں۔ انہوں نے کہا واقعی تم لے چکی ہو؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے ان سے بات کی تھی انہوں نے تمہیں امن دے دیا ہے۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ واپس چل پڑے حضرت ام حکیم نے عکرمہ کو اپنے رومی غلام کی ساری بات بتائی۔ انہوں نے (غصہ میں آکر) اس غلام کو قتل کر دیا۔ اور وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور جب یہ مکہ کے قریب پہنچے تو حضور نے اپنے صحابہ کو فرمایا کہ عکرمہ بن ابی جہل تمہارے پاس مومن اور مہاجر بن کر آرہے ہیں۔ آئندہ اس کے باپ کو برا بھلا نہ کہنا کیونکہ مرے ہوئے کو بُرا کہنے سے اس کے زندہ رشتہ داروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور وہ اس مردہ تک پہنچتا نہیں۔ (راستہ میں) عکرمہ نے اپنی بیوی سے صحبت کرنی چاہی لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں، عکرمہ نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ جس کام نے تم کو میری بات ماننے سے روکا ہے وہ بہت بڑا کام ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم عکرمہ کو دیکھتے ہی لپکے اور جلدی کی وجہ سے آپ کے جسم اطہر پر چادر تک نہ تھی کیونکہ آپ ان (کے آنے) سے بہت خوش تھے۔ پھر حضور بیٹھ گئے اور وہ حضور کے سامنے کھڑے رہے اور ان کے ساتھ ان کی بیوی نقاب پہنے ہوئے تھیں۔ انہوں نے کہا اے محمد! میری اس بیوی نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے مجھے امن دے دیا ہے۔ آپ نے فرمایا "یہ سچ کہتی ہے تمہیں امن ہے۔" عکرمہ نے کہا:

اے محمد! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا

رسول ہوں اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور فلاں فلاں کام کرو۔" آپ نے اسلام کے چند اعمال گناۓ۔" تو عکرمہ نے کہا اللہ کی قسم! آپ نے حق بات کی اور اچھی اور عمدہ بات کی دعوت دی ہے اللہ کی قسم! آپ تو اس دعوت کے کام کو شروع کرنے سے پہلے ہی ہم میں سب سے زیادہ سچے اور سب سے زیادہ نیکوکار تھے پھر حضرت عکرمہ نے کلمہ شہادت پڑھا:

اشھد ان لا الـٰه الا اللہ واشھد ان محمدا عبده ورسوله۔ آپ ان کے اسلام لانے سے بہت خوش ہوئے۔ پھر انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ مجھے پڑھنے کے لیے کوئی بہترین چیز بتائیں۔ آپ نے فرمایا:

اشھد ان لا الـٰه الا اللّٰه وان محمدا عبده ورسوله۔ پڑھا کرو۔ حضرت عکرمہ نے کہا کچھ اور بتادیں، آپ نے فرمایا" یہ کہو کہ میں اللہ تعالیٰ کو اور تمام حاضرین کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں مسلمان اور مجاہد اور مہاجر ہوں۔ حضرت عکرمہ نے یہ کہہ دیا۔ حضور نے (خوش ہوکر) کہا" تم مجھ سے آج جو بھی ایسی چیز مانگو گے جو میں دے سکتا ہوں وہ میں تمہیں ضرور دے دوں گا۔" حضرت عکرمہ نے کہا میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے لیے دیہ دعا کریں کہ میں نے آپ کی جتنی دشمنی کی ہے، یا آپ کے خلاف جتنے سفر کیے ہیں، اور آپ کے خلاف جتنی جنگیں کی ہیں، یا آپ کو آپ کے سامنے یا آپ کے پس پشت جتنی نازیبا باتیں کہی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو معاف کردے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی" اے اللہ انہوں نے مجھ سے جتنی دشمنی کی ہے اور آپ کے نور کو بجھانے کی لیے جتنے سفر کیے ہیں ان سب کو معاف فرمادے اور انہوں نے میرے سامنے یا میرے پس پشت جتنی میری آبروریزی کی ہے وہ سب معاف فرمادے۔" حضرت عکرمہ نے کہا یا رسول اللہ! اب میں خوش ہوگیا ہوں اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! اب تک میں اللہ کے راستہ میں اس سے دُگنا (ان شاء اللہ) خرچ کروں گا اور اب تک اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے جتنی جنگ کر چکا ہوں اب اللہ کے راستہ میں اس سے دُگنی جنگ کروں گا۔

چنانچہ حضرت عکرمہ پورے زور شور سے جہاد میں شریک ہوتے رہے یہاں تک کہ (اللہ کے راستہ) میں شہید ہوگئے۔ حضرت نے (تجدیدی نکاح کے بغیر ہی) پہلے نکاح کی

نبیاد پر ہی حضرت ام حکیم کو ان کے نکاح میں باقی رکھا۔

(حیاۃ الصحابہ، ج ا۔ص ۲۲۵۔ ۲۲۸، ایضاً الحاکم ج ۳۔ص ۲۴۱)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا مقام عشق والفت رسول

روسائے بنی مخزوم، عمار یاسر اور اس کی ماں اور باپ کو تکلیف پہنچاتے تھے۔ ایک روز مکہ کے میدان میں گرم ریت پر انہیں ننگا لٹایا ہوا تھا اور گرم ریت ان کے اوپر گراتے تھے اور ان کے اعضا پر گرم پتھر رکھتے تھے کہ اگر گوشت ان پتھروں پر رکھا جاتا تو کباب ہو جاتا، تا کہ وہ دین سے پھر جائیں اور عیاذ اباللہ کلمۂ کفر کہیں وہ کہتے کہو کہ لات وعزّیٰ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر ہیں وہ نہیں کہتے تھے بلکہ وہ کہتے تھے کہ مصیبت نعمت ہے، مصیبت پر رونا غلطی ہے۔

ناخوش او خوش بود بر جان من — جا فدائے یار دل رنجانِ من

عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد — اے عجب من عاشق ایں ہر دو ضد

ایسے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے اور فرمایا:

"اصبروا یا آل یاسر فان موعدکم الجنة."

اے آل یاسر! تھوڑا صبر کرو، اللہ نے تمہارے لیے جنت کا وعدہ کرلیا ہے۔

عمار کی والدہ سمیہ کو مشرکین نے دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا تھا، ایک کافر (ابو جہل) نے اس کی شرمگاہ پر برچھا مار کر قتل کر دیا اور اس کے خاوند یاسر کو بھی دوسرے طریقے سے قتل کر دیا۔ اسلام میں سب سے پہلے خلعت شہادت زیب تن کرنے والے یہی دونوں تھے۔ اے درویش! جب رب العزت کی بارگاہ سے رنج اور تکلیف پہنچے یقیناً اہل محبت رنج ومحنت سے اس قدر ذوق اور لذت حاصل کرتے ہیں کہ دوسروں کو نعمت وراحت سے وہ لذت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ انہیں ہر وقت یہ خطاب آتا رہتا ہے۔

چو سرمست منی جانا ز درد سرمہ غم دارے — چو آہوئے منی ایجان ز شیر نر چہ غم دارے

چو مدہوئے تو من باشم ز سال ومہ چہ اندیشی — چو شور وشوق من ہستت ز شور وشر چہ غم داری

چو من با تو چنیں گرم چہ آہ سرد میداری — چو بر بامِ فلک باشی ز خشک وتر چہ غم داری

گرنی باغ و بر ہارا ہمی خورآں شکر ہارا   اگر بستند درہارا چہ بند دور چہ غم داری

ایک دفعہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جو کفار کہتے تھے، زبان سے کہہ دیا، اس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور کہا کہ عمار کافر ہو گیا، آنحضرت نے فرمایا حاشا ایسا ہرگز نہیں ہے وہ کافر نہیں ہو سکتا یقیناً وہ از سرتاپا ایمان سے بھرا ہوا ہے، ایمان اس کے خون اور گوشت پوست میں سرایت کر گیا ہے۔" جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کفار سے نجات ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کفار کے ظلم وستم کی وجہ سے روتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک ان کی آنکھوں پر ملتے تھے، اور ان کے آنسوؤں کو صاف کرتے تھے، آپ نے فرمایا ان عادو الك فعدلهم بما قلت، بعض مفسرین نے اس آیۂ کریمہ من کفر باللہ من بعد ایمانه الامن اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان۔ کے شان نزول کو حضرت عمار کے واقعہ کو قرار دیا ہے اور آیت: ولکن من شرح اللہ بالکفر صدرا۔ میں عبداللہ بن ابی سرح کی حالت کا بیان ہے۔

(مدارج النبوۃ، ج۲، ص۲۶۰)

حضرت عمار کے بارے میں حضور کے ارشادات

اِنَّ عَمَّارًا مُلِئَ اِيْمَانًا اِلٰى مُشَاشِهٖ۔   عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے لبریز ہیں۔

ایک موقع پر حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمار بن یاسر کے درمیان کچھ ناخوشگواری پیدا ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَادَ عَمَّارًا، عَادَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَ عَمَّارًا، اَبْغَضَهُ اللّٰهُ۔   جس نے عمار سے عداوت رکھی اس سے اللہ عداوت رکھے گا اور جس نے عمار سے بغض رکھا اس سے اللہ بغض رکھے گا۔

اب بطل اسلام حضرت خالد بن ولید کے لیے کوئی چارہ نہ تھا کہ آپ فوراً حضرت عمار سے معافی مانگتے اور معذرت کرتے!

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو جانے کے

بعد مسجد تعمیر کر رہے تھے تو اس دوران حضرت علی نے ایک ترانہ تیار کیا اور اسے گانے لگے۔ باقی مسلمان بھی ان کے ساتھ یہ ترانہ گا رہے تھے۔ یہ سب لوگ مل کر کہہ رہے تھے:

لَا يَسْتَوِىْ مَنْ يَعْمُرُ الْمَسَاجِدَا
يَدْأَبُ فِيْهَا قَائِمًا وَقَاعِدًا
وَمَنْ يُرَى عَنِ الْغُبَارِ حَائِدًا

جو شخص مسجدیں تعمیر کرتا، ہر وقت اس کام میں جتا رہتا ہے اور وہ شخص جو گرد و غبار سے دور بھاگتا اور بچتا ہے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی مسجد کے ایک کونے میں کام کر رہے تھے۔ آپ بھی بلند آواز میں یہ ترانا گنگنانے لگے لیکن ایک آدمی نے سمجھا کہ عمار کچھ اور کہہ رہے ہیں تو اس نے ان پر برہمی کا اظہار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی کی بات سن کر غضبناک ہو گئے اور فرمایا:

مَالَهُمْ وَلِعَمَّارٍ؟...... يَدْعُوْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ، وَيَدْعُوْنَهُ اِلَى النَّارِ...... اِنَّ عَمَّارًا جِلْدَةُ مَا بَيْنَ عَيْنَيَّ وَأَنْفِيْ!

ان لوگوں کا اور عمار کا معاملہ بھی عجیب ہے۔!
وہ ان کو جنت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اسے جہنم کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔
عمار تو میری آنکھوں کا تارا ہے!"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسلمان سے اس حد تک محبت کرتے ہوں تو یہ بات طے ہے کہ اس شخص کا ایمان و آزمائش، وفاداری و عظمت نفس اور ضمیر و منہج کی استقامت کمال کی انتہائی بلندیوں کو پہنچی ہوئی ہوگی اور یقیناً حضرت عمار ایسے ہی بلندی مرتبہ پر فائز تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمار کو بھرے ہوئے پیمانوں سے نعمت و ہدایت عنایت کی تھی اور آپ ہدایت و یقین کے اس بلند مقام پر فائز تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ایمان کا تزکیہ کرتے اور اپنے صحابہ میں ان کو مثال اور نمونہ کے طور پر پیش کرتے۔ آپ فرماتے:

اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِىْ اَبِىْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَاهْتَدُوْا بِهَدْيِ عَمَّارٍ!

"میرے بعد ان دو حضرات ابوبکر و عمر کی پیروی کرو اور عمار سے رہنمائی حاصل کرو!"

استقامت وعزیمت اور صبر وثبات کے کوہ گراں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اپنے معلم ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات ..... بدر، احد خندق وتبوک وغیرہ میں ہر جگہ حاضر ہوئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ کے پاس چلے گئے تو یہ عظیم انسان اپنے ساتھیوں کی جماعت سے جڑ گیا۔ ایران وروم اوران سے قبل مرتدین کے لشکر جرار کے ساتھ تصادم میں حضرت عمار ہمیشہ صف اول میں رہے۔ آپ ایک وفادار وجانباز سپاہی اور جلیل القدر متقی وپرہیز گار مومن کے طور پر جنگوں میں شریک رہے کہ کوئی ضرب آپ کی تلوار کو کند کر سکتی تھی نہ کوئی لالچ آپ کو اللہ سے دور لے جا سکتا تھا۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ قابل اعتماد نظروں سے دیکھتے تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو فوراً کوفہ کا گورنر بنا دیا اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود کو بیت المال کا ذمہ دار بنایا۔ اہل کوفہ کو خط لکھا جس میں انہیں نئے گورنر کے تقرر کی خوشخبری ومبارک باد دی۔ کہا: ''میں عمار بن یاسر کو امیر (گورنر) اور عبداللہ بن مسعود کو بطور معلم و وزیر تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں حضرات جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین وشریف صحابہ اور اہل بدر میں سے ہیں۔''

حضرت عمار نے اپنی گورنری کے دور میں ایسی زندگی گزاری کہ دنیا کے حریصوں کو آپ کا تحمل وبرداشت ناگوار گزرا اور وہ آپ کے خلاف ہو گئے۔

آپ کی گورنری نے آپ کے انکسار وتواضع اور ورع وزہد میں اضافہ کر دیا تھا۔

آپ کے ایک ہم عصر ابن ابی ہذیل کہتے ہیں:

''عمار بن یاسر جب کوفہ کے گورنر تھے تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے کچھ تربوز خریدے پھر انہیں رسی سے باندھا۔ اٹھا کر پیٹھ پر رکھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔''

فتنہ ارتداد کے انسداد اور کذاب مدعی نبوت مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے جناب ابو بکر صدیق کے برپا کردہ معرکہ کارزار میں حضرت عمار نے جرأت وبہادری کی تاریخ رقم کی۔ یمامہ کا روز آپ کے بہترین دنوں میں سے ایک دن تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب اس جری و جوانمرد نے مسیلمہ کذاب کے لشکر کو فصل کی مانند موت کی نیند سلایا تھا اور انہیں موت وہلاکت

کا تحفہ دیا تھا۔اس دوران ایک موقع پر آپ نے مسلمانوں میں کچھ انتشار دیکھا تو اپنی گرج دار آواز سے انہیں مخاطب کر کے اکٹھا کر لیا۔ مسلمان یکجا ہونے کے بعد کمان سے نکلے ہوئے تیر کی سی تیزی سے پلٹے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں:

''میں نے جنگ یمامہ کے روز عمار بن یاسر کو ایک ٹیلے پر کھڑے دیکھا کہ وہ بلند آواز سے پکار رہے تھے: ''اے مسلمان گروہ! کیا تم جنت چھوڑ کر بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں، میری طرف آؤ'' میں نے ان کی طرف دیکھا تو ان کا ایک کان کٹ کر لٹک رہا تھا لیکن وہ پوری شدت قوت سے جنگ میں مصروف تھے۔'' (نقوش صحابہ، ص۲۴۴۔۲۴۷)

حضرت عمارۃ بن زیاد رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

جنگ احد میں عمارۃ بن زیاد شہید ہوئے تھے جنہوں نے جان دیتے ہوئے اپنے رُخسار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں سے لگا دیے تھے، اس تاریخی واقعہ کو اس شعر میں خوب ادا کیا گیا ہے۔

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے
یہ نصیب، اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے

(رحمۃ اللعالمین، ج ا ص ۱۰۶، زاد المعاد)

حضرت عمر بن جموح رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

آپ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام کے بہنوئی تھے۔حضرت عبداللہ کی بہن حضرت ہند بنت عمرو آپ کی اہلیہ تھیں۔آپ مدینہ کے زعما اور بنی سلمہ کے سرداروں میں سے ایک تھے آپ کے بیٹے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جو عقبہ کے مقام پر بیعت کرنے والے ستر انصار مدینہ میں سے ایک تھے، آپ سے پہلے نعمت اسلام سے سرفراز ہو گئے تھے۔

حضرت معاذ بن عمرو اور ان کے دوست حضرت معاذ بن جبل مومنانہ و جرأتمندانہ

جوانی کی پوری بہادری سے اہل مدینہ کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

یہاں کے لوگوں کی عادت تھی کہ سردار اور قائد لوگ اپنی مجلسوں اور محفلوں میں رکھے ہوئے بڑے بڑے بتوں کے علاوہ اپنے گھروں کے اندر بھی بت رکھتے تھے۔ جناب عمرو بن جموح نے بھی ایک سردار اور قائد ہونے کی بنا پر ایک بت بنوا رکھا تھا جس کو گھر میں نصب کیا ہوا تھا۔ اس بت کا نام انہوں نے ''مناف'' رکھا تھا۔

ایک روز آپ کے بیٹے حضرت معاذ بن عمرو اور ان کے دوست حضرت معاذ بن جبل نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس بت کا کھلونا بنا کر اس کا مذاق اڑایا جائے۔ پھر یہ دونوں حضرات رات کے اندھیرے میں بت کے پاس گئے اور اسے اٹھا کر کھائی میں پھینک آئے جہاں لوگ کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے۔

صبح ہوتی ہے تو عمرو بن جموح کو ''مناف'' دکھائی نہیں دیتا۔ آپ اسے تلاش کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کھائی میں آپ کو ''مناف'' مل جاتا ہے۔ آپ اس کے ساتھ کی گئی یہ حرکت دیکھ کر غضبناک ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں: تم ہلاک ہو جاؤ رات کو ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کس نے کیا ہے۔ پھر آپ اس کو نہلانے دھلانے اور صاف ستھرا کرنے لگے۔

جب اگلی رات ہوئی تو معاذان (معاذ بن عمرو اور معاذ بن جبل) نے پھر وہی کام کیا جو گذشتہ رات کر چکے تھے۔ یہ دونوں لڑکے بت کے ساتھ روزانہ یہی کچھ کرتے حتیٰ کہ عمرو بن جموح تنگ آ گئے تو آپ نے اپنی تلوار لی اور اس کو ''مناف'' کی گردن میں لٹکا دیا اور اس سے کہا اگر تیرے اندر کوئی بھلائی ہے تو اپنے آپ کی خود ہی حفاظت کر۔

صبح ہوئی تو ''مناف'' پھر غائب تھا۔ تلاش کے بعد اسی کھائی میں پڑا ملا اور آج تو اس کو ایک مردہ کتے کے ساتھ رسی سے باندھا ہوا تھا۔ عمرو بن جموح یہ دیکھتے ہی غیظ و غضب میں آ گئے اس موقع پر کچھ معززین مدینہ جو اسلام لا چکے تھے آپ کے قریب گئے اور ''مناف'' کی طرف انگلیوں کے اشارے کرنے لگے جس کو مردہ کتے کے ساتھ باندھا گیا تھا۔

اس وقت یہ لوگ بلند و برتر اس حقیقی اللہ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے جس کی مانند کوئی شے نہیں! اور اس صادق و امین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں محو گفتگو تھے اس کو راہ

سے برگشتہ کرنے نہیں آئے تھے۔ اور اس اسلام کے بارے میں گویا تھے جو انسانیت کو جکڑ بندیوں........ ہر قسم کی جکڑ بندیوں سے آزاد کرانے اور اس کے اندر اللہ کی روح بیدار کرنے اور ان کے دلوں میں اس کا نور پھیلانے آیا تھا۔

گویا یہ معززین مدینہ اپنی اس گفتگو سے بالواسطہ عمر بن جموح کے دل و دماغ اور شرافت و نیک نفسی کو مخاطب کر رہے تھے۔

انہی لمحات میں عمرو بن جموح نے اپنے نفس اور اپنی راہ کو پا لیا۔ آپ فوراً گئے جسم و لباس کو پاک وصاف کیا اور آراستہ و پیراستہ ہو کر روشن دل اور چمکتے چہرے کے ساتھ چل پڑے تاکہ بارگاہ رسالت میں جا کر دست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیعت کریں۔ اور اہل ایمان میں شامل ہو جائیں۔

پھر حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے اپنا جسم و جان اللہ رب العلمین کے حوالے کر دیا۔ آپ جود و سخا کے بڑے دلدادہ تھے، اسلام نے آپ کی صفت سخاوت کو مزید بڑھا دیا اور آپ نے اپنا سارا مال دین اور دینی بھائیوں کی خدمت میں لگا دیا۔ (نقوش صحابہ، ص ۴۵۹۔ ۴۶۰)

بنو سلمہ کے چند معمر اور بزرگ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن جموح رضی اللہ عنہ بہت زیادہ لنگڑے تھے۔ اور ان کے شیر جیسے چار جوان بیٹے تھے، جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک ہوتے، جب اُحد کا موقع آیا تو انہوں نے اپنے والد کو (لڑائی کی شرکت سے) روکنا چاہا اور کہا اللہ نے آپ کو معذور قرار دیا ہے۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میرے بیٹے مجھے اس لڑائی میں آپ کے ساتھ جانے سے روکنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اپنے اس لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں چلوں پھروں تو حضور نے فرمایا "اللہ نے تم کو معذور قرار دیا ہے لہٰذا جہاد میں جانا تمہارے ذمہ نہیں ہے۔" اور ان کے بیٹوں سے فرمایا "تم ان کو جہاد میں جانے سے مت روکو ہو سکتا ہے اللہ ان کو شہادت نصیب فرمادے۔" چنانچہ وہ غزوہ اُحد میں حضور کے ساتھ شریک ہوئے اور شہادت کا مرتبہ پایا۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ جنگ اُحد میں شریک ہوئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عمر بن جموح رضی اللہ عنہ نے حضور کی خدمت میں آ کر عرض کیا

یارسول اللہ! آپ مجھے یہ بتائیں اگر میں اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہوا شہید ہو جاؤں تو میرا یہ لنگڑا پاؤں وہاں ٹھیک ہو جائے گا؟ اور کیا میں جنت میں اس پاؤں سے چل پھر سکوں گا۔؟ حضرت عمر پاؤں سے لنگڑے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم نے فرمایا ہاں (تمہارا پاؤں جنت میں ٹھیک ہو جائے گا) چنانچہ جنگ اُحد کے دن وہ اور ان کا بھتیجا اور ان کا ایک غلام شہید ہوئے۔ حضور کا ان پر گزر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ "میں دیکھ رہا ہوں کہ عمرو بن جموح کا لنگڑا پاؤں ٹھیک ہو گیا ہے اور وہ اس سے جنت میں چل رہے ہیں۔" حضور نے حکم دیا کہ ان تینوں کو ایک قبر میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ وہ تینوں ایک قبر میں دفن کیے گئے۔

(حیاۃ الصحابہ، ج ۱۔ ص ۴۲۸)

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

وما کان احد احب الی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ولا اجل في عینی منه وما کنت اطیق ان املأ عینی منه۔

میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا اور نہ ہی میری نظروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی معزز تھا اور نہ ہی مجھے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنے کا حوصلہ ہوا تھا۔ (الشفا، ج ۲، ص ۳۱)

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی

حضرت عمر بن العاص کے صحیفۂ حیات میں حب رسول، شجاعت، شوقِ جہاد، انفاق فی سبیل اللہ، شرافت، نرم دلی اور تدبیر وسیاست سب سے نمایاں ابواب ہیں۔

حب رسول کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں ایک افواہ پر شدید اضطراب و ہیجان بیدا ہو گیا، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت چند صحابہ کے ہمراہ مسجد نبوی میں

تشریف فرما تھے چونکہ حقیقت حال کا کسی کو علم نہیں تھا اس لیے عام بھگدڑ مچ گئی، اس نازک وقت میں صرف سالم مولی ابو حذیفہ اور حضرت عمرو بن العاص شمشیر بدست مسجد میں کھڑے رہے تا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ نہ آنے دیں اور ضرورت پڑے تو آپ پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ صورت حال ذرا پرسکون ہوئی تو حضور نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا جس میں فرمایا، تم لوگ اللہ اور رسول کی پناہ میں کیوں نہ آئے اور عمرو بن العاص اور سالم کو کیوں نہ نمونہ بنایا۔ سراسیمگی میں تمہیں مستعد ہو کر اللہ کے رسول کے پاس جمع ہو جانا چاہیے تھا اور متحد ہو کر خطرے کا مقابلہ کرنا چاہیے تھا۔

حضرت عمرو بن العاص خود کہا کرتے تھے کہ قبول اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مجھ کو دنیا میں کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ حضور بھی ان کی بڑی قدر فرماتے تھے اور ان پر بہت شفیق تھے۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمرو بن العاص سے کہا، کیا وہ شخص نیک سیرت نہیں ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو۔ انہوں نے فرمایا، ایسے شخص کی سعادت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔؟

اس شخص نے کہا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک آپ سے محبت کرتے رہے۔“

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد موقعوں پر حضرت عمرو بن العاص کی کھلے لفظوں میں تعریف فرمائی، ایک مرتبہ ان کے ایمان کی تعریف میں فرمایا، ہشام اور عمرو سچے مومن ہیں۔ (مسند احمد)

ایک موقع پر ارشاد ہوا، عمرو بن العاص قریش کے صالح لوگوں میں سے ہیں۔ (الاصابہ)

ایک اور موقع پر فرمایا، ”عبداللہ اور ابو عبداللہ (عمرو بن العاص) کیا اچھے گھرانے کے لوگ ہیں۔

(سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ۳۹۱)

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

آپ دین پر کسی انسان کو کوئی اہمیت دیتے تھے نہ کسی چیز کو اس سے اہم سمجھتے تھے۔

حضرت جلاس بن سوید بن صامت ان کے قریبی عزیز تھے، غزوۂ تبوک کے موقع پر سفر کی

تیاریاں ہو رہی تھیں لیکن حضرت جلاس ان میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ حضرت عمیر نے ان سے دوسرے لوگوں کی تیاریوں کا ذکر کر کے انہیں بھی تیاری کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے ایک ایسا کلمہ کہہ دیا جو ایک مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دینے والا تھا۔ انہوں نے کہا: ''اگر یہ آدمی سچا ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں!''

''اس آدمی'' سے جلاس کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور جلاس ان لوگوں میں سے تھے جو خوف کے مارے اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔

حضرت عمیر بن سعد نے ان کے یہ الفاظ سنے تو آپ کے پرسکون دل میں غضب و حیرت کا طوفان برپا ہو گیا۔

غضب، اس لیے کہ ایک شخص جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس سطحی لہجے میں بات کرے!

حیرت اس لیے کہ آپ کا ذہن فوراً اس ذمہ داری اور جواب دہی کی طرف منتقل ہو گیا جو یہ الفاظ سننے کے بعد آپ کے اوپر عاید ہو رہی تھی کہ کیا وہ ان الفاظ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیں؟

اور پہنچائیں لیکن کس طرح؟ مجلس کی باتیں تو راز و امانت ہوتی ہیں!

تو پھر انہیں کیا کرنا چاہیے؟

یہی کہ جو کچھ سنا تھا اس پر خاموش ہو جائیں اور اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیں!

لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ اگر وہ ایسا کرتے تو اس رسول کے ساتھ کیے گئے عہد وفا کا کیا بنتا جس رسول کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہی سے نکال کر ہدایت سے سرفراز کیا اور اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف مائل کیا!

ان کی یہ حیرانی زیادہ دیر قائم نہ رہی۔ ان کے اس دل نے ان کی رہنمائی کی جو مشکلات میں ہمیشہ اپنے مالک کے لیے راہیں نکالا کرتا تھا۔ حضرت عمیر فوراً ایک طاقتور آدمی اور متقی مومن کی حیثیت سے پلٹے اور حضرت جلاس بن سوید کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے:

''اے جلاس! اللہ کی قسم! تم مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور عزیز ہو!

تمہارے میرے اوپر سب سے زیادہ احسانات ہیں، میرے لیے یہ بڑا ناگوار ہے کہ تجھے کوئی تکلیف پہنچے! لیکن تو ایسی بات کر گیا ہے کہ اگر میں اس کو پھیلاتا ہوں تو تجھے تکلیف ہو گی اور اگر چھپاتا ہوں تو میرا دین مجھے ہلاکت کی وعید سناتا ہے اور میرے نزدیک دین کا حق سب سے فائق ہے کہ اس کو ادا کیا جائے لہٰذا میں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانے جا رہا ہوں!'' اس طرح حضرت عمیر نے سب سے پہلے مجلس کی امانت کا حق ادا کیا اور اپنے عظیم نفس کو چغل خور سامع کے ناپسندیدہ کردار سے اوپر اٹھا لیا۔

اس کے بعد دین کا حق بھی ادا کر دیا کہ مشکوک نفاق سے پردہ اٹھا دیا اور حضرت جلاس کو اپنی غلطی پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے اور اس پر رجوع کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ اب اگر حضرت عمیر اس بات کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتے تو ان کے ضمیر کو یہ اطمینان تھا کہ وہ کسی چغل خوری کا ارتکاب نہیں کر رہے اور نہ مجلس کے کسی راز کو افشا کر رہے ہیں لیکن جلاس اپنے گناہ پر اڑے رہے اور اپنے کیے پر افسوس کا ایک لفظ تک نہ کہا۔ لہٰذا حضرت عمیر یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے: ''قبل اس کے کہ وحی نازل ہو اور مجھے بھی تمہارے گناہ میں شریک کر دے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچا کر رہوں گا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جلاس کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا۔ جلاس سے پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا کہ انہوں نے یہ بات کی ہے بلکہ قسم کھا گئے، حالانکہ وہ جھوٹ بول رہے تھے۔ اس پر قرآن کی آیت نازل ہوگئی اور حق و باطل کے درمیان فرق کر کے رکھ دیا گیا:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا وَمَا نَقَمُوْا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (التوبہ: ۷۴)

یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی حالانکہ وہ کفر کی بات کہہ چکے ہیں اور اسلام لانے کے بعد پھر وہ کافر بن گئے ہیں اور ایسی بات کر دی جس کو نہ کر سکے اور یہ

لوگ اس لیے بگڑے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے ان کو مالدار بنا دیا۔ اگر یہ لوگ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور زمین پر ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہوگا۔ (کنزالایمان)

حضرت جلاس نے جب دیکھا کہ جو آیت کریمہ ان کا مواخذہ کررہی ہے وہ یہ خوشخبری بھی دے رہی ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی غلطی پر رجوع کرلیں تو اللہ کی رحمت کے وہ مستحق بن سکتے ہیں۔ لہٰذا حضرت جلاس مجبور ہوگئے کہ اپنی کی ہوئی بات کا اعترف کریں اور اپنی غلطی پر معذرت کریں۔ حضرت عمیر کا یہ اقدام حضرت جلاس کے لے خیر و برکت کا باعث بن گیا اور وہ تائب ہوگئے انہوں نے اپنے اسلام میں موجود کمی کو بھی دور کرلیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر کا کان پکڑا اور انہیں شاباشی دی کہ:

يَاغُلَامُ! وَفَتْ اُذُنُكَ وَصَدَّقَكَ رَبُّكَ.

اے بچے! تیرے کانوں نے وفاداری کا حق ادا کیا اور تیرے رب نے تیری بات کی تصدیق فرمائی۔ (نقوش صحابہ، ص ۳۶۷-۳۶۹)

حضرت عمر بن الحمام رضی اللہ عنہ کی جانثاری

جنگ بدر کے دن حضور اقدس، مالک کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اور جان لو کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جو حق تعالیٰ کی رضا اور طلب ثواب میں ان کافروں سے جنگ کرے گا، پھر وہ خدا کی راہ میں شہید ہوجائے تو اس کے لیے بہشت جاوداں ہے۔''

حضرت عمر بن الحمام رضی اللہ عنہ چند کھجوریں ہاتھ میں لیے کھا رہے تھے، انہوں نے کہا کہ مجھے خوشی اور مژدہ ہو کہ میرے اور جنت میں داخلہ کے درمیان اب کوئی فاصلہ نہیں۔ بجز اس کے کہ میں کافروں کے ہاتھ سے شہید ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھوں سے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار ہاتھ میں لے کر کفا کے ساتھ جنگ کرنے میں مشغول ہوگئے

اور شہید ہو گئے۔ (سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب، ج ا،ص ۱۰۲، مدارج النبوۃ، ج ۲،ص ۱۵۲)

شیخ عمر النسائی الموصلی علیہ الرحمۃ کا عشق رسول

۵۴۸ ہجری کا واقعہ ہے کہ آرامگاہ نبوی کے اندر سے آواز سنی گئی، اس امر کی اطلاع امیر قاسم الحسینی کو دی گئی، آپ نے سوچ بچار کے بعد منظوری دی کہ کسی نیک اور بزرگ شخصیت کو حجرہ شریف کے اندر اتار کر اس امر کا پتہ لگایا جائے چنانچہ ایک طویل عرصہ کے بعد یہ سعادت عظیم شیخ عمر النسائی الموصلی کے حصہ میں آئی، آپ کو رسیوں کے ساتھ حضرت عمر بن عبد العزیز کے تعمیر کردہ حجرہ میں اتارا گیا، جہاں سے آپ آرامگاہ نبوی میں داخل ہوئے روشنی کے لیے آپ کے پاس شمع بھی تھی آپ نے دیکھا کہ حجرۂ مبارکہ کی چھت سے کوئی چیز قبور مبارکہ پر گرگئی۔ آپ نے اسے ہٹا دیا اور قبور پر ٹھہری مٹی کو اپنی داڑھی مبارکہ سے صاف کر دیا۔ (جہان رضا، لاہور، فروری، ۲۰۰۶ء ص ۴۱ مضمون، افتخار احمد قادری، بحوالہ، وفاء الوفا، ج ۱ص، ۴۰۷)

حضرت عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

دیار النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری حضرت جامی کی روحانی زندگی کے خصوصی واقعات میں سے ہے اس سفر میں آپ کی وحدانیت اور والہیت کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔ آپ پہلی بار ۸۷۷ھ میں سفر حج کو روانہ ہوئے تو راستہ میں ہر شہر کے حاکم نے آنکھیں فرش راہ کیں، استقبال اور الوداع کی تقاریب دیدنی اور شنیدنی تھیں۔ بغداد پہنچے تو شیعوں کو مجلس مناظرہ میں شکست فاش دی۔ روضہ امام حسین پر جبیں سا ہوئے وجد میں تڑپ تڑپ گئے۔

کردم زدیدہ پائے سوئے مشہد حسین

ہست ایں سفر بہ مذہب عشاق فرض عین

واپسی پر بغدادیوں نے بڑی عزت افزائی کی تو بڑا زوردار قصیدہ لکھا جس کا مطلع تھا۔

بجشا ساقیا بلب شط سر سبو

وز خاطرم کدورت بغدادیاں بشو

بغداد سے روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روانہ ہوئے تو آنکھیں فرش راہ کر دیں۔

محمل رحلت بہ بندائے ساربان کز شوق یار
میکشد ہردم برویم قطرہ ہائے خوں قطار

نجف اشرف حاضر ہوئے تو وجدان ملاحظہ فرمائیں۔

اصبحت زایر ألك یا شحنہ النجف — بہر نثار مرقد تو بقد جاں بکف
می بوسم آستانہ قصر جلال تو — در دیدہ اشک عذر ز تقصیر ما سلف
نا جنس راچہ حد کہ زند لاف حب تو — اور ابود بجانب موہوم خود شغف

مدینہ پاک کی حاضری کے دوران جامی کا نعتیہ ہدیہ تو آپ کی زندگی کا حاصل ہے، آپ کے عشق کا سرمایہ ہے اور اہل ذوق اسے ہمیشہ سرمایہ آخرت سمجھ کر پڑھتے رہے ہیں۔ جس سوز، گہرائی اور بلند خیالی سے بارگاہ نبوت میں ہدیۂ نعت پیش کیا گیا ہے وہ فارسی ادب کا ایک درخشاں باب بن گیا ہے اور جامی کے مقام نعت کو آج تک کوئی دوسرا قادر الکلام شاعر چھو نہیں سکا۔

جامی ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے اولیاء نقشبند میں معروف ہوئے۔ آپ نے اس والہیت سے بارگاہ رسالت میں ہدیۂ نعت پیش کیا ہے اس کا سارے فارسی ادب میں جواب نہیں ملتا۔ وہ وادیٔ بطحا میں پہنچ کر مدینہ، خاکِ مدینہ، خارِ مدینہ حتیٰ کہ سگِ مدینہ کو بھی اپنے دل کے قریب پاتے ہیں۔ وہ سرزمین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جانے والے قافلوں کو سلام کرتے ہیں۔ قافلہ حجاز کے اونٹوں کے ساربان ان کے پیغام رساں ہیں۔ نسیم بہاری کو فریاد پہنچانے کا ذریعہ بناتے ہیں۔

نسیما جانب بطحا گزر کن — ز احوالم محمد را خبر کن
بانگ وصل از قافلہ برخاست خیز اے ساربان — رختم بنہ بر راحلہ آہنگ رحلت کن رواں
یارب مدینہ است ایں حرم کز خاکش آید بوئے جاں — یا ساحت باغ ارم یا عرصہ روض الجنان
بکعبہ رفتم وز انجا ہوائے کوئے تو دیدم — جمال کعبہ تماشا بیاد روئے تو کردم

وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے تھے اور وہ

اس فن میں منفرد ہی نہ تھے، امام تھے دیار روضہ اطہر کے لیے جس جذب وجنون کا حصہ انہیں ملا تھا وہ دوسرے شاعروں کے ہاں کم پایا جاتا ہے۔ وہ کوئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سر کے بل جاتے ہیں۔ دیدہ و دل فرش راہ کرتے ہیں پلکوں سے جاروب کشی کرتے ہیں اور پھر فریاد، التجا، الحاح اور گریہ و فغاں کی جو رقت ان کے ہاں پائی جاتی ہے۔ اس سے رحمت دو عالم کی گھٹائیں جھوم جھوم جاتی ہیں۔ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دامن میں لپٹ کر اپنی بات کہتے ہیں۔

ادیم طاقئی نعلین پاکن　　　شراک از رشتۂ جانہائے ماکن

جامی جس جذب و مستی میں بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے ہیں اس میں جنید و بایزید کا ادب بھی ہے اور بلال حبشی کی رقت و والہیت بھی۔ یہ واقعہ اہل دل کی مجالس میں اکثر سنایا گیا کہ حضرت جامی جب بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونے گئے تو والی مدینہ کو خواب میں حکم دیا گیا کہ میرے عاشق کو شہر کے باہر روک لیا جائے ورنہ جس جذب و کیف میں وہ آرہا ہے مجھے اس کی دلدہی کے لیے گنبد خضریٰ سے باہر آنا پڑے گا۔ جامی کو کئی بار روکا گیا، جوش و جذب کے فرو ہونے پر اجازت زیارت ملی۔ ایک بار ایک سالار کارواں سے "سازش" کی کہ مجھے صندوق میں بند کر کے گنبد خضریٰ تک پہنچایا جائے بایں ہمہ والی مدینہ کو زیارت ہوئی جو بہ نفس نفیس اس کاروانِ عشق و محبت کے استقبال کے لیے شہر کے دروازے پر کھڑا تھا جس میں حضرت جامی چھپ کر داخل ہو رہے تھے۔ اونٹ سے سامان اتارا گیا، سامان عشق و محبت تھا جو جامی کی شخصیت بن کر صندوق میں بند تھا، نہایت ادب سے پیغام محبوب پہنچایا گیا اور روک دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد حاضری ہوئی تو جامی لپٹ لپٹ کر فریاد کرتے رہے۔

زمہجوری برآمد جان عالم　　　ترحم یا نبی اللہ ترحم!

ماہ ربیع الاول شریف کی ایک پر کیف اور نورانی رات میں امام العاشقین حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی نے ایک روح پرور اور ایمان افروز خواب دیکھا کہ محراب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب حبیب کبریا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم جلوہ افروز ہیں، ذکر واذکار اور حمد ونعت کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت جامی علیہ الرحمہ بھی چند نعتیہ اشعار پیش کرتے ہیں، جنہیں سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منظور فرماتے ہیں۔

جب آنکھ کھلی تو جامی پر وجد وسرور کی کیفیت طاری تھی، عالم جذب میں فرمانے لگے وہ نورانی رخ زیبا جو چاند سے زیادہ حسین اور روشن ہے، جب جبین مقدس سے آپ نے اپنے موہائے مبارک کو ہٹایا تو سراج منیر کی تجلیاں نمودار ہونے لگیں۔

اس کے بعد جب جامی کا اپنے وطن آنا ہوا تو بے تابی کے عالم میں پکارنے لگے۔

نسیما جانب بطحا گزر کن　　زا حوالم محمد را خبر کن

ببر ایں جان مشتاقم رآنجا　　فدائے روضۂ خیر البشر کن

توئی سلطان عالم یا محمد ﷺ　　زروئے لطف سوئے من نظر کن

مشرف گرچہ شد جامی زلطفش　　خدایا ایں کرم بار دگر کن

بیان کرتے ہیں کہ ایک ہفتہ بھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ انہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر زیارت سے مشرف فرما دیا۔ (پکارو یارسول اللہ، ص، ۲۹)

محمد رسول اللہ کا ایک عجمی غلام کہتا ہے۔

نسبت خود بگست کردم وبس من فعلم

زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

حضور بہت شرمندہ ہوں کہ اپنے آپ کو آپ کے کتے سے نسبت دیدی، آپ کی تو گلی کے کسی کتے سے بھی اپنے آپ کو نسبت دینا اور اس کے برابر اپنے آپ کو ٹھہرانا بے ادبی ہے۔

سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز، دل افروز حقیقت پسندی ہے، اس ذات گرامی کی جسے عشق کی دنیا میں امام کہا جائے تو بجا ہے، جو عشق کی موجوں سے پنجہ آزمائی کرتا رہا اور بحر عشق میں غوطہ زنی کرتا رہا، جو سراپا عشق تھا اور عشق میں بے مثال بھی۔ یعنی حضرت علامہ شیخ عبد الرحمٰن جامی علیہ الرحمہ والرضوان جن کے اشعار سے خوشبوئے عشق پھوٹ رہی ہے وہ اس کے مصداق ہیں کہ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید" آیئے چند اشعار ملاحظہ کریں:

چوں نام ایں است نام آور چہ باشد　　مکرم تر بود از ہر چہ باشد

جب نام مبارک یہ ہے تو نام والا کس شان کا مالک ہوگا۔ ہاں ضرور ہر عزت والے سے زیادہ عزت والا ہے۔

مکرم شد ز عالم نسل آدم　　مکرم تر و یست از ہر مکرم

عزت والی ہوگی جہاں سے حضرت ادم علیہ السلام کی نسل۔ ہر عزت والے سے زیادہ عزت والے آپ ہیں۔

خدا بر سروراں سر درایش داد　　زخیل انبیاء سالار پیش داد

خدائے پاک نے سرداروں پر آپ علیہ السلام کو سرداری دی۔ انبیا کرام علیہم السلام کی جماعت پر آپ کو سرداری دی گئی

دراں مسجد امام انبیاء شد　　صف پشتیاں را پیشوا شد

مسجد اقصیٰ میں آپ نے انبیاء کرام کی امامت کی۔ جتنے حضرات مرتبہ میں آگے تھے۔ ان سب سے آپ آگے ہوگئے۔

ز مهجوری بر آمد جان علم　　ترحم یا نبی اللہ ترحم

جدائی سے جہاں کی جان نکل گئی۔ اے خدا کے نبی رحم کیجیے رحم کیجیے۔

نہ آخر رحمۃ للعالمینی　　ز مہجوراں چرا فارغ نشینی

کیوں کہ آپ ہی سارے جہاں کے لیے رحمت ہیں۔ تو آپ جدا رہنے والوں سے کیسے فارغ ہوسکتے ہیں۔ (یوسف وزلیخا)

(سہ ماہی سُنّی دعوتِ اسلامی، ممبئی، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۴، مضمون: مفتی ولی محمد رضوی)

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جان لو، حرمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعظیم وتوقیر کا پاس کرنا بعد از وصال بھی ویسے ہی لازم ہے جیسا کہ حین حیات (ظاہری) میں تھا، اور یہ ادب آپ کے ذکر خیر کے وقت، آپ کی حدیث اور سنت کے بیان کے وقت اور آپ کے نام نامی اور سیرت طیبہ کی سماعت کے وقت اور آپ کی آل وعطرت

کے معاملے میں، اور آپ کے صحابہ اور اہل بیت کی تعظیم کے حوالے سے ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(سہ ماہی افکار رضا ممبئی، اپریل تا جون، ۲۰۰۶ء ص ۱۸، مضمون، علامہ شہزاد مجددی پاکستان)

قاضی عیاض ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: جس سرزمین کی مٹی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کے ساتھ لگنے کا شرف حاصل ہوا ہے، لازم ہے کہ ان میدانوں کی بھی تعظیم کی جائے، اور اس کی ہواؤں کو سونگھا جائے اور اس کے در و دیوار کو بوسہ دیا جائے۔

(سہ ماہی افکار رضا ممبئی، اپریل تا جون ۲۰۰۶ء ص ۶۰ مضمون علامہ شہزاد مجددی، بحوالہ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ج ۱، ص ۱۱۱)

خاتم الاکابر حضرت محمد مصطفیٰ رضا خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے خوب کہا ہے:

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں
پاؤں کیا دل میں رکھوں پاؤں جو طیبہ کے خار
مجھ سے شوریدہ کو کیا کھٹکا ہو نوک خار کا
نہ کیسے یہ گل و غنچے ہوں خار آنکھوں میں
بسے ہوئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی کا عشق رسول اور مقبولیتِ بارگاہ نبوی کا اندازہ ان کی مقبول ترین تصنیف لطیف ''سبع سنابل شریف'' سے لگا سکتے ہیں کہ آپ اپنی کتاب کی ابتدا حمد باری تعالیٰ اور آنحضرت پر درود و سلام سے کرتے ہیں:

تمام حمد اس خداوند قدوس کے لیے جس نے زمین قلوب کو بارش فضل و کرم سے زندہ فرمایا اور اس سے رشد و ہدایت کا غلہ پیدا کیا، اسے گلستان معرفت اور بوستان محبت سے آراستہ کیا، اس میں حکمت کے چشموں کو بہایا، اور مشاہدات وحدت کے پھلوں سے بہرہ ور کیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ

یَاْکُلُوْنَ. وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ لِیَاْکُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ. (سورۂ یٰسین:۳۳)

اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے، ہم نے اسے زندہ کیا اور پھر اس سے ناج نکالا تو اس میں سے کھاتے ہیں، اور ہم نے اس میں باغ بنائے، کھجوروں اور انگوروں کے اور ہم نے اس میں کچھ چشمے بہائے، کہ اس کے پھلوں میں سے کھائیں۔ (کنزالایمان)

باغہا و میوہا اندر دل ست   بہت باغ اور میوے دل کے اندر ہیں اور
عکس لطف آں بریں آب وگل ست   اس کے لطف کا عکس اس پانی اور مٹی پر ہے۔

اور نامی درود وگرامی سلام اس رسول پر جو گلزار عنایت کی بہار، اور عالی مرتبہ باغیچۂ ہدایت ہیں، اور وہ برکت والے عربی درخت ہیں، کہ نہ پورب کے ہیں نہ پچھم کے اللہ تعالی ان پر درود اور سلامتی نازل فرمایا اور ان کے تمام اصحاب واہل بیت اور جملہ امت پر کہ انہیں کی رسالت کے صاف اور شیریں پانی کے پرورش پائے ہوئے، اور انہیں کے دریائے ہدایت کے سیراب کیے ہیں۔

بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ. رضوان اللہ علیهم اجمعین.

سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور پھلوں میں ہم ایک دو دوسرے سے بہتر کرتے ہیں اور ہم سب پر اللہ تعالی کی رضائیں ہیں۔ (سبع سنابل شریف، ص ۴۴،۴۵)

مآثر الکرام کے مؤلف لکھتے ہیں: رمضان المبارک ۱۱۳۵ھ میں دارالخلافہ شاہجہاں آباد میں شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی کی زیارت کی۔ میر عبد الواحد قدس سرہ کا ذکر درمیان میں آیا، شیخ نے میر صاحب کے مناقب و مآثر دیر تک بیان فرمائے اور فرمایا کہ ایک رات میں مدینہ منورہ میں بستر خواب پر لیٹا ہوا تھا بہ ہوش وحواس دیکھتا ہوں کہ میں اور سید صبغۃ اللہ بروجی (بھڑوچ جو اب گجرات کا ایک ضلع ہے اور بڑودہ اور سورت کے درمیان میں واقع ہے) ایک ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں، صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کا اردگرد مجمع ہے۔ ان میں ایک شخص ایسا ہے جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا

کر اور کامل توجہ کے ساتھ شیریں انداز میں گفتگو فرما رہے ہیں۔ جب مجلس برخاست ہوگئی تو میں نے سید صبغۃ اللہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس پر حضور اس درجہ ملتفت ہیں؟ کہا کہ میر عبد الوحد بلگرامی ہیں اور اس احترام کا باعث یہ ہے کہ سبع سنابل جو ان کی تصنیف ہے حضور کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی ہے۔ (مآثر الکرام، ص ۱۰۲)

حضرت الشیخ سید محمد علوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت سید صاحب عظیم مصنف و محقق ہونے کے ساتھ عارف باللہ اور عاشق رسول بھی تھے۔ آپ کے دل دماغ عشق و عرفان کے روحانی کیف سے سرشار رہتے۔ ایک کی محفلیں عشق و اطاعت کے سوز و گداز مین ڈوبی رہتیں۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ناموس رسالت کے تحفظ اور آداب عشق کے فروغ میں صرف ہوتا تھا۔ ذکر و فکر کی محفلیں منعقد کرنا اور میلاد رسول کی محفل سجانا آپ کی سب سے مرغوب روحانی غذا تھی۔ آپ احسان و تصوف کے بڑے عظیم منصب پر فائز تھے۔ اہل شوق دور دراز کا سفر طے کر کے آپ کی محفلوں میں شریک ہوتے تزکیۂ نفس کا سامان فراہم کرتے۔

ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور آپ کے ذکر و فکر اور شغف عشق رسول پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اشراف مکہ میں ایک عاشق رسول، سرمایۂ اہل سنت الشیخ سید محمد علوی مالکی جو حضرت مولانا ضیاء الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے خلیفۂ علم و روحانیت ہیں۔ آپ ایک عظیم الشان دینی دار العلوم، جس میں عالم اسلام کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، کے مہتمم و شیخ ہیں۔ اسی دار العلوم کا ایک شعبہ، ذکر و فکر کی محافل کا گہوارہ ہے جہاں صلاۃ و سلام کی صداؤں میں محافل میلاد دواذ کار منعقد ہوتی ہیں اور مختلف بلاد اسلامیہ سے آئے ہوئے اہل علم و ذکر شیخ سید محمد مالکی علوی مدظلہ العالی کی نگرانی میں روحانیت کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔''

حضرت مولانا افتخار احمد قادری مصباحی ان کی محفل میں اپنی شرکت کا حال بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

"سید علوی صاحب بعد نماز مغرب تا عشا مسجد حرام کے اندر درس حدیث و قرآن مشغول رہتے ہیں اور بعد عشا اپنے مکان پر محفل منعقد کرتے ہیں جس میں تلاوت قرآن میں، ذکر، نعت اور سلام پڑھے جاتے ہیں۔ گزشتہ ۱۳/ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ کے موسم حج میں اس محفل میں شرکت کی سعادت راقم السطور اور صدیق مکرم مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کو بھی حاصل ہوئی۔ بڑی ہی پر کیف مجلس ہوتی ہے۔"

اصلاح عقائد اور سعودی مظالم: شیخ سید محمد بن علوی مالکی سرزمین حجاز میں عقائد اہل سنت و جماعت کے سرگرم مبلغ اور بے باک ترجمان تھے، آپ کے عقائد و نظریات بعینہ وہی ہیں جو عہد رسالت سے متواتر چلے آرہے ہیں۔ اور جن پر ہر دور میں جمہور علما و مشائخ اور محدثین و مفسرین کا عمل درآمد ہو رہا ہے۔ مگر افسوس اس وقت سعودی عربیہ میں حکومت و اقتدار کی پوری توانائی وہابی مذہب کی توسیع اشاعت پر صرف ہو رہی ہے اور مذہب حق، اہل سنت و جماعت پر عمل کرنا انگاروں پر چلنے سے زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ فتنہ نجد نے ارض حجاز کی مقدس پہنائیوں کی جو طوفان بلاخیز برپا کر رکھے ہیں چشم فلک نے پندرہ صدیوں کے طویل عرصہ میں اتنے قیامت آشوب حوادث نہیں دیکھے ہوں گے۔ آج جب اپنے عشق وایمان کے مرکز میں ہونے والے بھیانک جرائم کی وارداتیں پڑھنے اور سننے کو ملتی ہیں تو سر شرم سے جھک جاتا ہے اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ وہابیت اور سعودیت کی منظم سازشوں کے نتیجے میں بد اعتقادی اور بد عملی کی وہ کون سی آلائش ہے جو یہاں موجود نہیں۔ عیاشی و فحاشی کے وہ کون سے حیا سوز کرتوت ہیں جن کی یہاں فراوانی نہیں۔ ہاں اگر قانون و سزا کا نفاذ ہے تو اعلائے کلمۃ اللہ اور عشق رسول کے اظہار پر گویا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار السلطنت میں عشق رسول کا اظہار ہی سب سے بڑا گناہ بن کر رہ گیا ہے۔ جس سرزمین کا ذرہ ذرہ عشق رسول کی دل کشا خوشبوؤں سے معطر ہے۔

سعودی مظالم و درندگی کا نشانہ حضرت شیخ محمد بن علوی مالکی بھی بنے۔ جرم صرف یہ ہوا کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و فضائل پر چند کتب تصنیف فرمائیں ہیں جن

میں ''الذخائر المحمدیہ'' ''الانسان الکامل'' اور ''حول الاحتفال بالمولد النبوی للشریف'' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ قرآن وسنت اور جمہور مسلک اہل سنت و جماعت کی روشنی میں لکھی جانے والی ان کتابوں کی اشاعت کے بعد سعودی حکومت کے ریزہ خوار نام نہاد علما و شیوخ نے آپ کو بدعتی اور گمراہ قرار دے کر مسجد حرام میں آپ کے درس حدیث پر پابندی عائد کرادی تھی۔ اور بیرون ملک کے دعوتی تبلیغی دوروں کو بھی بند کرادیا تھا۔ اگرچہ بعد میں دوروں سے پابندی اٹھالی گئی اور ۲۰۰۴ء میں کیرل کی ایک سنی کانفرنس میں شرکت کی اور اسی سفر میں ممبئی اور دہلی اور سرکار اعلیٰ حضرت کے دربار میں بریلی شریف بھی حاضری کا شرف حاصل کیا۔

حضرت سید محمد بن علوی مالکی کی ان کتابوں کے رد میں ایک نجدی عالم عبد اللہ بن سلیمان بن منیع نے ''حوار مع المالکی فی رد منکراتہ وضلالاتہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے سعودی حکومت نے دنیا بھر میں مفت تقسیم کیا۔ نجدی علمانے سید محمد بن علوی سے کئی مباحثے کیے اور بہ زور طاقت توبہ و رجوع کا مطالبہ بھی کیا۔ لیکن سعودی تاریخ کا یہ پہلا اعلان حق ہے کہ مکہ مکرمہ میں آپ نے ہر مطالبہ کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں علمائے اسلام اور اسلاف کرام کے مسلک پر قائم ہوں اور اپنے مسلک کی حقیانیت وصداقت پر میرا کامل ایمان ہے۔ اس لیے میں کسی دباؤ کے تحت اپنا کوئی عقیدہ اور نظریہ تبدیل نہیں کرسکتا۔

اس واقعہ کے بعد عالم اسلام کے سیکڑوں ممتاز علما و مشائخ بھی آپ کی حمایت و پشت پناہی میں کھڑے ہو گئے اور سعودی حکومت کے خلاف سخت غم و غصے کا اظہار کیا۔ ''حوار مع المالکی'' کے جواب میں عالم اسلام کی طرف سے کئی کتابیں منظر عام پر آگئیں ہیں جن میں سید علوی مالکی کی بھرپور حمایت اور نجدی علما کی زبردست تردید ہے۔ چند کتابوں کے اسما درج ذیل ہیں۔ (۱) اعلام النبیل بما فی شرح الجزائری من التلبیس و التضلیل: از علامہ شیخ راشدی ابراہیم المریخی۔ (۲) الرد المحکم المنیع علی منکرات و شبہات ابن المنیع: از شیخ یوسف السید ہاشم الرفاعی سابق وزیر اوقاف کویت۔ مطبوعہ کویت۔ ۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۵ء۔ (۳) التحذیر من الاعذار بما جاء فی

الحوار :از شیخ عبدالحیٔ العمروی خلیفہ رئیس فرد رابطہ العلما بفاس و شیخ عبدالکریم مرداد عضو رابطہ العلما بالمغرب طبع اول فاس مراکش۔ ان سب میں جرأت مندانہ اقدام وہ ہے جو خود سید محمد بن علوی مالکی صاحب نے کیا ہے پوری تحقیق و جامعیت کے ساتھ آپ نے "مفاهیم یجب ان تصحح" کے نام سے دوسواڑتیس صفحہ کی ایک کتاب لکھ کر احقاق حق و ابطال باطل کا وہ عظیم و جلیل اور تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے جس سے پوری دنیا کے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ (ملخصا از سواد اعظم ص: ۳۵ تا ۳۸۔ مطبوعہ دارالقلم دہلی)

اس اہل کتاب کا انتہائی وقیع ترجمہ حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے کیا ہے۔ اصلاح فکر و اعتقاد کے نام سے یہ کتاب دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔

(شہر خموشاں کے چراغ: ص ۴۱۹، ۴۲۲)

مولانا سید عبدالسلام قادری باندوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ سات بار حج بیت اللہ اور روضۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری سے بار یاب ہوئے۔ ایک بار حج کے لیے قرعہ اندازی میں نام نہ آیا تو بے حد مغموم ہوئے اور حج آفیسر سے تلخ کلامی بھی ہوئی۔ اور فرمایا: "میں جا کے رہوں گا، کوئی مجھے روک نہیں سکتا۔" یہ الفاظ اطمینان یقین اور بھروسہ سے کہے۔ رات ہوئی ایک نعت قلب کی گہرائی، درد، الفت اور تڑپ کے ساتھ یوں لکھی:

سوئے کوئے مصطفیٰ کو میرا دل ہوا روانہ — تو یقین ہے بلاشک کہ میرا بھی ہوگا جانا

نہ رکاوٹیں رہیں گی نہ یہ مشکلیں رہیں گی — یہ مٹے گی ایک دم میں انہیں ہوگا جب بلانا

بہر حال اچانک ہی حاجی کیمپ میں نام کا اعلان ہوا یوں آپ حج کو رواں دواں ہوئے۔ ایک مرتبہ سفر حج میں آپ کے چھوٹے صاحبزادے سید منظور الاسلام قادری بھی ساتھ تھے۔ دوران سفر جہاز سفینہ حجاج درمیان سمندر میں طغیانی اور طوفانی ہواؤں اور موجوں کی زد میں آکر ڈوبنے لگا۔ تمام لوگ خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے۔ اس وقت آپ جہاز کے کپتان کے پاس گئے اور انہیں اطلاع دی اور جہاز کے چاروں سمت اذانیں

دلائیں۔ اور پھر جہاز کے عرشہ میں محفل میلاد پاک منعقد کی اور پوری رات محفل میں نعت خوانی ذکر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا رہا۔ بعد نماز فجر صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا تو ایسا محسوس ہوا کہ طوفان عاجز ہو کر خوف سے بھاگ رہا ہے اور ایک دم سمندر میں ٹھہراؤ پیدا ہوا، اور یوں طوفان ٹل گیا۔ (انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۴۸۰)

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر دولت سے سرفراز فرمایا تھا آپ کے اندر غرور تکبر کا شائبہ تک نہ تھا، آپ کا طرز بود و باش انتہائی سادہ تھا، مریدین جو نذرانے پیش کرتے تھے وہ آپ اکثر فقراء میں تقسیم کرتے تھے۔ دنیاوی ساز وسامان میں اگر کسی چیز کی طرف آپ کو رغبت تھی تو وہ عمدہ عمدہ دینی کتابیں تھیں۔ آپ نے سات مرتبہ حرمین شریفین کا سفر اختیار فرمایا یعنی سات بار روضہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کی سعادت عظمیٰ حاصل کی ایک بار ایک سال چار ماہ کا عرصہ دیار حبیب میں رہ کر خوب فیوض وبرکات حاصل کیے۔ گنبد خضریٰ کے سایہ تلے مزار اقدس کی حاضری، درود وسلام کا ورد، اور مراقبہ ومشاہدے سے خوب سیراب ہوئے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو عشق کی حد تک محبت تھی۔ محبت خود آداب سکھا دیتی ہے۔ آپ نے اپنے محبوب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کس طرح ادب کیا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک روز محمد یوسف صاحب نے حضرت سے دریافت کیا کہ بعض لوگ کہیں سے آئے ہیں اور اپنے آپ کو سید بتلاتے ہیں اب نہ معلوم وہ حقیقت میں سید بھی ہیں یا نہیں لہٰذا ان کی کیا تعظیم کریں۔

آپ نے فرمایا: چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی درمیان میں آ گیا ہے، لہٰذا اب ان کی تعظیم فرض ہو گئی۔ اگر بالفرض وہ شخص سید ہوا تو وہ تعظیم کا حقدار ہے اس کی تعظیم ہو گئی اور اگر سید نہ ہوا تو کم از کم نام کا ادب تو ہو گیا۔ (انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۵۲۳)

☆☆☆

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آیئے اب ہم اس شخصیت کی بات کریں جو ہند میں علم حدیث کے سچے ترجمان ونگہبان ہوئے، جو محقق زمانہ ہوئے۔ یوں کہیے علم کے کوہ گراں ہوئے۔ میری مراد محقق علی الاطلاق علامہ شاہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ والرضوان، آپ نے اپنے دور میں باطل کی سرکوبی اور حق کی سربلندی کے لیے قلم کی قوت سے میدان سر کیے، سنیت کے محافظ ہوئے، آپ کی کتب معتبر ومستند ہیں۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ وہ چراغ ہوئے کہ بے شمار لوگوں نے ہدایت پائی۔ "اخبارالاخیار" فارسی زبان میں آپ کی بلند رتبہ کتاب ہے، ایک نعتیہ نظم بڑی طویل اس میں تحریر ہے جس کے ہر ہر شعر میں عشق رسول وسوز دل ہے۔ ملاحظہ ہو۔

شاہِ رسل شفیع الامم ہر دو کون　　　نور ہدیٰ حبیب خدا سید انام

رسولوں کے بادشاہ امتوں کے شفاعتی دونوں جہاں کے سردار نور ہدایت، اللہ کے محبوب اور مخلوق کے سردار۔

مقصود ذات اوست دیگر ہم طفیل　　　منظور نور اوست دیگر جملگی ظلام

آپ کی ذات مقصد اصل باقی طفیلی ہیں۔ آپ کا نور ہی اصل ہے اور باقی سب تاریکی ہے۔

ہر مرتبہ کہ بود در امکان او بر وست　　　ہر نعمتے کہ داشت شد بر وتمام

جو مرتبۂ بلند ممکن ہو آپ اس پر فائز ہیں اور اللہ کریم کی جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ آپ پر تمام ہیں۔

برداشت از طبیعت امکان قدم آں　　　اسریٰ بعیدہ است من المسجد الحرام

آپ نے عالم امکاں سے اوپر قدم اٹھایا جیسا کہ وارد ہے کہ خدائے پاک نے محبوب بندہ کو مسجد حرام سے۔

تا عرصۂ وجود کہ عرصہ عالم ست　　　کانجاست جہت نے نشان و نام

درگاہِ وجوب تک جو منتہائے عالم ہے لے گیا کہ وہاں نہ مکان ہے نہ جہت نہ نشانہ اور نہ نام۔

سرے است شگرف دین جاک پیچ ہا | از آشنائے علم ہر س ایں مقام
عجیب وغریب پیچیدہ ہے روح کون ومکاں کے واقف سے اس مقام کو دریافت کرو۔

اگر خیریت دنیا وعقبیٰ آرزو داری | بدرگاہش بیاو ہر چہ می خواہی تمنا کن
اگر دنیا وآخرت کی خیریت کی آرزو رکھتا ہے تو آپ کے دربار میں آ، اور جو چاہے تمنا کر۔

بیا اے دل قدم نہ بر سر کوئے وفا انگہ | زراہ صدق جاں خاک راہِ آں کف پا کن
اے دل آقا کی گلی میں قدم رکھ سچائی کے طریقہ پر اپنی جان ان کے قدم انور پر قربان کر۔

خرابم در غم ہجرت جمالت یارسول اللہ | جمالِ خود نمارحمے بجان زار شیدا کن
آپ کے چہرۂ انور کی جدائی کے غم میں میرا حال خراب ہے، چاند سا چہرہ دکھایئے اپنے شیدا کی جان زار پر مہربانی فرمایئے۔

بہر صورت کہ باشد یارسول اللہ کرم فرما | بلطف خود سرو ساماں جمع بے سروساماں کن
جس صورت میں ہو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرم فرمایئے اپنی خاص مہربانی سے اس بے سروساماں کے آرام کا انتظار فرمایئے۔ (اخبار الاخیار، ص ۳۷، ۳۸)

حضرت تاج الفحول شاہ عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت تاج الفحول کا عشق رسول جگ ظاہر ہے یہ اسی عشق رسول کا صدقہ ہے کہ متعدد بار آپ کو زیارت حرمین شریفین کا شرف رہا ہے۔ اسی عشق رسول کا ثمرہ ہے کہ آپ حافظ قرآن کی طرح پوری بخاری شریف کے بھی حافظ تھے اور ۹۹ بار بے پردہ آپ کو تجلیات باری تعالیٰ کا دیدار ہوا، امام عشق محبت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی نے قصیدہ چراغ انس میں آپ کی روحانیت کا اقرار یوں کرتے ہیں۔

میں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے | روز سعی و صفا محب رسول
صفا مروہ پہ تو نے جو دیکھا | وہ مجھے بھی دیکھا محب رسول
ہاں یہ سچ ہے کہ یاں وہ آنکھ کہاں | آنکھ پہلے دلا محب رسول

تفصیلی واقعہ کچھ یوں ہے کہ:

آپ نے پہلا حج ۱۲۷۹ھ میں کیا۔ اسی سفر میں امام المحدثین سیدنا شیخ جمال عمر حنفی المکی علیہ الرحمہ سے حسب ارشاد والد بزرگوار سند حدیث حاصل کی۔ اس سفر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب آپ کوہِ صفا پر سعی فرمارہے تھے بچشمِ سر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے یہ راز اس وقت کھلا کہ صفا مروہ کی سعی کے دوران جن مقامات پر تیزی کے ساتھ چلنا چاہیے ان مقامات پر بھی آپ آہستہ آہستہ قدم رکھ رہے تھے۔

خدام کو تعجب ہونے کے باوجود پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی بعد میں آپ کے شاگرد رشید اور شہزادۂ خانوادۂ برکاتیہ حضرت مولانا حاجی سید اسماعیل حسن میاں (متوفی ۱۳۴۷ھ) نے دریافت کیا کہ وہ کیفیت کیوں تھی، شہزدۂ گرامی کا سوال سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ اگر آپ کے سوا کوئی اور پوچھتا تو میں نہ بتاتا مگر آپ میرے مخدوم زادے ہیں اس لیے آپ سے عرض کرتا ہوں کہ سعی کے وقت شہنشاہ بغداد سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ میرے آگے آگے چل رہے تھے اس لیے ان کی تعظیم میں، میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

(تاج الفحول حیات وخدمات، ص ۳۲، ۳۳)

انہیں اساس وبنیاد پر امام اہل سنت نے آپ کی ذات سے محبت کو علامت اسلام قرار دیا ہے۔

سنیت سے پھرا ہدیٰ سے پھرا اب جو تجھ سے پھر محبّ رسول
آج قائم ہے دم قدم سے تیرے دین حق کی بنا محبّ رسول

مولانا عبدالشکور صادق نظامی کمبل پوش کا عشق رسول

مولانا عبدالشکور ایک صوفی شاعر تھے، ان کی شاعری میں اخلاقیات حمد ونعت اور منقبت کے مضامین نظم غزل اور قطعات کی صورت میں نمایاں ہیں۔ حسان الہند مولانا ضیاء القادری بدایونی (کراچی) سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں جو والہانہ محبت تھی اس کا اظہار جابجا ان کے نعتیہ اشعار میں ملتا ہے۔

تاجداروں سے سوا ہے وہ فقیر بے نوا زیب سر جس کے رہے نعل کف پائے رسول
ان کی سرمستی کا عالم حشر کے دن دیکھنا مے کشوں کے ہاتھ میں ہے جام صہبائے رسول

دل ہے وہ دل جو خدا کی یاد سے غافل نہ ہو — سر وہی سر ہے کہ جس سر میں ہو سودائے رسول
حکم خلاق دو عالم تھا شبِ معراج میں — ہاں یونہی نعلین پہنے عرش پر آئے رسول
حق تعالیٰ نے کیا وعدہ ہے یہ معراج میں — میں اسی کو بخش دوں گا، جس کا فرمائے رسول
سجدہ گاہ عاشقاں ہے سجدہ گاہ عارفاں — کیا کشش تجھ میں ہے ہائے نقشِ کفِ پائے رسول
کفر غارت ہو گیا، عالم منور ہو گیا — عالم امکان میں جب تشریف لے آئے رسول

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

چاند بھی شرما گیا، جب آ گیا بطحی کا چاند — حق تو یہ ہے نورِ حق دکھلا گیا بطحی کا چاند
بدلیاں رحمت کی اٹھیں، بارشیں ہونے لگیں — دونوں عالم کی فضا پر چھا گیا بطحی کا چاند
دونوں عالم کی ملی دولت مجھے، صد شکر ہے — کملی والا میرے دل میں آ گیا بطحی کا چاند
ذکر الا اللہ کرتے کرتے جب سویا "شکور" — روئے روشن خواب میں دکھلا گیا بطحی کا چاند

زاہد کو عشق و عرفان کا سبق یوں دے رہے ہیں۔

نماز عشق یوں ہوتی ہے زاہد — کہ ان کا نقش پا میری جبیں ہے
نہیں بھاتا ہے جنت کا گلستاں — تصور میں مدینہ کی زمیں ہے
جسے الفت میسر ہو نہ ان کی — وہ مومن کیا مسلماں بھی نہیں ہے

شب معراج میں چون و چرا کی کس کو گنجائش
ہے سبحان الذی اسریٰ سے اظہار شب اسرار

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۵۴۸)

حضرت عبدالمالک کھوڑوی رحمۃ اللہ علیہ عشق رسول

مولانا محمد عبدالمالک قادر الکلام شاعر اور ادب عربی کے فقیع لثال عالم تھے ۱۳۱۱ھ میں نواب محمد صادق والی بہاولپوری کی مدح میں ایک تاریخی قصیدہ لکھا جس کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ہر ایک مصرعہ سے تاریخ (۱۳۱۰ھ) نکلتی تھی۔ اگر دو مصرعوں کو حروف منقوطہ یا غیر منقوطہ کو جمع کیا جاتا تو بھی یہی تاریخ نکلتی۔

مصلح جو دو صداقت منبع سرِّ نہاں
ہمدم عدل وجلالت، صادق صاحبقراں

مقطع یہ ہے ۔

ایں قصیدہ گفت مالک سرور عالم لاجواب
آفریں صد مرحبا احسنت صد گوید جہاں

علامہ صادق نے عرفی کی زمین میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں ہدیۂ نعت پیش کیا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہو ۔

اے برزدہ بر عرش نقش قدم را — ورنا م تو علم ازلی لوح وقلم را
اے فخر بذات تو صنادید عرب را — وے نازبنام تو اقالیم عجم را
مشاطہ تقدیر، رخ حسن تو آراست — تاہست تماشا بکند حسن عدم را
فطرت، بسرزانوئے اندیشہ نہد سر — تاجلوہ بہ بیند، زحدوث تو قدم را
ہر گہ کہ تصور باد ب دستِ تو بوسد — آرام زہر گونہ دہد درد و الم را
آں کس کہ گلہ روضہ خضرائے تو بوید — فارغ کند از مشک ختن قوت شم را
در بیشہ بنام تو پناہ جست، اگر کس — بو پائے خود افگند سر شیر اجم را
اے فخر رسل! جز تو پناہے بکہ جویم؟ — چوں چرخ نہد بر سرم آفات غم را
نوراست وجودت کہ بیک جنبش مژگاں — طے کرد مقامات فلک را وحرم را
بر درگہ تو صادقی آورد پناہے — بنوا بہ الطاف، در افتادہ غم را

۱۳۳۴ھ، ۱۹۱۵ء، میں نواب صاحب کی معیت میں حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے دربار رسالت میں منظوم ہدیہ سلام پیش کیا جس کا ایک ایک لفظ فراوانی شوق اور گہری عقیدت کا پتہ دیتا ہے، ذیل میں دو شعر پیش کئے جاتے ہیں ۔

السلام اے نیر تابندۂ برج وجود — السلام اے گوہر رخشندہ انعام وجود
السلام اے مظہرِ حق مصدر اسرار غیب — کز تو حق ظاہر شدہ در دیدۂ اہل شود

واپسی پر حضرت مولانا محمد سلام اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قطعہ تاریخ لکھا۔

شکر ذات کبریا خوش آمدید　　مرحبا و حبذا خوش آمدید
حج بیت اللہ وہم بیتِ رسول　　شد بہ لطفِ حق ادا خوش آمدید
از حریم وروضۂ خیر الانام　　زائرا! صل علیٰ خوش آمدید
صد مبارک لک مبارکباد　　صد سلام وصد دعا خوش آمدید
شکر حق ہر دو فضیلت شد ادا　　از عطیات خدا خوش آمدید
یا الٰہی !ایں سعادت از کرم　　بہرِ شائق ہم عطا خوش آمدید

مولانا محمد عبدالمالک باعمل اور صاحب حال عالم دین تھے، آپ اپنے اوراد میں قصیدہ بردہ شریف بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے تھے، آپ کو اس قصیدۂ مبارکہ کے ساتھ اس قدر شغف تھا کہ پہلے ''اطباق الشر دہ فی شرح القید ۃ البردہ۔'' کے نام سے ایک شرح لکھا لیکن اس سے تشنگی دور نہ ہوئی تو ''حسن الجرہ فی شرح القصید ۃ البردہ۔'' کے نام سے دوبارہ ایک مبسوط شرح لکھی جس سے آپ کے علمی جوہر خوب خوب نمایا ہوئے۔

شرح کے مقدمہ میں قصیدہ مبارکہ کی افادیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''میں نے بارہا آزمایا ہے کہ یہ حصولِ حاجات اور دفعِ مصائب کے لیے تیر بہدف ثابت ہوا ہے۔

جب ایسا ثابت ہے کہ ہلاکھوں بلکہ کروڑوں کے حاجات حاصل ہوئے اور ہزاروں مصائب اس کے پڑھنے سے رفع ہوئے ہیں تو ان کو اتفاق پر حمل کرنا جہالت اور گمراہی ہے، اس کے منکرین وہی لوگ ہوسکتے ہیں جن کو اسلام سے واسطہ نہیں ہے یا جو اس کا تجربہ نہیں کرتے۔ (تذکرۂ اکابر اہل سنت، ص ۲۷۳، ۲۷۴)

مولانا عاقل اکبر آبادی کا عشق رسول

سید فاروق احمد قادری اکبر آبادی لکھتے ہیں: اکبر آباد (آگرہ) کی فضاؤں میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے اور میلاد خوانی کی برکات محلہ محلہ اور گھر گھر پھیلی ہوئی تھیں۔

حصول برکات کسب فیض روحانی کے لیے سال کے بارہ مہینوں میں یہ محافل کمال عقیدت اور اہتمام سے منعقد ہوتی تھیں۔ میری معلومات کے مطابق مولانا سراج الدین سراج، حضرت مولانا عبدالغنی ضیاء (میرے مرشد گرامی) حاجی محمد علی خان ندا، اکبر آبادی اور حضرت مولانا اسماعیل خان اکبر آبادی ان محافل کی جان و آبرو ہوا کرتے تھے۔

اس کا مطلب مولانا عاقل نے اکبر آباد اور کراچی میں گھر گھر میلاد خوانی کی محافل برپا کی۔ ذکر رسول روح کی غذا ہے اور آپ نے اس غذا کو عام کر کے مسلمانوں کے قلب و روح کو معطر و منور کیا۔

ڈاکٹر سید امام علی ضیاء لکھتے ہیں: آپ نے ۱۹۵۶ء کو بین الاقوامی سیرت النبی کانفرنس کی کراچی میں داغ بیل ڈالی اور بالآخر آپ کی شبانہ روز کی انتھک کوششوں سے ۱۹۵۹ء کو ایک عظیم الشان سہ روزہ بین الاقوامی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس بمقام کے۔ جی۔ اے۔ گراؤنڈ کراچی میں منعقد ہوئی۔ جس میں مقامی علماء کے علاوہ مختلف ممالک کے اسکالرز اور علما شریک ہوئے۔ صدر پاکستان فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان نے بہ نفس نفیس شرکت کر کے دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا نذرانہ عقیدت بصورت خطبہ پیش کیا۔

اس کے بعد سیرت النبی کانفرنس حکومت کی سطح پر ہونے لگی ہیں لیکن اولیت کا سہرا مولانا عاقل کے سر پر ہے۔ جناب شہزاد احمد لکھتے ہیں: وہ خوش نصیب شاعر ہیں جن کی فکر کا محور و مرکز ابتداء سے نعت گوئی رہا۔ آپ پاکستان کے ابتدائی معروف نعت گو شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ پہلے محرک اور بانی بین الاقوامی سیرت النبی کانفرنس ہیں۔ آپ کی زیر ادارت ماہنامہ اذان کراچی بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا تھا۔ آپ مکتبہ فیضان ادب اور ضیاء پریس کراچی کے مالک بھی تھے۔'' پروفیسر سید علی احمد صاب لکھتے ہیں:

حضرت مولانا عاقل اکبر آبادی جن کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا تھا، نعت گو تھے اور غزل گو بھی۔ ان کے طریق اظہار، طرز ادا۔ اور اسلوب بیان میں دھیما پن سنجیدگی اور ہلکے سروں کی نغمگی تھی۔ اظہار جذبات میں ایک رکھ رکھاؤ تھا۔ لہجہ میں ٹھہراؤ اور بیان میں سلیقہ ادب و آداب کی پاسداری تھی۔

اکمل واقدس طاہر واطہر رشک مسیحا خضر کے رہبر
نوح کے ہمدم کون محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کس نے دکھائی راہ شریعت، کس نے سکھائی رمز طریقت
رہبر اعظم کون محمد صلی اللہ علیہ وسلم
شان نبوت، جان رسالت، مخزن حکمت، منبع رحمت
افضل و اکرم کون محمد صلی اللہ علیہ وسلم
عاقل کو کس کا ہے سہارا، شاہ تمہارا، شاہ تمہارا
شافع اعظم کون محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ نے جو کچھ کہا ہے بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے ان کی حمد ہو یا نعت، گزل ہو یا نظم روحانیت کی بلندی سے معمور ہے۔ تصوف کے مضامین کو ایسی خوبصورتی سے بیان کیا ہے کہ ان کو پڑھ کر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

یہ دن یہ رات ہیں پر تو تمہارے جلوؤں کے
وہ صبح چہرہ یہ زلفوں کی شام کیا کہنا

اس آئینہ میں نظر آتے ہو تمہیں مجھ کو نگاہ دل کی طرف جب جھکائی جاتی ہے

خود آشنا ہوئے، تو خدا آشنا ہوئے
پہچانے لگے ہیں خدا کو خودی سے ہم

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۵۵۸)

حضرت حافظ ملت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضور حافظ ملت قدس سرہ کی مقدس حیات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے سینے کی ہر سانس اور دھڑکن امت مسلمہ کی ہمدردی اور غم خواری میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپ ہمیشہ اپنی قوم کو عروج وترقی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتے تھے حتی کہ آپ کے قول وفعل اور تحریر وتقریر کے ہر گوشے سے اصلاح امت کے سوتے پھوٹتے تھے۔ چوں کہ

حافظ ملت اسم با مسمیٰ تھے، اس لیے قوم وملت کی اصلاح کا درد وغم ہمیشہ آپ کے سینے میں موجود تھا۔ آیئے اس سلسلے میں حافظ ملت کی ایک اصلاح کن اور درد وغم میں ڈوبی ہوئی تحریر ملاحظہ کریں جو آپ کی ملی ہمدردی اور قومی غم گساری کا بین ثبوت ہے۔

''برادران اسلام! پیارے بھائیو! دنیا چند روزہ ہے، اس کی راحت ومصیبت سب فنا ہونے والی ہے، یہاں کی دوستی اور دشمنی سب ختم ہونے والی ہے۔ دنیا سے چلے جانے کے بعد بڑے سے بڑے رفیق وشفیق بھی کام آنے والا نہیں، بعد مرنے کے صرف اور صرف خدا اور اس کے رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کام آنے والے ہیں۔ سفر آخرت کی پہلی منزل قبر ہے۔ اس میں منکر نکیر آ کر سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے، اور تیرا دین کیا ہے، اسی کے ساتھ نبی کریم رؤف الرحیم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مُردے سے دریافت کرتے ہیں ''ما تقول فی ھذا الرجل' یعنی حضور کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے ہیں کہ ان کی شان میں کیا کہتا ہے؟ اگر اس شخص کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عقیدت ومحبت ہے تو جواب دیتا ہے کہ یہ تو ہمارے آقا ومولا اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان پر تو ہماری عزت وآبرو، جان ومال سب قربان، اس شخص کے لیے نجات ہے اور اگر حضور سے ذرّہ برابر کدورت ہے، دل میں آپ کی عظمت و محبت نہیں ہے، تو جواب نہیں دے سکے گا، یہی کہے گا میں نہیں جانتا، لوگ جو کہتے تھے میں بھی کہتا تھا۔ اس پر سخت عذاب اور ذلت کی مار ہے۔ العیاذ باللہ۔

معلوم ہوا کہ حضور کی محبت مدار ایمان اور مدار نجات ہے، مگر یہ تو ہر مسلمان بڑے زور سے بڑے دعوے کے ساتھ کہتا ہے کہ ہم حضور سے محبت رکھتے ہیں۔ آپ کی محبت ہمارے دل میں ہے۔ لیکن ہر دعوے کے لیے دلیل چاہیے اور ہر کامیابی کے لیے امتحان ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرنے والوں کا یہ امتحان ہے کہ جن لوگوں نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی شان اقدس میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کی ہیں، ان سے اپنا تعلق قطع کریں، ایسے لوگوں سے نفرت اور بیزاری ظاہر کریں، اگر چہ وہ ماں باپ اور اولاد ہی کیوں نہ ہوں۔ بڑے سے بڑے مولانا، پیر واستاذ ہی کیوں نہ ہوں، لیکن جب

انہوں نے حضور کی شان میں بے ادبی کی تو ایمان والے کا ان سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص ان کی بے ادبیوں پر مطلع ہو جانے کے بعد پھر بھی ان کی عزت، ان کا احترام کرے اور اپنی رشتہ داری یا ان کی شخصیت اور مولویت کے لحاظ سے نفرت و بیزاری ظاہر نہ کرے وہ شخص اس امتحان میں ناکامیاب ہے۔ اس شخص کو حقیقۃً حضور کی محبت نہیں صرف زبانی دعویٰ ہے۔ اگر حضور کی محبت اور آپ کی سچی عظمت ہوتی تو ایسے لوگوں کی عزت وعظمت، ان سے میل محبت کے کیا معنی؟ خوب یاد رکھو! پیر اور استاذ، مولوی اور عالم کی جو عزت وعظمت کی جاتی ہے اس کی محض یہی وجہ ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور نسبت رکھنے والا ہے مگر جب اس نے حضور کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کی پھر اس کی کیسی عزت؟ اور اس سے کیا تعلق؟ اس نے تو خود حضور سے اپنا تعلق قطع کرلیا، پھر مسلمان اس سے اپنا تعلق کیوں کر باقی رکھے گا۔

اے مسلمان! تیرا فرض ہے کہ اپنے آقا و مولا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت پر مر مٹنے، ان کی محبت میں اپنا جان و مال عزت و آبرو قربان کرنے کو اپنا ایمانی فرض سمجھے۔ اور ان کے چاہنے والوں سے محبت، ان کے دشمنوں سے عداوت لازمی اور ضروری جانے، غور کرو! کسی کے باپ کو گالی دی جائے اور بیٹے کو سن کر حرارت نہ آئے تو صحیح معنی میں وہ اپنے باپ کا بیٹا نہیں۔ اسی طرح اگر نبی کی شان میں گستاخی ہو اور امتی سن کر خاموش ہو جائے، اس گستاخ سے نفرت و بیزاری ظاہر نہ کرے تو یہ امتی بھی یقیناً صحیح معنی میں امتی نہیں ہے، بلکہ ایک زبانی دعوا کرتا ہے جو ہرگز قابل قبول نہیں۔ مسلمان ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اپنی صداقت ایمانی کے ساتھ انصاف کریں کہ ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو کیا تعلق رکھنا چاہیے؟ بلا رعایت اور بغیر طرف داری کے کہنا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ اگر کسی کی شخصیت و مولویت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی رعایت کی تو نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے۔ نبی کے مقابلہ میں نبی کے گستاخ کی طرف داری اور رعایت تمہارے کام نہیں آسکتی؟ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد واله واصحابه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔" (حیات حافظ ملت، ص، ۲۵)

اس اقتباس سے حضور حافظ ملت قدس سرہ کے دھڑکتے دل کے جذبات کو پورے طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ کس والہانہ انداز میں آپ نے قوم مسلم کو صحیح سمت سفر کی طرف رہ نمائی کی ہے اور اطاعت رسول کی دعوت پیش کی ہے کہ پڑھنے والے پر بھی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں! تمہاری ہوا کا رخ وہی گنبد خضرا ہے، تمہارا مقصود وہی تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تمہاری مشکلات کا حل انہیں کی نظر کرم اور اشارۂ ابرو پر موقوف ہے۔ تمہارے مقاصد کا حصول انہیں کی تعلیم پر عمل ہے، جس کو مسلمان اپنی بدنصیبی سے فراموش کر چکے ہیں۔

(ماہنامہ اشرفیہ، نومبر ۲۰۰۹ء ص ۱۲، ۲۲، مضمون، محمد شاہد علی رضوی)

حضرت مولانا عبداللہ سومرو رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا عاشق رسول تھے، مدینہ منورہ کے لیے دل تڑپتا تھا لیکن ظاہری اسباب نہ تھے لہٰذا آپ کے تڑپتے دل کی اثر انگیزی اس طرح ظاہر ہوئی کہ ایک خدا رسیدہ خاتون مائی فاطمہ لاکھیر علیہا الرحمہا نے اپنے خرچہ پر مولانا کو حرمین شریفین حج بیت اللہ اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے لیے بھجوایا اس طرح عاشق رسول کی دلی آرزو تکمیل کو پہنچی۔

مولانا عوامی شاعر تھے، شاعری کی ہر صنف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف وتوصیف بیان کی ہے۔ مثلاً مولود، نعت، مداح، لوری، بیت، کافی، غزل مناجات اور خطبات وغیرہ۔ آپ کا کلام عالمانہ، معیاری، دلسوز اور پاکیزہ ہے۔ مشائخ راشدیہ کی شان میں مناقب لکھے۔ عبداللہ، مشتاق کو تخلص میں استعمال کرتے تھے۔

ایک نعت شریف کو ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے ''سندھی میں نعتیہ شاعری'' میں درج کیا ہے اور راشدی نے اپنی کتاب ''عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت'' میں نقل کیا ہے۔

مصطفیٰ منھندار آیو عید تی   احمد مختار آیو عید تی

مولانا سلف صالحین کا نمونہ تھے گم نامی کو پسند کیا، نام و نمود سے کوسوں دور، سادگی وللہیت کی تصویر تھے، اخلاق وآداب سے آراستہ تھے۔ زندگی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سرائی میں گذاری، شب و روز ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر ہوتے تھے۔ اپنے

مشائخ طریقت سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے۔ (انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۵۶۲)

حضرت مفتی محمد عمر نعیمی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

اللہ تعالیٰ نے مفتی محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ ان خوبیوں میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت و محبت سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ بارہا یہ منظر دیکھا گیا کہ تفسیر و حدیث شریف پڑھاتے وقت جب بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی آتا فرط عقیدت و محبت سے سر جھک جاتا تھا آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ یہی وجہ تھی کہ تنقیص الٰہی اور توہین رسالت پناہی کرنے والوں سے ہمیشہ تہذیب و اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے ان کی اصلاح پر بھرپور توجہ فرمائی۔ اور ہمیشہ درس و تدریس، تحریر و تقریر کے ذریعہ شان الٰہی اور احترام رسالت پناہی سے مسلمانان اہل سنت کے قلوب و اذہان کو منور فرمایا۔ بقول شاعر مشرق:

محمد از تو بخواہم خدا را
خدایا از تو عشق مصطفیٰ را

حضرت مولانا محمد اطہر صاحب نعیمی کے بیان کے مطابق حج بیت اللہ کی حاضری سے قبل بھی کہ فقہ و حدیث کی کتابوں سے کتاب الحج پڑھاتے تو وہاں کے مناظر کی ایسی منظر کشی فرماتے جیسے کہ آپ نے یہ مقامات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص حاجی احمد حسین صاحب جو مفتی صاحب کے حج پر جانے سے قبل ایک مرتبہ تنہا اور ایک مرتبہ حضرت صدر الافاضل کے ساتھ سفر حج کی سعادت حاصل کر چکے تھے، کہتے تھے مولانا آپ تو ایسی منظر کشی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان مقامات کی زیارت کی ہے۔ یہ سن کر مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے حاجی صاحب جب میں پڑھاتا ہوں تو میں بظاہر یہاں ہوتا ہوں لیکن میرا دل وہیں رہتا ہے۔

آپ دو مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ایک مرتبہ ۱۹۳۸ء اور دوسری مرتبہ ۱۹۶۳ء میں۔ پہلا سفر حج ہندوستان سے جس میں آپ کو صدر الافاضل رحمۃ اللہ کی

معیت کا شرف حاصل ہوا، اور دوسری مرتبہ جب پاکستان سے اس مبارک سفر پر تشریف لے گئے تو تاج العلما پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جو جذب و کیف اور وجد و سرور کا عالم دیکھا گیا اس کو الفاظ میں بیان کیا جا سکتا کر سکتا مکہ مکرمہ میں اور دیگر مقامات پر مناسک حج ادا کرتے ہوئے اگر تصویر حیرت نظر آ گیا تو مدینہ طیبہ میں آپ کو بارگاہ نبوت و رسالت میں پیکر ادب و احترام پایا صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہوئے آنکھوں کو پرنم اور زبان کو التجا کناں پایا گیا۔ اللہ! اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ادب و احترام کا یہ عالم کہ مسجد نبوی شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی و محراب میں جب نفل ادا کرنے کے لیے تاج العلما رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوتے ہیں تو آپ اپنا سر مبارک سجدہ کی حالت میں اس جگہ پر رکھتے ہیں جہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدم میمنت لزوم رکھا کرتے تھے اور کیوں نہ ہو کہ یہ بارگاہ عظمت پناہ جو ہے۔ جس کے لیے ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی پکار اٹھے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۸۴۹، ۸۵۰)

حضرت حکیم میاں محمد عمر لاکھو رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

میاں محمد عمر نے دو بار حجاز مقدس کا سفر اختیار کیا۔ حج کے بعد مدینہ منورہ حاضری دی، پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارکہ، سنہری جالیوں کے سامنے سراپا احترام بن کر درود وسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ ۱۹۵۰ء میں دوسری بار حج کرنے کا ارادہ کر لیا ان دنوں گوٹھ دود وبگھیہ میں قیام تھا اور سفر حج کے لیے اخراجات نہ ہونے کی صورت میں اپنی زمین بیچ دی، رشتہ داروں نے زمین بیچنے سے سختی سے منع کی لیکن اس متوکل بندے نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار مقدس کی حاضری کو زمین پر ترجیح دی اور زمین بیچ کر سفر حرمین اختیار کیا۔ آقا علیہ السلام کے حضور حاضری دے کر یوں محسوس کیا جیسے بے قرار دل کو قرار مل گیا۔

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۸۹۴)

حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

۱۵جون ۱۹۹۳ء مدینہ طیبہ میں جناب شیخ محمد عارف مدنی مدظلہ العالی (مجلس رضا لاہور کے پہلے صدر) نے فرمائش کی کہ امام احمد رضا بریلوی کا پورا، سلام

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

ریکارڈ کرا دو، تا کہ میں ''وقتاً فوقتاً'' سنتا رہوں۔ میں نے اس بات کو غنیمت جانا کہ میں تو پاکستان چلا جاؤں گا اور میری آواز میں سلام مدینہ طیبہ، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوتا رہے گا۔ چنانچہ پورا، سلام تحت اللفظ ریکارڈ کرایا۔

(احوال وآثار علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری قلمی یادداشت ص ۶۷، ۸۷ مملوکہ علامہ شرف صاحب)

حضرت مولانا پیر عبدالغفار شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ جید عالم دین اور عاشق رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ تمام عمر درود شریف کے مجموعہ چھاپ کر تقسیم کرتے رہے، آپ کے مرتبہ درود شریف کے دس حصوں کا نام عشرۂ کاملہ ہے، علاوہ ازیں وظائف اور تصوف کی متعدد کتابیں شائع کیں، اس سلسلے میں آپ کا عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ عشرۂ کاملہ کے علاوہ دو ضخیم جلدوں میں درود شریف کا ایک مجموعہ بنام ''خزاین البرکات'' مرتب کر کے نہایت خوشخط لکھوایا مگر اس کے اشاعت کا موقع آنے سے قبل آپ کا وصال ہو گیا آپ نے اس کتاب کے عربی دیباچے میں لکھا ہے: ''کسی کا کوئی شغل ہے اور کسی کا کوئی مگر میرا ہر وقت کا شغل تصور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔''

بود در جہاں ہر کسے خیالے

مرا از ہمہ خوش خیال محمد

حضرت پیر صاحب کی مرتبہ تمام کتب پر لکھا ہوتا تھا: ''عبدالغفار حامی اشاعت درود شریف۔'' (تذکرۂ اکابر اہل سنت، ص ۲۴۳)

☆☆☆

جناب عبدالقیوم کا عشق رسول

یہ اس وقت کی بات ہے جب ملک کی تقسیم کا المیہ نہیں ہوا تھا۔ جب سرحدی لکیروں کی طرح دلوں میں لکیریں نہ پڑی تھیں۔ جب انگلستان میں تیسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا ہنگامہ ملک کی آزادی کے امکان کو زیادہ روشن کر رہا تھا۔ جب دین کا شعور بیدار اور عشق و ایمان کے احساسات زندہ تھے جب کراچی، پاکستان کا دارالحکومت ہونے کی بجائے صوبہ بمبئی کا ایک ساحلی شہر تھا۔

۱۹۳۳ء کی کسی صبح کو اسی کراچی کی انگریزی عدالت کے باہر دیکھنے ولوں نے بے پناہ ہجوم دیکھا عدالت کے چاروں طرف ہجوم حد نظر تک سروں کی قطار، جیسے گلیوں اور سڑکوں کی تمام وسعتیں عدالت کے ارد گرد سمٹ گئی ہوں۔ جیسے کوئی مذہبی تقریب ہو جیسے کوئی میلہ ہو جیسے جنگ آزادی کی کوئی فوج ہو۔ لیکن اگر مذہبی تقریب ہوتی تو کسی مسجد، کسی خانقاہ، کسی درگاہ کے قریب ہوتی کوئی میلہ ہوتا تو کسی میدان کسی بازار یا شہری آبادی سے الگ تھلگ ہوتا آزادی کے متوالوں کی یلغار ہوتی تو دفاعی سامان بھی ہوتا یہ اداس چہرے، سرد جذبات، اژدہام بدوش سکوت، سکوت بدوش اژدہام پچاس ہزار کا مجمع اور ایسی خموشی ایسا سناٹا کہ گفتگو کا کہیں شور نہ ہو قدموں کی آواز نہ ہو آخر کیسا ہے یہ مجمع، یہ مجمع کیسا ہے؟؟ اجنبی نے اجنبی سے پوچھ ہی لیا۔ ہم لوگ عبدالقیوم کے مقدمے کا فیصلہ سننے آئے ہیں۔

اس ایک جملے نے جیسے حیرتوں کی تمام گرہوں کو ایک ہی جھٹکے سے کھول دیا۔ اجنبی کے حاشیہ ذہن پر گذشتہ سال کے اخبار کی ایک ایک سطر ابھرنے لگی اجنبی کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے آئینہ سامنے لگا کر رکھ دیا ہو، جیسے کسی نے ٹیلی ویژن کی سوئچ آن کر دی ہو اور اچانک اس کی گردن عقیدت و احترام کے بوجھ سے جھک گئی، اور عالم تصور میں اس نے عقیدتوں کے ہزاروں پھول عبدالقیوم کے قدموں پر نچھاور کر دیے۔

عبدالقیوم وکٹوریہ چلانے والا عبدالقیوم۔ جو کوچوانی کر کے اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے روٹی حاصل کرتا تھا جس کی رات جھونپڑے میں اور دن وکٹوریہ چلانے میں بسر

ہونا تھا۔گھوڑے کی لگام پکڑے پکڑے جس کی ہتھیلیوں کی جلد موٹی اور کھردری ہوگئی تھی، جس کی زندگی وکٹوریہ کے پہیے کے ساتھ گردش کرتی تھی، چکوں کے ساتھ چلتی تھی اور چکوں ہی کے ساتھ ٹھہرتی تھی۔ کراچی کے بھرے پرے شہر میں اگر اس کا کوئی دوست کوئی شناسا کوئی ہمدرد وغمگسار تھا تو اس کا پیارا گھوڑا موتی تھا۔

عبدالقیوم نے اذان کا نغمۂ جانفزا بہت پہلے سنا تھا لیکن نماز پڑھنے کے لیے سواریوں کو کیسے روک سکتا تھا سجدوں کی تڑپ دور کرنے کے لیے سواریوں کا منزل مقصود پر پہنچ کر اتر جانا ضروری تھا۔ اور سواریوں کو اتار کر عبدالقیوم نے ایک مسجد کے کنارے وکٹوریہ کو کھڑا کیا موتی کو تھپکی دی اور اس خدائے قادر وقیوم کے گھر میں داخل ہو گیا جس کی عظمت وجلال کے آستانے پر شہنشاہوں کے ماتھے بھی جھکنے پر مجبور ہیں، جس کے گھر میں کوچوان اور کار کے مالکوں کے درمیان کوئی فرق کوئی امتیاز نہیں، جس کے دربا میں سب صف بستہ ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں۔ عبدالقیوم بھی وضو کر کے اسی قادر وقیوم کی بارگاہِ عظمت پناہ میں سجدۂ نیاز کی نذر پیش کرنے کھڑا ہو گیا نماز کے بعد بھیگی پلکوں کے ساتھ دعا مانگی ابھی اس کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہی ہوئے تھے کہ دو آدمیوں کے بات کرنے کی آواز آئی۔ دعا ختم کرتے کرتے اس نے سنا "آج اس بدبخت خبیث کی پیشی ہے۔"

اور عبدالقیوم نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا کس کی پیشی ہے؟

اسی مردود نتھورام کی!

کون ہے یہ نتھورام؟ چونکہ عبدالقیوم حالات سے قطعاً ناواقف تھا اس لیے اس نے تفصیل طلب انداز سے دریافت کیا اور دونوں میں سے ایک نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

حیدرآباد (سندھ) کے آریہ سماج نتھورام نے "ہسٹری آف اسلام" نامی ایک کتاب لکھی تھی اس کتاب میں دریدہ دہن، بدتمیز نے ہمارے رسول کی شان اقدس میں بدترین توہین اور نہایت شرمناک جھوٹے الزامات عائد کیے تھے آج اسی کے مقدمے کی پیشی ہے۔

کیا کہا؟ میرے رسول کی شان میں گستاخی کی تھی؟ عبدالقیوم نے عجیب حیرت واستعجاب کے عالم میں یہ جملہ کہا۔ اور جہاں تھا وہیں بے حس وحرکت کھڑا ہو گیا جیسے چلنے کی

طاقت سلب اور حرکت کی صلاحیت نچوڑ لی گئی ہو چہرہ فرط غضب سے تمتما اٹھا پیشانی پر کرب انگیز موجیں ابھر گئیں۔ طویل سکتے کے بعد عبدالقیوم بہت دھیرے دھیرے مسجد سے باہر آیا۔ انتہائی خموشی سے وکٹوریہ پر بیٹھا اور کچہری کی سمت چل پڑا۔

وہ سوچ رہا تھا نبی کی توہین کے بعد بھی یہاں کے لوگ زندہ ہیں۔ آقا کی شان میں گستاخی کا جرم ہوا اور لوگ خاموش ہیں۔ کیسے لوگ ہیں؟ کیسے ہیں یہ لوگ؟؟ لعنت ہے اس زندگی پر جو حضرت کی توہین کے بعد بھی باقی رہے ایمان اس درجہ مردہ ہو چکا عقیدتیں اتنی مفلوج ہو چکیں وفاداری کے مزاج میں ایسی طوطا چشمی آ گئی۔ وہ بے تحاشہ اسی انداز پر سوچے جا رہا تھا جیسے اس کا پورا وجود ذہن کے محدود دائرے میں سمٹ کر آ گیا ہو۔

پھر اچانک وہ مسکرا پڑا چہرے پر طمانیت اور آنکھوں میں زندگی کی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ جیسے اس کو زخموں کا مرہم مل گیا، جیسے بے قرار روح کے لیے سکون کے ہزاروں اسباب فراہم ہو گئے ہوں، جیسے عشق وصال محبوب کی منزل پا گیا ہو، جیسے وفاداری سند کی ضمانت حاصل کر چکی ہو، جیسے زندگی فتح مندی کا یقین پا گئی ہو، جیسے مسافر کو منزل کا اجالا نظر آ گیا۔ چند ہی لمحوں میں اضطراب کی ساری تلخی سکون کی مٹھاس میں بدل گئی۔

عبدالقیوم نے کچہری کے گیٹ کے قریب وکٹوریہ کھڑی کی۔ کود کر اترا۔ گھوڑے کو چمکارا اُس کی پیٹھ محبت سے تھپتھپائی اور کمرۂ عدالت کی طرف چل پڑا اس کے چلنے میں جو وقار جو تمکنت تھی وہ کسی فاتح سے کم نہ تھی۔ دو انگریز ججوں پر مشتمل کمرۂ عدالت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا عدالت کا خموش ماحول نفرت و حقارت کا انگارہ بنا ہوا تھا غیظ و غضب کی گرمی سے ماحول سلگ رہا تھا چہروں کی خموشی میں احتجاجوں کے ہزار آتش فشاں پوشیدہ تھے لوگ اس مجرم کا فیصلہ سننے آئے تھے جو انسانیت اور آدمیت کا مجرم تھا جو بنی نوع انسان کا مجرم تھا۔ جو پوری کائنات کا مجرم تھا۔

اور عبدالقیوم جو فیصلہ بن کے آیا تھا وہ اِدھر اُدھر راستہ بناتا کسی طرح مجرم نتھو رام کے قریب پہنچ گیا۔

جج صاحبان ابھی قانونی دفعات کا چہرہ دیکھنے ہی میں مصروف تھے کہ اچانک ایک صحت مند ہاتھ میں چاقو کا چمکتا ہوا پھل لہرایا اور مجرم کی گردن میں اترتا چلا گیا۔ نتھو رام کی لاش تڑپ

رہی تھی اور عبدالقیوم کسی مزاحمت کے بغیر اپنے آپ کو قانون کے محافظوں کے حوالے کر رہا تھا۔
مجرم قید حیات سے آزاد ہو رہا تھا اور عبدالقیوم ہتھکڑیوں میں کسا جا رہا تھا ایک مجرم سزا پا چکا تھا اور دوسرا عشق و وفا کی سند حاصل کر رہا تھا۔
آج اسی مردِ وفا آگاہ صاحب عشق آشنا کی پیشی تھی، آج اس مجرم کے فیصلے کا دن تھا جسکے جرم نے کائنات کے انصاف کی لاج اور عدل کا بھرم رکھا تھا۔ عبدالقیوم جو وکٹوریہ چلاتا تھا، جو کوچوان تھا۔ جو سماج اور معاشرے کے پست طبقے کا ایک ناقابل التفات فرد تھا۔ جو اپنے ہی شہر میں اجنبی تھا لیکن جس نے ایک ہی جست میں رفعتوں کی ساری منزلوں کو طے کر لیا تھا جو ایک ہی قدم میں عشق و ایمان کا پیکر بن گیا تھا۔ جس کے لیے ہزاروں، لاکھوں۔ بلکہ کروڑوں دل عقیدتوں کا گہوارہ بن چکے تھے جو آج کراچی کے سارے مسلمانوں کی محبتوں کا مرکز بن چکا تھا جس کے لیے کچہری کا سارا ماحول اور خموش لب پیہم اور مسلسل مصروف دعا تھے جس کے لیے شہر بھر کی مساجد میں دعائیں کی گئی تھیں۔ جس کے لیے خواتین نے منتیں مانی تھیں۔ جس کی رہائی کے لیے بوڑھوں کے لرزتے ہاتھ نوجوانوں کے دل اور بچوں کی اداسی اپنے مالک سے حیات کی بھیک طلب کر رہی تھی۔ جو آج عظمت و رفعت کے اس مقام پر تھا جہاں برسوں کے مجاہدوں اور زندگی بھر کی ریاضتوں کے بعد بھی ہر انسان نہیں پہنچ پاتا۔
کہتے ہیں کہ حالات کے علم کے بعد وقت کے ماہر قانون دانوں، شہرہ آفاق وکیلوں اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے بیرسٹروں نے عبدالقیوم کے مقدمے کی پیروی کرنی چاہی قانون کے نشیب و فراز جاننے والے افراد اور دفعات کو اپنے موافق بنانے کا جادو جاننے والی جماعتیں عبدالقیوم کے پاس آئیں۔ زندگی کی ضمانت کی تمام تر یقین دہانیوں کی بنیاد پر کہنے والوں نے کہا کہ بس ایک ذرہ اپنا بیان بدل دو۔ ہم تمہیں بچا لیں گے۔ کہنے والوں نے کہا۔ منت سماجت کرنے والوں نے منت و سماجت کی ضد کرنے والوں نے ضد کی واسطہ دینے والوں نے واسطے دیے اور عبدالقیوم کے پاس ہر ضد ہر خوشامد ہر بات کا ایک ہی جواب تھا۔ صرف ایک جواب ایسا جواب کہ جن ہونٹوں سے نکلا ہوگا فرشتوں کی جماعت نے ان ہونٹوں کے بوسے لیے ہوں گے۔ جس عشق کا ترجمان ہوگا جنید و بایزید کی روحوں

نے اس کی بلائیں لی ہونگی۔ عبدالقیوم نے ایک جواب دیا۔

میں نے جان دیکر مرتبہ شہادت خریدا ہے آپ یہ نعمت مجھ سے چھیننے کی کوشش نہ کریں۔ میں اقبال بیان تبدیل کر کے عاقبت خراب نہیں کروں گا اور قانون کے محافظوں عدالت کے پاسبانوں نے عبدالقیوم کو موت کی سزا کا حکم سنا دیا۔ وہ موت جو ہزاروں زندگی اور لاکھوں حیات دے کر بھی نہیں مل سکتی۔ وہ موت جسے ہر آدمی اپنی تمناؤں آرزوؤں کی موت سمجھ رہا تھا وہ موت جس پر ہر آنکھ پرنم، ہر دل غمزدہ اور ہر گھر اس طرح ماتم کدہ بنا ہوا تھا جیسے اسی گھر کا المیہ ہو۔

پھر جب عبدالقیوم کا جنازہ اٹھا ہے تو شرکت کرنے والوں کی تعداد اعداد و شمار سے باہر تھی۔ چھتوں اور بالاخانوں سے خواتین آنچلوں سے آنسو پونچھتی جاتی تھیں اور پھول نچھاور کرتی جاتی تھیں کراچی کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ کسی شخص کے جنازے میں اتنے انسانوں نے شرکت نہیں کی۔ پھر یہ تو انسانوں کے مادّی کاندھے تھے۔ ان روحانی شانوں کی گنتی کس نے کی ہوگی جو عبدالقیوم کے جنازے میں لگے ہونگے۔ کس نے جانا کہ اس جاں نثار کو محبوب کائنات نے کس انداز سے خوش آمدید کہا ہوگا۔

رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ رَحْمَةً وَاسِعَةً كَامِلَةً بِحَقِّ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

(سہ ماہی الکوثر سہسرام، جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء ص ۲۹، ۳۱، مضمون: مولانا کامل سہسرامی علیہ الرحمہ)

تاج الاصفیا حضرت میاں علی محمد مشوری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

ایک بار حرمین شریفین گئے تو ضروری سامان کا بیگ بھی ساتھ نہیں لے گئے ایک جوڑے میں گئے اسی میں واپس آ گئے۔

آپ نے دو حج کیے۔ پہلا حج مبارک ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء، میں اور دوسرا حج مبارک ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء، میں حضرت محبوب مرشد مربی قدس سرہ کی معیت میں کیا۔ علاوہ ازیں کئی بار حضرت نے مدینہ عالیہ اور مکہ معظمہ زادھما اللہ تعالیٰ شرفا وتعظیما کی حاضری کا شرف حاصل کیا۔ اس سفر محبت میں آپ کا ادب واحترام عشق ومحبت دیدنی تھا۔

۱۹۸۹ء میں عراق کا سفر اختیار کیا۔نجف اشرف میں امیر المؤمنین حضرت سید نا علی المرتضی شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کربلا معلیٰ میں سید الشہد احضرت سید نا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بغداد شریف میں سرکار غوث اعظم، محبوب سبحانی قطب ربانی، سید نا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سرکار پاک امام اعظم سید نا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارات مقدسہ کی حاضری کی سعادت حاصل کی۔ بغداد شریف میں ۱۲/دن قیام کے بعد حرمین شریفین کی حاضری کا سفر اختیار کیا دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری سے دل وآنکھوں کو معطر ومنور کیا۔

۱۹۹۵ء میں دوسری بار جماعت کے وفد کے ساتھ عراق کا سفر ٹرین اور بس کے ذریعے کیا۔کوئٹہ، تافتان، زاہدان، ایران اور ایران سے بذریعہ ٹرین وبس کے عراق گئے، وہیں زیارات کی واپسی میں ایران کی زیارات کر کے بس کے ذریعہ واپس کوئٹہ پہنچے جہاں سے ٹرین میں لاڑکانہ واپس ہوئے۔

آخری عمرہ ۱۹۹۸ء، میں کیا اور پورا رمضان شریف مدینہ منورہ میں گنبد خضریٰ کے زیر سایہ گذارا، اور واپسی پر چار ماہ کے بعد وصال فرمایا۔ (انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۴۴۹)

حضرت حافظ محمد عبد الکریم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ دو دفعہ حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔پہلی دفعہ کسی وجہ سے حکومت نے حجاج کے مدینہ طیبہ جانے پر پابندی عائد کر دی، حضرت حافظ صاحب کی طبیعت میں اس بات کا بڑا قلق پیدا ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں حاضری نہ ہوسکی شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ایک رات تہجد کے وقت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو حالت مراقبہ میں زیارت سے سرفراز فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس وقت واپس جانا ہی مناسب ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں پھر بلائیں گے، چنانچہ آپ ۱۹۱۱ء میں دوبارہ حج کے لیے گئے تو دربار رسالت کی حاضری سے بھی مشرف ہوئے اور یہ کیفیت ہوگئی کہ واپسی کو قطعاً دل نہیں چاہتا تھا اور روزانہ دعا کیا کرتے تھے کہ مجھے دیارِ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہمیشہ کے لیے قیام نصیب ہو۔

ایک روز عشا کے بعد ایک نورانی صورت بزرگ تشریف لائے اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ واپس ہند جائیں، آپ کے وجود سے بہت سے مخلوق فیضیاب ہوگی اور آپ کی قبر بھی وہیں ہوگی، ساتھ ہی قبر کی جگہ بھی دکھادی گئی چنانچہ اسی جگہ حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مزار پرانور بنا۔ (تذکرۂ اکابر اہل سنت، ص ۲۵۹)

حضرت خواجہ محمد عثمان نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

پیرومرشد کے وصال سے تین سال بعد کمال اشتیاق سے زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوگئے، حج سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور گیارہ دن تک قیام کیا، اس دوران کھانا پینا ترک کردیا تاکہ قضائے حاجت کی ضرورت نہ پڑے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ جہاں قضائے حاجت کی جائے وہاں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے اقدس آیا ہو۔ ذرا اندازہ کیجیے کہ دیار حبیب کا ان کے دل میں کس قدر احترام تھا۔

حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ ہر فعل میں اتباع سنت کو پیش نظر رکھتے اور کسی کام میں خلاف سنت کو روا نہ رکھتے تھے، خانقاہ پر حاضر درویشوں کو نماز تہجد کے لیے اٹھنے، مراقبہ کرنے اور کثرتِ ذکر کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ باوجودیکہ آپ کے ہزاروں مرید تھے لیکن کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے پیری اور بزرگی کا دعویٰ نہیں ہے، میں تو حضرت پیرو مرشد کے مزار پرانوار کا جاروب کش اور درویش اور زائرین کا خدمت گار ہوں۔

(تذکرۂ اکابر اہل سنت، ص ۴۱)

شاہ عبدالطیف ستھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

یاد رہے کہ وہابیوں اور دیوبندیوں سے شاہ عبدالطیف صاحب علیہ الرحمہ کو انتہائی نفرت رہتی تھی حتی کہ ایک مرتبہ حضرت نے چندہ دیکر واپس لے لیا۔ واقعہ یوں پیش آیا۔ ایک دن دیوبندی مولوی حضرت کے پاس چندہ لینے کے لیے ستھن شریف پہنچا۔ ستھن قصبہ نما گاؤں دریائے گومتی کے کنارے رانی گنج بازار ضلع سلطانپور سے تقریباً ۶ رکلومیٹر دور پچھم

میں آباد ہے الغرض دیوبندی مولوی نے شاہ صاحب سے چندہ مانگا اپنی عادت شریفہ کے پیش نظر حضرت نے چندہ دیکر رسید کٹوالی پھر وہ مولوی چلتا بنا کچھ ہی دور گیا تھا کہ ارد گرد کے لوگوں نے عرض کیا کہ حضور چندہ لینے والا مولوی دیوبندی ہے اتنا سننا تھا کہ آپ چراغ پا ہو گئے اور تیز آواز میں آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! دوڑ و اُس مولوی سے میرا روپیہ واپس لے لو ورنہ اس روپے سے رسول پاک کی گستاخی کا درس پھیلے گا اور جب رب کے حضور پرشش ہوگی کہ تم نے روپیہ دے کر رسول پاک کی گستاخی کو عام کیوں کروایا تو میں کیا جواب دوں گا جب کہ قرآن مقدس نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تَعَاوَنُوْ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

چنانچہ لوگ دوڑے اور دیوبندی مولوی سے روپیہ چھین لیا۔ ایک سوال اٹھتا ہے کہ اتنا زبردست تصلب حضرت شاہ عبداللطیف علیہ الرحمہ کے اندر آیا کیسے؟ جواب یہ ہوگا کہ یہ سب کچھ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے فیضان کرم اور نظر کی کرامت ہے۔

(ماہنامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئی، دسمبر ۲۰۱۲ء ص ۲۵، مضمون: مولانا محمد عارف امجدی)

حضرت مخدوم شاہ علی حسین اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

تیسری بار ۱۳۳۰ھ میں دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری و زیارت کے موقع پر حضور پرنور مخدوم الاولیاء، مرشد انام مرجع خاص و عام نے فارسی میں بارگاہ نبوی میں مناجات پیش کی، یہ مناجات بارگاہ نبوی میں سماعت کے شرف سے مقبول ہوئی، حاجی نواب محمد اسحاق خاں صاحب سکریٹری علی گڑھ کالج نے عالم رویا میں دیکھا، کہ یہ مناجات بارگاہ پاک میں پڑھی گئی، حاجی نواب محمد اسحاق خاں صاحب مشہور رئیس عالم و درویش نواب حاجی محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد کے صاحبزادے تھے، ان کے بڑے بھائی نواب محمد علی خاں رشکی متوفی ۱۸۹۹ء تھے، ان سے حضور پرنور مخدوم الاولیاء کے مرید اور خلیفہ مقرب حضرت آغا صفدر حسن مرزا دہلوی متوفی ۱۳۴۳ھ کی حقیقی بہن منسوب تھیں، اور حضرت آغا صفدر حسن مرزا صاحب کی اہلیہ (۱) بیگم زینت محل اہلیہ حضرت بہادر شاہ ظفر شاہ ہندی کی حقیقی بھتیجی تھیں

انہیں حضرت آغا صفدر حسن مرزا صاحب کی محل سرائے میں نواب حاجی اسحاق صاحب نے اپنی رویت کا واقعہ حضور مخدوم الاولیاء کو سنایا تھا، حضور پرنور مخدوم الاولیا نے تحریر فرمایا تھا:

"نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب سکریٹری محمدن کالج علی گڑھ نے عالم رویا میں دیکھا ہے کہ یہ مناجات بزم پاک میں پڑھی گئی اور اس وقت سید صالح آفندی حاضر بزم تھے اسی بنا پر وہ سید صاحب سے طریقتاً فیضیاب ہوئے۔"

یہ مختصری عبارت جس میں جہان معنوی پوشیدہ ہے اور مفصل ہوتی تو بات اور ہوتی، بہر حال مناجات شریفہ کی مقبولیت اظہر من الشمس ہے اور صاحب مناجات کی دربار پاک حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پزیرائی بھی نمایاں ہے، مناجات میں اُنہتر اشعار ہیں جذب وکیف اور سرشاری و بے خودی، سوز باطنی اور دل کی بے قراری اور درخواست کی مقبولیت اور شرف ہمکلامی کی بلندی و رفعت بھی حد بیان سے ماوراء ہے، یہ درخواست مناجات ایسی نہیں ہے کہ سرسری نگاہوں سے دیکھی جائے۔ پھر بھی مناجت سے دو چار اشعار پیش ہیں۔

اے عربی خاتم پیغمبراں　　تاج کرم سرور افسراں
اے در تو جائے مناجت من　　کعبۂ دیں، قبلۂ حاجات من
بہر سلام تو غلامان تو　　حاضر دربار خدا شان تو
ماہمہ خوانیم صلوٰۃ وسلام　　خوش کہ بفرمائے علیک السلام
سید سلطان زمین و زماں　　واسطۂ بخشش ما عاصیاں
جان من و جان من و جان من　　روح رواں تن بے جان من
سید عالم نظر از کرم　　بر من دلداہ و دیوانہ ام
آتش عشق تو ، بود مشتعل　　دل نہ بغیر تو شود مشتعل
آدم و عالم ہمہ شیدائے تو　　شیفتۂ حسنِ دل آرائے تو
ہست تمنائے من بے نوا　　پیش جنابت رسد ایں التجا
اشرفیا بردر خیر الانام　　عرض کن از شوق صلوٰۃ وسلام

(حیات مخدوم الاولیاء ص ۱۹۳۔۱۹۷)

حضرت میر سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ کو صغر سن سے ہی سرکار ابد قرار رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق تھا، آپ کمسنی میں سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا کے دیدار سے مشرف ہوئے، اسی وقت سے طبیعت اقدس زیارت حرمین طیبین کے لیے مضطرب و بے چین رہتی تھی، آپ لکھتے ہیں:

''اس جلوۂ احمدی کا شیدا اور افتراک محمدی کے شکار نے کمسنی ہی میں ایک خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ زادہا اللہ تعظیما میں حاضر ہوں اور جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی ایک محراب میں کھڑے ہیں۔ فقیر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب توجہ فرمائی اور مسکراتے لبوں سے چند باتیں استفسار فرمائیں۔ اب تک وہ جمال جہاں آرا خاص کر تبسم مبارک کی چمک میری نظر میں ہے، اسی وقت سے جب بھی یہ خواب یاد آتا تو شوق کی زنجیر ہلا جاتا، آخر کار عنایت احمدی کے جذبے نے بیخود کر دیا اور شرار ناتوانی کو آسمانی بجلی کی ہمت بخشی۔''

آخر کار آپ بلگرام سے دیار حرمین کے لیے ۱۱۵۰ھ میں بروز پیر پا پیادہ نکل پڑے۔ سفر کے افتتاح کی تاریخ ''سفر خیر'' سے نکلتی ہے، اس سفر میں آپ نے ایک مثنوی لکھی جس کا نام ''طلسم اعظم'' رکھا اور یہ بھی افتتاح سفر کی تاریخ ہے۔ مثنوی کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے۔

دمِ صبح کہ مہر عالمتاب ۔۔۔ سر بر آورد از نشیمن خواب

علامہ نے اپنی خود نوشت سوانح میں سفر حرمین طیبین اور اس کی حکایات کو عربی و فارسی، نظم و نثر میں بے حد رقت انگیز اسلوب میں بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ جب آپ ''مالوہ'' پہنچے تو راستہ کی تکالیف و مصائب سے دو چار ہو چکے تھے، پاؤں میں آبلے تک پڑ چکے تھے، اسے بھی نظم میں پیرو دیا فرماتے ہیں۔

می بریدم رہے بہ پائی ۔۔۔ بار فیقے کہ بود تنہائی

ان دنوں نواب آصف جاہ ''مالوہ'' میں جلوہ فگن تھے، آپ ان کے لشکر تک پہنچے، لشکریوں نے مہمان نوازی کی اور ایک سواری رتھ نما کا انتظام کیا۔ وہ رتھ بھی سفر میں معین و مددگار تھا، اس کے ضمن میں آپ فرماتے ہیں۔

رت رنگیں لباس خوش الوان　　راہ رفتے بسان تخت رواں

۲۲ رشعبان کو نواب صاحب سے ملاقات ہوئی، سفر بیت اللہ کی استعانت کی وجہ سے یہ دوشعر آپ نے ان کی شان میں کہے۔

اے حامی دیں محیط جود و احساں　　حق داد ترا خطاب آصف جہاں

اے دین کے حامی بخشش اور احسان کا سمندر۔ حق تعالیٰ نے آپ کو آصف جہاں کا لائق خطاب عطا فرمایا۔

او تخت بدرگاہ سلیماں آورد　　تو آل نبی رابہ در کعبہ رساں

وہ آصف سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں بلقیس کا تخت لایا تھا۔ آپ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل کو کعبہ کے دروازے تک پہنچا دو

آپ اخیر میں لکھتے ہیں:

''فقیر نے موزونیِ طبع کے باوجود اغنیا کی مدح میں پوری عمر کبھی زبان نہیں کھولی۔

نواب صاحب نے رخت سفر اور سواری کا انتظام کر دیا۔ آپ محرم ۱۱۵۱ھ میں جدہ پہنچے، وہاں چشتی بزرگ سید محمد فاخر معرف بہ زائر الہ آبادی سے ملاقات ہوئی، آپ عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ آپ فرماتے ہیں:

''چونکہ مدینہ سکینہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا شوق جلوہ ریز تھا، اس لیے اپنے اندر صبر کی طاقت نہ پا کر ۲۶ رمحرم کو روز جمعہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد مدینۂ مقدسہ کا راستہ لیا۔ پچیسویں صفر کو میں اسی تاریخ میں پردۂ عدم سے شہرستان ہستی میں ظاہر ہوا تھا، اور قدم چھتیسویں منزل میں رکھ چکا تھا، صبح کے وقت مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے نظارے کو آنکھوں کا سرمہ بنایا، آرزومند آنکھوں کو روضۂ اقدس کے قبے پر ملا'' آپ نے مدینہ طیبہ کی پاکیزہ فضاؤں میں بہت شاندار بہاریہ نعتیہ غزل نظم فرمائی جس کا مطلع ہے۔

نمود جلوۂ اعجاز شمع مطلبی نہ مان شوخی چشم شرار بولہبی

اور ایک قصیدہ عرب زبان میں نظم فرمایا ہے جو "تسلیۃ الفواد فی قصائد آزاد" میں درج ہے، مکمل آٹھ ماہ مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ جب حج کا موسم آیا تو ۱۴ر شوال کو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ادائیگی حج کی رخصت لی اور ۲۶ر شوال کو مکہ مکرمہ پہنچے ارکان حج بجالائے۔ "عمل اعظام" ادائے حج کی تاریخ ہے۔ بعد حج بھی وہاں مقیم رہے اور اماکن مقدسہ کی زیارت کی۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مرقد منور کی حاضری کا شرف حاصل کیا۔

ربیع الآخر کے اخیر میں تین بار طواف وداع فرمایا اور تین جمادی الاولیٰ کو جدہ روانہ ہو گئے۔ آٹھ دن کی مدت میں "مخا" کی بندرگاہ پر پہنچے اور وہاں کی سیر فرمائی۔ سلسۂ شاذلیہ کے بانی شیخ ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمہ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ ۲۹ر جمادی الاولیٰ کو جہاز سورت کی ساحل سے آلگا۔ آپ نے سفر واپسی کی تاریخ "سفر بخیر" نکالی ہے۔

(مآثر الکرام تاریخ بلگرام، ص ۳۰-۳۳)

حضرت سید غلام جیلانی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت سید غلام جیلانی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے استاد گرامی قدر مولانا سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرائی تھی، وہ یوں کہ میں راولپنڈی کے ایک مدرسہ میں پڑھتا تھا وہاں کا ایک استاد بہت گستاخ تھا وہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی ایسی باتیں کہہ جاتا تھا جن باتوں کو لکھتے ہوئے قلم لرز جاتا ہے۔

مولانا سید غلام جیلانی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سارا واقعہ گولڑہ شریف میں حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا اگر ایمان بچانا ہے تو اس مدرسہ کو چھوڑ دو میں نے پوچھا کہ پھر کہاں جاؤں تو بابو جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ ملتان شریف علامہ کاظمی صاحب کے مدرسہ میں چلے جائیں، اور وہیں جا کر پڑھیں۔ چنانچہ

میں ملتان شریف حاضر ہوا تو حضرت علامہ کاظمی شاہ صاحب نے حالات پوچھ کر فرمایا اچھا ہوا کہ ایمان بچا کر نکل آئے۔ غلام جیلانی صاحب فرماتے ہیں میں نے پوچھا کہ وہاں کون سی بات تھی کہ میرا ایمان ضائع ہو جاتا؟ حضرت کاظمی شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالات بیان کرتے ہیں اور وہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں نقص وعیب ڈھونڈ نکالیں۔ (العیاذ باللہ)

بتاؤ تمہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات پسند ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیوب وافترا پسند ہے؟ میں نے کہا مجھے تو کمالات پسند ہیں۔ اس پر غزالی زماں نے فرمایا آج رات تم سوؤ گے تو ان شاء اللہ تمہیں سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی۔ اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم خود کرم فرمائیں گے تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لینا کہ کہاں پڑھنا بہتر ہے۔

سید غلام جیلانی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں سویا تو اسی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلی بات فرمائی وہ یہ تھی۔

''اچھا ہوا تم اس مدرسہ میں آگئے تمہارا ایمان بچ گیا۔'' یہ سن کر میں نے خواب میں ہی عرض کیا وہاں (پہلے مدرسہ میں) کونسی خرابی تھی جس سے میرا ایمان ضائع ہو جاتا؟ اس پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ لوگ مجھ میں عیب ڈھونڈتے اور نقص تلاش کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں اور (حضرت غزالی زماں) کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جبکہ یہ میرے کمالات تلاش کرتے اور بیان کرتے ہیں۔ بتاؤ تمہیں میرے کمالات سننا پسند ہے یا عیب سننا۔؟'' میں نے عرض کیا حضور مجھے آپ کے کمالات پسند ہیں۔

سید غلام جیلانی شاہ صاحب نے فرمایا جب میں غزالی زماں علامہ کاظمی شاہ صاحب کے پاس سبق پڑھنے کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا رات والے خواب کا حال سناؤ میں نے سارا خواب بیان کیا تو بہت خوش ہوئے اور مجھے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پر مبارکباد دی اور فرمایا میں نے بھی تو یہی بتایا تھا۔

(مقام مصطفیٰ، ص ۱۶، ماہنامہ السعید از ملتان شریف ماہ شوال، ۱۴۱۸ھ فروری 1998ء)

حضرت مفتی غلام جان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

ایک خاص خواب کے بعد ۱۳۴۵ھ میں مدرسہ کی تعطیل میں حج کے ارادے سے بریلی پیرو مرشد کے آستانہ کی زیارت کی حاضری کے ارادہ سے پہنچے، اور ۱۲ رشوال کی صبح کو آستانہ پر حاضری دی، اور فاتحہ خوانی کا شرف حاصل کیا، اور اسی تاریخ کو ایک قافلہ کے ساتھ اجمیر شریف کے لیے روانہ ہوئے، وہاں اپنے استاذ صدر الشریعہ علامہ حکیم محمد امجد علی صدر المدرسین دار العلوم حنفیہ عثمانیہ واقع درگاہ معلیٰ میں قیام کر کے فیوض خواجہ سے مستفیض ہوئے۔ بمبئی میں خان محمد امیر خاں رئیس شہیلیہ ضلع ہزارہ اور آپ کے شاگرد رشید مولانا محمد اعظم وغیرہ مل گئے آپ نے جدہ، مکہ مکرمہ اور دربار نبوی میں پاپیادہ حاضری دی، مدینہ منورہ میں قضائے حاجت کے لیے شہر سے باہر جاتے، جب گنبد خضراء نظروں سے چھپ جاتا تو قضائے حاجت کرتے۔

ایک بار آپ مواجہہ اقدس میں حاضر تھے کہ ایک زائر صلوٰۃ وسلام کے لیے حاضر ہوئے، وہ نہایت جمیل وحسین تھے، ان کے بدن سے بے نظیر خوشبو پھوٹ پھوٹ کر حاضرین دربار کو معطر کر رہی تھی آپ نے اپنے معلم حاجی رمضان سے ان کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے بتایا یہ ان صحابی کی اولاد سے ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب شریف پیا تھا، اور حضور نے ان کے اس فعل پر بشارتیں سنائی تھیں۔

آپ نہایت راسخ العقیدہ تھے، بدمذہب اور مشتبہ لوگوں سے نفرت و بیزاری کا اظہار فرماتے تھے، آپ نے مسجد میں ان کے داخلہ پر پابندی عائد کر رکھی تھی، اور ممانعت کا بورڈ لگا رکھا تھا، اسی طرح سے آپ احکام اسلامی کی خلاف ورزی بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، رمضان المبارک میں بہت سے دوکان داروں کو جو کھانے وغیرہ کا ہوٹل دن میں کھولتے تھے آپ نے پہلے سختی سے روکا، اور جب نہ مانے تو ان کے سامانوں کو نقصان پہنچایا، مگر ہیبت حق کی وجہ سے کسی کو مقابلہ کی تاب نہ ہوئی۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۹۸)

☆☆☆

حضرت فیض العارفین غلام آسی پیا رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت فیض العارفین علیہ الرحمہ کو اپنے مرکز عقیدت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ عشق تھا، جب کبھی محفل میں محبوب کا تذکرہ چھڑ جائے تو آپ کی پلکوں کا دامن بھیگ جاتا اور فرحت و انبساط کی لکیریں چہرے پر نورانیت بکھیرتی ہوئی محسوس ہوتیں۔ حاضر باش روایت کرتے ہیں کہ طویل عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ کثرت کے ساتھ روزانہ بارگاہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں درود و سلام کا ہدیہ پیش کرنا آپ کا معمول رہا۔ رات کے اکثر حصے میں ہاتھ میں تسبیح لیے چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ چہل قدمی کرتے رہتے۔ اس دوران کبھی کبھی آواز قدرے بلند ہو جاتی ہے اور قریب لیٹے ہوئے لوگ آسانی کے ساتھ سن لیتے کہ حضرت علیہ الرحمہ وظائف میں مصروف ہیں۔

علامہ قاضی عیاض مالکی رضی اللہ عنہ نے کتاب الشفا میں لکھا ہے کہ محبوب کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ ان سے منسوب ہر چیز کی قدر کی جائے۔ بلاشبہ یہی ہمارا عقیدہ بھی ہے، اسی پر ہم اہل سنت کا عمل بھی ہے۔ ہم یہ نہیں دیکھتے کہ یہ چیز کیسی ہے، بلکہ عشق و عرفان میں ڈوبی ہوئی دل کی آنکھیں یہ دیکھتی ہیں کہ اسے نسبت کس ذات گرامی سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے مدینے سے منسوب ہر چیز کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ وہ حقیر سا جھاڑو کا تنکا جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرش کا بوسہ لے چکا ہو، اس کا مقام زمین پر نہیں ہے۔ بلکہ اسے ہم اپنی پلکوں پر سجاتے ہوئے فخر سے پھولے نہیں سماتے۔ اس حوالے سے فیض العارفین علیہ الرحمہ کی کتاب زندگی سے عشق و ایمان میں ڈوبا ہوا ایک تاریخ باب پڑھتے چلیے:

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میری شریک حیات (صاحب مقالہ ڈاکٹر غلام زرقانی کی اہلیہ) اپنے نانا حضرت فیض العارفین علیہ الرحمہ کے دولت کدے میں رہا کرتی تھیں۔ خانوادے کے فیض و کرم سے نعت پاک پڑھنے سے دلچسپی ہوگئی اور گھر پر منعقد ہونے والی مجالس میں نعتیں پڑھنے لگیں۔ اسی دوران کسی سے سن لیا کہ جو روزانہ سو بار درود تاج پڑھے گا

وہ خواب میں دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو جائے گا۔ بس پھر کیا تھا شوق و جنوں اس قدر فزوں ہو گیا کہ ۹ رجب المرجب ۱۴۰۷ھ کو نمازِ عشاء پڑھنے کے بعد اپنے کمرے میں بیٹھ کر درودِ تاج کا ورد شروع کر دیا۔ سو کی تسبیح مکمل کی اور نیند آ گئی۔ اب آگے کی روایت خود انہی کی زبانی سنیے جسے حضرت فیض العارفین علیہ الرحمہ نے اپنی موجودگی میں خود تحریر کروایا تھا۔

"۹ رجب المرجب ۱۴۰۷ھ کو نور چشمی ام القریٰ سلمہا نے خواب دیکھا کہ ملک (تحصیل رام پور) میں بہت سے یورپین انگریز جمع ہوئے ہیں اور وہ سب کے سب محترم علامہ ارشد القادری صاحب کی یورپ و ایشیا میں عالمی مقبولیت کی وجہ سے حسد کے مارے ان پر تلواروں سے حملہ کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب علامہ موصوف اپنی جان بچانے کے لیے چپی سادھ گئے تو ایک اجنبی شخص نمودار ہوا اور اس نے انگریزوں سے کہا کہ اب تو انہیں چھوڑ دو کہ یہ ختم ہو گئے۔ پھر انگریز علامہ موصوف کو زمین پر گرا ہوا دیکھ کر اجنبی کے کہنے پر چلے گئے۔ اس کے بعد علامہ موصوف اٹھ کھڑے ہوئے اور اجنبی شخص سے بولے کہ اب مجھے یہاں سے لے چلو ابھی تو مجھے بہت سی کتابیں لکھنی ہیں اور بہت سا کام کرنا ہے۔ پھر ام القریٰ سلمہا نے اپنی نانا کی والدہ طیب النساء مرحومہ کو دیکھا کہ وہ میدان کارزار میں جہاں انگریز حملہ آور ہوئے تھے متفکرانہ انداز میں وہیں زمین پر لیٹی ہوئی ہیں اور علامہ موصوف وہاں سے کام کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔ پھر ام القریٰ سلمہا نے دیکھا کہ غلام منزل تحصیل ملک ضلع رام پور میں کوئی تقریب مسرت ہو رہی ہے جس میں بہت سے لوگ جمع ہیں۔ کھانا وغیرہ پک رہا ہے اور ایک بڑے کڑھاؤ میں وہ کچھ پوری سہاری تیل میں چھان رہی ہے کہ اسی دوران کوئی آدمی پکارتا ہے ام القریٰ سلمہا سے کہہ دو کہ غلام آسی پیا حسنی کے گھر ٹیلی گرام آیا ہے کہ غلام منزل تحصیل ملک ضلع رام پور میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ ام القریٰ سلمہا نے اس خبر فرحت اثر کے سنتے ہی خوشی کے مارے پوری سہاری پکانے میں اتنی تیزی کر دی کہ تیل کے چھینٹے اس کی گردن پر پڑ گئے جس سے اس کی گردن اتنی جگہ جل گئی لیکن ام القریٰ سلمہا خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہی ہے گلا سے گردن جل گئی

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اب دیدار تو ہو جائے گا اور یہ جلا ہوا نشان ہمارے سرکار کی تشریف آوری کے یادگار ہو کے چمکتا رہے گا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لاتے سے قبل ہی غلام منزل میں اس قدر ہجوم ہو چکا ہے کہ گھر کے لوگ نظر نہیں آرہے ہیں کہ کہاں ہیں۔ بس ہر طرف شور مچا ہوا کہ سرکار تشریف لا رہے ہیں۔ ام القریٰ اپنے نانا میاں کا ہاتھ پکڑے مجمع کی طرف آئی پوچھی رہی ہے کہ نانا میاں کیا سرکا دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہوائی جہاز سے تشریف لا رہے ہیں؟ یہ کہتے ہی سب کی نظریں چکا چوند ہو گئیں اور سارا گھر دیکھتے ہی دیکھتے روشنی کے مارے بقعہ نور بن گیا اور مجمع ہے کہ کوئی قدموں سے لپٹا رو رہا ہے، کوئی قدموں کے نیچے مچلا جا رہا ہے اور کاندھے سے کاندھے چھلے جا رہے ہیں۔ غلام منزل اندر سے باہر تک دیوانوں کی بھیڑ سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ ادھر سرکار دوعالم صلی للہ علیہ وسلم غلام منزل کے اندرونی حصے کے برآمدہ کے پوربی کھڑکی کے پاس ایک شاہی تخت پر جلوہ گر چاروں طرف غلاموں کا ہجوم دیکھ دیکھ مسکرا رہے ہیں۔ چہرہ نورانی اور ریش مبارک اس قدر روشن ہے کہ ایک جھلک اور ایک چمک سی آرہی ہے۔ کسی کو آنکھ بھر کے دیکھنے کی تاب نہیں۔"

یہ تو تصویر کا ایک رخ تھا۔ اب سنیے کہ جب اس خواب کی روداد حضرت فیض العارفین علیہ الرحمہ نے سنی تو خوشیوں کا ٹھکانا نہ رہا۔ عالم بے خودی میں زار وقطار رونے لگے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور مجھ سے حقیر کے گھر میں؟ اس فضل وکرم پر وہ ہفتوں مگن رہے۔ بار بار اپنی نواسی کو بلا بلا کر اس سے سنتے، مزے لے لے کر اپنے احباب کو سناتے اور روتے رہتے۔ اسی دوران انہوں نے حکم دیا کہ خواب کے مطابق گھر کے جس حصے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تخت نشین تھے، اسے ممتاز کر کے قدرے اونچا کر دیا جائے اور ہرگز ہرگز کوئی جوتا چپل پہن کر اس مقام پر نہ آئے۔ اس کے بعد حضرت فیض العارفین علیہ الرحمہ کی زندگی کا یہ معمول بن گیا تھا کہ جب بھی وہ سفر سے واپس اپنے دولت کدے پہنچتے تو اسے آنکھوں سے لگاتے اور جب سفر کے ارادے سے گھر سے نکلتے جب بھی اسے بوسہ ضرور دیا کرتے تھے۔ گھر میں قیام کے دوران اسی جگہ

نماز ادا فرماتے۔ آج بھی یہ جگہ اسی طرح محفوظ ہے جہاں خانوادے کے افراد نمازیں ادا کیا کرتے ہیں۔

ویسے تو عشق و دیوانگی کے جذبات میں ڈوبی ہوئی ایسی بے شمار روایات و قصص مل جائیں گے جب کہ اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مرئی نسبت کے وجہ سے کوئی چیز محترم و مکرم ہوگئی ہو، لیکن میری دانست کے مطابق شاید یہ تاریخ اسلامی میں اپنی نوعیت کا اولین واقعہ ہوگا کہ جس میں زمین کا ایک ٹکڑا محض اس لیے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے کہ خواب کے مطابق اسے مرکز عقیدت سے نسبت ہوگئی ہے۔ بس یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر میرا وجدان پکار اٹھتا ہے کہ فیض العارفین علیہ الرحمہ کے جذبہ و مستی، عشق و محبت اور عقیدت و الفت کے پیمانے دوسروں سے بہت مختلف تھے۔

دل تھام کر اب ذرا یہ بھی سن لیں کہ اپنے وصال سے چند دن قبل جب کہ سفر حج و زیارت کے لیے نکلنے والے تھے، بارگاہِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ میں حاضری کی سعادت حاصل کرنے کے لیے بریلی گئے۔ بریلی میں ان دنوں میری شریک حیات بھی موجود تھیں۔ مسلسل علالت کی وجہ سے ادھر کچھ دنوں سے حضرت فیض العارفین علیہ الرحمہ پر جذبی کیفیت طاری رہتی۔ بار بار ایک ہی چیز کو پوچھتے اور پھر بھول جاتے۔ ایک وقت کی نماز ادا کرنے کے باوجود دوبارہ پڑھنے کی ضد کرتے۔ حالت تو یہ تھی لیکن عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم میں فنائیت کا یہ عالم تھا کہ جوں ہی اپنی نواسی کو دیکھا پکار اٹھے کہ بیٹا وہ ذرا سناؤ تو کہ نانا میاں نانا میاں ٹیلی گرام آیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم غلام منزل تشریف لا رہے ہیں۔ یہ کہتے کہتے زار و قطار رونے لگے اور ہچکیاں بندھ گئیں اس موقع پر کہنے والوں نے کہا حضرت ایک ہی بات کو بار بار کہلوانے کے باجود بھول جاتے ہیں۔ لیکن مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے حوالے سے تقریباً پندرہ سال پرانی بات کو اس طرح قوت حافظہ کی زینت بنائے ہوئے کہ جیسے یہ کل کی بات ہو۔

(ماہ نامہ جام نور دہلی ستمبر ۲۰۱۲ء ص ۵۵، ۵۶، مضمون: ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب)

☆☆☆

حضرت مولانا غلام رسول قادری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حج کی سعادت آپ نے گیارہ مرتبہ حاصل کی اور عمرہ تو بے شمار کیا۔ اس کے علاوہ متعدد ممالک میں معروف وغیر معروف تاریخی مساجد، مقابر، خانقاہ اور دینی مراکز کو بڑے قریب سے دیکھا، تاہم اولیاء اللہ سے خاصا لگاؤ ہونے کی وجہ سے آپ نے ہندو پاک کا دورہ زیادہ کیا۔ ہندو پاک کے جن قابل ذکر علمائے اسلام سے آپ کو شرفِ ملاقات ومشاورت رہا ہے، ان میں علامہ ارشد القادری، علامہ ریحان رضا خاں، علامہ اختر رضا خان ازہری میاں، علامہ یٰسین اختر مصباحی (انڈیا)، پرفیسر شاہ فرید الحق، مولانا ستار خان نیازی، وغیرہم (پاکستان) تاہم بریلی شریف کے مولانا صوفی اقبال احمد نوری مرتب "شمع شبستان رضا" سے گہری دوستی تھی۔ اس لیے کسی عظیم ہندوستانی ولی کامل کے روضہ کے قریب (مدینہ شریف کے کسی قبرستان میں دفن نہ ہونے کی صورت میں) دفن ہونے کی دیرینہ خواہش تھی جو وصیت کے مطابق ان کے صاحبزادگان نے پوری کر دی۔ مدینہ منورہ سے ایمان او رروحانی عقیدت کا ایک بڑا مشہور واقعہ ہالینڈ سے آئے لوگوں نے بتایا کہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب قادری کسی عمرہ کے دوران مدینہ منوہ میں قیام پذیر تھے۔ روانگی کے وقت مدنی نشانی کے بطور آپ ایک مدنی بلی ساتھ لے آئے۔ جب وہ بلی مرگئی تو آپ کی عقیدت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ اس کو کسی ہالینڈی قبرستان میں دفن کریں (ایسا وہ اس لیے چاہتے تھے کیونکہ ہالینڈ کے قبرستانوں میں کچھ دنوں کے بعد جب قبروں کی شناخت ختم ہو جاتی ہے تو کبھی کبھی حرام جانور بھی دفن کیے جاتے ہیں۔) چنانچہ اسے ہندوستان کے شہر شاہ آباد (درمیان انبالہ و پانی پت) ہریانہ میں کسی بزرگ کے مزار شریف کے قریب لاکر دفنایا۔)

(کنز الایمان دہلی، ستمبر، ۲۰۰۷ء ص ۳۵، مضمون: محمد ظفر الدین برکاتی)

سند الفقہا خواجہ غلام صدیق شہداد کوٹی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ نے ظاہری زندگی میں دو مرتبہ حجاز مقدس کا سفر اختیار کیا۔ ایک مرتبہ رئیس الحاج

پیر بخش خان کھاوڑ آپ کے رفیق سفر تھے۔

جب آپ جدہ پہنچے تو آپ نے وہاں جوتے اُتار دیے اور وہاں سے تمام سفر برہنہ پا کیا، مکہ مکرمہ میں حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا۔ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ مقدس میں نہایت عجز وانکساری وگریہ کی حالت میں حاضری دی۔ سنہری جالیوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر نہایت تعظیم وتکریم سے سر جھکا کر درود شریف کے گجرے پیش کیے۔ آپ کی مسلسل گریہ وزاری دیکھ کر رفقا کو خوف ہونے لگا کہ کہیں حضرت ہم سے بچھڑ نہ جائیں۔

دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کے وقت رئیس الحاج علی محمد خان کھاوڑ رفیق سفر تھے۔ سفر حج کے دوران آپ نے رئیس علی محمد کھاوڑ سے فرمایا: چالیس غریب آدمیوں کو حج کراؤ۔ اس نے آپ کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھا۔ جب غریب فقرا کو یہ اعلانِ باسعادت معلوم ہوا تو وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے حضرت سے اجازت لے کر درخواست رئیس صاحب کے پاس جمع کراتے تھے۔ اس طرح بندرگاہ پر اسّی امیدوار جمع ہو گئے تھے۔ چالیس کا کرایہ رئیس صاحب ادا کر چکے تھے۔ حضرت صاحب نے رئیس صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا:

آپ پریشان نہ ہوں ہم اپنے وعدے پر پورے ہیں چالیس آپ کے ذمہ، باقی چالیس کو بھی ناامید نہ کریں گے، اس کا انتظام حضرت غوث اعظم سرکار بغداد کے دربار عالیہ میں عرض کر کے کروا دیتا ہوں اور پھر آپ نے بسم الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے اپنی واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بقایا چالیس آدمیوں کا کرایہ ادا کیا۔ (تجلیات صدیقیہ)

آج کے رئیس صاحبان اور پیر صاحبان کے لیے اس واقعہ میں درس عمل ہے کہ وہ فقط خود حج وعمرہ نہ کریں بلکہ غریبوں، مسکینوں، سادات وعلما کو بھی موقع دیں۔

ایک مرتبہ حضرت نے اپنے طالب علم ''محمد نواز'' کو دل نواز'' کہہ کر بلایا۔ اس نے عرض کیا: حضور! آپ نے مجھے میرے اصلی نام سے نہیں بلایا اگر ناراضگی ہے تو معافی چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کوئی ناراضگی نہیں۔ وضو نہیں تھا اس لیے حضور پاک کا نام نامی اسم گرامی نہیں لیا۔ بغیر وضو کے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم پاک کبھی زبان سے نہیں لیا

ہے۔زندگی میں عمداً بھی مدینہ منورہ کی طرف پیٹھ نہیں کی۔سادات کرام وحفاظ کرام کا نہایت احترام کرتے تھے۔ (تذکرہ صوفیائے بلوچستان)

آپ جب بھی مرشد خانہ دربار کٹبار شریف جاتے تو ریلوے اسٹیشن سے بارہ میل تک برہنہ پا اور پیدل جاتے۔پیر خانہ پر کبھی بھی چارپائی پر نہیں سوئے حالانکہ آپ کے مرشد کریم کے صاحبزادگان آپ کے شاگرد تھے۔اساتذہ کرام کا بہت احترام کرتے،جن کا نام محمد عبدالقادر ہوتا تھا۔اس کا بھی انتہائی احترام فرماتے تھے۔سادات کرام اور حفاظ کرام کی بھی بہت تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے۔

مولانا پیر سید تراب علی شاہ راشدی آپ کے شاگرد و داماد تھے۔ایک بار شاہ صاحب کی آنکھیں دُکھنے لگیں اور علاج سے کچھ افاقہ نہ ہوا۔آپ اپنے داماد کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔شاہ صاحب نے حویلی میں پردہ کرایا اور آپ کو اندر بلوانے کے لیے بلاوا بھیجا۔آپ نے صاحبزادے سے فرمایا:

''میں سادات کرام کی حویلی میں کیسے قدم رکھوں یہ آلِ رسول کا آستانہ ہے، یہ خاتون جنت کا چمن ہے۔''بار بار اسرار پر فرمایا:

''میں اپنی آنکھوں پر چادر باندھتا ہوں تاکہ اندر حویلی کے درودیوار پر میری نظر نہ پڑے اور مجھے احتیاط سے لے کر چلنا تاکہ میرے ہاتھ حویلی کے درودیوار سے مس نہ ہوں۔''بالآخر ایسا ہی ہوا،آپ کی نظر کرم سے شاہ صاحب کی طبیعت سنبھل گئی اور آپ کو حویلی سے باہر تک رخصت کے لیے خود اٹھ کر آگئے۔

ردوہابیت کے حوالہ سے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔جب سندھ میں تاج محمود امروٹی اور عبیداللہ سندھی کے ذریعے وہابیت نموادار ہوئی تو آپ اور آپ کے بے شمار مریدین اور عظیم تلامذہ نے سدباب کیا۔عوام الناس کو نئے فرقہ وفتنہ وہابیت کی اللہ عزوجل، رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم کی جناب میں گستاخانہ وکفریہ عقائد سے بروقت آگاہ فرما کر عوام الناس کو گمراہی وبے دینی سے بچایا۔

آپ اپنے وقت کے بے مثال پیر کامل تھے۔ہزاروں لوگ آپ سے فیضیاب

ہوئے، روزانہ اس قدر لوگ زیارت وحاجت برآئی کے لیے حاضر ہوتے کہ پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی، بلاشبہ آپ مرجع خلائق تھے۔

آپ نے وہابیت کے عقائد باطلہ کے رد میں بے شمار فتاویٰ جاری فرمائے جو کہ ''فتاویٰ جنگ'' میں محفوظ کیے گئے تھے اور رسائل بھی تحریر میں لاتے تھے۔

آپ نے سنت کا احیا کیا، بدعت کا قلع قمع کیا، دین کی اشاعت کی۔ شیعہ کے غلط عقائد کا نوٹس لیا، ان کی بدعات شنیعہ سے عوام الناس کو آگاہ کیا۔ احقاقِ حق وابطال باطل کا حق ادا کیا۔ مزید ملاحظہ فرمائیے۔ ''امروٹی جو اصلی روپ'' میں، آپ میلاد شریف کا سالانہ اہتمام فرماتے، ہر ماہ کو گیارہویں شریف کا پابندی سے انتظام فرماتے تھے، سائل کو تعویذ عنایت فرماتے۔ پانی پر دم کر کے دیتے تھے اور دعا بھی کرتے تھے۔ آپ اہلِ سنت و جماعت کے دینی وروحانی پیشوا اور فقہ حنفی کے متبحر عالم دین ومفتی شرع متین تھے۔

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۵۷۲۔۵۷۵)

حضرت مولانا غلام مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوٹ کوٹ کر آپ میں بھرا ہوا تھا۔ وفات سے کچھ عرصہ قبل اپنے جد امجد خواجہ ضیاء الحق کے یہ اشعار اکثر آپ کے ورد زبان رہتے تھے۔

بصدیقت خریدارم عمر را دوست می دارم
فدا سازم دل و جاں را بعثماں یا رسول اللہ
چہارم حیدر صفدر کہ باشد ساقی کوثر
اما ما را شوم چاکر بایقاں یا رسول اللہ

آخری وقت میں اپنے محبوب حضور سرور کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتے ہوئے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے اپنے محبوب کے پاس پہنچ گئے۔

یا رسول اللہ بر احوال خراب مابیں
رہ تحاک افتادہ ام از شرم عصیاں بر زمیں

مذہب چوں من نباشد در تمام امت
یا بوس خود سانم یا بکویت جاں دھم
زیں دو نومیدم مگرداں باچناں کن یا چنیں
گر خدا پرسد چو محشر گویمش
سوئے داغِ سینہ ام ہجر پیغمبر ببیں
من بچشم خویش می دیدیم کہ دربانے السلام
خاکروب آستانت بود زلف حور عین
ما گنہگاراں ہم امیدوار از رحمت
کن بر حال ما یا رحمۃ اللعالمیں
واعظ بے چارہ از جاں می رود ستش بگیر
زانکہ دارد نفس سرکش ہمچو شیطاں درکمیں

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۶۰۴)

مولانا حافظ غلام حبیب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو آپ کی آنکھیں اشک باری کرنے لگتیں تھیں۔ ہر حاجی کو تلقین فرماتے کہ مدینہ منورہ ضرور جانا۔ کسی کے بارے میں علم ہوتا کہ وہ حج کرنے گیا اور سعادتِ مدینہ سے محروم رہا تو فرماتے "بد بخت" ہے۔ آپ نے ۱۹۴۰ء کو حرمین کا سفر کیا۔ چھ ماہ وہاں قیام فرمایا، رمضان المبارک کے روزے مدینۂ منورہ میں گذارے، آخری عشرہ مسجد نبوی شریف میں اعتکاف فرمایا۔

اس کے بعد مزید تین بار حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت حاصل کی۔ آپ فرماتے "پہلے حج کے بعد میرا مقصد صرف مدینہ کا رہا، مدینہ منورہ میں مجھے جو سکون ملا کہیں میسر نہ ہوا۔"

(انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۶۴۶)

سلطان الاولیا حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

رئیس الکاملین سلطان الاولیاء حضرت شاہ محمد غوث قدس سرہ، ہندوستان کے مشہور اولیائے کرام سے ہیں۔ آپ خواجہ فریدالدین عطار کی نسل سے ہیں۔ ولایت کے وارث تھے۔ انوار صمدانی کا نزول اور اسرار الٰہی کا ظہور آپ کی ذات بابرکات سے تھا۔ تمام روحانی کمالات آپ میں موجود تھے ابتدا میں آپ نے بڑی سخت ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔ خصوصاً دعوت اسمائے الٰہی کو کمال تک پہنچایا۔ آپ بے نظیر زمانہ مانے گئے۔ آپ نے پیر جہاں سلطان الموحدین حضرت ظہور الحق والدین سے چہارسہ خانوادہ کی خلافت واجازت حاصل کی۔ شیخ ظہور حاجی حضور بڑے جلیل القدر اور باعظمت بزرگ تھے۔ ایک سو ساٹھ سال کی عمر پائی تھی۔ ہمیشہ سیر و سیاحت کرتے۔ ہندو عرب کے اکثر مقامات مقدسہ پر چلہ کشی کی۔ اور ہر شہر کے عارف و کامل سے معنوی سلوک وحقیقت شناسی کے اسرار کا خزانہ پایا۔ فخر دو جہاں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ منورہ کی جاروب کشی چالیس سال کامل بڑے ذوق و شوق سے کی۔

(تذکرۃ الوجیہہ، ص ۵۹)

حضرت مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مفتی غلام سرور کا شعری کلام اکثر و بیشتر نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ آپ عشق رسول میں فنا تھے، جو نعت بھی لکھتے محبت رسول سے بھرپور ہوتی اور عشق کے جذبات جھلکتے، حج بیت اللہ اور زیارتِ گنبد خضرا کے لیے تو ان کے اشعار زبان زد خلق ہو گئے تھے اور روضۂ رسول پر جانے کے لیے ہمیشہ بے تاب رہتے۔

یہاں چند منتخب اشعار ہدیہ قارئین ہیں جس سے آپ کے اعتقاد اور محبت کا اندازہ ہوگا۔

ہر ایک موتی کی قیمت گھٹ گئی بازارِ عالم میں مقابل ان کے جب وہ بے بہا در یتیم آیا

نبی کو دیکھ کے بے تاب آفتاب ہوا
فروغ حسن سے شرمندہ ماہتاب ہوا

چلے جو عرش پہ خیر البشر شب معراج
اٹھا کے غاشیہ جبریل پا رکاب ہوا

از لا مکاں بلند مقام محمد است — بالا ز عرش عزت و شان محمد است
مفتاح علم و فضل و ہان محمد است — گنجینہ دار فیض زبان محمد است
سرور مدار باک کہ انجام کار تو — در حفظ احمدی ز امان محمد است

کوئے مدینہ میں جگہ پانے کی تمنا کا اظہار یوں کرتے ہیں:۔

پائیں جگہ جو روضۂ اطہر کے سامنے
گھر اپنا ہم بنالیں اسی گھر کے سامنے
بے شک خدا کا گھر ہے اسی گھر کے سامنے
جنت کا در کھلا ہے اسی در کے سامنے
گھر ہو اگر مدینہ میں اپنا تو ہم رہیں
جیتے نبی کے سامنے اور مر کے سامنے

(علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، ص ۱۹۴)

☆☆☆

ف

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عشق رسول

ایک دفعہ سیدہ علیل تھیں لیکن علالت میں بھی رات بھر عبادت میں مصروف رہیں جب حضرت علی صبح کی نماز کے لیے مسجد گئے تو وہ نماز کے لیے کھڑی ہوگئیں، نماز سے فارغ ہو کر چکی پیسنے لگیں۔ حضرت علی نے واپس آ کر ان کو چکی پیستے دیکھا تو فرمایا: اے رسول خدا کی بیٹی! اتنی مشقت نہ اٹھایا کرو، تھوڑی دیر آرام کرلیا کرو کہیں زیادہ بیمار نہ ہو جاؤ۔''

فرمانے لگیں: ''خدا کی عبادت اور آپ کی اطاعت مرض کا بہترین علاج ہے اگر ان میں سے کوئی موت کا باعث بن جائے تو اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی کیا ہوگی۔''

ایک مرتبہ حضور نے سیدہ سے پوچھا: ''جانِ پدر (مسلمان) عورت کے اوصاف کیا ہیں۔''

انہوں نے عرض کیا: ''ابا جان عورت کو چاہیے کہ خدا، اور رسول کی اطاعت کرے، اولاد پر شفقت کرے۔ اپنی نگاہیں نیچی رکھے، اپنی زینت کو چھپائے، نہ خود غیر کو دیکھے نہ غیر اس کو دیکھ پائے۔'' حضور یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے غورا بنت ابی جہل سے نکاح کا ارادہ کیا۔ سیدۃ النساء سخت آزردہ ہوئیں۔ جب رسول کریم ان کے پاس تشریف لائے تو سیدہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ علی مجھ پر سوت (سوکن) لانا چاہتے ہیں۔'' حضور کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ ادھر غورا کے سرپرست بھی حضور سے اس نکاح کی اجازت لینے آئے۔ سرور کائنات مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا:

''آل ہشام علی سے اپنی لڑکی کا عقد کرنے کے لیے مجھ سے اجازت چاہتے ہیں۔ لیکن میں اجازت نہ دوں گا۔ البتہ علی میری لڑکی کو طلاق دے کر دوسری لڑکی سے شادی کرسکتے

ہیں۔ فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، جس نے اس کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی۔ جس نے اس کو پہنچایا اس نے مجھے دکھ پہنچایا۔ میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن خدا کی قسم اللہ کے رسول کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔"

اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت علی نے ارادۂ نکاح فوراً ترک کر دیا اور سیدہ فاطمۃ الزہرا کی زندگی تک پھر دوسرے نکاح کا خیال تک دل میں نہ لائے۔

حضور کو جیسے اپنی بیٹی سے محبت تھی ویسے ہی اپنے داماد اور نواسوں سے بھی بیحد پیار تھا۔ ان سے فرمایا کرتے "جن لوگوں سے تم ناراض ہو گئے میں بھی ان سے ناخوش ہوں گا، جن سے تمہاری لڑائی ہے ان سے میری بھی لڑائی ہے، جن سے تمہاری صلح ہے ان سے میری بھی صلح ہے۔"

حضرت علی سے فرمایا کرتے۔ "اے علی تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔"

فاطمۃ الزہرا کی فرزندوں امام حسن اور حسین کو حضور بھی اپنے جگر کے ٹکڑے سمجھتے تھے۔ نہایت محبت سے انہیں بوسے دیتے اور اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے تھے۔

وصال نبوی سے کچھ دن پہلے حضرت فاطمۃ الزہرا حضور کی خبر گیری کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں تشریف لائیں۔ حضور نے نہایت شفقت سے انہیں اپنے پاس بٹھالیا اور ان کے کان میں آہستہ سے کوئی بات کہی، جسے سن کر وہ رونے لگیں۔ پھر حضور نے کوئی اور بات ان کے کان میں کہی جسے سن کر وہ ہنسنے لگیں۔ جب چلنے لگیں تو عائشہ صدیقہ نے ان سے پوچھا، "اے فاطمہ تیرے رونے اور ہنسنے میں کیا بھید تھا۔" سیدہ نے فرمایا: "جو بات حضور نے اخفا میں رکھی ہے، میں اسے ظاہر نہ کروں گی۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت ام سلمہ نے حضرت فاطمہ سے اس دن کے واقعے کی تفصیل پوچھی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا نے فرمایا: "پہلی دفعہ حضور نے فرمایا تھا کہ پہلے جبریل امین سال میں ہمیشہ ایک بار قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ اس سال خلاف معمول دو بار کیا ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ میری وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔" اس پر میں رونے لگیں۔

پھر حضور نے فرمایا تھا: ''تم اہل بیت میں سے سب سے پہلے مجھے ملوگی اور تم جنت کی عورتوں کی سردار ہوگی۔'' اس پر مجھے خوشی ہوئی اور میں ہنسنے لگی۔ (تذکار صحابیات، ص ۱۱۷۔۱۱۸)

حضرت فاطمہ کی خوشی

مشکوٰۃ شریف میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سورۂ اذا جاء نصرا اللہ۔ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر نور نظر صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا اور ان سے فرمایا نُعِيَتْ اِلَىَّ نَفْسِىْ۔ یعنی مجھ کو میرے سفر آخرت کی خبر دی گئی ہے۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما رونے لگیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَبْكِىْ فَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِىْ لَاحِقٌ بِىْ۔ یعنی اے فاطمہ روؤ نہیں۔ میرے اہل بیت میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کروگی۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہنسنے لگیں۔ یہ دیکھ کر ازواج مطہرات میں سے بعض بیویوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ پہلے ہم نے آپ کو روتے دیکھا اور پھر ہنستے دیکھا۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ حضور نے مجھ کو بتایا کہ آپ کو آپ کے سفر آخرت کی خبر دی گئی ہے۔ یہ سن کر رونے لگی۔ آپ نے فرمایا روؤ نہیں۔ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تو ہی مجھ سے ملے گی۔ یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔ (خطبات محرم، ص ۳۸)

بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا اس کے بعد صحابہ کرام حضرت فاطمہ کے پاس بطور تعزیت آئے۔ تو حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ انس! اور اے صحابہ! تم کو یہ کیسے گوارا ہوا کہ تم نے اللہ کے رسول پر مٹی ڈال دی۔ صحابہ نے کہا اے فاطمہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہم بھی یہی سوچتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیسے مٹی ڈالیں۔ لیکن اللہ کے فیصلہ اور شریعت کے حکم سے کوئی چارہ کار نہیں۔ اس لیے مجبوراً ہم کو ایسا کرنا پڑا۔ پھر حضور کی جدائی میں سب لوگ زار وقطار روئے۔

(خطبات محرم، ص ۵۵)

فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا عشق رسول

ہجرت نبوی کے چار پانچ سال بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اندوہناک خبر سن کر سخت ملول و محزون ہو گئے اور آپ کی چشم ہائے مقدس سے سیل اشک رواں ہو گیا۔ یہ ایک خاتون کی وفات کی خبر تھی۔ آپ فوراً میت والے گھر تشریف لے گئے اور ابدی نیند سونے والی خاتون کی سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا:

''اے میری ماں! خدا آپ پر رحم کرے۔ آپ میری ماں کے بعد ماں تھیں، آپ خود بھوکی رہتی تھیں، مگر مجھے کھلاتی تھیں، آپ کو خود لباس کی ضرورت ہوتی تھی لیکن آپ مجھے پہناتی تھیں۔''

اس کے بعد آپ نے غمزدہ اہل خانہ کو اپنی قمیص مبارک مرحمت فرمائی اور ہدایت کی کہ انہیں میری قمیص کا کفن پہناؤ۔

پھر آپ نے حضرت اسامہ بن زید (حِبُّ النبی) اور حضرت ابوایوب انصاری (میزبان رسول) کو حکم دیا کہ جنت البقیع میں جا کر قبر کھودیں۔ جب وہ قبر کا اوپر کا حصہ کھود چکے تو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم خود نیچے اترے اور اپنے دست مبارک سے لحد کھودی اور خود ہی اس میں سے مٹی نکالی۔ جب یہ کام پورا ہو گیا تو ساقیِ کوثر لحد کے اندر لیٹ گئے اور دعا مانگی:

''الٰہی! میری ماں کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو وسیع کر دے۔'' (تذکار صحابیات، ص ۱۲۳)

حضرت فاطمہ بنت اسد نے حضور سے عشق کا خوب ثمرہ پایا

جب حضرت علی کی والدہ مکرمہ فاطمہ بنت اسد فوت ہوئیں تو حضرت علی نے حضور کو اطلاع دی، حضور بڑے غمزدہ ہوئے، فرمانے لگے ''اس نے مجھے ماں کی طرح پرورش کیا تھا، میرے ساتھ اچھا سلوک کرتی رہی تھی، کہ میرے چچا ابوطالب نے بھی ایسا سلوک نہیں کیا۔'' یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی چادر مبارک دی اور اپنا کرتہ مبارک عنایت فرمایا تا کہ اس کو تکفین کے وقت کام میں لایا جا سکے۔ آپ نے فرمایا ''جب غسل کرا چکیں تو مجھے اطلاع دینا۔''

جب تجہیز و تکفین کی جا چکی تو اسے ایک تختے پر لٹا کر جنازہ گاہ لایا گیا۔ حضور نے اس کی نماز جنازہ ادا کی اور قبر میں رکھا گیا تو آپ نے زور سے فرمایا "فاطمہ!" جواب میں آواز آئی: لبیك یا رسول الله۔ آپ نے فرمایا: تو نے جس بات کی ضمانت مجھ سے چاہی تھی وہ میں نے پوری کر دی ہے۔ تو نے جس ایمان کو قبول کیا تھا اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تجھے زندگی اور موت کے بعد بھی جزائے خیر دے گا۔ اس کے بعد اس کی قبر پر مٹی ڈال دی گئی۔

ایک قریشی نے آگے بڑھ کر حضور سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اس سے پیشتر آپ نے کسی مردے سے یوں معاملہ نہیں فرمایا آج کیا بات ہے کہ آپ مردے سے بھی گفتگو فرما کر اس کی بخشش کی ضمانت دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا "وہ ایک دن میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں میں نے قرآن کریم کی یہ آیت اسے سنائی۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ فرادا کا کیا مطلب ہے؟ میں نے بتایا "اس کا مطلب ہے ننگا، برہنہ، لباس سے خالی بدن، کہنے لگی: واسوا ناہ! اللہ اس برہنگی سے مجھے محفوظ رکھے۔" "میں نے اس وقت ضمانت دی تھی کہ موت کے وقت بے ستری نہیں ہوگی اور قبر میں بھی لباس سے عاری نہیں ہوگی۔" اس کے بعد اس نے قبر میں منکر نکیر کی آمد کے بارے میں دریافت فرمایا۔ "میں نے ان کے آنے کی کیفیت اور سوالات کرنے کے طریقہ کی وضاحت کی، اس نے کہا: واغوثاه بالله منهما (میں اللہ تعالیٰ سے فریاد چاہتی ہوں) میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کی قبر میں منکر نکیر اچھی شکل و صورت میں آئیں۔ اچھا سلوک کریں اور قبر کشادہ ہو جائے اور حشر میں بھی وہ کفن کے ساتھ اٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبول فرمالیا میں نے اسی لیے اس کی قبر پر یہ سوال کیا تھا۔ هل رأيت ما ضمنت لك۔ (کیا تم نے دیکھ لیا جس کی میں نے ضمانت دی تھی وہ درست نکلی) اس نے میرے جواب میں کہا: جزاك الله عني خير الجزاء في المحياء والممات۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست پاک سے قبر کو کشادہ ہونے کا اشارہ کیا تو یہ قبر بہت کشادہ ہو گئی۔ (معارج النبوۃ، ج ا، ص ۶۳۹)

☆☆☆

حاکم فلیطانوس کا مع اپنے رفقاء کے قبول اسلام

ایک رات فلیطانوس نے اپنے مخصوص ساتھیوں کو اپنے خیمہ میں جمع کیا۔ وہ ساتھی اس کے ایسے وفادار تھے کہ اس کے کہنے پر اپنی جان بھی نکال کر رکھ دیں فلیطانوس نے ان سے کہا کہ ہرقل کے مصاحب نے ہزاروں لوگوں کے سامنے جس طرح جھڑک اور ڈانٹ کر مجھے رسوا کیا ہے۔ یہ بات تم پسند کرتے ہو؟ اس کے ساتھیوں نے کہا اے سردار! جب یہ معاملہ ہوا تبھی ہم سے بالکل برداشت نہیں ہو رہا تھا اور ہم اسی وقت ہرقل کے مصاحبوں کو قتل کر دینا چاہتے تھے لیکن آپ نے صبر کر کے کسی قسم کی خفگی کا اظہار نہیں کیا لہٰذا ہم بھی چپ ہو کر بیٹھ گئے، لیکن اس وقت سے اب تک ہم برانگیختہ ہیں مگر مجبور ہیں کہ آپ کے حکم اور اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے پس خاموش ہیں۔ فلیطانوس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ اب میں جو کرنے والا ہوں کیا تم اس میں میرا ساتھ دو گے؟ تمام نے بیک زبان کہا کہ اے سردار! یہ کوئی پوچھنے کی بات نہیں۔ قسم ہے حق مسیح کی! تمہارے ادنیٰ اشارے پر ہم اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ فلیطانوس نے کہا کہ میں اب ظلمت سے نور کی طرف، تاریکی سے روشنی کی طرف، جہل سے عقل کی طرف، ذلت سے عزت کی طرف، اور عذاب سے نجات کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہوں یعنی دین برحق اسلام قبول کر کے دین اسلام کی خدمت انجام دے کر بہشت کا حقدار بن جاؤں، اور میں چاہتا ہوں کہ اسلام میں داخل ہونے سے جو عزت اور بزرگی مجھے حاصل ہو، میرے ساتھ تم کو بھی حاصل ہو اور اگر تم نے اسلام قبول کرنے میں میری متابعت و موافقت نہ کی، تو میں تنہا دین اسلام اختیار کر لوں گا۔ کیونکہ اسی میں دنیا اور آخرت کی سلامتی اور بہتری ہے۔ فلیطانوس کے ساتھیوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے شہر سے چھ سو میل کی مسافت ہرقل بادشاہ کے لیے طے نہیں کی بلکہ تمہاری محبت میں ہم یہاں آئے ہیں، ہم تمہارے تابع فرمان ہیں۔ جہاں تم ہو گے ہم بھی وہیں ہوں گے۔ اس معاملہ میں تو کیا بلکہ کسی بھی معاملہ میں ہم تمہاری مخالفت نہیں کریں گے۔ تمہاری مخالفت کرنے سے مر جانا ہمارے لیے لاکھ درجہ بہتر ہے۔

اپنے جاں نثار ساتھیوں کا جذبۂ عشق و محبت دیکھ کر فلیطانوس بہت خوش ہوا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اپنا ساز و سامان سمیٹ کر، گھوڑوں پر لاد کر تیار رکھو، آدھی شب گزر جانے کے بعد ہم اپنے جملہ سامان و ہتھیار لے کر اسلامی لشکر کے کیمپ میں چلے جائیں گے۔ چنانچہ فلیطانوس کے ساتھی سامان باندھنے میں مصروف ہو گئے اور روانہ ہونے کی تیاری میں لگ گئے۔ آدھی شب کو انہوں نے اپنے سامان اور ہتھیار گھوڑوں پر لادے اور روانہ ہونے ہی والے تھے کہ عین اسی وقت حضرت یوقنا لشکر کی نگرانی کے قصد سے گشت کرتے ہوئے وہاں آپہنچے۔ سوائے پہرے داروں کے اس وقت لشکر کا ہر سپاہی گہری نیند میں سویا ہوا ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے فلیطانوس کو مع لشکر حالت بیداری، اور جنگی لباس پہنے ہوئے ہتھیاروں سے مسلح دیکھ کر حضرت یوقنا گھبرائے کہ کہیں یہ لوگ رات کے سناٹے میں اسلامی لشکر کو غافل سمجھ کر حملہ کرنے تو نہیں جا رہے ہیں؟ جیسا کہ ایک زمانہ میں حلب کی لڑائی میں رات کے وقت سوئے ہوئے اسلامی لشکر پر حملہ کیا تھا، لہٰذا حقیقت حال سے واقف ہونے اور ان کی اس ہیئت کا سراغ لگانے کی غرض سے حضرت یوقنا حاکم فلیطانوس کے پاس آئے اور پوچھا کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ حاکم فلیطانوس نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ حضرت یوقنا نے اپنا تعارف کرایا، اس پر حاکم فلیطانوس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے تو عربوں کا دین اختیار کیا؟ کیا یہ درست ہے؟ تم نے ایسا کیا دیکھا تھا کہ عربوں کا دین اختیا کیا؟ ب جواب میں حضرت یوقنا نے فرمایا کہ میں نے عربوں میں چند خوبیاں دیکھی تھیں، ہمیشہ سچائی اور حق پر قائم رہتے ہیں جھوٹ اور باطل کی طرفداری ہرگز نہیں کرتے، رات کو سونے کے بجائے اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، ہر وقت اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں، عدل و انصاف ان کا شیوہ ہے۔ ظالم کو ظلم سے باز رکھنا اور مظلوم کی اعانت کرنا ان کی خصلت ہے، پابندی سے نماز پڑھنا ان کی عادت ہے دن کو روزہ رکھنا، اپنے محتاج بھائیوں کی خبر گیری کرنا، صداقت، مودت، اخوت، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت اور ہمہ وقت مصروف ریاضت رہنا ان کا طریقہ ہے لہٰذا میں نے ان کو حق پر جان کر ان کے دین کی طرف سبقت کیا۔

حضرت یوقنا کا جواب سن کر حاکم فلیطانوس نے کہا کہ جب تم ان کے اخلاق حسنہ اور

ان کی حقانیت سے واقف ہو چکے تھے تو پھر مرتد ہو کر دین صلیب کی طرف کیوں رجوع کیا؟
حضرت یوقنا نے جواب میں کہا کہ اپنے دین کی محبت، اپنی قوم کی صحبت، اور رشتہ داروں کی الفت کی وجہ سے ان کی جدائی گوارا نہ کی۔ حاکم فلیطانوس نے کہا کہ افسوس ہے تم پر کہ امر حق دیکھ کر دنیا اور اہل دنیا کی محبت کو ترجیح اور اہمیت دے کر تم نے نجات اخروی کو ترک کر دیا۔ ظلمت سے نکل کر روشنی میں آ کر پھر دوبارہ اندھیرے اور تاریکی کی طرف واپس پلٹ گئے۔ حق اختیار کرنے کے بعد پھر باطل کی طرف لوٹے۔ حاکم فلیطانوس کی گفتگو سن کر حضرت یوقنا محو حیرت تھے اور گمان کیا کہ شاید ان کو بھی دولت ایمان نصیب ہونے والی ہے لیکن حضرت یوقنا نے احتیاط برتتے ہوئے اپنا حال ظاہر کرنے کی جلد بازی نہ کی اور مزید تحقیق کرنے کی غرض سے پوچھا کہ تمہاری باتوں سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرا اسلام کے لشکر سے نکل کر واپس رومیوں کے لشکر میں آنا تمہیں اچھا نہیں لگا۔ جواب میں فلیطانوس نے کہا ہاں! بے شک مجھ پر یہ امر شاق گزرا ہے کہ تم نے راہ ہدایت و نجات چھوڑ کر گمراہیت و عذاب کی راہ اپنائی ہے۔ اور یہ بھی سن لو کہ میں اپنے چار ہزار ساتھیوں کے ساتھ اسلامی لشکر کی طرف اس قصد سے جا رہا ہوں کہ دین اسلام قبول کرلوں، اور اسلام کی خدمت کرنے کی غرض سے اسلامی لشکر کی اعانت کروں، ان کو تقویت دوں۔

حضرت یوقنا نے دیکھا کہ رومۃ الکبریٰ کے حاکم فلیطانوس نے اپنا راز فاش کر دیا ہے اور کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی، لہٰذا اب میں بھی اپنی حقیقت نہ چھپاؤں لہٰذا انہوں نے بھی اپنی حقیقت ظاہر کر دی، جس کو سن کر حاکم فلیطانوس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور انہوں نے حضرت یوقنا کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ اب دیر کس بات کی؟ اسی وقت چلے چلتے ہیں اور تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ حضرت یوقنا نے فرمایا کہ جلدی بازی سے کام مت لو۔ جوش کے ساتھ ہوش بھی شامل رکھو۔ اس وقت نہ میرا جانا مناسب، اور نہ ہی تمہارا جانا مناسب ہے کیونکہ اگر ہم اس وقت اسلامی لشکر میں چلے گئے تو ہرقل کو ضرور پتہ چل جائے گا اور وہ دن میں اپنے لشکر کو میدان میں اتارتے وقت احتیاط کرتے ہوئے نئی چال چلے گا۔ لہٰذا ہم اس کو چوکنا نہ ہونے دیں بلکہ اس کو غافل رکھیں۔ علاوہ ازیں حلب سے آئے ہوئے میرے دو سو

ساتھی بھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھ کر میرے ساتھ شہر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ان کو بھی ساتھ لے چلنا ہے اور اس وقت ان کا شہر سے نکلنا ممکن نہیں۔ایک ضروری بات بھی گوش گزار کردوں کہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دوسو مبارک حضرات ہرقل کی قید میں ہیں اور ہرقل نے ان قیدیوں کو میری نگرانی میں دیا ہے۔اس وقت وہ تمام قید خانہ میں ہیں لہٰذا آج کی رات توقف کرو تا کہ کل دن کو میں اصحاب رسول کو قید سے نکال کر ان کو رومی لباس پہنا کر اپنے حلب کے ساتھیوں کے ساتھ رومی لشکر میں منتشر کردوں اور تم بھی مکرو فریب کرتے ہوئے کل دن میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ رومی لشکر میں شمولیت اختیار کرکے میدان میں نکلو اور ایسا دکھاوا کرو کہ ہرقل کے ساتھ تم عربوں سے مقابلہ کرنے آئے ہو۔

حضرت یوقنا نے حاکم فلیطانوس کو تاکید کرتے ہوئے کہا کہ تم ہرقل بادشاہ کے قریب ٹھہرنا اور میں بھی تمہارے اردگرد ہی ٹھہروں گا۔جب جنگ شروع ہوگی تب ہم موقع پاکر ہرقل اور رومی لشکر کے اہم سرداروں کو قتل کرکے اپنے ساتھیوں سمیت ایک ساتھ رومی لشکر ترک کرکے اسلامی لشکر میں شامل ہوجائیں گے۔اور ان کو اچانک جھٹکا دے کر جنگ کا تختہ پلٹ دیں گے۔حضرت یوقنا نے حاکم فلیطانوس کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہرقل بادشاہ کو تم اپنے کسی آدمی سے قتل کراؤ اور ہرقل کے قاتل کی حیثیت سے تم علی الاعلان ظاہر نہ ہو جاؤ، کیونکہ تم جب رومۃ الکبریٰ واپس جاؤ گے تو وہاں کے رومی تم سے مزاحم ہوں گے کہ یہ ہمارے بادشاہ قیصر روم کا قاتل ہے۔تب تم اپنے دفاع میں کچھ نہیں کہہ سکو گے اور اگر تم نے اپنے کسی آدمی سے ہرقل کو قتل کرایا تو اس صورت میں تم یہ عذر پیش کر سکو گے کہ ہرقل کو میں نے قتل نہیں کیا میرے کسی آدمی نے قتل کیا ہے اور میں اس سے بری الذمہ ہوں۔حاکم فلیطانوس نے جواب دیا کہ اے دینی برادر! میں ہرقل کا قتل دنیا کی سلطنت کے لیے نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرنا چاہتا ہوں۔بلکہ اب میرے دل میں دنیا کی سلطنت کی کوئی رغبت و وقعت نہیں، بس صرف یہی ایک تمنا ہے کہ ہرقل جیسے سگ رومی کو قتل کرکے اسلام کی عظیم خدمت انجام دوں اور پھر یہاں سے بیت المقدس چلا جاؤں اور باقی زندگی اللہ تعالیٰ کی

عبادت اور شریعت محمدی کی اطاعت میں بسر کروں اور اپنی دنیوی زندگی کو سنوار کر آخرت کی بھلائی حاصل کروں۔

حاکم فلیطانوس نے حضرت یوقنا سے کہا کہ بہتر ہے کہ آئندہ کل ہم جو کارنامہ انجام دینے والے ہیں اس کی اطلاع اسلامی لشکر کے سردار کو کسی معتمد آدمی کے ذریعہ بھیج دیں، حضرت یوقنا نے جواب دیا کہ حلب کے کچھ رومی معاہد میرے جاسوس ہیں۔ان میں سے کسی کو بھیج کر اسلامی لشکر کے سردار حضرت ابوعبیدہ کو خبر کرتا ہوں۔

حضرت یوقنا اور حاکم فلیطانوس مندرجہ بالا گفتگو کرنے کے بعد آئندہ کل کے لیے منصوبہ بندی میں مصروف ہو گئے اور حضرت یوقنا حاکم فلیطانوس کے خیمہ میں ٹھہر گئے تاکہ پاس شدہ تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اہم امور میں مشورہ کرسکیں۔حضرت یوقنا اور حاکم فلیطانوس کے درمیان جب ہرقل کو قتل کرنے اور حاکم فلیطانوس نے اسلام قبول کرنے کا اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا تو حضرت ابوعبیدہ اپنے خیمے میں سوئے ہوئے تھے اور انہوں نے خواب دیکھا۔اس خواب کو امام اجل، علامہ محمد بن عمر واقدی قدس سرہ کی زبانی سماعت فرمائیں:

"يَا اَبَا عُبَيْدَةَ اَبْشِرْ رِضْوَانَ اللّٰهِ وَرَحْمَتَهٗ غَدًا تُفْتَحُ الْمَدِيْنَةُ صُلْحًا عَلٰى يَدِكَ وَاَنَّ صَاحِبَ رُوْمَةَ الْكُبْرٰى قَدْجَرٰى مِنْ اَمْرِهٖ مَعَ يُوْقَنَا كَذَا وَكَذَا وَهُمْ بِالْقُرْبِ مِنْ جَيْشِكَ فَتَنْفُذْ اِلَيْهِمْ بِاَنْجَارِ الْاَمْرِ"

''اے ابوعبیدہ! خوش ہو تم، ساتھ اللہ کی خوشنودی اور اس کی رحمت کے ساتھ کہ کل فتح ہو جائے گا شہر از روئے صلح کے تمہارے ہاتھوں پر اور حاکم رومۃ الکبریٰ کا معاملہ یوقنا کے ساتھ ایسا اور ایسا کچھ ہوا ہے اور وہ لوگ نزدیک ہیں تمہارے لشکر سے پس حکم بھیجو تم ان کی طرف روانہ ہونے کام کے۔ (فتوح الشام، از علامہ واقدی، ص:۲۷۰)

الغرض حضور اقدس عالم ماکان وما یکون صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوقنا اور حاکم فلیطانوس کے درمیان جو کچھ بھی گفتگو ہوئی تھی اس کو از اول تا آخر لفظ بلفظ حضرت ابوعبیدہ سے بیان فرما دی اور ساتھ میں آئندہ کل انطاکیہ شہر فتح ہونے کی بشارت دی اور حضرت ابوعبیدہ کو حکم فرمایا کہ وہ حضرت یوقنا اور حاکم فلیطانوس کے پاس کسی آدمی کو بھیج کر ان کو وہ کام کرنے کا

حکم بھیجیں۔ خواب دیکھنے کے بعد حضرت ابو عبیدہ بیدار ہوئے، تو آدھی رات کا وقت تھا۔ حضرت ابو عبیدہ تھوڑی دیر تک اس خواب کے متعلق سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے آدمی بھیج کر حضرت خالد کو بلایا۔ حضرت خالد بن ولید حضرت ابو عبیدہ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے حضرت خالد سے اپنا خواب بیان کیا سن کر حضرت خالد کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔

حضرت ابو عبیدہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس سچے خواب اور اپنے آقا و مولیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصرف و اختیار اور اطلاع علی الغیب پر اتنا کامل یقین اور پختہ اعتماد تھا کہ انہوں نے حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری کو بلایا اور اُن کو خواب کی تفصیل بتانے کے بعد ان کو اسی وقت رومی لشکر کی جانب یہ کہہ کر روانہ کیا تم بے جھجک اور بے خوف حاکم فلیطانوس کے خیمہ میں چلے جانا۔ حضرت یوقنا بھی تم کو وہیں ملیں گے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری اسی وقت اسلامی لشکر کے کیمپ سے روانہ ہو کر رومی لشکر کے کیمپ میں حاکم فلیطانوس کے خیمہ پر کسی قسم کی رکاٹ کے بغیر آ پہنچے۔ اس وقت حضرت یوقنا اور حاکم فلیطانوس گفتگو میں مشغول تھے کہ خادم نے آکر اطلاع دی کہ حضرت یوقنا سے ملنے کوئی شخص آیا ہے۔ حضرت یوقنا خیمہ سے باہر آئے اور وہ تعجب کرتے تھے کہ میں یہاں ہوں اس کی خبر اس آنے والے کو کس نے دی ہوگی؟ باہر آکر دیکھا تو صحابیٔ رسول حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری ہیں۔ حضرت یوقنا ان کو پہچان گئے اور خیمہ کے اندر لے آئے اور حاکم فلیطانوس سے تعارف کرایا اور پھر پوچھا آدھی شب کے وقت یہاں تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمانے کا سبب کیا ہے؟ اور آپ کو کس نے میرا پتہ بتایا کہ میں یہاں ہوں؟ حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری نے فرمایا کہ حضرت ابو عبیدہ اور حضرت خالد بن ولید نے مجھ سے فرمایا کہ آپ حاکم فلیطانوس کے خیمہ میں ہی ملیں گے اور ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں یہ اطلاع دی اور مزید برآں آپ دونوں کے درمیان آئندہ کل کے معاملہ میں جو گفتگو ہوئی ہے اس کی اول تا آخر بلفظ تفصیل بتادی ہے پھر حضرت عمرو بن اُمیہ نے خواب کی تفصیل بتائی اور فتح انطاکیہ کی خبر بھی سنائی اور یہ بھی کہا آپ دونوں حضرت ابو عبیدہ کو آئندہ کل کی تجویز کی اطلاع بھیجنے کا ارادہ کرتے تھے لہٰذا حضرت ابو عبیدہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ نے جو تجویز

ملے کی ہے اس پر عمل کرنا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تمہاری کوشش کامیاب ہوگی۔

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ ساری تفصیل سن کر حاکم فلیطانوس کے دل پر رقت طاری ہوئی اور بدن تھرتھر کانپنے لگا اور انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ دین اسلام ہی پائیدار اور راست ہے اور نبی مرسل رحمت عالم اور رسول برحق ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

ناظرین کرام غور فرمائیں! حضرت یوقنا اور حاکم فلیطانوس ملک شام کے انطاکیہ شہر میں رومی لشکر کے کیمپ کے ایک خیمہ میں بیٹھ کر جو گفتگو کر رہے تھے اس گفتگو کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں گنبد خضراء میں آرام فرماتے ہوئے سماعت فرما رہے ہیں اور اس کی اطلاع لفظ بلفظ خواب میں حضرت ابوعبیدہ کو دے دی۔ یہی تو علم غیب اور تصرف ہے۔

(سرکٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب، ج ۲، ص ۳۱۲)

فراق نبی میں کھجور کے تنے کا آہ وفغاں کرنا

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مسجد پر چھپر کی چھت ہوا کرتی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے تنے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے لیے منبر تیار کریں؟ تاکہ جمعہ کے دن آپ اس پر کھڑے ہوں اور لوگ جمعہ کے دن آپ کا خطبہ سنا کریں، آپ نے فرمایا: انہوں نے منبر کے تین درجے بنائے، یہی وہ تین زینے جو منبر پر ہوتے ہیں۔ جب منبر بنایا گیا اور اس جگہ رکھا گیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے رکھا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا ارادہ فرمایا۔ آپ منبر کی طرف تشریف لے جاتے ہوئے اس تنے کے پاس سے گزرے جس کیساتھ ٹیک لگا کر آپ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، اس تنے نے اتنی شدت سے گریہ وزاری کی کہ وہ پھٹ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تنے کی آواز سنی تو آپ منبر سے اتر کر اس کے پاس

تشریف لائے، اس پر دست شفقت پھیرا، اور واپس منبر پر تشریف لے آئے، جب مسجد نبوی منہدم کی گئی تو وہ تنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لے لیا، ان کے پاس ان کے گھر میں رہا یہاں تک کہ وہ بوسیدہ ہو گیا، اسے دیمک نے کھالیا اور وہ ختم ہو گیا۔

کھجور کے تنے کی یہ حدیث اس طرح ہے جیسے متواتر ہو، اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت نے روایت کیا، ان میں سے حضرت جابر بن عبد اللہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جن کے حوالے سے امام بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ ان کے علاوہ حضرت انس بن مالک، عبد اللہ ابن عباس، سہل بن سعد ابو سعید خدری، بریدہ، ام سلمہ اور مطلب بن ابی وداعہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (پکار و یا رسول اللہ، ص ۲۲۵)

☆☆☆

حضرت قباث بن اُشیم رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

"حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنی یعمر بن لیث کے بھائی قباث بن اشیم سے پوچھا: آپ بڑے ہیں یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ سے بڑے ہیں، اور میں میلاد (پیدائش) میں ان سے پہلے ہوں۔"

حضرت قباث بن اشیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول۔ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بڑے ہیں لیکن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیدا ہوا تھا۔" حسنِ ادب اور معراجِ احترام کی زہرہ صفت مثال ہے۔ (میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص ۷۵۳)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی سنتے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا اور وہ رونے لگتے۔

(عرفانِ رضا در مدح مصطفیٰ، ج ۲، ص ۱۵۷)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

سیر الاولیاء میں حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ کے ایک مرید حضرت احمد رئیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ہم نے آج خواب میں دیکھا کہ ایک گنبد ہے جس کے گرد لوگ جمع ہیں۔ اور ایک پست قد آدمی اندر باہر آ جا رہے ہیں۔ اور باہر سے بہت سے لوگ اپنی التجائیں اس پست قد آدمی کے ذریعے گنبد کے اندر بھجوا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ گنبد کے اندر کون ہیں۔ بتایا کہ اس گنبد کے اندر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جو آمد و رفت کر رہے ہیں وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ سن کر میں بھی تیز قدم بڑھا کر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا کہ آپ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت با

برکات میں عرض کریں کہ میں بھی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر گئے تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے اور بولے کہ تم قطب الدین کے پاس جاؤ میرا اسلام کہو اور یہ بھی کہو کہ جو تم تحفہ ہر رات مجھے بھیجا کرتے تھے وہ مجھ تک پہنچتا تھا لیکن کیا بات ہے کہ وہ اب کچھ دنوں سے بند ہو گیا۔ جب آپ نے یہ سنا تو اپنی بیوی کو بلا کر حق المہر ادا کیا اور اس سے الگ ہو گئے اور فرمایا کہ جو تحفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا کرتا تھا وہ ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف تھا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات "فوائد السالکین" کے اندر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت رسول ﷺ کا ایک واقعہ قلمبند کرتے ہیں کہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ "ابتدائے حال میں مجھے قرآن شریف یاد نہ تھا اس لیے طبیعت پریشان سی رہا کرتی تھی۔ ایک رات میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو اپنی آنکھوں کو حضور ﷺ کے قدم مبارک پر ملا اور زار زار رویا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک التماس ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یاد ہے! آپ کو میری حالت پہ رحم آیا اور فرمایا سر اٹھا میں نے سر اٹھایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورہ یوسف پڑھا کرنا کہ تجھے قرآن شریف حفظ ہو جائے۔ پھر میری آنکھ کھلی تو اس کے بعد میں ہمیشہ سورہ یوسف پڑھتا رہا یہاں تک کہ جلدی ہی مجھے قرآن شریف حفظ ہو گیا۔ (کنز الایمان دہلی، فروری، ۲۰۰۶ء ص ۴۴، مضمون، ڈی کلیم مصباحی افریقہ)

یہی واقعہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز کی کتاب میں اس طرح نقل ہے:

آپ ہمہ وقت حب رسول سے سرشار رہتے مجلسوں میں احادیث نبوی بیان فرماتے اطاعت رسول کا ہر وقت خیال رکھتے ہر شب تیس ہزار بار درود شریف پڑھ کر بارگاہ رسالت میں نذر کرتے محبت و اطاعت رسول ہی اصل چشمہ معرفت و سلوک ہے۔

رسول گرامی وقار کی توجہ خاص کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا شروع میں مجھے قرآن شریف حفظ نہ ہوتا تھا ایک رات خواب میں زیارت حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوا پایۂ اقدس پر سر رکھ کر رونے لگا پھر عرض کی میں کلام پاک حفظ کر لوں۔ جان

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے رونے پر رحم آیا اور شفقت سے فرمایا ''سر اٹھاؤ'' میں نے سر اٹھایا ارشاد فرمایا ''سورہ یوسف برابر پڑھا کرو قرآن مجید یاد ہو جائے گا۔'' بیدار ہونے کے بعد سورہ یوسف کی مواظبت کی یہاں تک کہ پورا قرآن حکیم یاد ہو گیا۔

شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہنا آپ کا پسندیدہ معمول تھا، فرائض پنج گانہ کی ادائیگی فرماتے اور تین سو رکعت نفل ہر روز ادا کرتے، روزانہ ایک ختم قرآن کرتے عبادت الٰہی میں سخت ترین مجاہدہ و ریاضت کے عادی تھے، آرام اور خواب و خور سے واسطہ نہ رکھتے، ابتداء میں آپ کچھ دیر رات میں آرام فرماتے لیکن آخیر عمر میں رات کو سونا آپ نے ترک کر دیا پوری رات بیدار رہتے، ذکر جلی و خفی میں مصروف رہتے، کبھی بستر سے پشت لگا کر آرام نہ کرتے پانچ روز کے بعد روزہ افطار کرتے خلق خدا کی دلجوئی میں کوشش فرماتے تنہائی اور گوشہ نشینی محبوب تھی کم کھانا کم سونا، کم بولنا آپ کا شعار تھا۔ اللہ کی یاد میں مشغول رہتے اور گریہ وزاری میں وقت گزارتے فقر و استغناء، توکل و قناعت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا خلق خدا آپ کی جانب مائل تھی خود سلطان دہلی التمش مرید و نیاز مند تھا مگر عشق الٰہی نے دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا گھر میں اکثر فقر و فاقہ بسر ہوتی، سلاطین و امراء سے ہرگز نذرانہ قبول نہ فرماتے، شب و روز استغراق میں بسر کرتے اوقات نماز ہوش میں آتے تازہ وضو کر کے نماز ادا کرتے۔ (سلطان الہند خواجہ غریب نواز، ص ۱۵۷)

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کہتے ہیں کہ ستمبر ۱۹۷۰ء میں جب حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ ہری پور تشریف لے گئے، اس وقت مجھے آپ کی مجلس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک صاحب نے روضہ اقدس کے گنبد شریف کا بیج سینے پر لگا رکھا ہے۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا: ''یہ لوگ گنبد خضرا کی صحیح تعظیم و تکریم نہیں کرتے، کئی لوگوں کی اس کی طرف پشت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بیت الخلاء میں چلے جاتے ہیں۔ میری تو یہ عادت ہے کہ جس کمرے میں گنبد خضرا کی تصویر آویزاں ہو وہاں جوتے

پہن کر نہیں جاتا۔ ایک دفعہ مجھے گردے کی سخت تکلیف تھی کسی پہلو قرار نہیں ملتا تھا۔ اچانک میری نظر دیوار پر آویزاں گنبد خضرا کی تصویر پر پڑی، میں باادب کھڑا ہو گیا، بارگاہ رسالت میں اپنی فریاد پیش کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور درد اسی وقت موقوف ہو گیا۔

(محسن اہل سنت ص، ۱۶۵۔ بحوالہ، علامہ شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی، نور نور چہرے، ص ۲۴۳)

قبیلہ عدی بن حاتم کا قبول اسلام

قبیلہ بنو طے، عرب کے مشہور قبائل میں سے ایک تھا۔ حاتم طائی اسی قبیلہ کا مایہ ناز فرد تھا، جس کی فیاضی اور سخاوت نے اس قبیلہ کے نام کو چار دانگ عالم میں روشن کر دیا تھا۔ حاتم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عدی، اپنی قوم کا سردار مقرر ہوا، وہ اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اپنی زبان سے بیان کرتا ہے۔

عدی کہتا ہے کہ عرب کے دوسرے غیر مسلم بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دل سے ناپسند کرتے تھے لیکن میری ناپسندیدگی سب سے زیادہ تھی، کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ مجھے نہ ان کی اطاعت کی ضرورت ہے اور نہ ان کے دین کو قبول کرنے کی حاجت ہے۔ کیونکہ میں ایک تو اپنی قوم کا رئیس ہوں، میرا مذہب عیسائیت ہے، میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتی ہوں، نیز میری قوم اپنی آمدنی کا چوتھا حصہ مجھے پیش کرتی ہے، جب میرا مذہب بھی سچا ہے اور قوم نے مجھے اپنا فرمانروا بھی تسلیم کر لیا ہے اور مجھے اپنی آمدنی کا گراں قدر حصہ بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں تو مجھے کسی نئے نبی یا نئے دین کو قبول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فتوحات اور اسلام کی کامیابیوں کے چرچے میں بھی سنتا رہتا تھا۔ اس لیے میرے دل میں یہ تشویش ضرور تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پیغمبر اسلام میرے علاقہ پر بھی حملہ کر دیں، میرا ایک عربی النسل نوکر تھا، جو میرے اونٹوں کو چرایا کرتا تھا، میں نے اسے حکم دیا کہ اصطبل میں ہر وقت چند ایسے اونٹ موجود رہنے چاہئیں جو سرکش نہ ہوں اور موٹے تازے ہوں اور جب تو یہ سنے کہ مسلمانوں کے لشکر نے بنی طے

کے علاقہ میں قدم رکھا ہے تو مجھے فوراً اطلاع دے دینا، چنانچہ ایک روز وہ گھبرایا ہوا آیا اور اس نے آکر مجھے بتایا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہسوار یہاں پہنچ گئے ہیں۔ میں نے ان کے جھنڈے بھی دیکھے ہیں، اس لیے آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ اب کر گزریں۔ میں نے اسے کہا کہ میرے اونٹوں پر پالان کسو اور انہیں میرے پاس لے آؤ، وہ لے آیا تو میں نے اپنی بیوی بچوں کو ان پر سوار کیا اور شام کی طرف روانہ ہو گیا، جہاں میرے ہم مذہب عیسائیوں کی کافی تعداد موجود تھی، جلدی میں اپنی بہن اور حاتم کی بیٹی سفانہ کو وہیں چھوڑ گیا۔

میں شام پہنچا اور وہاں سکونت پذیر ہو گیا، میرے وطن سے چلے آنے کے بعد اسلام کے مجاہد میری قوم کے علاقہ میں پہنچے۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کو جنگی قیدی بنا لیا، ان میں حاتم کی بیٹی سفانہ بھی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شام کی طرف میرے بھاگ جانے کی اطلاع مل گئی تھی، جب یہ جنگی قیدی مدینہ طیبہ پہنچے تو انہیں مسجد کے دروازے کے سامنے ایک چھپر میں ٹھہرایا گیا، وہاں ہی حاتم کی بیٹی کو بھی رکھا گیا، مقریزی کی روایت کے مطابق سفانہ کو رملہ بنت حارثہ کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفانہ کے پاس سے گزرے، وہ اٹھ کر حضور کے پاس چلی آئی وہ بڑی فصیح اللسان اور چرب زبان تھی، اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور میری پرسش احوال کے لیے آنے والا بھائی شام بھاگ گیا ہے۔ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔ حضور نے پوچھا "تیرا وفد کون ہے؟" عرض کی عدی بن حاتم، حضور نے فرمایا "وہی عدی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگ گیا ہے۔" اتنی بات ہوئی اس کے بعد حضور مجھے یوں کھڑا چھوڑ کر تشریف لے گئے، دوسرے روز پھر حضور میرے پاس سے گزرے، جو عرض میں نے کل کی تھی، وہی آج بھی پیش کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کل والا ہی جواب مجھے دیا اور تشریف لے گئے، تیسرے روز بھی ایسا ہی ہوا۔ اور میں مایوس ہو گئی، ایک نوجوان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے کھڑا تھا، اس نے مجھے اشارہ کیا کہ اٹھو اور حضور کی خدمت میں اپنی معروضات پیش کرو، اس کے کہنے سے میری حوصلہ افزائی ہوئی، میں اٹھی اور عرض کی، یا رسول اللہ! میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور میر

ی خبر گیری کے لیے آنے والا غائب ہو گیا ہے، مجھ پر احسان فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔ رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے تمہیں آزاد کر دیا۔ لیکن یہاں سے جانے میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ تیری قوم کا کوئی قابل اعتبار شخص تمہیں مل جائے جو تمہیں حفاظت کے ساتھ تیرے وطن پہنچا دے، پھر مجھے اطلاع دینا۔“ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ جس شخص نے مجھے اشارہ کر کے پھر اپنی گزارش پیش کرنے کا حوصلہ دلایا ہے، وہ کون شخص ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ وہ نوجوان علی بن ابی طالب ہیں رضوان اللہ علیہ۔ میں وہاں ٹھہری یہاں تک کہ قبیلہ بلیہ اور قضاعہ کے چند سوار آئے، میں نے ان سے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ اپنے بھائی کے پاس شام جانا چاہتی ہوں مجھے اپنے ہمراہ لے چلیں، چنانچہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی یارسول اللہ! میری قوم کے چند لوگ آئے ہیں جن میں قابل اعتماد اشخاص بھی ہیں، چنانچہ حضور نے مجھے نیا جوڑا پہنایا، سواری کے لیے مجھے اونٹ بخشا اور راستے کے اخراجات کے لیے نقدی بھی مرحمت فرمائی اس طرح میں ان لوگوں کی معیت میں شام پہنچی۔

عدی کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ایک ہودج دیکھا جس کا رخ میری طرف تھا، میں سمجھ گیا کہ یہ حاتم کی بیٹی ہے، جب وہ قریب آئی تو واقعی وہ حاتم کی بیٹی تھی، جب وہ میرے نزدیک آئی تو اس نے مجھے خوب سرزنش کی مجھے قطع رحمی کرنے والا اور ظالم کہا، اس نے کہا کہ تم اپنے بال بچوں کو تو اونٹوں پر سوار کر کے ہمراہ لے آئے ہو، لیکن تم نے اپنے باپ کی بقیہ نشانی اور اس کی عزت کو بے یار ومددگار چھوڑ دیا، میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا کہ یہ سب و شتم کا موقع نہیں کوئی اچھی بات کہو، میں نے جو کیا ہے اس کے لیے میرے پاس کوئی وجہ جواز نہیں، میں شرمندہ ہوں اور معذرت خواہ ہوں، چنانچہ وہ اپنے ہودج سے نیچے اتری اور میرے پاس رہائش پذیر ہو گئی، ترجمان حقیقت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو اپنے مخصوص انداز میں یوں بیان کیا ہے:

در مصافے پیش آں گردوں سریر دختر سردار طے آمد اسیر

ایک جنگ میں اس آقا کی خدمت میں جس کا تخت آسمان ہے سردار طے کی بیٹی قیدی

کی حیثیت سے پیش ہوئی۔

دختر ک راچوں نبی بے پردہ دید   چادر خود پیش روئے او کشید

اس بچی کو نبی رحمت نے جب ننگے سر دیکھا تو حضور نے اپنی چادر سے اس کے چہرہ کو ڈھانپ دیا۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد بارگاہ رسالت میں اپنی قوم کی حالت زار پیش کرتے ہیں:

ما ازاں خاتون طے عریاں تریم   پیش اقوام جہاں بے چادر یم

ہم خاندان طے کی اس خاتون سے بھی زیادہ برہنہ ہیں۔ دنیا کی ساری قوموں کے سامنے ہمارا سر بھی ننگا ہے۔

روز محشر اعتبار ما است او   در جہاں ہم پردہ در ماست او

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے روز بھی ہمارا بھروسا ہیں اور اس دنیا میں بھی حضور ہمارا پردہ رکھنے والے ہیں۔

وہ بڑی زیرک اور داناں خاتون تھی، میں نے اس سے کہا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا، بخدا! وقت ضائع کیے بغیر اس کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ، دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہے یا تو وہ نبی ہے یا بادشاہ۔ اگر وہ نبی ہے تو تمہارا بھلا اس میں ہے کہ تم فوراً حاضر ہو کر ان پر ایمان لے آؤ، تاکہ تمہارا شمار السابقون الاولون میں ہو، اور اگر وہ بادشاہ ہے تو بادشاہوں کو دانشور اور دور اندیش مصاحبوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تیری خداداد صلاحیتوں کو جب دیکھیں گے تو تیری قدر افزائی کریں گے اور تمہیں کوئی باوقار منصب تفویض کریں گے، میں نے کہا بہن! تمہاری رائے بڑی صائب ہے۔ چنانچہ میں شام سے روانہ ہو کر مدینہ طیبہ آیا، اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو گیا، حضور اس وقت اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے، میں نے سلام عرض کیا، حضور نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے عرض کی عدی بن حاتم، حضور کھڑے ہو گئے اور مجھے لے کر اپنے کاشانہ اقدس کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں ایک بوڑھی اور کمزور سی عورت نے حضور کو گزارش کی کہ حضور آپ ٹھہریں میری عرض سماعت

فرمائیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیر تک کھڑے رہے اور وہ اپنی بپتا سناتی رہی، میں نے جب یہ منظر دیکھا تو میرے دل نے برملا کہا کہ وَاللّٰہِ مَا ھٰذَا بِمَلِكٍ "خدا کی قسم! یہ بادشاہ نہیں ہے۔" کہاں بادشاہوں کی نخوت وغرور اور کہاں یہ عجز وانکسار۔

جب وہ فارغ ہوئی تو مجھے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پھر لے کر اپنے گھر کی طرف چلے جب آپ اپنے حجرۂ مبارکہ میں داخل ہوئے تو ایک تکیہ جو چمڑے کا تھا اور اس کو کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضور نے وہ میری طرف سرکایا اور فرمایا "اِجْلِسْ عَلٰی ھٰذِہٖ، عدی اس پر بیٹھ جاؤ" میں نے عرض کی، حضور آپ تشریف رکھیے، حضور نے، فرمایا بَلْ اَنْتَ، نہیں تمہیں بیٹھو گے۔" میرے لیے اب تعمیل ارشاد کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ بادل نخواستہ میں اس کے اوپر بیٹھ گیا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے سامنے فرش زمین پر تشریف فرما ہوگئے۔ پھر میرے دل نے یہ آواز دی۔ وَاللّٰہِ مَا ھٰذَا بِاَمْرِ مَلِكٍ۔ خدا کی قسم! یہ کسی بادشاہ کا طرز عمل نہیں ہے۔ پھر حضور نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے حاتم کے بیٹے عدی! کیا تو عیسائیوں کے رکوسی فرقہ سے تعلق نہیں رکھتا!" میں نے عرض کی، میرا اسی فرقہ سے تعلق ہے۔ پھر فرمایا "کیا اپنی قوم سے تو غنیمت کا چوتھا حصہ وصول نہیں کرتا؟" میں نے عرض کی، بخدا! ایسا ہی ہے۔ حضور کے اس ارشاد سے مجھے معلوم ہوگیا کہ حضور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ہر چیز جانتے ہیں، ان سے کوئی چیز مخفی نہیں، پھر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عدی! شاید اس دین کو قبول کرنے کے راستہ میں یہ چیز حائل ہے کہ مسلمان غریب اور محتاج لوگ ہیں، اس لیے تم غریبوں کا دین قبول نہیں کرتے۔ بخدا! وہ وقت آنے والا ہے جبکہ ان میں مال ودولت کی اتنی فراوانی ہوگی کہ ان میں کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔"

پھر فرمایا "شاید تو اس لیے اس دین کو قبول کرنے سے گریز کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہے اور ان کے دشمنوں کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے۔ اے عدی! بخدا! عنقریب تو سنے گا کہ ایک عورت اپنے اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے نکلے گی اور اور بیت اللہ شریف کی زیارت کرے گی، اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔"

آخر میں فرمایا "اے عدی! شاید تو اس لیے دین کو قبول کرنے سے ہچکچا رہا ہے کہ تو دیکھتا

ہے کہ حکومت وسلطنت غیروں کے قبضہ میں ہے۔ خدا کی قسم! عنقریب تو سنے گا کہ بابل کے قصر ابیض کو یہ فتح کریں گے اور اس میں داخل ہوں گے اور کسریٰ کی وسیع وعریض مملکت پر ان کا پرچم لہرائے گا۔" حضور کے ان ارشادات کو سن کر میری آنکھوں سے تعصب کے پردے اٹھ گئے۔ حق کا روئے زیبا مجھے صاف نظر آنے لگا اور میں نے بصد مسرت اسلام قبول کرلیا۔

عدی کہا کرتے کہ حضور نے جو تین پیشین گوئیاں فرمائی تھیں ان میں سے دو پوری ہو چکی ہیں۔ اور تیسری بھی ضرور پوری ہوگی، میں نے اس لشکر میں شرکت کی جس نے بابل کے قصر ابیض پر فتح کا پرچم لہرایا، میں نے اس عورت کو دیکھا جو اونٹ پر سوار ہوکر قادسیہ سے روانہ ہوئی اور بلا خوف وخطر اس نے یہ طویل مسافت طے کی اور بیت اللہ کا حج کیا، خدا کی قسم! تیسری بات بھی ضرور پوری ہوگی کہ اس امت میں مال ودولت کی اتنی فراوانی ہوگی کہ کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔ (ضیاء النبی، ج ۴، ص ۵۷۴۔۵۷۹، السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۲۴۷)

قرض لیتی ہے گناہ، پرہیزگاری واہ واہ

منقول ہے کہ ایک روز ایک قلندر جو مجذوب تھا شیخ غلام نقشبند لکھنوی کی مجلس میں وارد ہوا، شیخ اس کی کسی خلافِ شرع حرکت سے برہم ہوئے اور فرمایا کہ اس گروہ کو نہ کبھی خدا کا دیدار میسر آسکتا ہے، نہ شفاعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ قلندر نے کہا اے شیخ ٹھہریے! ہمیں خدا کا بھی دیدار حاصل ہوگا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت بھی! اور تمہیں کچھ بھی نصیب نہ ہوگا، شیخ نے پوچھا کیوں؟ جواب دیا کہ تم خود پوری عمر گناہ کے قریب نہ بھٹکے ہو (اس لیے) کل (میدان حشر میں) تمہیں بلا مواخذہ بہشت میں داخل فرمادے گا اور ہم تو گناہوں میں غرق ہیں تو فردائے قیامت میں ہمیں رب العزۃ جل شانہٗ کی بارگاہ میں لے جائیں گے، اور حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم گنہگاروں کی شفاعت کے لیے قدم رنجہ فرمائیں گے، یہ کلام سن کر شیخ پر رقت طاری ہوگئی، کیا ہی خوب فرماتے ہیں صاحب قصیدہ بردہ۔

لعل رحمة ربی حین یقسمها تاتی علی حسب العصیان فی القسم

یعنی جب میرا رب اپنی رحمت تقسیم فرمائے گا تو ہر گنہگار کو ان کے گناہوں کے حساب

سے رحمت سے حصہ ملے گا۔ اور امام احمد رضا فرماتے ہیں ع

قرض لیتی ہے گناہ پرہیز گاری واہ واہ

اسی واقعہ سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ملاحظہ کرلیں، مدینہ منورہ میں اقامت کے دوران مطابق یکم شعبان ۱۱۵۱ھ میں چند آدمیوں کے ساتھ قبا کی زیارت کا ارادہ کیا اور بستان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیر کو نکلے۔ یہ ایک مشہور باغ ہے قبا کا، جسے "بستان قویم" قاف پر ضمہ، واو پر فتحہ، بھی کہتے ہیں۔ جماعت میں ایک ماوراء النہری قلندر بھی تھا، ایک شخص نے دیکھا کہ قلندر نے انگور کا کچا خوشہ چرا کر اپنی زنبیل میں چھپالیا۔ اس شخص نے ساتھیوں کو قلندر کی اس حرکت وخیانت سے آگاہ کردیا، ہمراہیوں نے ملامت کرنا شروع کردیا کہ چوری تو ہر جگہ بری ہے۔ خصوصاً ایسے شریف ونازک مقام میں (اور بھی مذموم ہوگی) جب ہر طرف سے قلندر کو طعنوں کے تیر کا نشانہ بنایا گیا تو اس نے کہا کہ دوستو! آپ تو خود سمجھدار ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کچا خوشہ کھانے کے قابل نہیں، مگر میرا اس فعل کے ارتکاب سے ایک مقصد ہے، کہا جاتا ہے کہ اگر کسی نے کسی کا مال چرالیا تو قیامت کی کچہری میں مالک وسارق دونوں اکٹھے کیے جائیں گے۔ میں تو سرتاپا غرق معاصی شخص ہوں، کوئی طریقہ اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ کل (قیامت میں) رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں باریاب ہوسکوں گا، لہٰذا ایک خوشہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے باغ کا چرالیا تا کہ اسی خوشہ انگوری کی بدولت میں حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پہنچادیا جاؤں اور جمال جہاں آرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوجاؤں۔ اس بات کو سنتے ہی حاضرین پر ایک کیفیت طاری ہوگئی، ایک شخص نے جو روم کا باشندہ تھا نعرہ مارا اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کے بعد قلندر کے پیچھے دوڑتا ہوا گیا اور رومال میں کچھ باندھ کر قلندر کی گٹھری میں ڈالدیا، جب تحقیق کی گئی (تو معلوم ہوا) کہ زر سرخ وسفید (سونے چاندی کے سکے) جو اس دیار میں رائج تھے کہ ہندوستان کے چالیس روپے کے برابر اس کا ایک روپیہ ہوگا، رومال میں بندھے ہوئے تھے (سبحان اللہ) جب قلندر کو یہاں حسن نیت کے بدلے میں اتنا کچھ نقد عطا ہوا تو وہاں کیا نہ کچھ عطا کیا جائے گا۔ (مآثر الکرام تاریخ بلگرام، ص ۲۲۴۔۲۲۵)

ک
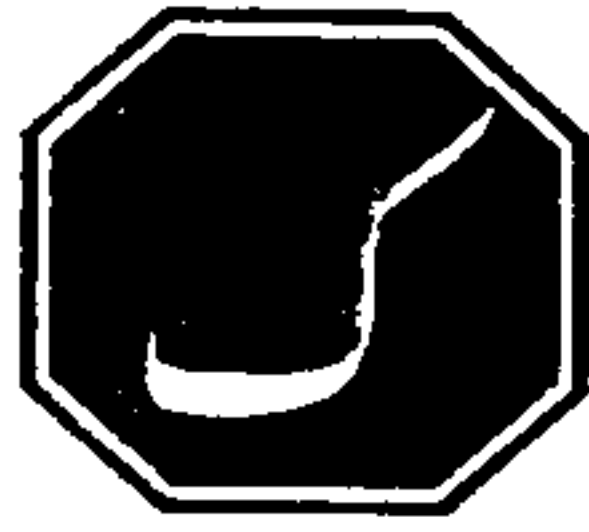
حضرت کعب بن زہیر کا قبول اسلام اور عشق رسول

یہ عرب کے مشہور شاعر زہیر کا بیٹا ہے جس کا ایک قصیدہ خانہ کعبہ کے باہر لٹکایا گیا اور یہ قصیدہ معلقات سبعہ میں سے ایک ہے۔ ابن اسحاق سے مروی ہے کہ جب نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف فرما ہوئے تو بجیر بن زہیر نے اپنے بھائی کو خط لکھا اور اس میں اسے اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئی ایسے شعرا کو موت کے گھاٹ اتارا ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجو کرتے تھے اور اذیت پہنچاتے تھے۔ اور قریش کے جو شاعر ابن العزیٰ وغیرہ بچ گئے ہیں وہ بھاگ گئے ہیں، اگر تجھے اپنی زندگی کی ضرورت ہے تو اڑ کر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جا، کیونکہ حضور کا یہ معمول ہے کہ جو شخص تائب ہو کر حاضر ہو جاتا ہے اس کو حضور قتل نہیں کرتے اور اگر تو اس پر آمادہ نہیں تو کسی ایسی جگہ چلا جا جہاں تجھے پناہ مل سکے۔

بجیر مسلمان ہو چکا تھا اور مدینہ طیبہ میں اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر رہا کرتا تھا۔ لیکن اس کا بھائی کعب ابھی تک اپنے آباؤ اجداد کے عقیدہ پر قائم تھا اس دن اپنے بھائی بجیر کو ایک خط لکھا اور اس میں اسے ترغیب دی کہ وہ اسلام کو ترک کر کے اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ آئے، بجیر نے اس کے جواب میں اس کو چند شعر لکھے۔

جس میں اسے بتایا کہ تمہارے زندہ رہنے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ تو دین اسلام کو قبول کر لے، کعب نے اپنے بھائی کا جب یہ دھمکی آمیز خط پڑھا تو زمین اپنی وسعتوں کے باوجود اس پر تنگ ہو گئی۔ اور اسے اپنی موت کے گھاٹ اتارے جانے کے خیال نے لرزہ براندام کر دیا، جب اسے اپنے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے اللہ کے پیارے

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایک معرکتہ الآراء قصیدہ لکھا جس کا پہلا مصرعہ ہے:

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الْیَوْمَ مَتْبُوْلُ

اس میں اس نے حضور کی مدح کی، نیز اس بات کا ذکر کیا کہ کئی چغل خور غلط باتیں میرے بارے میں حضور کو بتارہے ہیں جن کی وجہ سے میں بہت ہراساں ہوں، یہ لکھ کر مدینہ طیبہ آیا، جہینہ قبیلہ کے ایک شخص سے جو مدینہ طیبہ میں رہتا تھا، اس کی سابقہ جان پہچان تھی، اس نے رات اس کے پاس گزاری، وہ صبح سویرے اسے لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور نماز صبح حضور کے ساتھ ادا کی، اس کے دوست نے کعب کو اشارہ کر کے بتایا کہ یہ ہیں اللہ کے رسول۔ اٹھ خدمت اقدس میں حاضر ہو اور حضور سے امان طلب کر۔ وہ اٹھا اور حضور کے قدموں میں جا کر بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ حضور کے دست مقدس پر رکھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو پہلے نہیں جانتے تھے، اس نے حضور کا دست مبارک پکڑا اور یوں گویا ہوا، یا رسول اللہ! کعب بن زہیر آیا ہے، تا کہ حضور سے امان طلب کرے، اپنی گذشتہ غلطیوں پر توبہ کرے اور مسلمان ہو جائے، اگر میں اس کو حضور کی خدمت میں حاضر کروں تو کیا حضور اس کی توبہ قبول فرمائیں گے۔؟

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں میں اس کی توبہ قبول کروں گا" کعب نے عرض کیا۔ اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَعْبُ بْنُ زُھَیْرٍ۔ اے اللہ کے پیارے رسول! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ ایک شخص قبیلہ انصار سے غصہ سے اٹھ کر کھڑا ہوا، اور عرض کی، یا رسول اللہ! مجھے اجازت فرمائیے تا کہ اللہ کے اس دشمن کا سر قلم کر دوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کو چھوڑ دے یہ تو تائب ہو کر آیا ہے اور اپنی گذشتہ زندگی سے دستبردار ہونے کے لیے حاضر ہوا ہے۔" اس وقت کعب نے اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد الخ، پڑھ کر سنایا، جب انہوں نے یہ دو شعر پڑھے۔

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُسْتَضَاءُ بِهٖ مُھَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ

بیشک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ حضور اللہ کی تلواروں سے ایک بے نیام تلوار ہیں.........

نُبِّئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْعَدَنِیْ وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَاْمُوْل

مجھے بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دھمکی دی ہے لیکن اللہ کے رسول سے عفوو درگزر کی امید کی جاسکتی ہے۔

جب کعب نے یہ دو شعر پڑھے تو حضور نے حاضرین کی طرف اشارہ کیا کہ ان شعروں کو غور سے سنو۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسول نے انہیں اپنی چادر مبارک اتار کر عطا فرمائی، یہ وہی چادر ہے جو تاج پوشی کے وقت خلفاء (بنی عباس) کو اوڑھائی جاتی ہے۔

(ضیاء النبی، ج ۴، ص ۵۵۴، ایضاً ص ۷۰۷)

حضرت پیر کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

پیر محمد کرم شاہ صاحب کے شاگرد رشید مولانا علامہ کریم سلطانی زید مجدہ سناتے ہیں کہ:

پیر صاحب اپنے والد ماجد کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد مریدین کے ایک گاؤں میں گئے۔ کھانا کھانے کے دوران ایک شخص نے بیان کیا کہ راولپنڈی کے مولوی غلام اللہ خان کا ایک شاگرد چند روز پہلے یہاں تقریر کر گیا ہے۔ اس نے کہا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دنیا سے رحلت فرما گئے تو آپ کا کیا اختیار باقی رہا؟ اگر میں آپ کے جسد اقدس پر چٹکی لوں تو آپ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ (نعوذ باللہ) اس شخص نے ریکارڈ کی ہوئی تقریر بھی سنا دی، پیر صاحب نے ہاتھ کا لقمہ واپس دسترخوان پر رکھ دیا۔ اور حکم دیا کہ گاؤں کے تمام لوگوں کو جمع کرو۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے پورے جلال کے ساتھ خطاب کیا اور فرمایا:

''گاؤں والو! تم کافر ہو گئے ہو اور تمہارے نکاح ٹوٹ گئے ہیں، ایک شخص تمہارے گاؤں میں آکر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتا رہا اور تمہاری غیرت ایمانی بیدار تک نہ ہوئی۔

(محمد عبد الحکیم شرف قادری، علامہ: دانش و برہان کی آبرو، مشمولہ اجالوں کا نقیب، ص ۲۶ مطبوعہ لاہور مئی ۱۹۹۸ء۔)

☆☆☆

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

کعب بن اشرف کا یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ سے تعلق تھا۔ یہ اس قبیلے کا سردار اور شعر و شاعری کا ذوق رکھنے والا تھا، اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے بارے میں اہانت آمیز اشعار کہتا اور ہجو و ہرزہ سرائی بھی کرتا تھا۔ لشکر اسلام کے مقابلے میں کفار و مشرکین کی مدد کے لیے لوگوں کو نہ صرف آمادہ کرتا بلکہ انہیں اہل ایمان سے لڑنے کے لیے برانگیختہ کرتا تھا۔ جب غزوۂ بدر میں کفار و مشرکین پریشانی واضطراب، ناکامی و نامرادی سے دوچار ہوئے تو اسے بہت تکلیف و اذیت پہنچی، اس غزوہ میں مارے جانے والے رؤسائے قریش اور صنادید مکہ پر یہ اکثر رویا کرتا تھا، بالآخر اس نے مدینہ منورہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ میں پناہ حاصل کرلی، مطلب بن ابی وداعہ سہمی کے پاس ٹھہرا، بدستور قریش کو مسلمانوں کے خلاف اکساتا رہا اور دین اسلام پر ان کے عقیدے و مذہب کی فضیلت و برتری بھی ثابت کرتا حتی کہ اس نے کفار و مشرکین کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے (معاذ اللہ) قتل پر جمع کرلیا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عداوت و دشمنی اور مخالفت کا اعلان کرتے ہوئے زادِ راہ ختم ہونے پر مکہ سے مدینہ منورہ پلٹ آیا یہاں آکر بھی شان رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی و اہانت، تنقیص و تحقیر اور اشعار کے ذریعے ہجو ہرزہ سرائی کرتا رہا گویا اس روش پر چل کر اس نے اہل ایمان کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ بذات خود توڑ دیا، بنابریں اب اسلامی ریاست مدینہ پر اس کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری بھی مرتفع ہوگئی تھی۔ بایں سبب اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت و تکلیف پہنچائی تھی، سو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذات خود اس کے قتل کا حکم صادر کیا، ارشاد فرمایا:

قال رسول اللہ من الکعب ابن الاشرف فانہ قد اذی اللہ ورسولہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرے کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی ہے۔

اس پر محمد بن مسلمہ اٹھ کھڑے ہوئے عرض کی:

یارسول اللہ اتحب ان اقتلہ قال نعم، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کروں؟ فرمایا ہاں۔

پھر عرض کیا آپ مجھے اجازت دیں کچھ کہہ سکوں، فرمایا اجازت ہے، محمد بن مسلمہ، کعب بن اشرف کے پاس آئے کہا یہ شخص ہم سے صدقات مانگتا ہے اس نے ہمیں تکلیف میں ڈال رکھا ہے، میں تیرے پاس قرض طلب کرنے آیا ہوں۔ کعب نے کہا بخدا تم اس سے اور بھی دکھ اٹھاؤ گے، محمد بن مسلمہ نے کہا ہم اس کی اتباع کر چکے ہیں، یہ پسند نہیں کرتے کہ اسے چھوڑ دیں، دیکھتے ہیں یہ معاہدہ کیا رخ اختیار کرتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ تم ہمیں ایک، دو، وسق قرض دو، (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، ایک صاع تقریباً ۴ کلو کا، لہٰذا ایک وسق تقریباً چھ من کا ہوا۔) کعب بن اشرف نے کہا ہاں قرض لے لو مگر میرے پاس کچھ رہن رکھو۔

انہوں (محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھیوں) نے کہا کس چیز کا ارادہ کرتے ہو، کعب نے کہا اپنی عورتیں رہن رکھ دو، انہوں نے کہا ہم اپنی عورتیں تمہارے پاس کیسے رہن رکھیں حالانکہ تم سارے عرب میں خوبصورت وحسین ہو، اس نے کہا اپنے بیٹے رہن رکھ دو انہوں نے کہا ہم اپنے بیٹے کیسے تمہارے پاس رہن رکھ دیں جو کوئی ان سے لڑے گا تو انہیں گالی دے گا۔ ایک یا دو وسق میں گروی رکھے ہوئے، یہ ہمارے لیے بہت شرمندگی وندامت کی بات ہے البتہ ہم تمہارے پاس ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔ اس سے پھر دوسری مرتبہ آنے کا وعدہ کیا، چنانچہ محمد بن مسلمہ رات کے وقت اس کے پاس آئے ان کے ساتھ ابونائلہ کعب بن اشرف کا رضاعی بھائی بھی تھا، دوسری روایت کے مطابق حارث بن اوس، ابوعبس بن جبیر اور عباد بن بشیر کو بھی ساتھ لانے کا وعدہ کیا، غرضیکہ کعب نے انہیں قلعہ میں بلا لیا۔ ان کی طرف نیچے اترنے لگا، اس کی بیوی بولی اس وقت کہاں جاتے ہو؟ میں اس وقت ایسی ایسی آواز سن رہی ہوں گویا اس سے خون ٹپکتا ہے، کعب نے کہا وہ محمد بن مسلمہ اور میرا رضاعی بھائی ابونائلہ ہے (کوئی فکر کی بات نہیں) خاندانی شریف آدمی کو رات کے وقت بھی نیزہ زنی کی طرف بلایا جائے تو اسے قبول کر لینا چاہیے۔

(ادھر) محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا جب کعب بن اشرف آیا تو میں اس کے سر کے بال پکڑ کر سونگھوں گا، جب تم دیکھو کہ میں نے اس کا سر مضبوطی سے اپنی گرفت میں لے لیا ہے تو تم قریب ہو کر اسے قتل کر دینا، چنانچہ کعب بن اشرف کپڑا اوڑھے ہوئے ان کے پاس آیا درآں حالیکہ اس سے خوشبو مہک رہی تھی، محمد بن مسلمہ نے کہا میں نے آج کے دن کی طرح خوشبودار ہوا کبھی بھی محسوس نہیں کی۔ کعب بن اشرف نے کہا ہاں مستورات عرب کی سردار، زیادہ خوشبو والی میرے پاس ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کیا میں تمہارا سر سونگھ سکتا ہوں؟ کعب نے کہا ہاں سونگھ لو، محمد بن مسلمہ نے اسے سونگھا، اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کی دعوت دی، ایک بار دوبارہ خواہش کرتے ہوئے کہا کیا ایک بار پھر سونگھ سکتا ہوں؟ کعب نے کہا ہاں اجازت ہے۔

فلما استمكن منه قال دونكم فقتلوه لم اتوا النبي فاخرو۔

جب محمد بن مسلمہ نے اسے پوری طرح قابو کر لیا تو اپنے ساتھیوں سے کہا قریب آجاؤ اور اسے قتل کر دو تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

پھر وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور پورے واقعہ کی اطلاع دی۔ (تحفظ ناموس رسالت، ص ۲۴۵)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

بعض وہ بیدار بخت ہیں کہ انہوں نے سرفروشی اور جانبازی کی جو نذر مانی تھی اسے پورا کر دیا اور جان دے کر شہداء کی صف میں شامل ہو گئے، اسلام کے ان جانباز مجاہدین کا شمار نہیں کیا جا سکتا جس کو دیکھو محبت رسول اور عشق خدا کے بادۂ گلفام سے مخمور ہے اور جریدۂ عالم پر عشق و وفا کے ایسے تابندہ نقوش ثبت کر کے جا رہا ہے جن کی چمک قیامت تک ہر لحہ فزوں تر ہوتی رہے گی۔

حضرت مصعب بن عمیر اپنے مالدار باپ کے بڑے لاڈلے بیٹے تھے، بڑے خوش پوش تھے، ان کا زرق برق قیمتی لباس آنکھوں کو خیرہ کر دیتا تھا، نازو نعم میں پلے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم نے انہیں اسلام کے لیے چن لیا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر درِ مصطفےٰ کی غلامی اختیار

کی، انصارِ مدینہ نے جب عقبہ کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی تو حضور نے ہجرت سے پہلے حضرت مصعب کو ان کے ہمراہ یثرب روانہ کیا تا کہ وہاں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں، ان کی تبلیغی سرگرمیوں سے اوس وخزرج کے کئی سردار مشرف باسلام ہوئے۔ اور گھر گھر میں توحید کا نور جگمگانے لگا۔ کوہ اُحد کی ترائی میں جب کفر حق سے پنجہ آزما ہوا تو یہ بھی دیگر غلامان حبیب کبریا کی طرح شوق شہادت سے جھومتے ہوئے داد شجاعت دینے لگے، کیف ومستی کا یہ عالم تھا کہ اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا، اپنی ذات کی فکر نہ تھا، صرف ایک ہی دھن تھی کہ اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب کریم کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ زخموں سے چور ہو کر گرے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

جنگ ختم ہوئی تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر بالیں تشریف لائے۔ اسلام کے اس بہادر سپاہی کی نعش کے قریب کھڑے ہو گئے، اس کے لیے دعا فرمائی۔ اور پھر یہ آیت تلاوت کی: من المومنین رجال (الآیۃ) پھر فرمایا:

اَشْهَدُ اَنَّ هٰؤُلَاءِ شُهَدَاءُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاْتُوْهُمْ فَزُوْرُوْهُمْ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ اَحَدٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلَّا رَدُّوْا عَلَيْهِ۔ (قرطبی عن بیہقی)

یعنی حضور نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ لوگ قیامت تک شہید ہیں، پس ان کے پاس آؤ، ان کے مزارات کی زیارت کرو، اس ذات پاک کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی انہیں سلام کرے گا، وہ جواب دیں گے۔

(ضیاء القرآن، ج۴، ص ۳۶)

حضرت مصعب بن عمیر بڑے حسین قریشی نوجوان تھے، بڑے ناز ونخرے میں پلے بڑھے تھے، بہت قیمتی لباس پہنتے اور خاص قسم کی خوشبو استعمال کرتے۔ مکے کی گلیوں سے گذرتے تو بعد میں آنے والے لوگ پہچان لیتے کہ یہاں سے عمیر گذرے ہیں۔ یہ سجیلا نوجوان جب اللہ کے رسول کی محبت میں گرفتار ہوا تو سارے ٹھاٹ باٹ چھوڑ دیے، انہوں نے اپنی جان ومال، شان وشوکت سب کچھ اللہ کے رسول کے قدموں میں نچھاور کر دیا۔ لوگوں نے مدینے میں ان کی زندگی کا دوسرا رخ یہ دیکھا کہ یہاں جسم ڈھانکنے کے لیے

ان کے پاس صرف ایک چادر تھی جس کو لپیٹے مدینے کی گلیوں میں پھرا کرتے، جنگ اُحد میں اللہ کے رسول نے ان کے ہاتھ میں اسلامی جھنڈا دیا، جنگ میں بہت بہادری سے لڑتے رہے یہاں تک کہ دشمنوں نے دایاں ہاتھ کاٹ دیا، آپ نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا لیا، مگر تھوڑی دیر بعد آپ کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا، تو دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے اسلامی جھنڈا اُٹھائے رکھا، اسلامی جھنڈے کو زمین پر گرنے نہ دیا، یہاں تک کہ آپ شہید کر دیے گئے۔ (حیات سرکار دو عالم، ص ۴۷)

حضرت مصعب بن عمیر کے عشق و وفا کے بارے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:

لَقَدْ رَأَيْتُ مُصْعَبًا هٰذَا، وَمَا بِمَكَّةَ فَتًى اَنْعَمَ عِنْدَ اَبَوَيْهِ مِنْهُ، لَقَدْ تَرَكَ ذٰلِكَ كُلَّهٗ حُبًّا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ!۔

"میں نے مصعب بن عمیر کو دیکھا ہے کہ مکہ میں والدین کا کوئی بیٹا ایسا نہ تھا جو اس سے بڑھ کر نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتا ہو لیکن مصعب نے ہر چیز کو اللہ و رسول کی محبت میں خیر باد کہا ہے۔

حضرت معاذ و معوذ رضی اللہ عنہما کا عشق رسول

حضرت معاذ و معوذ رضی اللہ عنہما کمسن نوجوان تھے، ان کے بے حد اصرار اور گذارش کرنے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنگ بدر میں شرکت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، ان کا واقعہ علامہ محمد بن عمر واقدی نے یوں بیان فرمایا ہے کہ "حضرت عبدالرحمٰن بن عوف روایت کرتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات کو ہماری صفوں کو آراستہ کیا کہ صبح تک ہم اپنی صف میں حاضر تھے، ناگاہ میں نے دو نوجوان دیکھے کہ ہر ایک کے گلے میں تسمہ اس کی تلوار کا لٹکتا تھا، پھر ان میں سے ایک میری طرف ہو کر بولا۔

اے چچا! ان کفار قریش میں ابو جہل کون ہے۔ میں نے کہا اے میرے بھتیجے! تو اس کے ساتھ کیا کرے گا۔ اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، تو میں نے حلف لیا ہے کہ اگر میں اس کو دیکھوں تو قتل کر دوں یا اس کے پاس مارا جاؤں، تب میں نے اس کو ابو جہل کی طرف اشارہ کیا، بعد ازآں اس دوسرے

لڑکے نے بھی مثل اسی پہلے کے خطاب کیا، تو اس کو بھی میں نے ابوجہل کی طرف اشارہ کیا، پھر میں نے ان دونوں سے پوچھا تم دونوں کون ہو، انہوں نے کہا ہم دونوں حارث کے پسر ہیں۔ پھر میں نے ان دونوں کو دیکھا کہ وہ طرفۃ العین ابوجہل کی تاک سے غافل نہ تھے، یہاں تک کہ لڑائی شروع ہوئی تو وہ دونوں نوجوان اس کی طرف گئے اور قتل کیا۔

قسم کھائی ہے مریں گے یا ماریں گے ناری کو
سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوب باری کو

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی بیان کرتے ہیں کہ ''حضرت معاذ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوجہل کو زخمی کر کے اس کی پنڈلی جدا کردی اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے مجھے زخمی کردیا، جس سے میرا ہاتھ میرے کندھے سے کٹ گیا، چنانچہ وہ ہاتھ ایک جانب لٹک گیا اور میں اس کے باوجود جنگ کرتا رہا، یہاں تک کہ میں اس ہاتھ سے تنگ آگیا اور اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو دونوں پاؤں سے دبا کر اپنے پہلو سے جدا کردیا، اس کے بعد حضرت معوذ نے تلوار کی ایک ضرب ابوجہل کو لگائی اور اسے زمین پر گرادیا۔

مروی ہے کہ حضرت معاذ اس زخم کے باوجود حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک زندہ رہے، قاضی عیاض روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ حضور کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کا ہاتھ ان کی کھال سے لٹکا ہوا تھا۔ پھر حضور نے اپنا لعاب دہن مبارک اس پر لگا کر اس کی جگہ چسپاں کردیا اور وہ ہاتھ ٹھیک ہوگیا۔ اس کے بعد وہ حضرت عثمان ذوالنورین کے زمانے تک زندہ رہے۔ حضرت معاذ کے بھائی معوذ اسی روز بدر کے معرکہ میں شہید ہوگئے۔ (عرفان رضا در مدح مصطفےٰ، ص ۱۱۳، مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۱۵۰)

آپ نے حاضر جوابی سے حضور اکرم ﷺ کو خوش کردیا

آپ ان انصار میں سے ایک ہیں جنہوں نے عقبہ ثانیہ کے روز بیعت کی اور سابقون الاولون میں شامل ہوگئے۔

یہ وہ شخص ہے جس کا ایمان ویقین اور سبقت الی الاسلام بطور مثال پیش کیا جاتا ہے آپ کی

موقع اور غزوہ میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے نہ رہے۔ آپ کی خوبیوں خصلتوں اور خصوصیتوں میں سب سے نمایاں اور عظیم خوبی آپ کی دینی فقہ ہے۔ آپ دین کی فقہ کے اس بلند مقام پر پہنچ گئے تھے جس نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان گرامی کا اہل و مستحق ٹھہرا دیا کہ:

اَعْلَمُ اُمَّتِیْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ

''میری امت میں حلال و حرام کا سب سے بڑا عالم معاذ بن جبل ہے۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فہم و فراست، عقل و دانش اور ذکاوت و ذہانت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت پوچھا:

بِمَ تَقْضِیْ یَامَعَاذُ؟ ''معاذ تم فیصلے کس چیز کی روشنی اور بنیاد پر کرو گے؟''

حضرت معاذ نے جواب دیا:

بِکِتَابِ اللّٰهِ ''اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کی روشنی میں!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ؟ ''اگر تم (کوئی حکم) کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟''

حضرت معاذ نے جواب دیا:

اَقْضِیْ بِسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ! ''میں اس کے رسول کی سنت کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔''

فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّةِ رَسُوْلِهٖ؟ اگر تم اس کے رسول کی سنت میں بھی وہ حکم نہ پاؤ تو؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

اَجْتَهِدُ رَاْئِیْ لَا اٰلُوْ ''پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اور اس میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کروں گا!''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کھل اٹھا اور آپ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا یُرْضِیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

''اس اللہ کا شکر ہے جس نے اللہ کے رسول کے ایک نمائندے کو ایسی توفیق بخشی جس

سے اس نے اللہ کے رسول کو خوش کر دیا۔‘‘

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا مَعَاذُ ....وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّكَ فَلَا تَنْسَ اَنْ تَقُوْلَ فِیْ عَقِبِ كُلِّ صَلَاةٍ: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔

’’اے معاذ! اللہ کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں لہٰذا تم ہر نماز کے بعد یہ کہنا ہرگز نہ بھولنا کہ: یا اللہ! اپنے ذکر، شکر اور حسن عبادت کے سلسلے میں میری مدد فرما۔‘‘

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس سبق کو خوب ذہن نشین کر لیا اور اسے اپنے اوپر نافذ کیے رکھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے پوچھا: كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَامَعَاذُ؟ اے معاذ آج صبح کیسی رہی۔؟

حضرت معاذ نے جواب دیا:

اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليهِ وَسَلَّمَ!

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک حقیقی مومن کی حیثیت سے صبح کی ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِكُلِّ حَقٍّ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ اِيْمَانِكَ۔؟

’’یقیناً ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور تمہارے (حق) ایمان کی کیا حقیقت ہے؟۔‘‘

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

مَا اَصْبَحْتُ صَبَاحًا قَطُّ، اِلَّا ظَنَنْتُ اَنِّیْ لَا اُمْسِی وَلَا اَمْسَيْتُ مَسَاءً اِلَّا ظَنَنْتُ اَنِّیْ لَا اُصْبِحُ۔

میں نے کبھی صبح نہیں کی مگر یہ سوچتے ہوئے کہ میں شام نہیں کروں گا۔ اور نہ کبھی شام کی ہے مگر یہ سوچتے ہوئے کہ میں صبح نہیں کروں گا۔

وَلَا خَطَوْتُ خُطْوَةً اِلَّا ظَنَنْتُ اَنِّیْ لَا اُتْبِعُهَا غَيْرَهَا وَكَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی كُلِّ اُمَّةٍ جَاثِيَةٍ تُدْعٰی اِلٰی كِتَابِهَا وَكَاَنِّیْ اَرَی اَهْلَ الْجَنَّةِ فِی الْجَنَّةِ يُنَعَّمُوْنَ وَاَهْلَ النَّارِ فِی النَّارِ يُعَذَّبُوْنَ۔

اور کبھی کوئی قدم نہیں اٹھایا مگر یہ سوچتے ہوئے کہ اس کے بعد مجھے اس راستے پر نہیں چلنا اور گویا میں زانوں پر بیٹھی ہر قوم کو دیکھ رہا ہوں کہ اسے موت کی طرف بلایا جا رہا ہے اور دیکھ رہا ہوں کہ اہل جنت کو جنت میں نعمتوں سے نوازا جا رہا ہے۔ اور اہل جہنم کو جہنم میں عذاب سے دوچار کیا جا رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کی یہ گفتگو سن کر فرمایا:

عَرَفْتَ فَالْزَمْ "تم نے حقیقت کو پالیا ہے لہٰذا اس پر کاربند رہو۔"

(نقوش صحابہ، ص ۱۶۰۔۱۶۶)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا معاذ ......واللہ انی لاحبك فلا تنس ان تقول فی عقب کل صلاۃ :اللھم اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك .

"اے معاذ! اللہ کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں لہٰذا تم ہر نماز کے بعد یہ کہنا ہرگز نہ بھولنا کہ: یا اللہ! اپنے ذکر، شکر اور حسن عبادت کے سلسلے میں میری مدد فرما۔"

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سبق کو خوب ذہن نشیں کر لیا اور اسے اپنے اوپر نافذ کیے رکھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ سے پوچھا:

کیف اصبحت یا معاذ ؟ آج صبح کیسی رہی؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اصبحت مؤمنا حقا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے ایک حقیقی مومن کی حیثیت سے صبح کی ہے۔" (نقوش صحابہ، ص ۱۶۵)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

عروہ بن مسعود حضور اقدس جان ایمان صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہا تھا، اور دوران

گفتگو بار بار حضور کی ریشِ مبارک یعنی ڈاڑھی مبارک تک اپنا ہاتھ لے جاتا اور کچھ گستاخانہ حرکتیں کرتا، عروہ کو اس طرح گستاخانہ لہجے میں بات کرتا دیکھ کر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ میں لال ہو گئے اور انہوں نے اپنی تلوار کے کندے اس کے سر پر مار کر فرمایا کہ "او بے ادب! اپنے ہاتھ کو بچا کے رکھ اور حد سے تجاوز نہ کر۔" عروہ بن مسعود ثقفی نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ صحابہ نے بتایا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں، عروہ نے اپنی نازیبا حرکت تھوڑی ہی دیر میں، اس عاشق صادق کی زجر و توبیخ سے سہم کر ترک کر دی، اور گستاخانہ طرز گفتگو چھوڑ کر سنجیدگی سے بات کرنے لگا۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ ج ۲، ص ۳۵۳)

حضرت مغیرہ بن حارث کا قبول اسلام اور عشق رسول

۸ھ میں مغیرہ کو خبر ملی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک زبردست لشکر کے ساتھ مکہ پر قبضہ کرنے آرہے ہیں۔ یہ خبر سن کر وہ سخت ہراساں ہوئے اور اپنی اہلیہ اور بچوں سے کہا کہ محمد ایک لشکر گراں کے ساتھ مکہ پہنچنے والے ہیں، قریش میں اتنی طاقت نہیں کہ ان کی مزاحمت کر سکیں اگر میں مسلمانوں کے ہتھے چڑھ گیا تو وہ مجھے کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم یہاں سے نکل چلیں۔

اہلیہ بڑی نیک بخت اور سمجھدار تھیں، انہوں نے بڑی دردمندی کے ساتھ کہا:

کیا اب بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں جب کہ عرب وعجم کے لوگ جوق در جوق محمد کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوتے جاتے ہیں تم پر افسوس ہے کہ ابھی تک اپنی معاندانہ روش پر قائم ہو حالانکہ تمہیں دوسرے لوگوں سے بڑھ کر محمد کی نصرت وتائید کرنی چاہیے تھی۔

اہلیہ کی باتوں کا حضرت مغیرہ پر خاص اثر ہوا اور جب ان کے بچوں نے بھی اپنی ماں کی تائید کی تو ان کے دل کی دنیا بالکل ہی بدل گئی، اسی وقت اپنے غلام "مذکور" کو حکم دیا کہ ہمارے لیے ایک اونٹنی اور گھوڑی تیار کرو۔ پھر انہوں نے اپنے نوخیز فرزند جعفر کو ساتھ لیا اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہونے کے ارادہ سے بجانب مدینہ چل پڑے اس وقت مسلمانوں کے ہراول دستے مقام ابواء تک پہنچ چکے تھے۔ انہیں دیکھ کر مغیرہ نے اپنا بھیس بدل لیا اور

سواریوں کو کسی جگہ باندھ کر چھپتے چھپاتے ایک میل پیدل چل کر بڑے اسلامی لشکر میں پہنچ گئے۔اس وقت ان پر خوف اور دہشت کی کیفیت طاری تھی اور ہر آن یہی دھڑ کا لگا ہوا تھا کہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے سے پہلے ہی کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہ ہو جائیں۔لیکن حسنِ اتفاق سے یکا یک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے تشریف لے آئے، وہ آگے بڑھ کر حضور کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اپنے چہرے سے چادر ہٹا دی۔ان کا خیال تھا کہ حضور انہیں اپنے سامنے پا کر خوش ہوں گے لیکن انہیں یہ یاد نہیں رہا تھا کہ گزشتہ بیس برسوں میں دین حق کی مخالفت میں وہ کیا کچھ کر چکے تھے۔

اب ان کے لیے حضور کے دل میں کوئی جگہ نہ تھی اور آپ ان سے سخت متنفر ہو چکے تھے۔ آپ کی نظر جونہی مغیرہ پر پڑی آپ نے اپنا چہرۂ اقدس دوسری جانب پھیر لیا وہ اس رُخ کی طرف ہو گئے تو آپ نے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔مسلمانوں نے ان سے حضور کی یہ بے التفاتی دیکھی تو انہوں نے بھی ان سے ترش روئی اختیار کی۔ایک انصاری صاحب رسول نُعیمان کو اس قدر جوش آیا کہ انہوں نے سخت غضب آلود لہجے میں مغیرہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

او دشمن خدا! تو وہی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور آپ کی دشمنی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دِیے۔

وقت آ گیا ہے کہ اب تو اپنی شرارتوں کا مزہ چکھے۔

حضرت نُعیمان کی آواز لحظہ بہ لحظہ تیز اور بلند ہوتی جاتی تھی اور مغیرہ کی خوف کے مارے جان نکلی جاتی تھی یہاں تک کہ انہوں نے دوڑ کر اپنے چچا حضرت عباس کی پناہ لی۔حضرت عباس نے پہلے تو ان سے بے رخی برتی لیکن جب انہوں نے حد سے زیادہ منت وسماجت کی اور اپنی قرابت کا واسطہ دے کر التجا کی کہ نعیمان اور دوسرے مسلمانوں نے میری جان بچایئے تو حضرت عباس کو رحم آ گیا اور انہوں نے حضرت نعیمان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اے نعیمان! ابوسفیان (مغیرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا زاد بھائی اور میرا برادر زادہ ہے۔یہ ٹھیک ہے کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ کسی دن آپ اس کو معاف فرما دیں۔"

حضرت نعیمان، حضرت عباس کی بات سن کر خاموش ہو گئے اور دوسرے مسلمانوں نے بھی انہیں، اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ (سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہ، ص ۴۳۳)

حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

جنگ بدر کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ فرمایا اور لشکرِ کفار کے مقابلے میں جنگ وقتال کے متعلق ان کی رائے طلب فرمائی۔ تو صحابہ کرام نے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں یوں عرض کیا۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! خدا کی قسم! آپ ہمیں عدن تک لے جائیں گے تو ہم انصار میں سے کوئی ایک شخص بھی آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔" حضرت مقداد بن عمرو نے یوں عرض کیا کہ "یارسول اللہ! ہم آپ کے ساتھ ہیں، آپ جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں، ہم کبھی بھی وہ بات اپنے منہ سے نہ نکالیں گے،، جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔

یعنی آپ جایئے اور آپ کا رب، تم دونوں لڑو، ہم تو یہاں بیٹھتے ہیں۔

قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور جہاں آپ جائیں گے آپ کے ساتھ مل کر مردانہ وار لڑیں گے۔

(سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب، ج ۱، ص ۹۸)

اللہ اکبر...... مقداد رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ مومنوں کے دلوں میں اپنے نشانہ پر جا کر لگتے ہیں۔ اور پھر زعیم انصار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی۔ ہم نے یہ گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں یہ حق ہے۔

اس پر ہم نے آپ سے عہد و پیمان بھی باندھے۔ لہٰذا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جو چاہتے ہیں کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اگر آپ ہمیں لے کر اس سمندر پر آ جائیں اور اس میں چھلانگ لگا دیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں یہ بات قطعاً ناگوار نہیں کہ کل آپ ہمیں دشمن سے لڑا دیں۔ ہم جم کر جنگ میں لڑائی کریں گے اور پوری جانفشانی سے دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ شاید اللہ آپ کو ہمارے اندر وہ چیز دکھا دے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں لہٰذا اللہ کا نام لے کر ہمیں لے چلیے اللہ برکت دے گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خوشی سے معمور ہو گیا اور آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: سِیْرُوْا، وَاَبْشِرُوْا "چل پڑو اور خوش ہو جاؤ!" (یہ غزوہ بدر کا موقع تھا)۔

آپ کی حکمت و دانائی کا جواب نہیں

جس کو آپ کے کسی دوست نے بیان کیا ہے، دوست کہتا ہے:

ایک روز ہم مقداد کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص وہاں سے گزرا، اس نے مقداد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: خوش نصیب ہیں یہ آنکھیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی! اللہ کی قسم! ہم تو اس بات کے شدید خواہش مند ہیں کہ ہم بھی اس چیز کو دیکھتے جس کو تم نے دیکھا ہے اور ہم بھی ان غزوات میں حاضر ہوتے جہاں تم حاضر ہوئے۔

آدمی کی یہ بات سن کر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "تم میں سے کسی شخص کو کونسی چیز اس جگہ حاضر ہونے کی خواہش پر اکساتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے غائب کر رکھا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اگر وہ اس وقت موجود ہوتا تو اس کا انجام کیا ہوتا! اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو تو کئی قوموں نے پایا اور اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا۔ کیا تم اس بات پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے تمہیں ان لوگوں جیسی آزمائشوں اور مصیبتوں سے بچا لیا اور تمہیں اپنے رب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا بنایا!"

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی محبت، اسلام کے ساتھ بھی عظیم تھی۔ آپ اس لحاظ سے

بھی ایک عقیل و حکیم ہی نظر آتے ہیں۔ جب یہ محبت حکمت و عظمت سے بھری ہوئی ہوتی ہے تو اپنے حامل کو ایک ایسا بلند مرتبہ انسان بنا دیتی ہے کہ وہ اس محبت کی فراوانی کو صرف اپنی ذات میں ہی محسوس نہیں کرتا بلکہ اپنی ذمہ داریوں میں بھی اس کے مظاہرے کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے آپ کے قلب و شعور کو حفاظت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کے شدید احساس سے بھر دیا تھا۔ مدینہ میں کسی خطرہ کو محسوس کیا جاتا تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنا نیزہ اٹھائے پلک جھپکنے میں بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ہوتے!"

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ بِحُبِّکَ وَاَنْبَأَنِیْ اَنَّہٗ یُحِبُّکَ۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے تم سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ (نقوش صحابہ، ۱۷۰، ۱۷۵)

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر کے لیے روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس!

الا ادلك على كلمة من كنز من كنوز الجنة۔

"تمہیں ایک ایسا کلمہ نہ بتا دوں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک ہے۔

فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا۔

بلى يا رسولله فداك ابى وامى۔

کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

فرمایا: لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(صحیح بخاری ج ا، کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر۔)

حضرت محمد بن عبید اللہ بن معاویہ عتبی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابن جوزی نے اپنی کتاب ''منیر الغرام الساکن الی اشرف الاماکن'' میں بروایت محمد بن حرب ہلالی اس طرح بیان کیا ہے کہ محمد بن عبید اللہ بن معاویہ المعروف بہ عتبی (متوفی ۲۲۸ھ) نے کہا کہ میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کر کے حضور کے سامنے بیٹھ گیا، ایک اعرابی نے آکر زیارت کی اور یوں عرض کیا کہ یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی، جس میں یوں ارشاد فرمایا:

''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔'' (پارہ ۵، سورہ النساء، آیت ۶۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔'' (کنز الایمان)

میں آپ کی خدمت میں آپ کے پروردگار سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا طالب اور آپ کی شفاعت کا امیدوار بن کر حاضر ہوا ہوں، پھر اس نے رو کر یہ اشعار پڑھے:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ ‏ ‏ ‏ فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

اے سب سے بہتر جس کا جسم اس میدان میں مدفون ہے۔ پس ان کی خوشبو سے پست اور اونچی زمین مہک گئی۔

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ ‏ ‏ ‏ فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

میری جان اس قبر انور پر فدا جس میں آپ ساکن ہیں۔ اس میں پاکیزگی ہے اور اس میں جود و کرم ہے۔

اس کے بعد اس اعرابی نے توبہ کی اور چلا گیا، میں سو گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں ''تم اس شخص سے ملو اور اسے بشارت دو کہ ا

للہ تعالیٰ نے میری شفاعت سے اس کے گناہ معاف کر دیے۔ میری آنکھ کھلی تو میں اس کی تلاش میں نکلا مگر وہ شخص نہ ملا۔ (عرفان رضا در مدح مصطفےٰ، ص ۱۵۱، وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۴۱۲)

حضرت محمد بن المنکدر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سید القراء حضرت محمد بن المنکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے کہ ہم ان کے قریب گئے، اور حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا ان پر اتنا گریہ طاری ہوا کہ ہم ان کی حالت پر رحم کھانے لگے، بلاشبہ جب ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو ہم ان کے چہرے کو دیکھتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ ان کے چہرے سے خون کھینچ لیا گیا ہے، اور ہیبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو ان کی زبان بند ہو جاتی۔

(عرفان رضا در مدح مصطفےٰ، ج ۲، ص ۱۵۸)

حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احد میں حضور کے جسد پاک سے نکلے ہوے خون پی لیا، جب حضور کو اطلاع ہوئی تو فرمایا:

من سره ان ينظر الى من لا تمسه النار فلينظر الى مالك بن سنان۔
جو کسی ایسے کو دیکھنا چاہے جسے نار جہنم نہیں جلا سکتی وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔

ان چند واقعات سے ثابت ہوا کہ سرکار علیہ السلام کے فضلات شریفہ (مثلاً بول و براز خون وغیرہ) امت کے لیے طیب وطاہر اوران کا استعمال امتی کے لیے باعث برکت آزادی جہنم کا سبب، ودواء دفع بلیات ومصائب ہے۔

صحح بعض ائمه الشافعيه طهارة بوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وسائر فلاته وبه قال ابو حنيفة كمانقله فى المواهب الدنية عن شرح البخارى للعينى وقال الحافظ بن هجر تظافرت الاولته على ذالك وعد

الائمة من خصائصه صلی اللّٰه علیه و سلم۔

یعنی سرکار علیہ السلام کے بول مبارک بلکہ تمام فضلات شریفہ کی طہارت کی تصحیح بعض ائمہ شافعی نے کی، اور یہی امام اعظم کا بھی قول ہے جیسا کہ عینی کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں نقل کیا گیا ہے اور حضرت علامہ ابن حجر نے ارشاد فرمایا کہ دلائل اس پر قوی و کثیر ہیں نیز ائمہ دین نے اسے خصوصیات نبویہ میں شمار کیا ہے۔

البتہ یہ سوال آپ کے ذہن کے پردوں پر ضرور ابھرے گا کہ اگر یہ چیزیں طیب و طاہر ہیں تو پھر خود حضور علیہ السلام نے ان اشیاء کے ظاہر ہونے پر وضو غسل تیمم وغیرہ کیوں کیا؟ اس کا سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں سرکار علیہ السلام کے علو مرتبت اور رفعت درجت کے سبب خود حضور کے حق میں نجس و ناپاک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ہم کھاتے ہیں وہ گندگی اور نجاست بن جاتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام چونکہ نور ہیں اس لیے آپ جو تناول فرماتے ہیں وہ نور بن جاتا ہے۔ اکابرین ملت اور بزرگان دین اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ نور کے قرب میں رہنے اور بسنے والی چیز خود بھی نور ہو جاتی ہے۔ بنابریں یہ حضرت دل میں آرزو رکھتے اور تمنا کرتے کہ کاش ہمیں بھی حضور علیہ السلام کے فضلات شریفہ مل جائیں اور ہماری بھی قسمت سنور جائے۔

(عقائد اہل سنت، ص ۲۴۲، سیرت حلبیہ، ج ۲، ص ۵۱۵)

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

جب امیر المومنین ابوجعفر نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں مناظرہ کیا تو امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں کہا کہ امیر المومنین! آپ اس مسجد میں آواز بلند نہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (سورۂ حجرات:۲)

اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے۔ (کنزالایمان)

اور ایک قوم کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ۔ (سورۂ حجرات:۳)

بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

اور کچھ لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ (سورۂ حجرات:۴)

بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ (کنز الایمان)

اور یاد رکھیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت رحلت کے بعد ایسی ہی ضروری ہے جیسی آپ کی حیات ظاہرہ میں تھی، ابو جعفر نے اس بات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور کہنے لگے ابو عبد اللہ! میں دعا کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کروں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف؟ امام مالک نے فرمایا: آپ اپنا چہرہ اس ذات اقدس سے کیوں پھیرتے ہیں جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کے اور آپ کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں؟ بلکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کریں اور حضور سے شفاعت کی درخواست کریں، اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت آپ کے حق میں قبول فرمائے گا، ارشاد ربانی ہے:

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ (سورہ النساء، آیت ۶۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں۔ (کنز الایمان) (پکارو یا رسول اللہ، ص ۴۹)

ذکر رسول کے وقت بزرگوں کی گریہ وزاری کرنا

امام مالک بن انس (امام مجتہد) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ تبدیل ہو جاتا اور اتنا جھک جاتے کہ ان کے ہم نشینوں کو گراں محسوس ہونے لگتا۔ اس سلسلے میں ان سے بات کی گئی تو فرمایا: اگر تم وہ کچھ دیکھتے جو میں نے دیکھا ہے تو تم میری حالت دیکھ کر اس پر انکار نہ کرتے، میں سید القراء حضرت محمد ابن المنکدر کے پاس حاضر ہوتا، ہم ان سے جب بھی حدیث شریف کے بارے میں پوچھتے تو وہ اس شدت سے روتے کہ ہمیں ان پر ترس آنے لگتا۔ (پکارو یا رسول اللہ، ص ۲۵۸)

شغف حدیث

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے سامنے حدیث بیان کرر ہے تھے، دوران بیان آپ کو ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ متغیر ہو گیا، چہرہ زرد پڑ گیا، مگر حدیث کو دورمیان میں قطع نہیں فرمایا، جب بیان حدیث سے فارغ ہوئے اور سب لوگ چلے گئے، تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ اے ابوعبداللہ! میں نے آج آپ کا عجب حال دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجلال و تعظیم کی بناپر صبر کرتا رہا۔ بس مدینہ منورہ میں دفن ہونے کی آرزو ہے۔

(عرفانِ رضا در مدحِ مصطفیٰ، ج ۲، ص ۱۴۳، بحوالہ: مدارج النبوۃ، ج ۱، ص ۵۴۲، اردو)

اسی تعظیم و آداب محبت کا صلہ عشاق رسول کو یہ ملتا ہے کہ وہ دنیا سے رحلت کرنے کے بعد بھی قیامت تک لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں اور داد عشق حاصل کرتے رہتے ہیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی حج کیا، جب فرض حج ادا کر چکے تو دوبارہ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ اس لیے نہیں گئے کہ شاید مدینہ منورہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ موت نہ آجائے تو مدینہ طیبہ کی مٹی میں دفن ہونے کی مبارک سعادت سے محروم ہونا پڑے گا لہٰذا مدت العمر آپ مدینہ منورہ ہی میں رہے اور وہیں انتقال فرمایا۔ اور مدینہ منورہ میں ہی دفن ہوئے۔" (جذب القلوب، ص ۲۳)

تین دُرّے مارنے کا عظیم فتویٰ

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو قید کرنے اور تین دُرّے مارنے کا فتویٰ دیا تھا جس نے کہا تھا کہ مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے۔ باوجودیکہ وہ شخص لوگوں میں بڑی قدرو منزلت والا تھا، اور کیا تعجب ہے کہ اس شخص کی گردن اڑادینے کا حکم دی جائے جو (معاذ اللہ) یہ کہے کہ وہ مٹی جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما ہیں خراب

اور غیر خوشبودار ہے۔" (مدارج النبوۃ، اردو، ج۱، ص۵۵۶)

میں نے قبرِ انور کی نہیں بلکہ نبی ﷺ کی زیارت کی ہے

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر رحمت فرمائے جو درگاہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص ہمسایوں میں سے ہیں، وہ مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کی ہے، بلکہ اس طرح کہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔" (مدارج النبوۃ اردو، ج۲، ص۷۶۲)

دلچسپ بشارتیں

خلف بن عمر کہتے ہیں میں امام مالک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ کے قاری ابن کثیر نے امام مالک کو ایک پرچہ دیا، آپ نے اس کو پڑھنے کے بعد اپنی جانماز کے نیچے رکھ لیا، جب آپ کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلنے لگا، تو آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور وہ پرچہ مجھے دیا، دیکھتا کیا ہوں کہ اس میں یہ خواب لکھا ہوا تھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہیں اور آپ سے کچھ مانگ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں نے اس منبر کے نیچے ایک بہت بڑا خزانہ دفن کیا ہے اور مالک سے کہہ دیا ہے وہ تمہیں تقسیم کردیں گے، لہٰذا مالک کے پاس جاؤ، لوگ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے، بتاؤ مالک تقسیم کریں گے یا نہیں؟ کسی نے جواب دیا جس بات کا حکم دیا گیا ہے وہ ضرور اسے پورا کریں گے اس خواب سے امام مالک پر گریہ طاری ہوگیا اور اتنا روئے کہ میں تو انہیں روتا ہی چھوڑ آیا۔

محمد بن رمح کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، بعض مسائل میں جہاں مالک اور لیث کا اختلاف ہوا ہے وہاں کیا کیا جائے؟ ارشاد فرمایا:

مالك مالك، مالك ورثه جدي ابراهيم۔ میرے دادا ابراہیم کا ورثہ علم مالک کو ملا ہے۔

شیخ عصر بکر علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں نے عالم رویا میں بہشت کو دیکھا۔ وہاں امام اوزاعی اور سفیان ثوری سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے دریافت کیا: امام مالک کہاں ہیں؟ دونوں نے جواب دیا: مالک یہاں کہاں مالک تو بہت بلندی پر ہیں اور تین مرتبہ سر اُٹھا کر یہ الفاظ دہرائے یہاں تک کہ ان کی ٹوپیاں سر سے نیچے گر گئیں۔

امام مالک کی پانچ باتیں جمع ہیں

حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ پانچ باتیں جیسی امام مالک کے حق میں جمع ہو گئیں ہیں میرے علم کے مطابق کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں ۱۔ اتنی دراز عمر اور ایسی عالی سند ۲۔ ایسی عمدہ فہم اور اتنا وسیع علم ۳۔ آپ کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر علماء کا اتفاق ۴۔ آپ کی عدالت، اتباع سنت اور دینداری پر محدثین کا اتفاق ۵۔ فقہ اور فتویٰ میں آپ کی مسلمہ مہارت۔

ابن خلفان نے بتایا کہ:

ونکر ابن خلکان کان مالك لا يركب فی المدينة مع ضعفه وكبر سنه ويقول لاارکب فی مدينة فيها جثة رسول الله صلى الله عليه وسلم مدفونة۔وروى ابونعيم عن المثنى بن سعيد قال سمعت مالكايقول مابت ليلة الا رأيت فيها رسول الله صلى الله عليه و سلم۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ باوجود ضعف و کبرسنی کے مدینہ طیبہ میں کبھی سوار نہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس ارض مقدس میں جسم اطہر مدفون ہو اس میں سوار ہونا شان محبت و ادب کے خلاف ہے۔ ابونعیم نے مثنی بن سعید سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں جب بھی رات کو سوتا ہوں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مدینہ طیبہ کی مٹی سے بھی خوشبو آتی ہے اور تین دن میں ایک بار بیت الخلاء جاتے اور فرماتے کہ مجھے بار بار جاتے شرم آتی ہے

اور قضائے حاجت کے لیے مدینہ طیبہ کے حرم سے باہر جاتے بجز عذر بیماری وغیرہ یہی حالت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا تھا کہ سفر حج کے لیے حاضری ہوتی تو مدینہ طیبہ کی حدود میں قضاء حاجت نہ فرماتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کے دروازے پر خراسانی گھوڑے اور مصری خچر دیکھے تو میں نے امام صاحب سے کہا، بہت عمدہ ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں یہ سب ہبہ کر دیے ہیں، میں نے کہا سواری کے لیے ایک آپ بھی رکھ لیجئے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ جس ارض مقدس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہوں میں اس کی مٹی کو سواری کے کھروں سے روندوں۔ (ظفر المحصلین، ص۸۹۔۸۰)

حضرت مالک بن عوف نضری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

قبیلہ ہوازن کا وفد جب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور نے ان سے مالک بن عوف کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کی، طائف میں قبیلہ ثقیف کے ساتھ اقامت گزیں ہے۔ حضور نے انہیں فرمایا کہ اس کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچاؤ کہ اگر وہ میرے پاس اسلام قبول کر کے آجائے تو میں اس کے اہل وعیال اور مال مویشی کو واپس کر دوں گا۔ اور اس کے علاوہ اسے مزید ایک سو اونٹ عطا کروں گا، مالک کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ چپکے سے بنی ثقیف قبیلہ سے کھسک گیا اور کسی طرح جعرانہ کے مقام پر بارگاہ رسالت کی حاضری سے شرف یاب ہو گیا، حضور کے دست مبارک پر اس نے اسلام قبول کیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنگی قیدی اور اس کے مال مویشی اس کو واپس کر دیے اور اس کے علاوہ مزید ایک سو اونٹ اسے مرحمت فرمائے۔

جب اس نے حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی جود وسخا اور کرم وعطا کا یہ منظر دیکھا تو بے خود ہو کر کہہ اٹھا:

مَاإِنْ رَأَيْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهٖ فِى النَّاسِ كُلِّهِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدٍ

اَوْفٰی وَاَعْطٰی لِلْجَزِیْلِ اِذَا اجْتُدِیْ وَمَتٰی تَشَأْ یُخْبِرْكَ عَمَّا فِیْ غَدٖ

تمام لوگوں میں محمد مصطفیٰ کا مثل نہ میں نے دیکھا ہے، نہ میں نے سنا ہے۔ وہ اپنا وعدہ پورا فرمانے والے ہیں، جب کوئی شخص عطیہ مانگتا ہے تو اس کو عطا فرماتے ہیں اور جب تو چاہے وہ تجھے آنے والے کل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے آگاہ کر دیتے ہیں۔

وَاِذَا الْكَتِیْبَةُ عَرَّدَتْ اَنْیَابَهَا بِالسَّمْهَرِیْ وَضَرْبِ كُلِّ مُهَنَّدٖ

جب کوئی لشکر کا دستہ اپنے دانتوں کو طاقتور نیزے سے اور ہندی تلوار کے ساتھ مضبوط کر لیتا ہے۔

فَكَاَنَّهٗ لَیْثٌ عَلٰی اَشْبَالِهٖ وَسْطَ الْهَبَاۃِ خَادِرٌ فِیْ مَرْصَدٖ

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شیر کی مانند ہوتے ہیں جو اپنے کچھار میں بیٹھا ہوا اور غبار میں لپٹا ہوا اپنے بچوں کی حفاظت کر رہا ہوتا ہے۔

رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کو ان لوگوں کا امیر مقرر کر دیا جو اس کے قبائل ثمالہ، سلم اور فہم میں مشرف باسلام ہو گئے تھے، وہ ان نومسلم مجاہدوں کو دیکھ کر ثقیف کے ساتھ نبرد آزما ہوا کرتا تھا۔ جب بھی ان کے مویشیوں کے گلّے باہر نکلتے، یہ ان پر حملہ کر کے ان سے چھین لیا کرتا۔ یہ شخص جس نے چند روز قبل اپنے تیس ہزار کے لشکر کو مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کے لیے حنین کے میدان میں صف بستہ کیا ہوا تھا، آج وہی مالک اپنے گلے میں حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق سجائے ہوئے جان نثاری اور سرفروشی کے کارنامے انجام دے کر اپنے ہادی و مرشد کو خود سند کر رہا ہے۔ (ضیاء النبی، ج ۴، ص ۵۴۹، ایضاً ص ۶۸۳)

حجۃ الاسلام محمد ابو حامد امام غزالی کی مقبولیت اور عشق رسول

مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے تذکرے میں فرماتے ہیں کہ:

''ایک خدا رسیدہ بزرگ بیت اللہ شریف کے ایک گوشے میں مراقبے کی حالت میں تشریف فرما تھے آنکھیں بند تھیں دل یاد الٰہی میں مشغول تھا۔ جب اس کیف و سرور سے عالم سلوک میں آئے، اور آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کے قریب سے ایک شخص گزرا

اور صحن حرم میں ایک طرف کو بغل سے مصلیٰ نکال کر بچھایا جیب سے ایک تختی نکالی اور اس کو سجدہ گاہ بنایا، دیر تک نماز پڑھی فارغ ہونے کے بعد تختی کو ہاتھ میں لیا اور بڑے احترام سے تختی کے دونوں جانب کو اپنے بدن سے ملا اور تضرع وزاری میں محو ہو گیا۔ اس کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھایا اور اس تختی کو چوما اور بدستور جیب میں رکھ لی۔

خدا رسیدہ بزرگ غور سے نماز کے حرکات وسکنات دیکھتے رہے اور ایک خاص کیفیت ان پر طاری ہوگئی۔ اس عالم میں بزرگ موصوف کے قلب پر کچھ اس طرح خطرات کا عکس پڑا۔ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج ہم میں رونق افروز ہوتے تو ان اہل بدعات کو اس قسم کی فعال شنیعہ سے منع فرماتے۔ بزگ موصوف انہیں خیالات میں تھے کہ آپ پر غنودگی طاری ہوگئی، نیم خوابی اور نیم بیداری کی حالت میں مقدر کا ستارہ چمکا نصیب جاگا۔ خود کو ایک وسیع میدان میں جہاں مخلوق کا بے اندازہ ہجوم تھا پایا یہ سارا میدان تجلیات الٰہی سے بیت المعمور کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ آسمان سے زمین تک رحمت وانوار نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا نسیم جنت کے ٹھنڈے جھونکے آرہے تھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ عطر پاشی میں مصروف ہیں۔ دماغ بہشت بریں کی خوشبو سے معطر ہوا جاتا تھا۔ حد نگاہ پر ایک عالی شان نورانی خیمہ نصب ہے۔ جس کے اندر مقدس ومتبرک اصحاب بڑے ادب واحترام کے ساتھ کھڑے ہیں پھر کیا تھا پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوؤں کی جھلک ظاہر ہوئی، ارشاد ہوا غزالی کہاں ہے۔ بابِ رحمت کے دربان نے فوراً محمد غزالی کو پیش کیا۔ امام غزالی نے مؤدبانہ سلام عرض کیا۔ حضور پرنور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال رحمت وشفقت سے اپنا دست مبارک امام غزالی کی طرف بڑھایا۔ امام غزالی نے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیا آنکھوں سے لگایا اپنے چہرہ کو حضور اقدس کے دست انور سے ملا۔ (ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء ص ۵۵)

میر محمد جان بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

۱۱۴۶ھ میں توفیق الٰہی کے جذبے نے انہیں سرشار کر دیا، منصب وجاگیر بادشاہی

چھوڑ کر امراو نعمت دنیا سے دل ہٹا کر، پہلے دار الخلافہ شاہجہاں آباد سے بلگرام آئے۔ اہل و عیال اور قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ دنیا کی نعمتیں اور سکون بہت دیکھا، تمہاری خدمت طاقت بھر کی، اب جب کہ بڑھاپے کی صبح وجوانی کی رات سے طلوع ہو رہی ہے، زندگی کا چراغ بجھنے کے قریب ہے، میری خواہش ہے کہ حرمین شریفین اور دوسرے اماکن قدسیہ کی زیارت کے لیے سفر کروں اور بقیہ ایام زندگانی مدینہ طیبہ علی ساکنہا الصلاۃ والتحیۃ میں گذراوں، مناسب یہ ہے کہ آپ حضرات خوش دلی سے اجازت دیجیے، اور اس شخص کو جس کے ایام زندگی چند سانسوں سے زیادہ نہیں رہے، اس کو آج اس دنیا سے گزرا ہوا تصور کیجیے۔

حاصل یہ کہ اہل وعیال کو راضی کرنے کی کوشش کی اور اس جماعت پر صبر کی تلخی گوارا فرماتے ہوئے مقصود کی طرف چل پڑے، بندرگاہ ٹھٹھ کا قصد کیا اور ۱۷ ربیع الآخر ۱۱۴۶ھ میں سیوستان وارد ہوئے۔ اٹھائیس کو سیوستان سے آگے روانہ ہو گئے، اس کے بعد پندرہویں جمادی الاولیٰ سال مذکور جس جہاز کو بصرہ روانہ ہونا تھا، اس پر بیٹھ گئے۔ قضا سے جہاز بندرگاہ عباسی کے سامنے ٹوٹ گیا، خلق کثیر اور بیش قیمت مال ناکامی کے بھنور میں پھنس گیا، جہاز کا عملہ ایک چھوٹی کشتی پر جو جہاز کے ساتھ ہوتی ہے، بیٹھ گیا اور میر صاحب کو بھی اسی کشتی میں لے لیا، جیسے تیسے کشتی سلامتی کی آغوش میں ساحل سے لگی، میر صاحب وہاں سے عازم بصرہ ہوئے، صحراؤں اور دشوار گزار پہاڑوں کو روندتے ہوئے بڑی مشکل سے بصرہ پہنچے، وہاں سے دار الاسلام بغداد، سامرہ، نجف اشرف اور کربلائے معلی تشریف لے گئے۔ اور مزارات عالیہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، جب نادر شاہ نے اپنے عہد میں بدعتی رسومات ایران سے اٹھائے تو آپ تاجروں کے ساتھ مشہد مقدس کی طرف نکل گئے اور امام ہشتم کی زیارت کی، اور بلند رتبہ ہوئے۔

وہاں سے بیت اللہ کا احرام باندھا، مناسک حج وعمرہ ادا کرنے کے بعد فوراً مدینہ سکینہ علی ساکنہا الصلوٰۃ والتحیۃ آ گئے اور مرقد مطہر کی زیارت سے سعادت ابدی خوشبوئیں سونگھیں، شفاعت مآب رضی اللہ علیہ وسلم کا حلقہ اخلاص کے پنجے مضبوطی کے ساتھ تھاما اس بقعہ مبارک میں مرنے کی آرزو لیے قدم شہر سے باہر نکالا۔ نیز سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا ہمیشہ ورد

زباں رکھا:

اللهم ارزقنی شهادة فی سبیلك واجعل موتی فی بلد رسولك.

یعنی اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما، اور اپنے رسول علیہ السلام کے شہر میں موت دے۔

آخر کار چند مہینے ہی اس شہر مبارک میں زندہ رہے، اس زمانے میں ہمیشہ صبح تا شام مسجد نبوی میں بیٹھتے اور روضۂ اقدس کے مصاحف موقوفہ کی تصحیح کرتے رہے۔

اپنے مقدس اوقات اسی نیک عمل میں صرف کرتے تھے، یہاں تک کہ پندرہویں رجب المرجب ۱۱۴۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، شہر مقدس کے دستور کے مطابق آپ کے جنازے کو مواجہہ خیر الانام و بیت الحرام و منبر کے درمیان سے گزار کر جنت البقیع لے جایا گیا اور سیدنا عباس وائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے پائنتی چار گز کے فاصلے سے پوربی سمت سپرد خاک کیا گیا، خوشا وہ صاحب دولت جس نے تمام عمر ناز و نعمت میں گزاری اور زندگی کے آخری دنوں میں یہ تمام سعادتیں اور برکتیں حاصل کیں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ (ماثر الکرام تاریخ بلگرام، ص ۴۰۲-۴۰۶)

حضرت شیخ محمود رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

سیدی شیخ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح صلوٰۃ الغوث الجیلانی میں رقم فرمایا ہے کہ وہ حضرت شیخ محمود مذکور مرحوم کو ۱۲۰۵ھ میں مدینہ طیبہ میں ملے تھے، حضرت شیخ انہیں گھر لے گئے اور بڑے ادب و اکرام سے پیش آئے اور بتایا کہ امام عاشقاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عالم بیداری میں ان کی بے شمار ملاقاتیں ہوئی ہیں، چونکہ علامات صدق موجود تھیں لہٰذا حضرت نابلسی نے بھی ان کی تصدیق فرمائی، کتاب "سعادة الدارين فی الصلوٰة علی سیدی الکونین" میں مدلل طور پر ثابت ہے کہ خواب اور بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار میں حاضری دی جا سکتی ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ اتنے مدلل پہلے اور کسی کتاب میں زینت تحریر سے مزین نہیں ہوئے تھے۔ اس موضوع پر امام سیوطی

رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک کتابچہ لکھا تھا جس کا نام "تنویر الملك عن روية النبی والملك" ہے اس میں بھی کافی روایات مندرج ہیں۔ (جامع کرامات اولیاء، ص ۳۸۹)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

عشق الٰہی میں سرشار رہنے کے باوصف محبت رسول کے نشہ میں بھی وارفتہ رہتے رسول گرامی کی ذات اقدس سے وارفتگی و شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ جب ذکر رسول والہانہ انداز سے کرتے اور حدیث نبوی بیان فرماتے تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، ایک بار ارشاد فرمایا، اس شخص پر افسوس ہے، جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہو گا اس کی جگہ کہاں ہو گی جو آپ سے شرمندہ ہو، وہ کہاں جائے گا؟ یہ فرمانے کے بعد ہائے ہائے کر کے بے اختیار رونے لگے۔

سنت رسول کی اتباع واطاعت آپ کا شعار حیات بن چکا تھا جب سکر و استغراق کی کیفیت طاری ہوتی آپ آنکھیں بند کر کے دنیا ومافیہا سے بالکل غافل ہو جاتے مگر جب نماز کا وقت آتا عالم ہوش میں آجاتے اور فریضۂ نماز ادا فرماتے پوری زندگی شریعت مطہرہ کی پیروی میں گذری۔ (سلطان الہند خواجہ غریب نواز، ص ۱۲۵)

خواجہ غریب نواز اور اتباع سنت

سرکار خواجہ غریب نواز قدس سرہ اتباع سنت میں کامل واکمل تھے اور ہمیشہ جان و دل سے سنت نبوی کی پیروی کرتے تھے کیونکہ آپ اس حقیقت سے واقف و باخبر تھے کہ بغیر اتباع رسول و پیروِی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقت و معرفت کی منزل نہیں مل سکتی ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید که ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

یعنی جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (کنز الایمان پارہ ۵)

اور ارشاد باری تعالیٰ:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ۔

یعنی اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ (کنزالایمان، پارہ ۳)

ہر وقت ان کے پیش نظر رہتے اور طریق رسول کردگار صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کر کے زندگی گذارتے اور اپنے تمام مریدین ومتوسلین کو بھی شریعت محمدیہ پر عمل پیرا ہونے کی تائید فرماتے۔

محمد کی غلامی دین حق کی شرط اول ہے　　اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی　　خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

''بزم صوفیہ میں'' سرکار خواجہ غریب نواز قدس سرہ کی محبت رسول کی کیفیت بیان کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے کہ: سرکار خواجہ غریب نواز تمام عمر عشق الٰہی میں وارفتہ و بے خود رہنے کے ساتھ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نشے میں سرشار رہے۔

آپ اپنے ملفوظات میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بہت والہانہ انداز میں فرماتے تھے اور اکثر حدیث نبوی بیان فرما کر رونے لگتے تھے۔ ایک جگہ ملفوظات میں آپ نے فرمایا ہے کہ ''افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا اس کی جگہ کہاں ہوگی جو آپ سے شرمندہ ہوگا کہاں جائے گا یہ فرمانے کے بعد ہائے ہائے کہہ کر رو پڑے۔'' آپ کو رسول پاک سے اس درجہ عشق تھا کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرتے یا سنتے تو آپ کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ اسی محبت رسول وعشق مصطفیٰ کا اعجاز تھا کہ آپ کی شخصیت آفاقی شہرت ومقبولیت کی حامل ہوئی اور پورے عالم اسلام میں سرکار خواجہ غریب نواز کا نام نامی اسم گرامی نہایت قدر ومنزلت اور کمال احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے اور آج بھی وہ مخلوق خدا کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں اور آپ کے آستانے پر شب و روز بلا تفریق مذہب وملت، مسلم، غیر مسلم، اپنے اور بیگانے سبھی نذرانہ عقیدت اور ہدیہ محبت پیش کرتے ہیں اور آپ کے فیض بخش دربا سے اللہ کی نعمتیں اور دولتیں پاتے ہیں۔

جذبات محبت کا کیسا یہ فسانہ ہے　　سمٹے تو دل عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

(سیرت خواجہ غریب نواز ص ۲۶۹ تا ۲۷۱)

حضرت مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

اتباع رسول اور استقامت علی الشریعت میں اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت و عشق کا بڑا دخل ہے۔ بلکہ یہی اتباع و اطاعت اور استقامت کی جان و روح ہے۔ مشہور حدیث ہے:

لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

خود قرآن مقدس میں ارشاد ہوا:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ۔

مومنین اللہ تعالیٰ ہی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ محبوب کی محبت وافر طریقہ پر ہو تو محبوب کے ہر فرمان کو بجالانے کے لیے تیار رہے گا اور اپنے محبوب کی ادا کے سانچے میں اپنے کو ڈھالتا نظر آئے گا۔ اس کا کوئی قدم محبوب کے فرمان یا سنت سے ہٹ کر نہ پڑے گا۔ مفتی اعظم بلاشبہہ عظیم محبّ صادق اور عاشق رسول تھے اس لیے ان کا ہر قدم اتباع رسول اور اطاعت نبی میں اٹھا۔ دعوے کی وضاحت کے لیے چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ مولانا مختار رضوی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"محبت اگر صادق ہوتی ہے تو محبّ کا کوئی قدم محبوب کے حکم کے خلاف نہیں اٹھتا محبوب جو حکم دیتا ہے محبّ اس کو بجالانے کے لیے جان تک کی بازی لگا دیتا ہے اور محبوب جس چیز سے روکتا ہے ذہن میں اس کا خیال لانے کو بھی جذبۂ محبت کی توہین سمجھتا ہے۔ زندگی کی کسی راہ میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ محبوب کے چشم و ابرو کو دیکھتا ہے کہ کہیں میرے اس اقدام سے محبوب کے چہرے پر ناراضگی کا تأثر تو نہیں ابھر رہا ہے۔

جب اس رخ سے ہم حضور مفتی اعظم ہند کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بانوے برس کی طویل زندگی میں ہمیں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ملتا جس پر انگلی اٹھا کر یہ کہا جا

سکے کہ انہوں نے یہ لمحہ حکمِ مصطفیٰ کے خلاف گذارا ہے۔ آخری ایام میں ضعف ونقاہت کا یہ عالم تھا کہ چند قدم چلنے کے لیے بھی سہارے کی ضرورت ہوتی تھی مگر یہ اطاعت مصطفیٰ کے جذبہ کا ہی اثر تھا کہ اس قدر ضعیفی اور کمزوری کے باوجود پنج وقتہ نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور اسے اطاعت محبوب کے جذبہ کی کرشمہ سازی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ عام حالت میں چلنے کے لیے سہارے کی احتیاج کے باجود نماز میں کسی سہارے کی ضرورت درپیش نہ ہوتی تھی اور سارے فرائض و واجبات وسنن ومستحبات بغیر کسی سہارے کے کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے۔

عشق صادق اور محبت کامل کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ محبّ کی زندگی محبوب کی زندگی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔ وہ اپنی حیات کے ہر گوشہ میں محبوب کے سنن واطوار کو اس طرح بسالے کہ اس کے معمولات ومشاغل عادات وخصائل اور اقوال وافعال کے آئینے میں محبوب کی زندگی کے خط وخال نمایاں ہوں۔ اس رخ سے جب ہم مفتی اعظم کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ انہوں نے اتباع رسول کی وہ عظیم مثال قائم کی ہے کہ دنیا نے اتباع محبوب کا سلیقہ سیکھا۔ آپ ان کی کتاب زندگی کے جس ورق کو الٹ کر دیکھیں سنن مصطفیٰ کے نقش ونگار سے مزین نظر آئے گا۔ خلوت ہو یا جلوت، محفل عام ہو یا خاص، آرام وراحت کا وقت ہو یا مشغولیت ومصروفیت کا موقع، مسند افتا ہو یا سجادگی رشد وہدایت، وعظ وخطابت کا اسٹیج ہو یا شعر وسخن کی نشست، مشاغل دنیوی کا ہجوم ہو یا عبادت وذکر کی یکسوئی، مفتی اعظم جس جگہ نظر آئیں گے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں میں ڈھلے ہوئے نظر آئیں گے۔" (مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، ص ۱۵۶، ۱۵۷، بحوالہ: استقامت کان پور مفتی اعظم نمبر، مضمون مولانا مختار احمد رضوی بہیڑوی)

حضرت مولانا سید محمد اجمل میاں اشرفی کچھوچھوی آپ کے منجۂ عشق ومحبت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"خرابیِ صحت وتوانائی کے باوجود فرائض کی تکمیل میں اتنے مستعد کہ جوانی بھی تحیر واستعجاب کے عالم میں عش عش کر اٹھے۔ عشق حبیب خدا سے آشنا قلب وذہن، لذت نعت

گوئی سے زبان کی عظمتوں کو چار چاند لگا تا رہا اور دنیائے حمد و نعت میں عشق و محبت کے ایسے گل بوٹے کھلائے جن کی مہک سے مشام عالم معطر ہو گیا۔ خدمت خلق بچھونا، خدمت دین اوڑھنا اور عشق مصطفیٰ غذا، بس اسی کو اپنا سب کچھ سمجھا اور اسی میں زندگی گزار دی۔

عشق مصطفیٰ مجسم ہو کر مصطفیٰ رضا ہو جائے اس میں حیرت ہی کیا ہے، وہ تو اس درسگاہ عشق و محبت کے تربیت یافتہ تھے جہاں کا ذرہ ذرہ نشۂ عشق مصطفیٰ سے سرشار و مخمور ہے۔

جب ذروں کا یہ حال ہے تو اس آفتاب حب رسول کا عالم کیا ہو گا جس کو آج پورا عالم اسلام ''امام احمد رضا'' کے نام سے جانتا اور پہچانتا ہے۔ (مفتی اعظم کی استقامت و کرامت، ص ۱۵۷،

بحوالہ: استقامت کان پور مفتی اعظم نمبر ص: ۳۴۴، مضمون مولانا سید اظہار اشرف اشرفی کچھوچھ)

مفتی اعظم کے عشق اور محبت رسول کا یہ عالم ہوتا کہ بالکل باادب اور مہذب ہو کر جب تک نعت پڑھی جاتی دوزانوں یا ایک پاؤں اٹھا کر یکسوئی کے ساتھ بیٹھے رہتے اور وارفتگی شوق اس قدر بڑھ جاتا کہ اشکوں کے موتی روکے نہیں رکتے۔ آیئے آپ کے عشق کی حقیقت بیانی عاشقوں کی زبانی سنیے حضرت فیض العارفین شاہ صوفی منور حسین بدایونی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''بیٹا میں نے ۲۵ مرتبہ حضور اعلیٰ حضرت بریلوی کی بریلی جا کر زیارت کی اور بڑی کثرت سے بریلی شریف جا کر حضرت حجۃ الاسلام بریلوی اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے ملاقات کا شرف حاصل کرتا تھا۔ کبھی کبھی شب میں محلہ سوداگران رُک جاتا تھا اور بعد نماز عشا حضور مفتی اعظم ہند قبلہ کی موجودگی میں نعت گوئی کا جو دور چلتا وہ دیدنی سے تعلق رکھتا تھا۔ حضور مفتی اعظم ہند نعت سن کر اس قدر تصور محبوب میں مستغرق ہو جاتے تھے کہ آپ کو خود اپنا ہوش نہیں رہتا تھا اور اشکوں کے موتی روئے انور پر اس قدر نچھاور ہوتے نظر آتے تھے کہ ہم لوگ یعنی سامعین پر ایک سکتہ طاری ہو جاتا تھا کبھی کبھی حضرت قبلہ خود بھی تحت لفظ میں اعلیٰ حضرت کے اور اپنے اشعار سنایا کرتے تھے۔ جب کبھی حضور مفتی اعظم ہند قبلہ اور اعلیٰ حضرت قبلہ کا یہ شعر سناتے تھے تو اس وقت عالم کچھ نہ پوچھا۔ وہ شعر یہ ہے ؎

حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

(مفتی اعظم کی استقامت و کرامت، ص ۱۵۸، بحوالہ: استقامت ص: ۳۴۴، مضمون مولانا مفتی مظفر احمد بدایونی)

جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ ازہری میاں قبلہ زیدت مکارمہم خامہ فرسا ہیں:

''سیدی مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا قدس سرہ رضائے مصطفےٰ تھے اور جو عظمت انہیں حاصل ہوئی وہ محبت رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم کی بنا پر اور بلاشبہ عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہی جان ایمان ہے۔ حضرت مفتی اعظم کی سرکار علیہ السلام کے عشق میں فنائیت کا شاہد ان کی زندگی کا لحہ لحہ ہے محبت رسول میں ان کی فنائیت کا صحیح اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آخر عمر میں باوجود شدید علالت کے نعت کی محفل میں گھنٹوں باادب بیٹھے رہتے تھے اور نعت پاک کے ہر مصرع پر رونا اور والہانہ کیفیت کا طاری ہونا اس بات کا غماز ہے کہ وہ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی محبت میں گم ہو چکے تھے۔''

(مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، ص ۱۵۸، حجاز جدید مفتی اعظم نمبر ص: ۳۵۔ ستمبر و اکتوبر ۱۹۹۰ء)

ہجری کے اعتبار سے آپ نے ۸۰ سال کی عمر میں پیدل حج فرمایا اور اس وقت بڑی شیفتگی کا عالم تھا۔ آپ نے کبھی اپنی زبان مبارک سے یہ فرمایا تھا:

آبلے پاؤں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے
راہ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت

آیئے دیکھیں اس گفتار کے غازی نے زندگی کے تمام شعبہ جات کے ساتھ ساتھ محبت وعشق کے باب میں اپنے کردار کے غازی ہونے کا ثبوت بھی کس طرح دیا ہے:

''اللہ اللہ! محبت کی ایسی لگن کہ ۸۷ سال کی عمر میں جب تیسری بار حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفا) کے لیے حاضر ہوئے تو ایک روز غار ثور کی زیارت کے لیے چلے۔ شوق کا یہ عالم کہ پہاڑ پر چڑھے تو چڑھتے ہی چلے گئے۔ جوان و تندرست انسان جو فاصلہ تین گھنٹے میں طے کرتا ہے آپ نے ڈھائی گھنٹے میں طے کرلیا اور دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا اور جب گھر واپس تشریف لائے تو چند سیڑھیاں چڑھنا دوبھر ہو گیا۔ بے شک عشق ومحبت کے طفیل ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

عشق سراپا یقین اور یقین فتح باب

(مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، ص ۱۵۹، بحوالہ: از رشحات قلم محسن رضویات پروفیسر مسعود صاحب

پاکستان، مضمون شہزادہ اما احمد رضا)

اور ضعف ونقاہت کے باوجود جس نشاط و مستعدی اور شیفتگی اور وارفتگی کے ساتھ مناسک حج ادا کیے وہ ہم سب کے لیے قابل رشک اور لائق عمل ہے۔ مولانا خالد علی بریلی اور مولانا عبدالہادی افریقی بریلی سے مکمل طور پر شریک سفر رہے۔ یہ حضرات ارض حجاز کے رقت انگیز اور ایمان افروز واقعات بیان کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی عاشق وارفتۂ جگر ہے جو مکہ کے مقامات مقدسہ، اس کی شاہراہوں اور مدینہ منورہ کی اماکن مبارکہ اس کی روح پرور گلیوں اور اس کے درودیوار پر سب کچھ قربان کرنے کی آرزو میں تڑپ رہا ہے اور دیوانہ وار ہر طرف اس کی بے تاب نگاہیں اٹھ رہی ہیں۔

(مفتی اعظم کی استقامت وکرامت،ص ۱۵۹-۱۶۰، بحوالہ: تین برگزیدہ شخصیتیں ص:۱۱)

سفر حج میں جب آپ غار ثور کی زیارت کے بعد غار حرا کے پاس پہنچے تو اپنا عمامہ مبارکہ، جبہ، صدری، کرتا سب اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ اس وقت سوزش عشق سے آپ کا قلب تپاں اور آنکھوں سے اشک رواں تھا، غار کے اندر تشریف لے گئے اور اس کی پاک مٹی بدن پر ملنے لگے اور اس کے ذرات سے اپنی پیشانی کو اس طرح چمکایا کہ کہکشاں کا جمال، آفتاب کی شعاعیں اور ماہتاب کی درخشانی بھی اس کی تابانیوں پر قربان ہونے لگیں۔ اور جب مواجہۂ اقدس میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تو حرم شریف کے خادم سے جھاڑو لے کر درود شریف پڑھتے ہوئے اس مبارک سرزمین کو بہارا۔ اس وقت کا جذبۂ عشق اور کیف وسرور بیان سے باہر ہے۔ ایک مدت سے خوابیدہ آرزو آج بیدار ہو چکی تھی، دل میں مسرت کی کلیاں کھل اٹھیں اور مرادیں برآئیں جنہیں آپ نے اپنی نعت پاک میں نظم فرمایا ہے:

خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوری
مدینے کی گلیاں بہارا کروں میں

سفر حج کے موقع پر ۱۳۹۱ھ میں آپ کو معلوم ہوا کہ خانوادۂ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بزرگ حضرت سید عبدالمعبود الجیلانی البغدادی جن کی عمر اس وقت ۱۴۹ سال تھی وہ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہیں آپ بصد شوق ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، کمرہ میں پہنچے،

سید صاحب استقبال کے لیے اٹھنے لگے تو آپ نے بڑھ کر ان کا قدم چوم لیا اور آپ نے پھر احتراماً عام لوگوں کی صف میں بیٹھنا چاہا مگر انہوں نے آپ کو اپنی مسند سے قریب اپنے بغل میں بٹھا لیا۔ سید صاحب نے دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ بفضلہٖ تعالیٰ میں نے ۸۰ر حج کیے ہیں اعلیٰ حضرت شیخ احمد رضا خاں قادری سے بریلی میں میری ملاقات بھی ہوئی۔

(مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، ص ۱۶۰، (حجاز جدید ص: ۹۲-۹۳ شمارہ ستمبر واکتوبر ۱۹۹۰ء)

خود لب کشا ہوئے تو یوں کہتے ہیں:

جان ایماں ہے محبت تیری جان جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں وہ خاک مسلماں ہوگا
فقیر آپ کے در کے ہیں ہم کہاں جائیں
تمہارے کوچے میں دھونی رمانے آئے ہیں

(مفتی اعظم کی استقامت وکرامت ص، ۱۶۱)

آپ استقامت کا پہاڑ تھے

آپ نے تین مرتبہ حج وزیارت کی سعادت حاصل کی مگر کبھی تصویر نہیں بنوائی ہر بار بغیر تصویر کے پاسپورٹ سے حج پر تشریف لے گئے، تیسری مرتبہ حج بیت اللہ پہ جاتے وقت حکومت بھارت کی جانب سے پاسپورٹ پر تصویر لگانے کا قانون سخت ہوگیا، چنانچہ آپ سے تصویر لگانے کو کہا گیا تو آپ نے برجستہ انکار کرتے ہوئے فرمایا ''مجھ پر جو حج فرض تھا وہ میں نے کر لیا۔'' اب نفل حج کے لیے اتنا بڑا ناجائز کام کر کے دربار مصطفوی میں کیسے حاضر ہو سکتا ہوں، میں تصویر ہرگز نہیں کھینچواؤں گا، جب اس سے قبل گیا تھا، اس وقت تصویر کی پابندی نہیں تھی۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جس رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ میں تصویر کھینچوانا، رکھنا، بنانا، سب حرام ہے، میں اس رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تصویر کھینچوا کر جاؤں، یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔'' حضور تاجدار مدینہ سرور قلب وسینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس غلام کی استقامت واتباع سنت کی یہ ادا پسند آئی، تو اپنے دربار

میں حاضری کے لیے خصوصی انتظام فرمایا اور احباب نے جب بغیر تصویر پاسپورٹ کے لیے کوشش کی تو حکومت ہند اور حکومت سعودی عرب نے آپ کو خصوصی اجازت نامہ جاری کیا اور پھر جب آپ جدہ پہنچے تو آپ کا شاندار استقبال کیا گیا اور جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو برہنہ پا پیادہ آنکھوں سے آنسو جاری اور جسم پر رقت طاری تھی اور حاضری مدینہ طیبہ کا بڑا پر کیف وایمان افروز منظر تھا۔ (نور مصطفیٰ کا مفتی اعظم نمبر، ص ۱۱، مولانا حنیف قادری)

حضرت مولانا سید میر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

۱۳۰۷ھ میں بے سروسامانی کے عالم میں توکل پر حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ کا سفر کیا، مکہ معظمہ میں مشہو ہندوستانی عالم علامہ رحمت اللہ عثمانی کیرانوی المتوفی ۱۳۰۹ھ سے مسئلہ ندائے غائبانہ الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول لله پر گفتگو ہوئی، آپ نے بخاری کی مشہور حدیث ما تقول فی ھذ الرجل سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر مرنے والے سے یہ سوال کیا جاتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ ''ھذا'' محسوس مبصَّر کے لیے موضوع ہے، اور جب تک کوئی مانع نہ ہو لفظ کا معنی وضعی ہی مراد ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ سرور کائنات بیک وقت ہزاروں مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں، آپ کی گفتگو سن کر انہوں نے اپنے سابق خیال سے رجوع کرلیا، اور آپ سے بیعت ہونے کا ارادہ ظاہر کیا، مگر آپ نے صرف اورادووظائف کی اجازت پر اکتفا فرمایا۔ (تذکرۂ علمائے اہل سنت، ص ۲۴۵)

حضرت سید مصطفیٰ حیدر حسن قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

سید محمد اشرف قادری برکاتی کہتے ہیں کہ: آپ الفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چلتا پھرتا نمونہ تھے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے یا اللہ اور یا رسول اللہ منہ سے نکلتا۔ سیرت پاک پر گفتگو کرتے تو آنکھیں وفور محبت سے بھیگ جاتیں۔ اپنے وعظ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے تو ہم لوگوں کو محسوس ہوتا گویا ہم چشم تصور سے آقائے دوجہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کا شرف حاصل کررہے ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو

ان کا چہرہ کھل جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر فرماتے تو فوراً ہی کسی فارسی شاعر یا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا کوئی شعر پڑھ دیتے اور وہ شعر اس موضوع سخن کے لحاظ سے مناسب ہوتا کہ سننے والے کے دل کی کلی کھل اٹھتی۔ جب سلام کا وقت آتا تو بہت جوش وخروش اور بلند آواز سے ترنم کے ساتھ سلام پیش فرماتے۔ شدت جذبات کا یہ عالم ہوتا کہ پیشانی مبارک پر سخت سردی کے باجود پسینے کے قطرے بہنے لگتے۔ سنتوں پر عمل کرنے میں بہت راغب تھے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت ان کا بایاں قدم پہلے اندر گیا ہو یا باہر آتے وقت دایاں قدم پہلے باہر آیا ہو۔

کھانا کھاتے وقت سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا خیال رکھتے۔ حتیٰ کہ نشست تک میں اس بات کی احتیاط رکھتے کہ کھانا کھاتے وقت حضور کے جس طریق نشست کا ذکر احادیث میں آیا ہے، اسی طرح کی نشست ہو۔

کھانے کی پلیٹ میں اپنے سامنے والے حصے سے شروع کرتے جو طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ روٹی کو کبھی دانت سے کاٹ کر نہیں توڑتے تھے، ایسا کرتے کسی کو دیکھتے تو فوراً سرزنش کرتے۔ روٹی کا نوالہ روٹی سے کیسے علیٰحدہ کیا جائے۔ کر کے سمجھاتے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے الفت کا مطلب ہے ان کی اتباع، ان کی اتباع کا مطلب ہے ان کے عمل اور قول کے مطابق عمل کرنا۔ وقت رحلت بھی وہ اس سے غافل نہیں رہے۔ رحلت سے تھوڑی ہی دیر پہلے انہوں نے ایک پیالے میں پانی منگا کر مجھے حکم دیا کہ ان کے ماتھے اور چہرے پر پانی لگاؤں۔ مدارج النبوۃ میں تفصیل کے ساتھ درج ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل اسی سے ملتا جلتا عمل کیا تھا جس کی شہادت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دی ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پر انہوں نے کسی قسم کا کمپرمائز (سمجھوتہ) نہیں کیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے حضور احسن العلما کو جو ایک مخصوص والہانہ محبت تھی، وہ بھی غالباً عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دین تھی، مسلک اعلیٰ حضرت کی اساس الفت رسول اور عظمت نبی پر قائم ہے۔ اسی لیے تو حضرت احسن العلما علیہ الرحمہ نے وقت آخر سے دو تین

دن پہلے اپنے بچوں کو جو وصیت کی وہ یہ ہے کہ:

''مسلک اعلیٰ حضرت پر مضبوطی سے ڈٹے رہنا۔ میرا جو مرید اس مسلک سے ہٹ جائے، میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔''

(الفاظ میرے ہیں لیکن مفہوم وہی ہے جو حضرت امین ملت مدظلہ العالی نے مجھے بتایا کہ اس وصیت کے وقت میں اسپتال کے اس کمرے میں موجود نہیں تھا رفیق ملت سید نجیب حیدر سلمہ موجود تھے۔

وہ مسلک اعلیٰ حضرت کو عشق رسول، عظمتِ نبی اور اپنے بزرگوں کے اقوال سے جدا نہیں جانتے تھے۔ خدا گواہ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرۂ شیرانہ جس دلیری، استقامت، مداومت اور تسلسل سے خانوادہ برکات کے ان دو بزرگوں یعنی حضور سید العلما علیہ الرحمہ اور حضور احسن العلما علیہ الرحمہ نے لگایا، اس کی سعادت ان کے زمانے میں شاید ہی کسی دوسرے کے حصے میں آئی ہو۔ دراصل مسلک اعلیٰ حضرت کے پردے میں وہ الفت رسول کا نعرہ لگاتے تھے، عظمت نبی کا پرچار کرتے تھے۔ (یادِ حسن، ص ۱۲۰، ۱۲۱)

حضرت علامہ مہر محمد اچھروی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت علامہ مہر محمد اچھروی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے متعلق حضرت شیخ الحدیث (مولانا علامہ غلام رسول رضوی) مدظلہ نے بتایا کہ وہ راسخ العقیدہ سنی تھے ''جامعہ فتحیہ'' اچھرہ میں دیوبندی طلباء بھی پڑھتے تھے۔ ایک سنی طالب علم نے ایک نعتیہ مصرع پڑھا۔ ع

طیبہ کو جانے والے میرا سلام کہنا

ایک دیوبندی طالب علم نے اس کے مقابلے میں پڑھا۔ ع

دیوبند کو جانے والے میرا سلام کہنا

اس پر ہنگامہ ہو گیا، حضرت استاذ صاحب نے فرمایا: ''تم کافر ہو گئے، توبہ کرو'' یہ بھی انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت علامہ اچھروی کے سامنے بیان کیا گیا کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے ''تقویۃ الایمان'' میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ عیہ وسلم کی حدیث نقل کر کے اس

کا خود ساختہ مطلب بیان کرتے ہوئے کہا میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ تیز یہ بھی لکھا ہے کہ ہر بڑا اور چھوٹا خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔" اس پر حضرت استاذ صاحب نے فرمایا:

"اس خبیث کی قبر میں خوب پٹائی ہو رہی ہوگی۔"

(مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ شیخ الحدیث غلام رسول رضوی، نور نور چہرے، ص ۲۸۲)

حضرت مولانا قاری محمد مصلح الدین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

آپ نے ۱۹۵۴ء میں پہلا حج ادا فرمایا۔ اس سفر حج میں عبدالشکور مرحوم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اس حج کے دوران جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ سے پہلی مرتبہ آپ کی ملاقات ہوئی، مولانا ضیاء الدین مدنی آپ سے مل کر بے حد مسرور ہوئے اور قاری صاحب کو ساتھ لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری دی، بارگاہ رسالت میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے بعد امیر المومنین سیدنا ابو بکر صدیق اور امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے حضور نذرانہ عقیدت وسلام عرض کیا۔ قاری صاحب نے اپنی حیات دنیوی میں بارہ مرتبہ زیارت حرمین شریفین کے لیے سفر کیا، یعنی آپ نے کل بارہ حج کیے۔

ہر مرتبہ آپ حج کو روانہ ہونے سے قبل حضرت امام الاولیاء سید علی ہجویری غزنوی المعروف داتا گنج بخش قدس سرہ الاقدس کے مزار پر انوار پر لاہور ضرور حاضر ہوتے تھے اور فرماتے کہ میرے حج کے لیے ویزا یہیں سے لگتا ہے۔ (انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۸۶۴)

حضرت علامہ مشتاق نظامی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

نظامی صاحب طبعاً نرم خو، مزاجاً خوش اخلاق، فطرتاً شیریں گفتار، اور حد درجہ ملنسار آدمی تھے جو ان سے ملتا، مسرور ہو جاتا۔ جو ان کے پاس جاتا، شاداں لوٹتا۔ جو ان کی صحبت میں بیٹھتا، طبیعت میں تازگی محسوس کرتا مزاج میں مروت ایسی تھی کہ معمولی آدمی کو بھی سخت

جواب دینے سے پرہیز کرتے۔ جس کا احترام فرماتے، اس کی تلخ گفتگو کے جواب میں زبان بند رکھتے۔ تواضع کا یہ حال تھا کہ اپنے معاصرین میں کبھی کسی پر اپنی برتری ظاہر نہ فرماتے۔ البتہ طبیعت میں ضد کا عنصر ضرور تھا۔ اگر کسی بات پر کبیدہ ہو کر ''نا'' کہہ دیتے، تو پھر ان سے کوئی ''ہاں'' نہیں کہلا سکتا تھا۔

نرم خوئی کے باوجود مسلکی تصلب اس درجہ تھا کہ کوئی ان کے سامنے عقائد کے باب میں کسی طرح کی لوچ ظاہر کرتا تو اسے وہیں دبوچ لیتے۔ اور خیالات فاسدہ کے رد میں دلائل کا ایسا انبار لگا دیتے کہ ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' کے گرداب میں پھنس کر اسے سپر ڈال دینی پڑتی۔ ایک بار رانچی مدرسہ غریب نواز میں اہل علم کی مجلس جمی ہوئی تھی۔ کسی نے عقائد دیابنہ کی بحث چھیڑ دی۔ اس پر حضرت مولانا شاہ عطاء الرحمٰن صاحب نقشبندی نے فرمایا کہ ہم فقیروں کو ان باتوں سے کیا لینا دینا ہے۔ یہ سن کر نظامی صاحب ہمہ تن شاہ صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور ادب ملحوظ رکھتے ہوئے بڑے جذباتی انداز میں فرمایا۔ شاہ صاحب! آپ کو دیوبندی، بریلوی جھگڑے سے بے شک کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ لیکن کیا آپ کو بارگاہِ رسالت میں جسارت کرنے والوں سے بھی کچھ لینا دینا نہیں ہے؟ عظمت نبوت کو چیلنج کرنے والوں سے بھی کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ رسول کی شان میں کھلی گستاخی کرنے والوں سے بھی کچھ لینا دینا نہیں ہے۔'' اس کے بعد ان کی ہرزہ سرائیوں کو اس طرح شمار کرنا شروع کر دیا کہ نظامی صاحب کی گفتگو کا تسلسل نہیں ٹوٹ رہا تھا۔ فرما رہے تھے وہابیہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عظمت کو کس طرح گھٹایا، انہوں نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کو کس طرح چیلنج کیا۔ ان حرماں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عزت پناہ میں ایسی ایسی کھلی گستاخیاں کیں۔ شاہ صاحب جو نظامی صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کی شعلہ بار گفتگو سن رہے تھے۔ اچانک گردن جھکا لی، اور ان کی آنکھیں برسنے لگیں، نظامی صاحب یہ کیفیت دیکھتے ہی خاموش ہو گئے۔ اور میری طرف مخاطب ہو کر نرم لہجے میں فرمایا۔ یہ خانہ نشیں صوفیا بالکل بے قصور ہیں انہیں بدمذہبوں کی گستاخانہ عبارتوں کا کچھ علم نہیں۔ انہیں اگر وہ ساری باتیں معلوم ہو جائیں جو ہمیں معلوم ہیں

تو یہ ہم سے زیادہ ان سے بیزار ہو جائیں گے۔

(سہ ماہی جام شہود، بہار شریف، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ ص ۱۸، ۱۹۔ مضمون، سید رکن الدین اصدق چشتی)

حضرت مخدوم شاہ عالم محبوب باری قدس سرہ کا عشق رسول

سیدنا مخدوم شاہ عالم محبوب باری قدس سرہ فقر و معرفت کے گوہر گراں مایہ ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت جید الاستعداد عالم و محدث بھی تھے، اور روزانہ مقررہ وقت پر حدیث کا درس بھی دیتے تھے، جس میں طالبانِ حدیث پاک کثرت سے شریک ہوتے تھے، ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت مخدوم علیل ہو گئے، ضعف زائد ہو گیا، اس کی وجہ سے اور سبق لیتے رہے، حضرت مخدوم عالم محبوب باری قدس سرہ صحت یاب ہوئے تو حسب معمول تدریس کے لیے تشریف لائے اور تخت شریف پر مسند پر تشریف فرما ہوئے، طالبان حدیث جہاں تک پڑھ چکے تھے وہاں سے پڑھنا شروع کیا حضرت مخدوم شاہ عالم نے روکا، اور فرمایا فلاں مقام سے میں نے چھوڑا تھا، طالبان حدیث نے عرض کیا، حضور تو روزانہ تشریف لاتے رہے حضرت مخدوم شاہ عالم محبوب باری قدس سرہ نے طالبان حدیث کی زبان سے جب مذکورہ واقعہ سماعت فرمایا، تو چند لمحہ کے لیے مراقب ہوئے اور سر اٹھایا تو ان کی مبارک اور فیض بار آنکھیں پر نم تھیں، فرمایا، تم لوگوں کو خود صاحب حدیث تشریف لا کر حدیث پاک کا درس دیا، اور فوراً مسند سے اٹھ کر تخت سے اُتر گئے، اس کے بعد اس مدوّر تخت مبارک کو کڑے لگوا کر دیوان خانہ کی چھت میں معلق کرا دیا، حضور قبلہ گاہی جب اس تخت کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، وہ مبارک تخت دیوان خانہ میں تھا، اس کے نیچے دو رکعت ادا فرمایا، اور کیا دعا کی وہ معلوم نہیں، ماثور اور متواتر یہ روایت ہے کہ اس کے نیچے کی گئی دعا مستجاب و مقبول ہوتی ہے، حضور قبلہ گاہی قدس سرہ کے استاد محترم حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے خلیفۂ مجاز مولانا سید شاہ عبد الحق چشتی گدائے خواجہ پاک نے حضور قبلہ سے بیان کیا کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے اس تخت مبارک کے نیچے نفل نماز پڑھ کر دعا مانگی تھی کہ مجھے تا قیامت حج کا ثواب حاصل ہوتا رہے اور حضرت صدر الشریعہ نے سفر حج کے ارادہ سے سفر کیا اور بمبئی

میں وصال فرمایا۔ سبحن اللہ کیسی دعاوالتجا تھی جو مستجاب وقبول ہوئی۔

(سوانح رفاقتی، ص ۲۷۳)

مولانا مصطفیٰ رضا شبنم کمالی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

شبنم کمالی فطرتاً تو غزل کے شاعر ہیں لیکن عشق رسول کی حرارتوں نے آپ کی فکری توانائیوں کو خود میں جذب کر ڈالا ہے۔ اب شبنم کا فکری ساز ہمہ دم مدحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نغمے الاپتا ہے اور فضاؤں کو تقدس اور سرمستی سے مالا مال کر ڈالتا ہے۔ انہیں خود اعتراف ہے:

آواز دیا ہے طیبہ کی پر کیف بہاروں نے شبنم
اب ساز نفس پہ دل میرا ہر وقت غزل خواں رہتا ہے

اس سرمست ماحول میں شبنم کا دینی مزاج، سوز عشق میں تپتا دل، مذہبی پختگی اور فکری پاکیزگی نبیادی کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ پروفیسر طلحہ رضوی برق لکھتے ہیں:

''شاعری شاعر کی شخصیت کا آئینہ ہوتی ہے۔ شبنم کمالی کی شاعری بھی ان کی پاکیزہ اور دلکش شخصیت کا بے غبار آئینہ ہے عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار یہ شیریں بیان مقرر جب تحریر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو کیا نثر، کیا نظم، دردانہ تخیل کی حسین لڑیاں جھلملانے لگتی ہیں۔ آپ کی حمدیہ ونعتیہ شاعری اخلاص دینی، صحیح العقیدتی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معطر گلدستہ ہے جس سے انجمنیں مہک اٹھیں۔ آپ کی بزمیہ اور غزلیہ شاعری بھی سادگی و پیرکاری کا قیمتی نمونہ ہے۔ اتنی آسان، صاف وشفاف اور رواں دواں زبان استعمال کرتے ہیں جو ان ہی کا حصہ ہے اور ان کی شناخت بھی۔ فکر وخیال، فلسفیانہ اشکال سے پاک، خلوص ومحبت کے جذبے کی عکاس، ایک مشرع شخصیت کی پابند شاعری وفنکاری کا انمول نمونہ ہے۔'' (تنویر خیال ص:۱۶۔۱۷)

شبنم کمالی کی ایک خوبصورت نعت حاضر ہے جو اپنے اندر مذکوہ بالا اوصاف کی ساری جھلکیاں رکھتی ہے:

کانٹے پھول کی صورت مہکیں صحرا بھی گلزار لگے
شہر نبی کا کوچہ کوچہ جنت کا بازار لگے

قرآن کی ہر ایک سورت میں سیرت ان کی یوں جھلکے
جلوہ فرما آئینہ میں جیسے خود سرکار لگے

جان بہ لب کی بالیں پر جب جان مسیحا آجائیں
درد بھی ہو کیوں سینوں میں کیوں کوئی بیمار لگے

ان کے جلووں کی جنت کو ڈھونڈ رہا ہے جنت میں
میرے نبی کا دیونہ بھی آج بڑا ہشیار لگے

جسم پہ کوئی آنچ نہ آئی کفر کی جڑ کو کاٹ دیا
کتنی اچھی پیارے نبی کے ابرو کی تلوار لگے

زلفوں کی چھاؤں میں ان کے حسن تبسم کا جلوہ
رات کو جیسے نور قمر میں چاندی کی دیوار لگے

طیبہ کی ہر شام سلونی جچتی ہے یوں آنکھوں میں
اوڑھے لال شفق کی چادر جیسے ایک گلنار لگے

منہ کی مانگی دیں گے تجھ کو دل سے اپنا مان تو لے
کیا پائے گا جو آقا کی عظمت سے بیزار لگے

روضہ پر اب جلد بلا کر اپنا جلوہ دکھلا دیں
شبنم بھی جی جان سے آقا آنے کو تیار لگے

(ماہ نامہ جام نور دہلی اپریل ۲۰۰۴ء ص ۴۰، ۴۱، مضمون ساحل سہسرامی علیگ)

☆☆☆

ن

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دوسو (۲۰۰) اشعار پر مشتمل طویل قصیدہ پڑھا ۔ جب انہوں نے درج ذیل اشعار پڑھے:

ولا خیر فی حلم اذا لم یکن له بوادر تحمی صفوه ان یکدرا

ولا خیر فی جهل اذا لم یکن له حلیم اذا ما اورد الامر اصدرا

(اس حلم میں کوئی خیر نہیں جب تک اس کے ساتھ غصہ کی گرمی نہ ہو جو اس کے صاف ہونے کو گدلا ہونے سے بچائے، اور اس جہالت میں کوئی خیر نہیں جب تک اس کے ساتھ کوئی حلم والا نہ ہو جو کوئی معاملہ (بد) پیش آنے پر اس سے روکے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے دعا دیتے ہوئے فرمایا:

لا یفضض الله فاك ۔

''اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کی مہر نہ توڑے۔ (یعنی تمہارے دانت سلامت رہیں)۔''

راوی بیان کرتے ہیں:

وکان من احسن الناس ثغرا ،وکان اذا سقطت له سن نبتت ۔

''ان کے دانت سب لوگوں سے اچھے تھے اور جب ان کا کوئی دانت گرتا تو اس کی جگہ دوسرا نکل آتا۔''

اس حدیث شریف میں حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ نے کنایہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت بیان کی ہے، پہلے مصرعہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ''حلم اور جلالت'' کو ملانے کا مطلب یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا حلم

ہیں، اور وہ ڈھال بن کر پیکر حلم و وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وفادار رہیں گے، جب کہ دوسرے مصرعہ میں ''جہالت کو حلم والے کے ساتھ'' ملا کر اپنی تواضع اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ملایا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اسے ہر قسم کی آفات و مصائب و آلام سے بچا سکتے ہیں، اس طرح انہوں نے کنایتاً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی ہے جس سے خوش ہو کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے دعا دی۔ (میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص، ۵۵۶،۵۵۷)

حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

دین سے محبت اللہ کی دین ہے، عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بوڑھا وہ منعم حقیقی جسے چاہے یہ نعمت عطا کر دے۔ عہد رسالت کے اواخر میں اہل مدینہ نے ایک کمسن بچے کے شغف دین اور عشق رسول کی عجب کیفیت دیکھی، یہ بچہ اکثر بارگاہ نبوی میں حاضر رہتا تھا اور بڑے ذوق و شوق سے آپ سے دین کی باتیں سیکھتا تھا۔ حضور وعظ کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوتے تو وہ منبر کے قریب بیٹھ جاتا، نہایت غور سے آپ کے ارشادات سنتا اور انہیں یاد کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ حضو کے پیچھے نمازیں پڑھتا اور رمضان المبارک کی راتوں میں آپ کے ساتھ جاگ کر عبادت کیا کرتا تھا۔ حضور کو بھی اس بچے سے بڑی محبت تھی اور آپ اس پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور کے پاس طائف سے انگور آئے۔ یہ بچہ بھی اس وقت آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ حضور نے اس کو دو خوشے عنایت کیے اور فرمایا: ''بیٹا ایک خوشہ تمہارا ہے اور ایک تمہاری والدہ کا، گھر جا کر ان کو دے دینا۔'' وہ بچے ہی تو تھے راستے میں اپنا خوشا کھایا تو بہت مزہ آیا، دوسرا خوشہ بھی چٹ کر گئے اور ماں کو بتایا تک نہیں۔ چند دنوں کے بعد حضور نے ان سے پوچھا۔ ''کیوں بیٹا اپنی ماں کو انگور کا وہ خوشہ دے دیا تھا۔'' صادق الامین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے ان کو نہایت راست باز بنا دیا تھا۔ عرض کیا ''نہیں یا رسول اللہ! دونوں خوشے میں نے خود ہی کھا لیے تھے۔'' ان کا جواب سن کر حضور متبسم ہو گئے اور ان کا کان پکڑ کر فرمایا۔ ''یا عذر (بڑے مکار ہو)۔''

یہ بچہ جس نے سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور لاڈ پیار سے حصہ وافر پایا تھا اور جس کو اللہ اور اللہ کے رسول سے والہانہ لگاؤ تھا، حضرت نعمان بن بشیر انصاری تھے۔

کہا جاتا ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد حضرت نعمان پہلے بچے تھے جو ایک انصاری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والدین کو ان سے غیر معمولی محبت تھی اور وہ ان کو اکثر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے جاتے اور آپ سے ان کے لیے دعا کراتے تھے، اسی بات سے ننھے نعمان کے دل میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے انتہا عقیدت اور محبت پیدا ہوگئی اور وہ فیضان نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوئے۔ ربیع الاول ۱۱ھ میں حضور کے وصال کے وقت حضرت نعمان کی عمر آٹھ سال سات ماہ کی تھی، اس کم عمری کے باوجود انہوں نے حضور کے ارشادات کی ایک کثیر تعداد حفظ کرلی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے آغاز ہی میں جب ان کے اور امیر معاویہ کے درمیان اختلافات شروع ہوئے تو حضرت نعمان نے امیر معاویہ کا ساتھ دیا۔ امیر معاویہ نے حضرت نعمان کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور اپنے عہد خلافت میں انہیں کئی اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ مؤرخ یعقوبی کا بیان ہے کہ امیر معاویہ کے حکم سے حضرت نعمان نے دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر پر حملہ کیا، وہاں اس وقت حضرت علی کی طرف سے مالک بن کعب حاکم تھے۔ انہوں نے حملہ آور لشکر کو پسپا کردیا۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت نعمان خود اس لشکر کی قیادت کررہے تھے یا انہوں نے کسی دوسرے شخص کو اس مہم پر بھیجا تھا۔

۵۳ھ میں دمشق کے قاضی حضرت فضالہ بن عبید انصاری نے وفات پائی تو امیر معاویہ نے حضرت نعمان کو ان کا جانشین بنایا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے حضرت نعمان کو یمن کا امیر بنادیا۔ اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ۵۹ھ میں امیر معاویہ نے حضرت نعمان کو کوفہ کے اہم صوبہ کا والی مقرر کیا۔ وہ اسی عہدہ پر فائز تھے کہ رجب ۶۰ھ میں امیر معاویہ نے وفات پائی اور یزید اول تخت حکومت پر بیٹھا۔ اہل کوفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو بنو اُمیہ کے مخالفین حضرت سلیمان بن صُرَد الخزاعی کے مکان پر جمع ہوئے اور یہ طے کیا کہ حضرت حسین بن علی کی خدمت میں خط لکھ کر گزارش کی جائے کہ وہ ان کے پاس کوفے تشریف لائیں۔ ہم لوگ

ان کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں یہ خط بھیجنے کے بعد اہل کوفہ نے اس مضمون کے خطوں کا تار باندھ دیا۔ حضرت حسین کو پے در پے ان کے خطوط ملے تو انہوں نے چشم پوشی سے کام لیا لیکن جب حکومت کے مخالفین کی سرگرمیاں بڑھنے لگیں تو حضرت نعمان نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کے سامنے ایک پرزور خطبہ دیا جس میں کہا:

''لوگو! خدا سے ڈرو اور فتنہ پیدا نہ کرو کیونکہ اس میں جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ خونریزی ہوتی ہے اور مال لوٹے جاتے ہیں، جو شخص مجھ سے نہ لڑے گا میں بھی اس سے نہ لڑوں گا، جو مجھ پر حملہ نہ کرے گا میں بھی اس پر حملہ نہ کروں گا۔ نہ ظن وگمان کی بناء پر کسی کو پکڑوں گا ہاں جس کا جرم واضح ہو گیا اور پتہ چل گیا کہ اس نے بیعت توڑ دی ہے تو پھر جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے میں اس پر وار کرتا چلا جاؤں گا خواہ میں بالکل اکیلا کیوں نہ ہوں۔''

اس مجمع میں بنو امیہ کا ایک پر جوش حامی عبداللہ بن مسلم بھی موجود تھا اس کو حضرت نعمان کی نرمی پسند نہ آئی اس نے اٹھ کر کہا: ''اے امیر آپ کا طرز عمل کمزوری کے مترادف ہے۔ یہ نرمی کا نہیں سختی کا موقع ہے۔'' حضرت نعمان نے فرمایا: ''میں خدا کی معصیت میں قوی ہونے پر اس کی اطاعت میں کمزور رہنے کو ترجیح دیتا ہوں اور جو پردہ خدا نے کسی پر ڈالا ہے میں اس کو چاک نہیں کرنا چاہتا۔'' عبداللہ بن مسلم وہاں سے اٹھ کر گھر آیا اور یزید کو خط لکھا کہ کوفہ کی حکومت پر کسی طاقتور آدمی کو بھیجئے جو آپ کے احکام بزور نافذ کر سکے۔ نعمان بہت کمزوری دکھا رہے ہیں۔ یزید کو یہ خط ملا تو اس نے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ حضرت نعمان عنان حکومت اس کے سپرد کر کے شام چلے گئے۔ یہ ۶۰ کا واقعہ ہے، چند دن بعد یزید نے انہیں حمص کا والی مقرر کیا اور اس کی وفات تک وہ اسی عہدہ پر فائز رہے۔

حضرت نعمان بن بشیر کی کوفہ سے واپسی کے کچھ عرصہ کے بعد کربلا کا واقعہ ہائلہ پیش آیا جس میں سیدنا حضرت حسین، ان کے متعدد اعزہ واقارب اور فقہاء نے شہادت پائی۔ سیدنا حضرت حسین کے پسماندگان (جو خواتین، حضرت علی زین العابدین بن حسین اور چند بچوں پر مشتمل تھے) دمشق لے جائے گئے۔ جب وہ دمشق میں چند دن قیام کر چکے تو یزید نے ان کو حضرت نعمان بن بشیر کے زیر حفاظت مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

حضرت نعمان نے جہاں تک بن پڑا، ان مصیبت زدہ مسافروں کی مدد کی اور راستے میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی، جہاں یہ قافلہ منزل کرتا تھا۔ حضرت نعمان اور ان کے ساتھی پردہ کے خیال سے الگ ہٹ جاتے تھے۔ جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت زینب بنت علی اور حضرت فاطمہ بنت علی نے حضرت نعمان بن بشیر کو ان کے حسن سلوک کے عوض اپنے کنگن اور بازو بند اتار کر پیش کیے اور ساتھ ہی معذرت کی کہ اس وقت ان چیزوں کے سوا ہمارے پاس اور کچھ نہیں کہ آپ کی خدمت کا معاوضہ دیں۔ حضرت نعمان اشک بار ہو گئے اور کہا:

اے بنات رسول! خدا کی قسم میں نے جو کچھ کیا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی قرابت کے خیال سے کیا ہے کسی دنیاوی منفعت کے لیے نہیں کیا۔ یہ زیور لے کر میں اپنا اجر ضائع نہیں کروں گا۔ خدا کے لے انہیں اپنے پاس ہی رکھیے۔

سلطان نورالدین زنگی کے خواب میں آقا کی تشریف آوری

۵۵۷ ہجری کا واقعہ ہے کہ سلطان نورالدین زنگی کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار خواب میں نظر آئے۔ اور دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا کہ ان کو اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا جائے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس حکم مبارک پر سلطان نورالدین زنگی روز و شب کی طویل مسافتیں طے کر کے مدینہ منورہ پہنچا۔ اور ان دو نصرانیوں کو اسی مقام پر قتل کروا دیا۔ جہاں سے وہ سرکار کے روضۂ اقدس میں سرنگ لگائے ہوئے تھے۔ خدائے بزرگ و برتر نے سلطان نورالدین زنگی کے ذریعے ان کو اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ سلطان نے ان نصرانیوں کا کام تمام کرنے کے بعد روضۂ مبارک کے اردگرد (حظار مزور کے بیرونی اطراف میں) پانی کی تہہ تک کھدائی کروا کر سیسہ کی دیواریں بنوا دیں جو اب تک قائم ہیں۔ مقام فکر ہے کہ دنیا میں کسی اور نبی یا رسول کی کتاب، گھر اور قبر کی حفاظت کا انتظام اس طرح نہ ہوا جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کریم پر نازل شدہ کتاب قرآن مجید، حجرۂ مبارکہ اور آرامگاہ کی حفاظت کا انتظام

کیا ہوا ہے۔ غرض یہ کہ سلطان نور الدین زنگی نے جب اللہ تعالیٰ کی یہ عنایت دیکھی کہ روئے زمین کے تمام بادشاہوں میں سے سرکار نے مجھ سے یہ کام لیا ہے تو اپنی خوش نصیبی پر شرف کے آنسو بہائے، اس نے سیسہ سے بھری ہوئی دیواروں کے اوپر ایک جنگلہ نصب کروادیا جس سے حضرت عمر بن عبد العزیز کی تعمیر کردہ پانچ پہلو عمارت ''حظار مزور'' صاف نظر آتی تھی، اس عظیم عاشق رسول سلطان نور الدین زنگی کا مزار مبارک شام کے دار الحکومت دمشق میں ہے۔ آپ شہر دمشق کے مشہور زمانہ بازار بنام ''سوق حمیدیہ'' ختم ہونے سے پہلے ایک چھوٹے بازار ''سوق الخیاطین'' کے عین درمیان میں ایک کمرے میں آرام فرما ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ ایک مسجد ہے جس میں محافل ذکر منعقد ہوتی رہتی ہیں۔

(جہان رضا، فروری، ۲۰۰۶ ص ۴۲)

امام اعظم حضرت نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ستودہ صفات کو کون نہیں جانتا، جن کے تلامذہ نے دین اسلام کی اس نہج پر آب یاری فرمائی کہ قیامت تک امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء انہی کی بیان کردہ راہ پر کامیابی سے چلتی رہے گی، آپ انہیں نفوسِ قدسیہ میں شامل ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہوا، اور انعام یافتگان کے نقش قدم پر چلنے سے ہی صراط مستقیم کی سعادت نصیب ہوتی ہے، اسی لیے شب و روز نمازوں میں اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ دعا اسی کی بارگاہ اقدس میں پیش کرتے رہتے ہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ (سورۂ فاتحہ:۷)

ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔ (کنز الایمان)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہیں انعام پانے والوں میں سے ہیں، جب آپ عشق و محبت کی دولت بیکراں لیے مدینہ طیبہ بارگاہ سید المرسلین میں حاضری دیتے تو یوں سلام عرض گزار ہوتے:

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ

نہ جانے کس عشق و محبت اور کتنے خلوص سے اپنی بے قراری کو شامل کیے صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کر رہے تھے کہ محسن کائنات، اپنے محب صادق اور مشتاق دید کو جواباً نوازتے ہیں۔

وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا اِمَامَ الْمُسْلِمِيْنَ

پھر تو بارگاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضری کے تار بندھ گئے، ستر سالہ زندگی میں پچپن مرتبہ حج وزیارت سے شاد کام ہوئے اور بقول جامی ہر بار استغاثہ پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور یوں دست سوال دراز کرتے۔

خدا یا ایں کرم بار دگر کن

(پکارو یا رسول اللہ، ص، ۳۱)

امام اعظم ابوحنیفہ کا بارگاہ رسالت میں نذرانۂ عقیدت

ذیل میں امام اعظم ابوحنیفہ کے عربی اشعار جو بارگاہ رسالت میں بطور ہدیۂ عقیدت کے پیش کیے گئے ہیں نقل کر دیے جاتے ہیں کہ احسانی کیفیات میں عشق رسول ہی سب سے بڑی دولت ہے، جس نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے مالا مال کر دیا تھا۔

۱- يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا ‏ ‏ اَرْجُوْا رِضَاكَ وَاحْتَمِىْ بِحِمَاكَ

۲- وَاللّٰهِ يَا خَيْرَ الْخَلَائِقِ اِنَّ لِىْ ‏ ‏ قَلْبًا مَشُوْقًا لَا يَرُوْمُ سِوَاكَ

۳- اَنْتَ الَّذِىْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ ‏ ‏ كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْ لَاكَ

۴- اَنْتَ الَّذِىْ لَمَّا تَوَسَّلَ آدَمُ ‏ ‏ مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ اَبَاكَ

۵- وَبِكَ الْخَلِيْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهٗ ‏ ‏ بَرْدًا وَ قَدْ خَمَدَتْ بِنُوْرِ سَنَاكَ

۶- وَدَعَاكَ اَيُّوْبٌ لِضُرٍّ مَسَّهٗ ‏ ‏ فَاُزِيْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِيْنَ دَعَاكَ

۷- وَبِكَ الْمَسِيْحُ اَتٰى بَشِيْرًا مُّخْبِرًا ‏ ‏ بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَا دِحًا لِعُلَاكَ

۸- وَكَذَالِكَ مُوْسٰى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلًا ‏ ‏ بِكَ فِى الْقِيٰمَةِ مُحْتَمِىْ بِحِمَاكَ

۹- وَهُوْدٌ وَيُوْنُسَ مِنْ بَهَاكَ تَجَمُّلًا ‏ ‏ وَجَمَالُ يُوْسُفَ مِنْ ضِيَاءِ سَنَاكَ

۱۰- قَدْ فُقْتَ يَا طٰهٰ جَمِيْعَ الْاَنْبِيَاءِ ‏ ‏ طُرًّا فَسُبْحٰنَ الَّذِىْ اَسْرَاكَ

۱۱- وَاللّٰهِ يَا يٰسِيْنُ مِثْلُكَ لَمْ يَكُنْ — فِي الْعٰلَمِيْنَ وَحَقِّ مَنْ أَنْبَاكَ

۱۲- عَنْ وَّصْفِكَ الشُّعَرَاءُ يَا مُدَّثِّرُ — عَجَزُوْا وَكَلُّوْا مِنْ صِفَاتِ عُلَاكَ

۱۳- بِكَ لِيْ قُلَيْبٌ مُغْرَمٌ يَا سَيِّدِيْ — وَحُشَاشَةٌ مَحْشُوَّةٌ بِهَوَاكَ

۱۴- يَا أَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى — جُدْلِيْ بِجُوْدِكَ وَارْضِنِيْ بِرِضَاكَ

۱۵- أَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ — لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْأَنَامِ سِوَاكَ

۱۶- صَلّٰى عَلَيْكَ اللّٰهُ يَا عَلَمَ الْهُدٰى — مَا حَنَّ مُشْتَاقٌ إِلٰى مَثْوَاكَ

۱- اے سرداروں کے سردار! میں آپ کے حضور آیا ہوں آپ کی خوشنودی کا امید وار، آپ کی پناہ کا طلب گار۔

۲- اللہ کی قسم اے بہترین خلائق! میرا دل صرف آپ کی محبت سے لبریز ہے، وہ آپ کے سوا کسی کا طالب نہیں۔

۳- آپ اگر نہ ہوتے تو پھر کوئی شخص ہرگز پیدا نہ کیا جاتا اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو یہ مخلوقات پیدا نہ ہوتیں۔

۴- آپ وہ ہیں کہ جب حضرت آدم نے آپ کا توسل اختیار کیا اپنی لغزش پر، تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ کے جد بزرگوار ہیں۔

۵- اور آپ ہی کے وسیلے سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دعا کی تو ان کی آگ سرد ہو گئی، وہ آپ کے نور کی برکت سے بجھ گئی۔

۶- اور حضرت ایوب نے اپنی بیماری میں آپ کے وسیلے سے دعا کی تو ان کی دعا مقبول ہوئی اور بیماری دور ہو گئی۔

۷- اور آپ ہی کے ظہور کی خوشخبری لے کر حضرت مسیح آئے انہوں نے آپ کے حسن وجمال کی مدح وثنا کی اور آپ کے رتبۂ بلند کی خبر دی۔

۸- اور اسی طرح حضرت موسیٰ بھی آپ کا وسیلہ اختیار کیے رہے اور قیامت میں بھی آپ ہی کی حمایت کے طالب رہیں گے۔

۹- اور حضرت ہود اور حضرت یونس نے بھی آپ ہی کے حسن سے زینت پائی اور حضرت یوسف کی جمال بھی آپ ہی کے جمال باصفا کا پرتو تھا۔

۱۰- اے طٰہٰ لقب! آپ کو تمام انبیاء پر برتری حاصل ہوئی، پاک ہے وہ جس نے ایک رات کو اپنے ملکوت کی سیر کرائی۔

۱۱- خدا کی قسم اے یسین لقب! آپ جیسا ت وتمام مخلوق میں نہ کوئی ہوا ہے نہ ہو گا، قسم ہے اسی کی جس نے آپ کو سر بلند کیا۔

۱۲- اے کملی والے! آپ کے اوصاف جمیلہ بیان کرنے سے بڑے بڑے شعراء عاجز رہ گئے، آپ کے اوصاف عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔

۱۳- میرے سرکار! میرا حقیر دل آپ ہی کا شیدا ہے اور میرے اندر تو آپ ہی کی محبت بھری ہوئی ہے۔

۱۴- اے تمام موجودات سے بزرگ و برتر اے حاصل کائنات! مجھے اپنی بخشش وعطا سے نوازیئے اور اپنی خوشنودی کی مسرت بخشیئے۔

۱۵- میں آپ کے جودوکرم کا دل سے طلبگار رہوں کہ اس جہان میں ابوحنیفہ کے لیے آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

۱۶- اے ہدایت کے عَلم سربلند! مشتاقان زیارت کے شوق بے حد کے مطابق قیامت تک اللہ کا درود وسلام آپ پر نازل ہوتا رہے۔

(امام اعظم ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات، ص ۸۳)

حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشقِ رسول

یحییٰ بن آدم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی ناسخ و منسوخ ہے۔امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اہل بلد کی تمام احادیث کو جمع کر کے ان روایات پر عمل کرتے تھے جو آپ کی زندگی کے آخری ایام میں زیرِ عمل تھیں۔آپ احادیث کے مقابلے میں قیاس کو نہیں لاتے تھے۔

امام ابن الموفق رحمۃ اللہ علیہ (مصنف کتاب) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پہلے حسن بن صالح سے گزری ہے۔میں نے اس کا اعادہ یحییٰ بن آدم رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے کیا ہے اس

لیے کہ آپ کا شمار عراق میں اکابر فقہا و محدثین میں ہوتا ہے۔ ابوبکر عیاش رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کوفہ میں آپ کو حدیث پاک کا سب سے بڑا عالم سمجھا جاتا ہے۔ اور پھر یہ بھی فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کرنے والے اور طعن و تشنیع کرنے والوں کا یہ اعتراض غلط ہے کہ وہ قیاس کے مقابلے میں احادیث ترک کر دیا کرتے تھے۔ یہ ان پر سراسر بہتان ہے اس لیے کہ آپ کی اور آپ کے تلامذۃ کی تصانیف، ان کے مسائل اور فقہی نتائج اس پر شاید عادل ہیں کہ سینکڑوں ایسے فیصلے ہیں جب آپ نے احادیث کے سامنے قیاس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حدث کے بعد نماز کو ازسر نو ادا کرنا، سہارا لگا کر کے بیٹھ جانے سے وضو ٹوٹ جانا، روزہ میں بھول کر کھانے سے روزہ باقی رہنا۔

اس قسم کے سینکڑوں ایسے مسائل ہیں جہاں قیاس کی بجائے آپ نے احادیث پر عمل کیا۔ حضرت امام حدیث کی روایت پر پہنچنے سے پہلے قیاس پر ہاتھ کی دیت انگلیوں کے منافع پر منحصر ہے اس لیے آپ دوسری انگلیوں کی بجائے انگوٹھے اور خنصر انگلی کے کاٹنے کا حکم فرماتے لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی کہ الابھام والخنصر سواء۔ انگوٹھے اور خنصر کا ایک ہی حکم ہے تو آپ نے قیاس ترک کر دیا اور حدیث کے احکام پر عمل کیا۔

آں اماما نے کہ کر دند اجتہاد
رحمت حق بر روان جملہ بداد

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدا میں ایک فتویٰ دیا کہ ناک کی دیت بہ نسبت کانوں کے زیادہ ہے۔ قیاس کیا کہ کانوں کو عمامہ سے چھپایا جا سکتا ہے لیکن ناک کو نہیں چھپایا جا سکتا ہے۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سامنے آیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناک اور کان کی دیت کا ایک ہی حکم دیا ہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا قیاس ترک کر کے عمل بالحدیث کا فیصلہ کیا۔

علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابتدا میں عطا رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے کہ حیض کی مدت پندرہ دن ہے مگر جب آپ کے سامنے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت آئی کہ حیض کی مدت تین دن سے

دس دن تک ہے باقی ایام میں اگر خون آئے تو استحاضہ ہے تو آپ نے سابقہ فتویٰ سے رجوع کرلیا اور اپنا قیاس ترک کردیا۔

خلف الحمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے معتمد علیہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ عید کے نوافل نہیں پڑھا کرتے تھے، اور نہ بعد از عید نوافل ادا کرتے۔ میں نے ارادہ کیا کہ پوچھوں آپ نوافل کیوں نہیں پڑھتے، میں نے عرض کیا مجھے آپ پر بے حد اعتماد ہے آپ نے عید کی نماز سے پہلے اور بعد میں کبھی نوافل ادا نہیں کیے تھے لیکن آج آپ پڑھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اب مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے صحیح روایت ملی ہے کہ آپ عید کی نماز کے بعد چار نوافل ادا کیا کرتے تھے۔

محمد بن شجاع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے کچھ اوپر احادیث نبویہ جمع کی تھیں، پھر وہ آثار بیان کیے تھے جن پر صحابہ کرام عمل کیا کرتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے چالیس ہزار ایسی احادیث کا انتخاب کیا جن کی صحت پر آپ کو پوری تحقیق تھی۔ (ماہنامہ جہان رضا لاہور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے افکار ونظریات کا حقیقی ترجمان ج ۹ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ / مارچ، اپریل ۲۰۰۰ء، شمارہ ۶۸۔ ص ۵۹، ۶۰)

حضرت مولانا نقی علیہ الرحمہ کا عشق رسول

آپ ”وما ارسلنك الا رحمة للعلمين“ کی تفسیر عشق رسول میں ڈوب کر کرتے ہیں لکھتے ہیں: اے عزیز! عالم امکان میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ آپ کی رحمت سے مستفیض نہ ہو کمالات موجودات کے وجود پر متفرع ہیں اور وجود عالم کا آپ کے طفیل سے ہے اور آپ نہ ہوتے عالم نہ ہوتا۔ (مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۴۳)

”ورفعنا لك ذكرك“ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حضرت جل جلالہ وعم نوالہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فرماتا ہے اور اونچا ہم نے تیرے لیے ذکر کیا ہے اور تیرا نام اپنے نام کے ساتھ اذان اور اقامت اور نماز اور خطبہ اور کلمہ اور کلمہ شہادت بلکہ عطسہ اور ذبح کے سوا ہر معاملہ اور طاعت میں نزدیک کیا اور بہشت

کے ہر قصر غرفہ اور دیوار اور دروازہ اور پردہ اور ساق عرش معلیٰ اور اوراق سدرۃ المنتہیٰ پر لکھا۔ ساتوں آسمانوں میں کوئی مکان نام نامی سے خالی نہیں۔جس جگہ لا الہ الا اللہ مسطور ہے محمد رسول اللہ بھی ضرور ہے۔قرآن مجید میں جس جگہ کوئی امر اپنی طرف نسبت کیا وہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یاد فرمایا تمام عالم کی طرف آپ کو مبعوث کیا اور اپنی محبت واطاعت کو آپ کی اطاعت ومحبت پر موقوف رکھا۔ایمان بغیر آپ کے تصدیق کے مکمل نہیں ہوتا لاکھ بار لا الہ اللہ کہے جب تک محمد رسول اللہ کو نہ مانے کچھ کام نہیں آتا بلکہ آپ کی یاد عین خدا کی یاد ہے۔(مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۴۲)

ڈاکٹر محمد حسن قادری علامہ نقی علیہ الرحمہ کا عشق رسول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی عشق الٰہی کا ذریعہ ہے۔عشق رسول کے بغیر بندہ عشق الٰہی سے محروم رہتا ہے۔عاشق رسول کا سینہ جتنا عشق رسول سے معمور ہوتا ہے اتنا ہی عبادت وطاعت میں حلاوت محسوس ہوتی ہے۔مولانا نقی علی خاں بریلوی رضی اللہ عنہ کو تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا عشق تھا۔مولانا کے ہر قول وفعل سے عشق رسول کی جھلک نمایاں ہے۔آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زبردست گرویدگی اور وارفتگی تھی۔سفر میں،حضر میں،گھر ہو یا عوام کا عظیم اجتماع ہر جگہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ترغیب وتلقین میں مصروف ومشغول رہے۔کبھی غیر ضروری گفتگو نہیں فرمائی۔آپ تمام عمر پورے عالم کو اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے۔عوام ہوں یا علما حاجت مند ہوں یا سرمایہ دار،دانشور ہوں یا کم عقل غرض یہ کہ سب کے سامنے آپ کی گفتگو کا موضوع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ومحبت ہوتا اور اتباع کی تلقین ہوتی۔

ایک بار مولانا نقی علی خاں بیمار ہوگئے جس کی وجہ سے کافی نقاہت ہوگئی۔محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فدائی کے جذبۂ محبت کی لاج رکھی اور خواب ہی میں ایک پیالے میں دوا عنایت فرمائی جس کے پینے سے افاقہ ہوا،اور وہ جلد ہی روبصحت ہوگئے۔

(مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۰۱)

درس وتدریس تصنیف وتالیف کے علاوہ علم وعمل،فکر ونظر فہم وفراست میں بے نظیر

تھے۔ مزید برآں سخاوت و شجاعت، غربا سے محبت، حکام سے نفور، خلوت و جلوت میں اتباع سنت، امر دینی میں استقامت آپ کی زندگی کا روشن پہلو ہے۔ پھر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سرکوبیِ اعدائے دین رسول مقبول تو آپ کا سرمایۂ زندگی تھا۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی رضی اللہ عنہ ۲۶ شوال ۱۲۹۵ھ کو حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ وہ دور تھا کہ مولانا شدت سے علیل تھے اور ضعف انتہا کو تھا اس سلسلہ میں امام احمد رضا خاں فرماتے ہیں:

''عزم زیارت و حج مصمم فرمایا یہ غلام (امام احمد رضا) اور چند اصحاب و خدام ہمراہ رکاب تھے۔ ہر چند احباب نے عرض کیا کہ علالت کی یہ حالت ہے آئندہ سال پر ملتوی فرمائیے۔ ارشاد فرمایا۔ مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم دروازے سے باہر رکھ لوں پھر چاہے روح اسی وقت پرواز کر جائے۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد میں تندرستوں سے کسی بات میں کمی نہیں فرمائی بلکہ مرض ہی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک آبخورہ میں دوا عطا فرمانے سے کہ من رانی فقد راء الحق (رواہ احدم الشیخان عن ابی قتادہ) حد منع پر نہ رہا۔''

(جواہر البیان فی اسرار الارکان، مولانا نقی علی خاں (حالات مصنف از امام احمد رضا۔ ص ۱۰)

مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ حج و زیارت کے سلسلہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تقریباً تین ماہ مقیم رہے۔ حج میں آپ کے معلم احمد سیونی بن محمد سیونی مکی تھے۔

(مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۸۶،)

آپ کے فرزند جلیل حضرت رضؔا بریلوی فرماتے ہیں۔ ''اس ذات گرامی صفات کو خالق عز و جل نے حضرت سلطان رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیہ کی غلامی و خدمت اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعداء پر غلظت و شدت کے لیے بنایا تھا۔ آپ اپنے والد کی روش پر قائم رہے انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے بھی انگریزوں سے مسلمانوں کو دور رکھنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں وہ اپنے والد کے معین و مددگار رہے۔ آپ کی ایک معرکتہ الآرا تصنیف، تفسیر الم نشرح، ہے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمہ نے صرف اس کتاب کے مقدمے سے متاثر ہو کر ایک فاضلانہ مقالہ بعنوان ''عشق ہی عشق'' تحریر فرمایا ہے۔ جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے شائع کر دیا ہے اس سے

چند اقتباس یہاں پیش ہیں، آپ اس کا تعارف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ قرآن کریم کی آٹھ مختصر آیتوں کی تفسیر بڑے سائز کے ۴۴۸ رصفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس تفسیر کو جب غور سے پڑھا تو آنکھیں کھل گئیں، ...... صفحہ نمبر ۴ رسے پڑھتے پڑھتے جب صفحہ گیارہ پر پہنچا تو یوں محسوس ہوا جیسے ساحل سمندر پر موتی بکھرے ہوں۔ یا جیسے دامن کوہ پر لعل بکھرے ہوں ...... ہر لعل رشک صد لعل بدخشاں ...... خواجہ میر درد کا ایک شعر یاد آیا۔

سرسری تم جہاں سے گزرے ورنہ ہر جا جہاں دیگر تھا

مفسر کے قلمی رشحات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ...... تفسیر میں ایک طرف مفسر کے عشق ومحبت کا عالم نظر آتا ہے تو دوسری طرف ان کے علم وفضل کی شان نظر آتی ہے۔ بے شک علم خادم عشق ہیں، انہوں نے علم کو عشق کی چوکھٹ پر جھکا کر بتا دیا کہ حاصل علم عشق و محبت کے سوا کچھ نہیں ...... نام نامی اسم گرامی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فکر وخیال کے افق پر طلوع ہوا تو جھوم جھوم گئے ...... ایسا معلوم ہوتا ہے سراپائے مقدس سامنے آگیا ہو۔ ع

کھینچی ہے سامنے تصویر یار کیا کہنا

...... ہاں ذرا آنکھیں کھولیے عشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہاریں دیکھئے محب کو دیکھیے، محبوب کو دیکھیے ...... عشق ومحبت کی جولانیاں دیکھیے ...... حسن وجمال کی سحر آفرینیاں دیکھیے ...... ہاں ع

حریم ناز کے پردے اٹھے ہوئے ہیں جگر

مولانا نقی علی خان کی عشق ومحبت کی جولانیاں ملاحظہ کیجئے۔ جس میں وہ اپنی ذات میں منفرد نظر آتے ہیں کہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی کتابوں کے نام حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت بیان کرنے کے لیے اس طرح پرو دیے ہیں کہ پڑھنے والا جھوم جھوم جاتا ہے۔

تیسیر اصول تاسیس، روضہ گلستان تقدیس، احیاء علوم وکمالات، مطلع اشعۃ المعات، مقدمہ طبقات بنی آدم، رہنمائے دین محکم ومسلم۔ اردو زبان میں اس طرح کے ۲۶۵ ر القاب وآداب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے لیے استعمال کیے ہیں اور پھر آگے چل کر عربی زبان میں بھی ۲۴۸ ر القاب نبی پاک صلی اللہ وعلیہ وسلم کی شان میں لکھے

ہیں۔ جو خود ایک مکمل نعت ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

شارع الشرعیه البیضاء | بارع الرسل والانبیاء
المحمد فی الکلام القدیم | الموفق بالخلق العظیم
الحریص علیٰ مسلمین | الرؤف الرحیم بالمومنین

اللہ اللہ! عشق خانہ ویراں ساز نے کیسا مست و بے خود بنا دیا...... محبوب کا ذکر آیا جذبات کا ایک سیلاب امنڈ پڑا کہاں سے چلا تھا اور کہاں تھما؟ پھر بھی پیاس باقی ہے...... دل چاہتا ہے کہ ابھی اور فکر کیجیے۔ ہاں

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز دم درکش | حسن ایں قصہ عشق است در دفتر نمی گنجد

یہ ہیں امام احمد رضا قدس سرہٗ کے والد ماجد علامہ محمد نقی علی بریلوی علیہ الرحمہ۔ امام احمد رضا کے سینے میں آپ نے عشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا نقش جمایا۔ کہ پورا وجود سراپا عشق بن گیا۔ اور پھر اس پیکر عشق ومحبت نے ملت اسلامیہ میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایسی روح پھونکی کے مشرق ومغرب صلوٰۃ وسلام کے نغموں سے گونجنے لگے ہیں۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام | شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

(سالنامہ اہل سنت ممبئی، ۲۰۱۲ء، ص ۱۹۰-۱۹۲، مضمون: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری)

حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ مجلس میلاد پاک انتہائی عقیدت ومحبت اور ادب واحترام کے ساتھ منعقد فرمایا کرتے تھے۔ ہفتہ میں ایک شب یعنی جمعہ کی رات میں یہ محفل منعقد ہوتی تھی اور کبھی کبھی دن ہی میں بعد عصر اس محفل مقدس کا انعقاد ہوتا تھا، مجلس کا وقت پون گھنٹہ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا اسی وقت میں تلاوت کلام پاک حمد باری تعالیٰ، نعت مقدس کے بعد ذکر ولادت مقدسہ پر صلوٰۃ وسلام قل فاتحہ نیز دعا اور تقسیم تبرک سب کام انجام پا جاتے تھے قلیل اور مختصر وقت میں میلاد خواں اور سامعین حضرات بھی باوضو باادب وانتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ اس محفل کا آغاز واختتام کرتے تھے۔

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ اس محفل مقدس میں انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ استغراق کے عالم میں رہتے تھے نہ اس محفل میں کوئی تقریر ہوتی تھی نہ وعظ، مخصوص میلاد خواں حضرات ہی ضابطہ وہدایت کے مطابق اپنی ذمہ داری انجام دیتے تھے گویا کثرت سے محفل میلاد منعقد کرنا حضرت کا معمول تھا۔ وعظ وتقریر کی مجلسیں کبھی کبھی ضرورتاً ہوا کرتی تھیں جس میں حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کا بیان بھی ہوتا تھا۔

(تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدر الافاضل، ص ۲۸۶)

حضرت خواجہ نظام الدین گنجوری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

تصنیف لطیف، خزینۂ فصاحت وگنجینہ بلاغت ہے، جس کے مصنف شیخ کبیر حضرت علامہ مولانا خواجہ نظام الدین گنجوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ فارسی ادب میں بلند پایہ، نظم نگاری میں بڑا رتبہ رکھتی ہے۔ اگر چہ اکثر سکندر بادشاہ کے حالات پر لکھی ہوئی ہے، ملک رانی جہاں بانی سے بادشاہ روم، روس وغیرہ ممالک فتح کیے، دارا جیسے بڑے بڑے سلطانوں کو زیر کیا، جنگ وحرب سکندر کی زندگی پر جنون کی طرح مسلط تھا، اس کے بہادری وشجاعت کے بڑے بڑے واقعات کتاب میں رقم ہیں اور اسلاف کرام نے زیر درس اس کتاب کو رکھا جس کا نتیجہ تھا کہ فارسی زبانِ پوری آن بان شان سے زندہ تھی۔ اب چوں کہ فارسی مختصر ادب کی کتب میں رہ گئی ہے اس لیے فارسی داں افراد بھی کم رہ گے۔

خیر مصنف علیہ الرحمہ نے نعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خامہ فرسائی کی ہے اور اپنا مقدر جگایا، عقیدت کے پھول کھلائے جو اپنی مثال آپ ہے۔ فکر ونظر پر اثر انداز ہونے والے اشعار ملاحظہ فرمائیں اور اپنے قلوب کو مجلیٰ کیجیے۔

محمد کا زل تا ہر چہ ہست　　آرائش نام نقش بس است

وہ ذات اقدس جن کا نام نامی اسم گرامی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔
ازل سے ابد تک جو کچھ ہے انہیں کے نام سے نقش کی سجاوٹ ہے۔

چراغی کہ پروازایشش بدوست　　فروغ ہمہ آفرنیش بدوست

وہ چراغ جس سے بینائی ہے۔ تمام کی پیدائش اس نور کی چمک سے ہے

ضماندارِ علم سید تا سپید شفاعت کن روز بیم و امید

ذمہ دار ہیں آپ سفید وسیاہ کے۔ شفاعت کرنے والے آپ امید وخوف کے دن یعنی روزِ قیامت

چاغی کہ تا او نفیر و خت نور ز چشم جہاں روشنی بود دور

جس چراغ نے آپ سے روشنی نہ پائی۔ جہاں کی نظر سے روشنی دور تھی

ستون شد خرد مند از پشت او مہد انگشت گشت از نگشت او

(استن حنانہ) لکڑی نے آپ کی پشت مبارک سے برکت پائی۔ تو وہ آپ کی جدائی میں عقلمندوں کی طرح رو پڑی۔ چاند انگلی مبارک کے اشاروں پر چل دیا اور دو ٹکڑے بھی اسی سے ہو گیا۔

خراج آورش حاکم روم ورے خرابش فرساد کسریٰ و کے

(سکندر نامہ ص ۱۰)

آپ کے حضور خراج لے کر حاضر ہوئے روم ورے کے بادشاہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی سے ملک کسریٰ ورے برباد ہوئے۔

(سہ ماہی سنی دعوتِ اسلامی ممبئی، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۹ء ص ۴۱-۴۲، مضمون: مفتی ولی محمد رضوی)

حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی محدث بصیر پوری علیہ الرحمۃ کا عشق رسول

آپ کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ورثہ میں ملا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے درس حدیث میں ایک خاص رنگ موجود ہوتا۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھ جاتی اور آواز بندھ جاتی حضرت فقیہ اعظم فنافی الرسول کے مرتبہ عظمیٰ پر فائز تھے، آپ نے بیس مرتبہ حج وعمرہ کی سعادت حاصل کی۔ آپ کی پوری زندگی اتباع نبوی اور عشق مصطفوی سے عبارت تھی، ان کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا غرض ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، اتباع شریعت اور استقامت

عزیمت آپ کی سیرت طیبہ کا اصل جوہر تھا۔ عاجزی و فروتنی آپ کے ماتھے کا جھومر اور استغنا و توکل آپ کی زینت تھے، کسی وزیر یا امیر کے دروازے پر نہ گئے، جلب زر اور طلب دنیا سے ہمیشہ پہلو تہی کی۔ آپ کی ذات میں خشیت الٰہیہ کا رنگ غالب تھا اور اس سلسلے میں وہ سلف صالحین کی کامل تصویر تھے۔

(ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی، جون ۲۰۰۷ء، ص ۱۹، مضمون: پروفیسر خلیل احمد نوری)

استاذ العلما مفتی نصیر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

دینی تصلب جو ایمان کا لازمی حصہ اور شان مومن ہے وہ حضور استاذ العلما رحمۃ اللہ علیہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، بدعقیدوں اور بارگاہ انبیا و اولیا کے گستاخوں سے آپ کو حد درجہ نفرت تھی۔ ان سے سلام کلام، میل جول، نشست و برخاست، اکل و شرب، وغیرہ سے اجتناب فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرماتے، یہی وجہ ہے کہ جن علاقوں اور جن بستیوں میں آپ کا قدم پہنچا وہاں گمراہوں و بدعقیدوں نے جانے کی بڑی کوششیں کیں، ان کے باوجود ان کو کوئی راہ نہ ملی، اور نہ ہی وہاں کے لوگوں نے ان کو اپنے گاؤں میں داخل ہونے دیا، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے: ''وہابیوں دیوبندیوں سے اس طرح دور رہو، جس طرح سانپ اور بچھو سے دور رہتے ہو، ان کا زہر سانپ اور بچھو سے بھی زیادہ خطرناک ہے جو ایمان کو کھا جاتا ہے، ان کی نماز وغیرہ سے دھوکا نہ کھاؤ بلکہ ان کے باطن کو دیکھو، ان سے دوستی کرنا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے دوستی کرنا ہے۔'' آپ اپنے تمام متوسلین اور معتقدین کو ہمیشہ مسلک اہل سنت و جماعت پر سختی سے گامزن رہنے کا حکم دیتے اور بدعقیدہ لوگوں کے مکر و فریب اور فتنے میں نہ آنے کی ہمیشہ تاکید فرماتے۔ جس کا اثر یہ تھا کہ جب سے آپ بنگال اور بہار کا رُخ کیا، بدمذہبوں کو مسلسل اور انتھک کوششوں کے باوجود اپنا قدم جمانے کا موقع نہ ملا اور اب کیا صورت حال ہے وہاں کے ذی علم اور ذی شعور افراد اچھی طرح جانتے ہیں۔ (ماہنامہ اشرفیہ، فروری ۲۰۱۳ء، ص ۲۸)

☆☆☆

پرفیسر علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

۱۲ ربیع الاول شریف کو عام طور سے ''بارہ وفات'' کہا جاتا تھا۔ انہوں نے غلط رائج اصطلاح کو ''عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے نام سے تبدیل کروایا۔ یہ علامہ توکلی صاحب کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ گورنمنٹ گزٹ میں ''عید میلاد النبی'' کا نام منظور کروایا اور اس مقدس دن کی عام تعطیل منظو کروائی۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت وجماعت لاہور، ص ۲۹۸)

بحمدہٖ تعالیٰ آج ''عید میلاد النبی'' کا نام بچے بچے کی زبان اور دل وجان کی زینت ہے اور آج یہ مبارک دن ''جشن عید میلاد النبی'' کے نام سے ہر طرف روح پرور نظارے دے رہا ہے، جب تک جشن عید میلاد النبی منایا جاتا رہے گا، اس دینی خدمت کا ثواب یقیناً مرحوم کی روح کو پہنچتا رہے گا۔ یوں تو آپ کی تمام تصانیف ہر خاص وعام میں مقبول ہو چکی ہیں لیکن ''سیرت رسول عربی'' کا اعزاز وامتیاز یہ ہے کہ یہ بارگاہ نبوی میں بھی شرف قبولیت پا چکی ہے۔ تاج کمپنی لاہور کے زیر اہتمام ۱۳۷۶ھ رجنوری ۱۹۵۷ء میں شائع ہونے والے تیسرے ایڈیشن کے دیباچہ میں چودھری محمد سلیمان نوری توکلی لکھتے ہیں: ''محترمی مفتی عبد الحمید صاحب نقش بندی مجددی لدھیانوی جو ایک عابد وصالح بزرگ ہستی ہیں، سال ۱۹۴۸ء میں ملتان شریف میں رہائش رکھتے تھے، نے بندہ کو ایک چٹھی بدیں مضمون تحریر فرمائی جب کہ حضرت صاحب توکلی کے انتقال کو تقریباً ایک ماہ گزر چکا تھا: ''ایک رات خواب میں میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا ایک خوبصورت معطر باغ میں ایک سنہری تخت پر جلوہ افروز ہیں میں نے دریافت کیا کہ ''مولانا صاحب یہ سرفرازی کیسے نصیب ہوئی؟'' فرمانے لگے کہ: ''مفتی صاحب! یہ انعام ''سیرت رسول عربی'' کی وجہ سے نصیب ہوا ہے۔''

(مقدمہ سیرت رسول عربی، ص: ۷ طبع سوم، تاج کمپنی، لاہور ۱۹۵۷ء)

حضرت صوفی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

شفا شریف میں ہے:

عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنه انه قال له النبی لا نت احب الی من کل شئی الا نفسی التی بین جنبی فقال له النبی لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من نفسه فقال عمرو الذی انزل علیك الکتاب لانت احب الیّ من نفسی التی بین جنبی فقال له النبی الآن یا عمر۔ (شفا شریف)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ہرگز مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب اتاری، آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اب اے عمر! تمہارا ایمان مکمل ہوا۔''

روی ان رجلا اتی النبیا فقال یا رسول اللّٰہ! لانت احب الی من اهلی ومالی انی لا ذکرك فما اصبر حتی اجئی فانظر الیك وانی ذکرت موتی وموتك فعرفت انك اذا دخلت الجنة رُفِعَتْ مع النبیین۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کرم میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ یقیناً میرے نزدیک میرے مال واولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ جب آپ یاد آجاتے ہیں تو جب تک آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کرلوں قرار نہیں آتا، لیکن اس دار فانی سے رخصت ہونے کے بعد جنت میں داخل ہو کر آپ تو تمام انبیاورسل علیہم السلام کے ساتھ بلند مقام میں ہوں گے۔

وانی دخلتها لا اراك. فانزل اللّٰہ هذه الآیة. وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا. (سورۂ نساء:۶۹)

اور میں نیچے درجے میں ہونے کی وجہ سے اندیشہ کرتا ہوں کہ کہیں آپ کو نہ دیکھ سکوں۔

یہ سن کر محبوب کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، اتنے میں حضرت جبریل امین سدرہ کے مکیں علیہ السلام یہ آیت لے کر حاضر خدمت ہوئے کہ جو اللہ و رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (کنز الایمان)

حدیث شریف میں ہے کہ المرء مع من احب آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے تو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ہوگا اس کی عظمت و رفعت شان کا کیا پوچھنا۔ مذکورہ بالا فرمودات عالیہ سے ثابت ہوا کہ خلفائے راشدین، صحابہ وتابعین، سلف صالحین،، اولیائے کاملین اور علمائے دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔

یہی وہ عشق رسالت کی رنگینیاں تھیں کہ صدیق اکبر، صداقت کے امام، عمر فاروق اعظم، عدالت کے علمبردار، عثمان غنی، سخاوت کے پیشوا، اور مولی علی مشکل کشا، شجاعت کے مقتدر بن کر چمکے۔ محبت رسول کی یہی کارفرمائیاں تھیں جو کبھی سلمان فارسی، خالد بن ولید، ضرار بن ازور، عبدالرحمٰن بن ابوبکر، امامین حسنین کریمین، امام زین العابدین، امیر معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی سیرت و کردار میں چمکے، یہی عشق رسول کا جذبۂ صادق تھا جس نے حضرت نعمان بن ثابت امام ابوحنیفہ کو امام اعظم، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو غوث اعظم، حضرت معین الدین چشتی کو سلطان الہند، حضرت نظام الدین اولیاء کو محبوب الٰہی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو مجدد اعظم اور حضرت مصطفیٰ رضا خان کو مفتی اعظم ہند بنا دیا، یہی شمع رسالت کے عشق فراواں کی وارفتگی تھی جس نے فقیہ و مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کو صدر شریعت، جلالۃ العلم حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو حافظ ملت اور حضرت شاہ صوفی نظام الدین علیہ الرحمہ کو خطیب البراہین، آسمان رشد و ہدایت کا آفتاب اور صوفی ملت بنا دیا۔

ویسے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی بہت سی علامتیں ہیں جو حضور کی محبت و عشق کے امتحان کی کسوٹی کی حیثیت رکھتی ہیں ان میں سے ایک علامت حضور کا کثرت سے ذکر کرنا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: من احب شئیا اکثر ذکرہ، جو

شخص کسی سے محبت رکھتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے، اس تناظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت محدث بستوی علیہ الرحمۃ کی ہر ہر ادا میں عشق رسول نمایاں نظر آتا تھا کھاتے پیتے، اٹھتے بیٹھے، سوتے جاگتے، جب دیکھو سنت مصطفیٰ ادا ہو رہی ہے اور شب و روز ذکر خدا اور ذکر مصطفیٰ زبان پر جاری ہے، ایک محب کو اپنے محبوب کی ذات سے جس طرح محبت ہوتی ہے اسی طرح محبوب کے قول و فعل سے بھی محبت ہونی چاہیے۔ حضرت محدث بستوی علیہ الرحمہ نے اس پر عمل کر کے بھی سکھایا۔ حدیث شریف میں ہے: ''نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک پر ختم کرنا ستر بیماریوں کو دفع کرتا ہے۔'' سبحان اللہ! حضرت خطیب البراہین علیہ الرحمہ اس حدیث پاک پر بالدوام عمل فرماتے، ہر وقت کا کھانا نمک سے شروع اور نمک پر ہی ختم کرتے تھے، تقاضۂ محبت یہی ہے کہ محبوب سے محبت ہے تو اس کے قول و فعل بلکہ ہر ہر ادا سے محبت ہونی چاہیے، حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس میں محبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ افشانیاں نہ ہوں۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست　　بحر و بر در گوشۂ دامان اوست

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی، میں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا، جو، کی روٹی اور شوربا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا جس میں کدو اور خشک کیا ہوا نمکین گوشت تھا، کھانے کے دوران، میں نے حضو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ پیالے کے کناروں سے کدو کی قاشیں تلاش کر رہے ہیں، میں سمجھ گیا کہ حضور کو کدو پسند ہے، اس لیے میں اسی دن سے کدو پسند کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کدو شریف کو اس لیے پسند کیا کہ یہ میرے محبوب کی پسند ہے۔ (مرقاۃ جلد ۲۔ ص ۷۷ پر) میں ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے سامنے اس روایت کا ذکر آیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کدو شریف پسند فرماتے تھے، مجلس میں بیٹھے ایک شخص نے کہا مجھے تو پسند نہیں، یہ سن کر حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا جدد الایمان سب کچھ نامکمل ہے۔ محمد کی محبت ہے والا لا قتلنک، تجدید ایمان کرو۔ ورنہ میں تم کو قتل

کیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ مذکورہ بالا روایات اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے عشق رسول کو سامنے رکھ کر ہم محدث بستوی علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے حضرت کو عشق رسول اور محبت مصطفیٰ کتنی ہے، کئی مرتبہ حضرت کے ساتھ دعوت میں جانے کا اتفاق ہوا تو میں نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ اگر کدو شریف کی سبزی دستر خوان پر موجود ہے تو بڑی رغبت سے اس کو تناول فرماتے اور جن لوگوں کو معلوم تھا کہ حضرت کو کدو شریف بہت پسند تھا، وہ لوگ جب دعوت کرتے تو کدو شریف کا ضرور انتظام کرتے تھے، حضرت محدث بستوی علیہ الرحمہ کو کدو شریف صرف اس لیے پسند و محبوب تھا کہ یہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند ہے اور جو چیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند اور محبوب ہو وہ ایک عاشق رسول کو ضرور پسند و محبوب و مرغوب ہو گی، کہنے والے نے کہا ہے۔

عشق جس دل میں نہیں وہ دل نہیں ۔۔۔ یار کے رہنے کی وہ منزل ہیں

حضرت خطیب البراہین محدث بستوی علیہ الرحمہ اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے قلبی لگاؤ اور والہانہ عشق کے آداب کے تقاضوں کی تکمیل اس انداز میں فرما رہے ہیں۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے ۔۔۔ اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

عشق رسول ان کے دل کی دھڑکن بن گیا ہے، پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وغلامی میں وہ اتنے منہمک اور مستغرق ہو چکے تھے کہ دنیا کی کسی ایسی چیز سے جو انسان کو صرف دنیادار بنا دے کوئی سروکار اور کوئی غرض نہیں، امام عشق و محبت نے خوب فرمایا۔

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

(ماہنامہ کنزالایمان، خطیب البراہین نمبر، ص ۲۹، مولانا محمد مکرم خاں رضوی)

نجاشی بادشاہ کا عشق رسول

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نجاشی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ سید کل صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ کریم کے وہ عظیم رسول

ہیں جن کی بشارتیں دی جاتی ہیں۔ اگر معاملات ملکی اور امور دنیا کا بوجھ مجھ پر نہ پڑا ہوتا تو میں ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا، اور ان کے نعلین شریفین اٹھائے پھرتا۔ یہ حدیث امام ابو داؤد نے روایت فرمائی ہے۔ نجاشی کی تو خواہش خواہش ہی رہی مگر سلسلہ حنفیہ کے امام عالی مقام حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دادا استاد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ نعلین اٹھانے کے مزے لوٹے جن کے لیے عرش اعظم کی آنکھیں بھی ترستی ہیں اور جن نعلین شریفین کے لیے جامی کا وجدان مستی میں آ کر کہنے لگا۔

ادیم طائفے نعلینِ پا کن شراک از رشتۂ جا نہائے ما کن

(جامع کرامات اولیاء، ص ۳۰۲)

نجاشی کا بارگاہ رسالت میں حاضری کے آداب

حضرت جعفر کا خطاب شاہ حبشہ کے دربار میں اور اس کا ردعمل:

اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کی پوجا کیا کرتے، مردار کھایا کرتے، اور بدکاریاں کیا کرتے، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرتے، ہم میں سے طاقتور، غریب کو کھاجایا کرتا۔ ہمارا یہ ناگفتہ بہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم میں سے ایسا رسول بھیجا جس کے نسب کو بھی ہم جانتے ہیں، جس کی صداقت، امانت او رعفت سے بھی ہم اچھی طرح آگاہ ہیں۔ اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی، کہ اس کو وحدہ لاشریک مانیں، اور اسی کی عبادت کریں اور وہ پتھر اور بت جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے ان کی بندگی کا پٹہ اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں، امانت میں خیانت نہ کریں، رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ہمسائیوں کے ساتھ عمدگی سے پیش آئیں، برے کاموں اور خونریزیوں سے باز رہیں۔ اس نے ہمیں فسق و فجور، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ نیز اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں زکوٰۃ دیں اور روزے رکھیں۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حضرت جعفر نے اسلام کی تعلیمات کو بڑی تفصیل سے گن گن کر پیش کیا پھر فرمایا، چنانچہ ہم نے اس رسول مکرم کی تصدیق کی۔ ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جو حکم وہ لے کر ہمارے پاس آئے تھے ہم نے ان کی پیروی کی۔ ہم صرف اللہ وحدہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، جن چیزوں کو اس نے ہمارے لیے حرام کیا ہم ان کو حرام سمجھتے ہیں اور جن کو ہمارے لیے حلال کیا ان کو حلال سمجھتے ہیں۔ ہمارا یہ جرم ہے جس کی وجہ سے ہماری قوم نے ہم پر زیادتیاں کیں۔ ہمیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں اور ہمیں اپنے دین سے روگرداں کرنے کے لیے فتنوں میں مبتلا کیا۔

ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر پھر بتوں کی پوجا شروع کر دیں اور جن ناپاک چیزوں کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے ان کو پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انہوں نے ہم پر جبر وقہر اور ظلم وستم کی انتہا کر دی اور ہم پر جینا حرام کر دیا اور ہمیں اپنے دین کی تعلیمات پر عمل کرنے سے باز رکھا۔ تو ہم اے بادشاہ سلامت! اپنے ملک کو چھوڑ کر آپ کے ملک میں آ گئے، دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر ہم نے آپ کو پسند کیا اور آپ کی پناہ کو ترجیح دی۔ ہم یہ امید کرتے ہیں کہ ہمیں آپ کے زیر سایہ ستایا نہیں جائے گا۔ نجاشی نے کہا۔ کہ جو کتاب اللہ کی طرف سے آپ کے نبی پر نازل ہوئی ہے کیا اس کا کچھ حصہ تمہیں یاد ہے؟ حضرت جعفر نے کہا ہاں، مجھے یاد ہے۔ نجاشی نے کہا: مجھے پڑھ کر سناؤ۔ حضرت جعفر نے سورہ کھیٰعص (مریم) کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت شروع کی۔ وہ کیا سہانہ منظر ہو گا نجاشی کا دربار ہے، اس کے امراء اور مذہبی پیشوا، اپنی زرنگار کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مکہ کے دو سفیر بھی وہاں موجود ہیں۔ اس اجنبی ماحول میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی سورہ مریم کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے انوار کی کیسی رم جھم بارش شروع ہوئی ہو گی آپ تلاوت کر رہے ہیں اور نجاشی پر اور عیسائی علماء پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپکنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی کتابوں کے اوراق ان آنسوؤں سے بھیگ جاتے ہیں، جب آپ تلاوت فرما چکے تو نجاشی نے اپنی رقت پر قابو پاتے ہوئے کہا بخدا! یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے یہ ایک ہی شمع کی

شعاعیں ہیں اور ایک ہی چشمہ کی موجیں ہیں۔

پھر نجاشی نے ان دونوں سفیروں کو مخاطب کر کے کہا۔ آپ یہاں سے چلے جائیں میں ان لوگوں کو کبھی آپ کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ جب وہ دونوں خائب و خاسر وہاں سے نکلے تو عمرو بن العاص نے اپنے ساتھی عبداللہ بن ابی ربیعہ کو کہا کل میں ان کے بارے میں ایسی چال چلوں گا جو ان کی جڑیں اکھیڑ کر رکھ دے گی، عبداللہ نسبتاً رحمدل تھا، اس نے کہا کہ ایسی کوئی حرکت نہ کرنا جس سے ان کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں، آخر وہ ہمارے قریبی رشتہ دار ہیں۔ لیکن عمرو بن العاص نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ کل وہ پھر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر مسلمانوں کے بارے میں ایسی بات اسے بتائے گا جسے سن کر نجاشی ان پر غضب ناک ہو کر انہیں عبرت ناک سزا دے گا۔ دوسرے روز بادشاہ جب اپنے دربار میں اپنے تخت پر آ کر بیٹھا تو عمرو بن العاص نے آگے بڑھ کر اسے کہا جہاں پناہ! یہ عیسیٰ بن مریم کے حق میں بڑی نازیبا باتیں کرتے ہیں آپ انہیں بلا کر پوچھئے تاکہ آپ کو ان کے عقیدہ کا پتہ چل جائے۔

بادشاہ نے مسلمانوں کو پھر بلا بھیجا حضرت ام سلمیٰ فرماتی ہیں، کہ اس دوسری طلبی پر ہمیں بڑا فکر لاحق ہوا پھر سارے مسلمان اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ مشورہ کرنے لگے کہا اگر اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہم سے کوئی سوال کیا تو ہمیں کیا جواب دینا چاہیے، قوت ایمانی نے ان کے حوصلوں کو بلند کر دیا انہوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا۔

نَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا قَالَ اللّٰهُ وَمَاجَائَنَا بِهٖ نَبِيُّنَا كَائِنٌ فِىْ ذٰلِكَ مَا هُوَ كَائِنٌ۔

بخدا! ہم اس سوال کا وہی جواب دیں گے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور جو ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہمیں بتایا ہے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

یہ طے کرنے کے بعد سب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نجاشی کی طرف روانہ ہوئے اس کے دربار میں جب پہنچے تو نجاشی نے جھٹ یہ سوال پوچھا۔

مَاذَا تَقُوْلُوْنَ فِىْ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ ؟

عیسیٰ بن مریم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔

خطیب اسلام حضرت جعفر بن ابی طالب کھڑے ہوئے اور بڑی جرأت و دلیری سے فرمایا:

نَقُوْلُ فِيْهِ الَّذِيْنَ جَائَنَابِهٖ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ وَرُوْحُهٗ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ الْعَذْرَاءِ الْبَتُوْلِ۔

ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بتایا ہے۔ آپ اللہ کے بندے، اللہ کے رسول، اللہ کی روح، اور اس کا کلمہ ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے کنواری اور عبادت گزار مریم کے اندر ڈالا ہے۔

یہ سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور وہاں سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا۔

واللّٰهِ مَا عَدَا عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ مَا قُلْتَ هٰذَا الْعُوْدَ۔

کہ بخدا جو تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا ہے وہ اس تنکا کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے یہاں مسند امام احمد کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ نجاشی نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

مَرْحَبًا بِكُمْ وَبِمَنْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِهٖ اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّهُ الَّذِىْ نَجِدُ فِى الْاِنْجِيْلِ وَاَنَّهُ الرَّسُوْلُ الَّذِىْ بَشَّرَبِهٖ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اَنْزِلُوْا حَيْثُ شِئْتُمْ وَاللّٰهِ لَوْلَا مَا اَنَا فِيْهِ مِنَ الْمُلْكِ لَاَ تَيْتُهٗ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّذِىْ اَحْمِلُ نَعْلَيْهِ وَاُوَضِّئُهٗ۔

میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں اور جس ہستی کے پاس سے تم آئے ہو اسے بھی مرحبا کہتا ہوں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں، یہ وہی رسول ہیں جن کی آمد کا مژدہ عیسیٰ بن مریم نے دیا تھا، میرے ملک میں جہاں چاہو قیام کرو، خدا کی قسم! اگر مجھے حکومت کی مجبوریاں نہ ہوتیں تو میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضور کا کفش بردار بنتا اور وضو کرانے کی سعادت حاصل کرتا۔

مسلمانوں کو کہا تم جاؤ اور میرے ملک میں آرام سے رہو، جس نے تمہارے ساتھ بدکلامی کی، میں اس پہ تاوان لگاؤں گا، یہ جملہ اس نے تین بار دہرایا۔ پھر کہا کہ میں تو یہ بھی

پسند نہیں کرتا کہ میں تم میں سے کسی ایک کو ان کے حوالے کروں، اور وہ مجھے اس کے بدلے میں سونے کا ایک پہاڑ دے دیں۔ امام بیہقی نے لکھا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف گرامی نامہ لکھا اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دی اور مسلمان مہاجرین سے حسن سلوک کی اسے تلقین بھی فرمائی وہ خط درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلَى النَّجَاشِىْ الْاَصْحَمْ مَلِكِ الْحَبْشَةِ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّىْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الْمَلِكَ الْقُدُّوْسِ الْمُؤْمِنَ الْمُهَيْمِنَ. وَاَشْهَدُ اَنَّ عِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ الْبَتُوْلِ الطَّاهِرَةِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِيْنَةِ وَحَمَلَتْ بِعِيْسٰى.

وَخَلَقَهُ اللّٰهُ مِنْ رُوْحِهٖ وَنَفْخَتِهٖ كَمَا خَلَقَ آدَمَ بِيَدِهٖ وَنَفْخِهٖ. وَاِنِّىْ اَدْعُوْكَ اِلَى اللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَالْمُوَالَاةِ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَاَنْ تَتَّبِعَنِىْ فَتُؤْمِنُ بِىْ وَبِالَّذِىْ جَائَنِىْ فَاِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَقَدْ بَعَثْتُ اِلَيْكَ ابْنَ عَمِّىْ،نَفَرًا وَمَعَهٗ نَفَرٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. فَاِذَا جَائُوْكَ فَاقْرِهِمْ وَدَعِ التَّجَبُّرَ وَاِنِّىْ اَدْعُوْكَ وَجُنُوْدَكَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَقَدْ بَلَّغْتُ وَ نَصَحْتُ فَاقْبَلُوْا نَصِيْحَتِىْ.والسلام على من اتبع الهدىٰ۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی الاصحم کی طرف جو حبشہ کا بادشاہ ہے تم پر سلامتی ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کی تیرے سامنے تعریف کرتا ہوں۔ جو بادشاہ ہے، جو پاک ہے، جو امن دینے والا ہے، جو محافظ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ اللہ کی روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم میں القا کیا۔ جو عبادت گزار، پاکیزہ، پاک دامن، عصمت شعار تھیں۔ اور وہ عیسیٰ سے حاملہ ہوئیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی روح اور پھونک سے پیدا کیا، جس طرح آدم کو اپنے دست قدرت اور اپنی پھونک سے پیدا کیا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے اور اس کی اطاعت کی طرف بلاتا ہوں اور تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تو میری پیروی کر۔ اور جو مجھ پر نازل ہوا اس پر ایمان لے آ۔ بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، میں

نے تیری طرف اپنے چچازاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے اور اس کے ساتھ چند مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئیں تو، توان کی میزبانی کر، اور ان پر تشدد نہ کرنا میں تجھے اور تیری فوج کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں نے اپنا پیغام تجھے پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کردیا۔ پس میری نصیحت کو قبول کرو۔ اور جو شخص ہدایت کی پیری کرے اس پر سلامتی ہو۔

اس گرامی نامہ کے ملنے سے نجاشی کا بخت بیدار ہو گیا اور اس کا مقدر سنور گیا اس نے اس دعوت کو قبول کیا اور مشرف باسلام ہوا، اور حضور کی بارگاہ عالی میں ایک عریضہ بھی تحریر کیا۔

بسم الله الرحمن الرحيم۔ اِلٰى مُحَمَّدٍرَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنَ النَّجَاشِىِ الْاَصْحَم بْنِ اَبْجَر سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مِنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الَّذِىْ هَدَانِىْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَقَدْ بَلَغَنِىْ كِتَابُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فِيْمَا ذَكَرْتَ فِيْهِ مِنْ اَمْرِ عِيْسٰى فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا يَزِيْدُ عَلٰى مَا ذَكَرْتَ۔ وَقَدْ عَرَفْنَا مَا بَعَثْتَ بِهٖ اِلَيْنَا وَقَرَّبْنَا اِبْنَ عَمِّكَ وَاَصْحَابَهٗ فَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَادِقًا وَّمُصَدَّقًا وَقَدْ بَايَعْتُكَ وَبَايَعْتُ اِبْنَ عَمِّكَ وَاَسْلَمْتُ عَلٰى يَدَيْهِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ وَاَرْسَلْتُ اِلَيْكَ بَارِيْحَا بْنَ الْاَصْحَمِ بْنِ اَبْجَر فَاِنِّىْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ۔ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ اٰتِيَكَ فَعَلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنِّىْ اَشْهَدُ اَنَّ مَا تَقُوْلُ حَقٌّ۔

یہ عریضہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجاشی اصحم بن ابجر کی طرف سے ہے۔ اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ کے آپ پر سلام ہوں، اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اس ذات کے جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے یارسول اللہ! حضور کا گرامی نامہ مجھے مل گیا ہے، اور اس میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے آسمانوں اور زمین کے رب کی قسم! عیسیٰ اس سے زائد نہیں ہیں۔

جو حضور نے ہماری طرف بھیجا ہم نے اس کو پہچانا اور ہم نے آپ کے چچا کے بیٹے اور اس کے ہمراہیوں کی میزبانی کی۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں

جن کی تصدیق کی گئی ہے۔ میں نے حضور کی بیعت کی ہے۔ اور حضور کے چچازاد بھائی کی بیعت بھی کی ہے اور میں نے اللہ رب العالمین کے لیے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے۔ میں حضور کی خدمت میں اپنا بیٹا اریحا بن اصحم بن ابجر بھیج رہا ہوں۔ میں اپنے نفس کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں۔

یارسول اللہ! حضور حکم فرمائیں تو میں حاضر خدمت ہو جاؤں۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور کا ہر فرمان حق ہے۔

اس خط سے معلوم ہو گیا کہ اس نے اپنے جذبات عقیدت کے اظہار کے لیے اور اپنے مسلمان ہونے کی شہادت پیش کرنے کے لیے اپنے بیٹے کو بارگاہ رسالت میں روانہ کیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو گرامی نامہ نجاشی کو لکھا تھا، اس میں دو باتیں لکھی تھیں ایک تو اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی، اور دوسری مسلمان مہاجروں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دی تھی۔ نجاشی نے ان دونوں ارشادات پر پوری طرح عمل کر کے دکھایا اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اپنی نوازشات کی اور اپنی شان بندہ نوازی کی اس کے ساتھ حد کر دی۔ چنانچہ ایک مرتبہ نجاشی کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کے لیے آیا حضور بنفس نفیس ان کے آرام و آسائش کا خیال فرماتے اور خود ان کی خدمت بجالاتے۔

فَقَالَ اَصْحَابُہٗ نَحْنُ نَكْفِيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔

"صحابہ نے عرض کی اے اللہ کے پیارے رسول! حضور کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔"

ہم سب حضور کی طرف سے ان کی خدمت بجالانے کے لیے حاضر ہیں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ اس بندہ نواز آقا نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا لِاَصْحَابِیْ مُكْرِمِيْنَ وَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اُكَافِئَهُمْ۔

کہ یہ وہ لوگ ہیں جب میرے صحابہ ان کے ہاں گئے تھے تو انہوں نے ان کی بڑی عزت و تکریم کی تھی اب میں چاہتا ہوں کہ میں انہیں اس کا بدلا دوں۔

(ضیاء النبی، ج ۲، ص ۳۶۴۔۳۷۳، سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۲)

حضرت مولانا نذیر الاکرم نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

نعت گوئی عشق رسول کا ایک سنہرا باب ہے۔ جو عشقِ رسول کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے زیادہ نعت گو شعرا عاشقِ رسول اور اہلِ سُنّت و جماعت سے رہے ہیں اور ہیں۔ اگر کبھی کسی غیر نے اس زمین میں طبع آزمائی کی بھی تو رنگ مکمل پھیکا نظر آیا اور اپنے منہ اپنی فضیحت کا سامان تیار کر لیا، اس راہ کے جو مسافر ہوتے ہیں وہ مکمل طور پر عشق و ایمان اور ہوش و حواس سے لبریز ہو کر اپنا راستہ طے کرتے ہیں، تب جا کر شعری تخلیق کی قوت پیدا ہوتی ہے، کتنے اس راہ میں اِفراط و تفریط کے شکار نظر آئے اور قعرِ عمیق میں ایسا گرا کہ کچھ پتہ نہ چل سکا۔ حضرت تاج العلما مولانا محمد نذیر الاکرم صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ ان خوش نصیب عشاق رسول سے ہیں جنہوں نے اس نازک راہ میں اپنی طبیعت نائل کیا۔ تو تصورات و تعینات کی تمام حد بندیوں سے گذر کر عقیدت و محبت کے سمندر میں یوں غوطہ زن ہوئے۔

وہ مومن ہی نہیں جس کو نہ ہو الفت شہ دیں کی کہ ایماں در حقیقت نام ہے اُن کی محبت کا

یہ کتنی اچھی بات ہے کہ محبت کے سفیر عقل و شعور کے فلسفے سے پرے ہو کر اپنے اعمال کی بنیاد محض عشق پر رکھتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

حضرت مولانا اکرم نعیمی اشرفی رضوی علیہ الرحمہ ایمان و ایقان کی تعمیر و ترقی کی اصل پونجی عشق رسول ہی کو گردانتے ہیں اور خود ہی کہتے ہیں۔

اگرچہ اکرم گنہ گار و بدکار ہے، ہاں مگر عشقِ سرور میں سرشار ہے

حشر میں سب کہیں گے اِسے دیکھ کر، وہ حبیب خدا کا غلام آ گیا

حضرت اکرم نعیمی علیہ الرحمہ ایک سچے عاشقِ رسول تھے جس کا اندازہ آپ کی نعتیہ دیوان ''روحِ ایمان مع راہِ ایمان'' سے بخوبی ہوتا ہے۔ پوری کتاب محبوب کی تعریف و توصیف سے مشکبار ہے۔ آپ اپنی نعت کے ذریعے محبوب کے ہمہ جہت پہلو اور خوبیوں کو سمیٹنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ لیکن بقول امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ۔

اے رضا خود صاحبِ قرآں ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

حضرت بشر کا کمال تو حروف والفاظ کی جادوگری تک ہی ممکن ہے۔ اس کی حقیقت کے ادراک سے عقل عاجز ہے، پھر بھی حضرت اکرم نعیمی علیہ الرحمہ محبوبِ دو جہاں کے جمالِ جہاں آرا کی جو تصویر کشی کی ہے وہ شانِ محبوبی کے بے شمار پھولوں سے لالہ زار ہے۔ کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

''نغمہ توحید، عظمتِ مصطفیٰ، عشقِ رسول، شہنشاہِ کُل، درِ مصطفیٰ، محسنِ اعظم، حبیب حق، چشمِ کرم، پیغمبرِ ذیشان، روضہ مصطفیٰ، شمع شبستاں، رازِ بقا، عینِ حیات، نظامِ زیست، شانِ حبیب، بحرِ جود وسخا، قاسمِ نعمت، نقش پائے نبی، انجمنِ آرا، لطف وکرم، بزم امکاں، نظامِ عالم اور ذکرِ معراج۔ نعت کا میدان بڑا ہی نازک اور تیز دھار تلوار کی مانند ہے۔ جہاں اِفراط تفریط کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس عاشق صادق نے اپنا یہ راستہ بھی حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل بحسن وخوبی طے کیا۔ (مؤلف)

☆☆☆

و

حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

علوم وفنون کے علاوہ آپ نے مستقل چالیس برس حدیث شریف کا درس دیا، آپ کے درس حدیث کی دور دور تک شہرت تھی، دہلی، سہارنپور، کانپور، رامپور، جون پور، علی گڑھ اور لاہور سے علوم کی تحصیل کر کے طلبہ آپ کے درس حدیث میں شرکت کے لیے پہنچتے تھے۔ نماز فجر کے بعد سے ظہر تک اور ظہر سے آدھی رات تک اور کبھی اس سے بھی زیادہ وقت تک درس جاری رہتا تھا، ہر وقت آپ باوضو رہتے تھے مگر دوران درس میں وضو کا خاص خیال فرماتے تھے، عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ درس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی ادا کرنے کے بعد قدرے توقف فرماتے تھے، درس حدیث میں مولوی احمد علی سہارنپوری آپ کو اپنا جانشین کہتے تھے۔

آپ نے انتہائی سادہ، نیک، باوضع اور با اخلاق مزاج پایا تھا، لباس سادہ استعمال کرتے تھے اور معمولی غذا استعمال کرتے تھے، طلبہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے، غریب طلبہ کی مالی اعانت فرماتے تھے، عام مسلمانوں سے ہمدردی سے پیش آتے تھے، آپ کو غرور وتکبر اور غیبت وبرائی سے شدید نفرت تھی، تصوف سے خاص لگاؤ تھا، مگر خانقاہی زندگی اور ترک دنیا سے ہمیشہ گریزاں رہے، آپ کا دل مسجد ومدرسہ میں زیادہ لگتا تھا آپ سنت کی پابندی کو سب سے بڑی کرامت اور فقیری فرماتے تھے۔ (تذکرۂ علمائے اہل سنت، ص، ۲۵۹، ۲۶۰)

☆☆☆

حضرت ہبہاب رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک یہودی عالم دین تھا، اس کا نام تھا جلبیب، اس کا ایک لڑکا ہبہاب نامی حسن و جمال میں یکتا تھا، بڑا خلیق اور کمال سیرت، اتفاقاً اس نے اپنے والد کے خزانے میں ایک ڈبیہ دیکھی جو سرخ موتیوں سے بنی ہوئی تھی اور اس پر مشک کی ایک مہر لگی ہوئی تھی۔ تاکہ کوئی شخص اسے کھول سکے نہ اندر سے دیکھ سکے، لڑکے نے اس ڈبیہ کو دیکھا تو بڑا غضب ناک اور خشمگیں ہو کر باہر نکلا، باپ نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا: ایک عرصہ ہو گیا ہے آپ نے کوئی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں رکھی مگر یہ ڈبیہ ہمیشہ بند رکھی ہے۔ حالانکہ میرے ساتھ آپ کی شفقت و محبت بہت زیادہ ہے۔ باپ نے بتایا: بیٹا! اس میں جواہرات ہیں نہ خزانہ، اس میں چند اوراق ہیں جس میں ایک عربی کا نام لکھا ہوا ہے، جب تم علماء کی مجالس میں بیٹھ کر فاضل ہو جاؤ گے اور ہر بات سمجھنے لگو گے تو اس کا مطالعہ بھی کر لینا، چونکہ ابھی تم ناپختہ ذہن ہو اس لیے ڈبیہ کا راز دیدہ دانستہ پوشدہ رکھا گیا تھا۔

ایک دن جلبیب بادہ نوشی میں مشغول تھا، ہبہاب یہ موقع غنیمت جانتے ہوئے والد کے خزانہ میں گیا اور اس ڈبیہ کے کھولنے میں مشغول ہو گیا جس کے لیے راز داری سے کام لیا جا رہا تھا۔ مہر توڑ دی گئی، ڈبیہ کا ڈھکنا کھولا ہی تھا کہ نور کی ایک شعاع نمودار ہوئی جس کے سامنے چراغ کی روشنی ماند پڑ گئی، ڈبیہ کے اندر دو سفید ورق دکھائی دیے جن پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تھا، اس کلمہ طیبہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ لکھے ہوئے تھے کہ آپ کے ابرو پیوستہ ہوں گے، داڑھی گھنی ہو گی، جسے بھی اس کا زمانہ میسر ہو اس کی بات سنے، اس کا کلام قرآن ہو گا، اس کا دین اسلام ہو گا، وہ انسانوں کو خدا کی عبادت کی دعوت دے گا، مخالفین سے نہیں ڈرے گا، ہبہاب کی نگاہیں اس کاغذ پر پڑیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اس کے دل میں اتر گئی، اس کاغذ کو

آنکھوں پر ملا چوما اور کہنے لگا: یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کاش میں معلوم کر سکتا کہ آپ خاکی ہیں یا نوری، آسمانوں پر ہیں یا زمین پر، دریاؤں میں رہتے ہیں یا جنگلوں میں، اس نے اپنی محرومی اور سوگواری کا اس انداز سے اظہار کیا کہ بے ہوش ہو گیا، چند لمحوں بعد اس کی والدہ بھی اس کمرے میں آئی، بیٹے کو بیہوش پا کر حیران رہ گئی، اس کے باپ کو بلایا، بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے چہرے سے چہرہ ملنے لگا، ماتھے کو چومنے لگا، رو رو کر اپنے بیٹے کی بیہوشی پر حسرت و غم کا اظہار کرنے لگا، جب نوجوان لڑکا ہوش میں آیا، والدین کو اپنے سرہانے غمزدہ اور پریشان پایا مگر غصے میں آ کر کہنے لگا: اے والد محترم! تم میری آنکھوں کی روشنی نہیں دیکھتے اور بڑھاپے کے باوجود اس رحمتِ الٰہی سے محفوظ نہیں ہوئے، آپ مجھے کفر کی تعلیم دے رہے ہیں اور شریعت محمدیہ اور اس کی اتباع سے محروم رکھنے کی کوشش کرتے ہو۔ باپ یہ باتیں سنتے ہی غصے میں پاگل ہو گیا۔ لڑکے کو بالوں سے پکڑا اور زمین پر دے مارا، اور زور زور سے مارنے لگا۔ جب اس کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو حیی بن اخطب، کعب بن اشرف اور ابولبابہ وغیرہ اس کی سفارش کے لیے آئے، انہوں نے دیکھا کہ باپ بچے کو ایذا دینے میں پاگل ہوا جا رہا ہے، انہوں نے اسے زبردستی منع کیا مگر وہ کسی صورت بچے کو سزا دینے سے نہ رُکتا تھا۔ لوگوں نے اس سے بچے کا قصور پوچھا تو کہنے لگا، اس کا قصور تو سزائے قتل کے لائق ہے۔ جب تک میں اسے قتل نہ کر دوں گا ہاتھ نہ روکوں گا، پھر اس نے بتایا: یہ دین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا ہے، اپنے آباؤ اجداد کا مذہب ترک کر چکا ہے۔ ان لوگوں نے اس بچے کو نصیحت کرنا شروع کی اور کہا: بیٹا! تمام لوگ تو ہم سے دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، لوگ ہماری اتباع کرتے ہیں لیکن تم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع میں لگے ہوئے ہو، اسے چھوڑ دو اور اپنے سابقہ دین پر قائم رہو۔

ہمہاب کہنے لگا: میں نے سوچ بچار کرنے کے بعد ان وہمی اور فرسودہ دینوں کو ترک کر دیا ہے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صراطِ مستقیم کو اختیار کر لیا ہے، ان پر ایمان لایا ہوں۔ ان لوگوں نے اس نوجوان کو بڑی الٹی سیدھی نصیحتیں کیں مگر وہ اپنے نیک ارادے پر ڈٹا رہا۔ ان یہودی مشائخ نے کہا: چونکہ یہ لڑکا ناز و نعم کا پلا ہوا ہے زندگی کے مصائب اور

تکلیف کا احساس نہیں رکھتا، اسے اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ یہ نصیحت کی طرف توجہ نہیں دیتا، اب ضروری ہے کہ اسے آسان زندگی سے ہٹا کر محنت و مشقت کی زندگی کا خوگر بنا دیا جائے تاکہ ان سختیوں سے تنگ آکر دین محمدی سے توبہ کر لے اور پھر اسی راحت و آرام کی زندگی کو حاصل کرنے کے لیے دین سابقہ پر واپس آجائے۔ جلیب نے کہا: تمہارے نزدیک اس تکلیف اور ریاضت کا کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ کہنے لگے یہ نرم و نازک کپڑے اتار کر ٹاٹ پہنا دو، ایک تہ خانہ میں محبوس کر دو، دروازے کو بند کر دو، تین دن کے بعد ایک جو کی روٹی اور پانی کا کوزہ دیا جائے تاکہ ناز و نعم یاد آئے تو فریاد کرے کہ مجھے اس مصیبت سے نجات دلائی جائے۔ جلیب نے ان لوگوں کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اس مظلوم کو ایک کمرے میں بند کر دیا، چونکہ اسے سوکھی روٹی اور پانی کی عادت نہ تھی، سخت تنگ ہوا، وہ اس سختی سے روتا رہتا، ایک دن باپ نے دیکھا تو کہا: کیا تم اپنے دین پر قائم ہو یا نہیں؟ اور دین محمدی سے باز آئے ہو یا نہیں۔ بیٹے نے کہا: باپ! میرا رونا طعام کی کمی اور پانی کی بے لطفی کی وجہ سے نہیں بلکہ مجھے تو دیدارِ مصطفیٰ کا اشتیاق ہے۔ باپ نے پھر کہا: جب تک دین مصطفیٰ سے توبہ نہ کرو گے تمہیں اس عذاب سے نجات نہیں ملے گی۔ لڑکے نے کہا:

هيهات هيهات قد رسخ حب محمد صلى الله عليه وسلم فى قلبى فلا استطيع ان اتبراء منها۔

خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جس طرح میرے دل میں جاگزیں ہے اس سے توبہ نہیں کی جاسکتی۔

محبت تو چناں رفتہ است از رگ و پوست　　کہ روز مرگ ہم از استخواں نخواہد رفت

جب سختی اور شدت حد سے گزر گئی تو سرکار دو عالم کی شفاعت سے اللہ سے تین چیزوں کی التجا کی:

اللهم بحقك على محمد صلى الله عليه وسلم عليك طيب لى طعامى و اعذب لى شرابى و وضئ لى ظلمتى۔

اے اللہ! تو عبادت کے لائق ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل میرے طعام کو خوشگوار، پانی کو شیریں اور سیاہیوں کو نورانی بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی التجا کو قبول فرمالیا۔ وہ ایک عرصہ تک قید و بند میں صعوبتیں جھیلتا رہا، حضور نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی، یہ خبر شہر میں عام ہو گئی کہ نبی آخر الزماں تشریف لے آئے ہیں۔ جلیبب نے اپنے غلاموں اور خادموں کو بلایا اور کہا: اگر تم لوگ میری مرضی کے مطابق ایک کام کرلو تو میں تمہیں آزادی دے دوں گا، سب نے وعدہ کیا، وہ کہنے لگا: ہمہاب میرا لڑکا ہے اس کو تہہ خانے سے نکال کر دور کسی جنگل میں لے جاؤ وہاں سخت مشقت کراؤ، اس کے گلے میں رسی ڈال کر کھینچو، چنانچہ اس کو باندھ کر غلاموں کے حوالے کر دیا گیا، وہ اس سے چوپائی کرواتے، بکریاں چرواتے، ان کی حفاظت کرواتے، تپتے ہوئے صحراؤں میں اسے گھسیٹتے پھرتے اور سخت کاموں میں لگائے رکھتے۔ کہتے ہیں ایک رات سخت اندھیری تھی، بادل چھائے ہوئے تھے، بجلی چمک رہی تھی، بادل گرج رہے تھے نوجوان کے دل میں اشتیاقِ دیدارِ محمدی موجزن ہوا، اور اس کے سینے میں آتش عشق بھڑک اٹھی، دیدارِ مصطفیٰ کی آرزو سے اس کا سینہ منور ہو گیا بارگاہ الٰہی میں سر نیاز خم کرتے ہوئے کہنے لگا:

اللهم انت انزلت المطر من السماء لتحيى به الارض وتسقى به العباد من خلقك۔ اللهم انه قد اشتد شوقى الى محمد وطال حزنى اللهم فارحمنى ومن على بالنظر على وجهه صلى الله عليه وسلم۔

اے میرے اللہ! تو آسمانوں سے بارش برساتا ہے، اس سے زمینوں کو زندہ کرتا ہے، اپنے بندوں کو سیراب کرتا ہے، اے اللہ! اب مجھ پر رحمت فرما اور میری جان پر احسان فرما، میری آنکھوں کو دیدارِ رسول سے منور فرما۔

کہتے ہیں کہ جونہی یہ دعا زبان پر آئی اس کی گردن سے وہ رسی ٹوٹ کر گر پڑی، اس کے پاؤں سے زنجیریں ٹوٹ گئیں اور مدینہ پاک کی طرف چل پڑا۔ کہتے ہیں کہ اس مقام سے مدینہ پاک اسی میل کے فاصلے پر تھا، اللہ تعالیٰ نے اس عاشق رسول کے لیے اس زمین کو سمیٹ دیا اور فاصلہ بہت کم ہو گیا، صبح ہوتے ہی وہ ہمہاب مدینہ پاک میں عمار بن واثلہ

انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازہ پر پہنچ گیا اور تھکا ماندہ سر جھکائے بیٹھا تھا، حضرت عمار نے اس سے حالِ دل پوچھا تو کہا

مرا غمی است کہ پیدا نمی توانم کرد　　حکایت دل شیدا نمی توانم کرد

حضرت عمار نے کہا اے نوجوان! تجھے دیدارِ محمد کی قسم ہے مجھے سارا واقعہ سناؤ تا کہ میں تمہاری مدد کرسکوں اور تمہارے کام آسکوں، اس نوجوان نے حضرت عمار کی زبان سے نام محمد سنا تو زار زار رونے لگا اور کہنے لگا: کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے حضور کا دیدار کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں ہبہاب اٹھا اور حضرت عمار کے چہرے سے اپنا منہ ملنے لگا اور ان آنکھوں کو چومنے لگا جنہوں نے دیدارِ رسول کیا ہوا تھا۔ کہنے لگا: ان آنکھوں پر میری جان قربان ہو جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ میرا سر ان قدموں پر نثار جو راہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلے ہیں۔

جان فدای تو کہ ہم جانی و ہم جانانے　　سر برای تو و گرنہ من و سر گردانے

سر سری از سر کوی تو نخواہم برخاست　　کار دشوار نگیرند بدین آسانے

خام را طاقت پروانہ پر سوختہ نیست　　نازکاں را نبود قوت جاں افشانی

حضرت عمار کو اس نوجوان سے عشق مصطفیٰ جھلکتا دکھائی دیا تو اس کے سر پر دست شفقت رکھا وراس کی گردن میں باہیں ڈال کر بڑا پیار کیا اور ہبہاب کو حضور کی بارگاہ میں پہنچا دیا۔

خرم آں لحظہ کہ مشتاق بیاری برسد　　آرزو مند نگارے بکنارے برسد

قیمت گل نشناسد مگر آں مرغ اسیر　　کہ خزاں دیدہ بود پس بہ بہاری برسد

عزت وصل نداند مگر آں سوختہ　　کہ پس از دوری بسیار بیاری برسد

جونہی طالب مطلوب کی بارگاہ میں پہنچا اور جمال مصطفیٰ سے محظوظ ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہ خداوندی سے پیغام لائے اور کہا: اے محمد! خداوند تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا ہے اور ہبہاب کو دوست بنانے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ آپ سے محبت کرتا ہے، آپ کی امت کے عاشقوں میں سے بڑا محبت کرنے والا دوسرا کوئی نہیں ہے۔ اس نے آپ کے عشق و محبت میں بڑے دکھ [illegible] ہیں اور راہِ عشق میں محنت و مصیبت اٹھاتے وقت صبرِ ایوب سے کام

لیا ہے۔اہل دل نے احب هبها فانه یحبك کے جملہ کے متعلق بڑے لطیف نکتے بیان کیے ہیں۔اگر یہ کہا جائے کہ عاشق کی محبت محبوب کی محبت کا سبب ہوتی ہے بلکہ محب کی محبت تو محبوب کی علامت ہوا کرتی ہے، جب تک محبوب کی طرف سے محبت کا اشارہ نہ ہوا محب اپنی محبت کی منزلیں طے نہیں کرسکتا، مولانا رومی نے اسی موضوع پر فلسفہ محبت بیان کیا ہے۔

ہیچ عاشق خود نباشد عشق جو — گر نہ معشوقش بود جو یائے او
لیک عشق عاشقاں تن زہ کند — عشق معشوقان خوش و فربہ کند
چوں دریں دل برق مہر دوست چیست — اندراں دل دوست می دانی کہ کیست
در دل تو مہر حق چوں شدو و تو — ہست حق را بیگمانے مہر تو
ہیچ بانگ کف زدن ناید بدر — از یکی دوست تو بید ست دگر
تشنہ می نالد کہ کوآپ گوار — آب ہم نالد کہ کو آن آب خوار
جذب آبست ایں عطش در جان ما — ما ازاں او واوہم زان ما
حکمت حق ہم قضا و ہم قدر — کرد مارا عاشقان یک دگر
عاشقی گر زین سر و گر زاں سرست — عاقبت ما را بدا اں شہ رہبر ست
ملت عاش زملت ہا جدا ست — عشق اضطر اب اسرار خداست
ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان — چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں
عقل در شرحش چو خرد رگل بخفت — شرح عشق عاشق وہم عشق گفت
آفتاب آمد دلیل آفتاب — گر دلیلت باید از روی رومتاب

(معارج النبوۃ، ج۱، ص۶۴۱)

پیار اور محبت رسول

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک سریہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی شامل ہونے کا حکم فرمایا اور فرمایا ہبار اور نافع بن قیس کو کہیں پاؤ تو قتل کر کے آگ میں جلا دینا۔جب ہم رخصت ہونے لگے تو آپ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا اور فرمایا اللہ

تعالیٰ کے سوا کسی کا منصب نہیں کہ کسی ذی روح کو آگ کا عذاب دے۔ البتہ اگر تم ان پر قابو پاؤ تو قتل کر دینا۔ (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہبار کو تلاش کرتے رہے مگر وہ نہ ملا۔ حضرت جبیر بن مطعم کہتے ہیں مقام جعرانہ سے واپسی پر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، تو اچانک ہبار بن اسود، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرا صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ وہ ہبار بن اسود ہے آپ نے فرمایا میں نے بھی دیکھا ہے۔ ایک صحابی غصہ سے بھرے قتل کے لیے اٹھے تو آپ نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ ہبار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ السلام علیک یا نبی اللہ، اشهد ان لااله الا الله واشهد ان محمد رسول الله۔

اس کے بعد عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کے صحابہ سے بھاگتا رہتا تھا اور کبھی کوئی ارادہ ذہن میں آتا کبھی کوئی خیال دماغ میں آتا بالآخر سوچا آپ تو ہر ظلم کرنے والے کو معاف کرتے ہیں۔ آپ تو بے کسوں کی پناہ گاہ ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ کی پناہ میں آنے والے گنہگار کو بھی اپنی چادر رحمت کا سایہ عطا فرمائیں اور مجھے بھی معاف فرمائیں۔

حد کوئی نہیں دیکھی سرکار کی رحمت کی
سب پر ہی کرم کرنا فطرت ہے محمد کی

آپ کی فطرت میں کرم کا غلبہ تھا در گزر کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ اس کی باتیں سن کر سر مبارک جھکا لیا۔ فرمایا اے ہبار میں نے تم کو معاف کر دیا۔ (محسنِ اعداء، ص ۱۷۲)

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف تیری رہنمائی کر کے تجھ پر احسان کیا اور قبل از اسلام کیے گئے تمام گناہوں کو مٹا دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت رحم و کرم کے پیکر رقیق القلب کسی کے غم کو سن کر آبدیدہ ہو جاتے ہر کس و ناکس کی دستگیری فرماتے۔

آپ کی طبیعت کی نرمی اور رحمت و شفقت نے لوگوں کے دلوں میں ایسا گھر کر لیا کہ ہر کوئی آپ کا دیوانہ نظر آتا۔ یہ وہ اخلاقیات ہیں جن کی آج کے دور میں خاصی ضرورت ہے کہ

انہیں فروغ دیا جائے اور انہیں عام کیا جائے۔ بالخصوص وہ لوگ جو رہنمایان قوم ہیں۔ انہیں تو اخلاقیات کا مرقع ہونا چاہیے۔ تا کہ قریب آنے والے اس سے متاثر ہوں۔

(تیر او جود الکتاب، ص ۲۰۸-۲۱۰)

حضرت مولانا پیر محمد ہاشم جان رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

ایک دفعہ پیر ہاشم جان سرہندی مدینہ طیبہ میں روضۂ اقدس کے سامنے تلاوت کر رہے تھے کہ سید عبدالہادی اور جی ایم سید آپ سے ملنے آگئے۔ آپ نے جی ایم سید کے ساتھ مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا: "خدا اور رسول کے خلاف حملوں کی وجہ سے تم سے مجھے نفرت ہے۔"

یہ کہہ کر قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی، بعد ازاں اسے پیغام بھیجا کہ آپ سے مجھے ذاتی طور پر کوئی مخاصمت نہیں سوائے اس کے کہ آپ نے اپنی تحریروں سے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنی ان گزاریوں سے تائب ہوں اور مجھے تائب ہونے کی سند سطور لکھ کر دیں تا کہ میں یہیں سے سندھ کے اخبارات کو آپ کے تائب ہونے کی خبر بھیج دوں، پھر میں آپ سے خود ملنے کے لیے آجاؤں گا، اس کے جواب میں جی ایم سید نے کہا کہ میں پہلے ہی تائب ہو چکا ہوں۔

آپ سے پوچھا گیا کہ اس وقت پاکستان مختلف قسم کے فتنوں میں گھرا ہوا ہے، آپ کے نزدیک ان میں بڑا فتنہ کونسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہاں لادینیت سب سے بڑا فتنہ ہے، اس کے پرورش کرنے والے شیخ ایاز اور جی ایم سید ہیں، ان لوگوں نے اصول دین پر ایک حملے کیے ہیں، یہ قادیانت سے زیادہ خطرناک ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں سندھی ہیں اور نئی پود کو سندھی کی بنیاد پر منظم کر رہے ہیں، جو بہت ہی خطرناک ہے۔

(تذکرۂ اکابر اہل سنت، ص ۵۰۹)

حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی زندگی کا تخص ہی عشق رسول اکرم تھا۔ عشق

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ورثہ میں ملا تھا۔ جس کا اثر آپ کی زندگی پر نمایاں نظر آتا تھا۔ آپ کا سب کچھ سنت رسول کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ سنت مطہرہ کا بہترین نمونہ تھے۔

کبھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وفراق میں زبان حال سے باد صبا سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجتے تھے اور اپنے دل کو تسلی دیتے تھے۔ فرماتے ہیں:

ایا نسیم صبا ان زرت روضة سلم علی المصطفی صاحب النعم

اے نسیم صبا! اگر تو ان کے روضے کی زیارت کرے تو۔ صاحب نعمت یعنی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہنا

وقف عند مضجعه فی مواجهة وبلغ صلواتی وتسلیمی علی روح لکرم

اور ان کے مواجہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر۔ روح پاک پر میرا صلوٰۃ وسلام پیش کرنا

وقل یا رسول الله عبد مقصر غریق فی بحار السیئات ومظلم

اور عرض کرنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کوتاہی کرنے والا۔ غلام گناہوں کے اندھیرے سمندر میں ڈوب رہا ہے۔

یلوذا لی جنابك مستغیثا ویشکو ذنوبا کا لجبال الاعاظم

آپ کی جناب میں پناہ کے لیے فریاد کر رہا ہے۔ اور گناہوں کی شکایت کر رہا ہے جو کہ بلند پہاڑوں کی مانند ہیں۔

روحی فداك وانت حیاة روحی وقرة عینی والشفاء من السقم

میری روح تم پر فدا اور آپ میری روح کی زندگی ہیں۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک میری بیماری کی دوا آپ ہی تو ہیں۔

اور کبھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں استغاثہ کرتے ہیں۔

اغثنی یا رسول الله حانت ندامتی اغثنی یا حبیب الله قلمت قیامتی

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مدد کیجیے میری ندامت کا وقت آیا۔ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! مدد کیجیے میری قیامت قائم ہوگئی۔

ان اشعار سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے دل میں کس قدر عشق مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وسلم تھا۔ صاحب تکملہ لکھتے ہیں: ایک سائل کسی مسئلہ کے بارے میں آپ سے فتویٰ لکھوا کر پھر آپ کے استاد مکرم حضرت مخدوم ضیاء الدین ٹھٹوی کے ہاں برائے تصدیق لے گیا۔ حضرت مخدوم ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر جب رات کو محو استراحت ہوئے تو خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"چنانچہ محمد ہاشم گوید شابرآں فتویٰ بدھید۔"

یعنی جس طرح محمد ہاشم نے فتویٰ دیا ہے آپ بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیں۔

چنانچہ مخدوم ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے صبح ہوتے ہی اس سائل کو بلایا اور فوراً فتویٰ پر دستخط کر دیا۔ اس کے بعد جب بھی حضرت مخدوم ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کوئی بھی سوال آتا تو آپ فوراً حضرت مخدوم محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھیج دیتے اور فرماتے کہ

"فتویٰ در دست ایشان دادہ اند"

یعنی افتاء کا کام محمد ہاشم کے ہاتھ دے دیا گیا ہے۔

۱۱۳۵ھ بمطابق ۱۷۲۳ء میں تقریباً اکتیس سال کی عمر میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سعادت کے ساتھ ساتھ آپ نے وہاں کے اکابر علماء کرام سے علم تفسیر، حدیث، تصوف اور دیگر علوم وفنون میں استفادہ کیا اور سندیں حاصل کیں۔ مثلاً

حضرت شیخ عبدالقادر مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۱۳۸ھ...... حضرت شیخ عبد بن علی مصری رحمۃ اللہ علیہ...... حضرت شیخ علی بن عبدالمالک دراوی رحمۃ اللہ علیہ۔ اسی سفر میں آپ بتاریخ ۹، رجب المرجب شریف بروز جمعرات ۱۱۳۶ھ مدینہ طیبہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے جس کو آپ نے بطور یادداشت ایک کتاب کے حاشیہ میں تحریر فرمایا۔ یہ روایت سینہ بسینہ منقول ہے کہ حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ العزیز جب روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سلام کا جواب دیا اور فرمایا:

"وعلیکم السلام یا محمد ھاشم التتوی"

اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا مرتبہ حاصل ہے۔ (انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۷۱۴، ۷۱۶، ۷۱۸)

رئیس الفضلا حضرت علامہ محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا محمد ہاشم انصاری ایک سچے عاشق رسول تھے، عشق و محبت کی جیتی جاگتی تصویر سادگی اخلاص کے سراپا پیکر تھے۔ حدیث، تفسیر اور فقہ سے خاص شغف و شوق رکھتے تھے۔ پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود طلبا کو درس برابر دیتے تھے۔ اس میں ناغہ نہیں کرتے اور لا پرواہی کو بالکل پسند نہیں کرتے، کیوں کہ لا پرواہی سے طلبا کی عمر عزیز کا وقت ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ بلکہ آپ تو دینی علوم کا درس دینا عبادت سمجھتے تھے۔ پھر وہ اس میں لا پرواہی کس طرح کر سکتے تھے۔ حضرت مولانا کا وجود اس قحط الرجال کے دور میں باعث نعمت تھا آپ کی صحبت سراسر فیض و برکت تھی اور صحبت میں بیٹھنے کے بعد اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

علامہ مفتی عبدالرحیم صاحب سکندری نے روایت کی کہ الحاج رحیم بخش قمر نوابشاہی نے اپنے استاد کے متعلق ایک واقعہ بتایا کہ ایک بار وہابیوں کے مشہور عالم مولوی غلام خان (مؤلف جواہر القرآن) راولپنڈی سے نواب شاہ مدعو تھے، رات کو شہر میں تقریر کی۔ مولانا محمد ہاشم انصاری کے ذہن میں آیا کہ دیوبندی اپنے مولوی کو ''شیخ القرآن'' کہتے ہیں اس لیے اس کی تقریر سننی چاہیے کہ آخر وہ کیا کہتے ہیں؟ (پوسٹر میں لکھے ہوئے بڑے بڑے خطابات القابات سے مرغوب ہو کر ہماری عوام بھی یہی کہتی ہے کہ آخر مخالف مولوی کیا کہتے ہیں؟ لیکن بیچاروں کو یہ پتہ نہیں کہ گستاخ رسول وصحابہ کی مجلس میں جانا ہی نحوست ہے بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہے، اس واقعہ کو پڑھ کر سبق حاصل کریں) جب رات ہوئی مولانا نے طلباء سے مدرسہ کی چھت پر چارپائی بچھوا کر تقریر سننے کے بعد وہیں سو گئے۔

مولانا کا دل مثل آئینہ صاف اور عشق رسول سے لبریز تھا...... روز رات کو خواب میں نبی اکرم، جان رحمت، والی امت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے...... اس رات سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ جس کو روزانہ حضور کی محفل میں آنا جانا نصیب ہو پھر یہ سلسلہ ٹوٹ جائے اس

کی کیفیت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے بلکہ جس طرح مچھلی بغیر پانی کے تڑپتی ہے، مولانا بھی ساری ساری رات درود شریف پڑھتے رہتے، روتے رہتے، دل تڑپتا رہتا اور معافی مانگتے رہتے۔

آخر تیسری رات بعد نماز عشاء مسجد شریف میں درود شریف پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی اور قسمت جاگ اٹھی کہ رحمت العالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے مولانا کے لیے عید ہوگئی لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ والضحیٰ پر ناراضگی کے آثار تھے اور حضور کے ساتھ دو شہزادے بھی تھے (یعنی حضرت سیدنا امام حسن المجتبیٰ اور سیدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہما) شہزادوں نے عرض کی، نانا جان! ''مولوی محمد ہاشم بھی وہابیوں کی تقریر سننے لگے ہیں۔'' جان رحمت، والی امت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم اسی لیے تو ان سے ناراض ہیں۔'' شہزادوں نے عرض کی: ''نانا جان! آپ انہیں معاف فرمائیں یہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔'' اس کے بعد سرکار دو عالم حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور مولانا صاحب پر راضی ہوگئے۔ (مفتی عبدالرحیم صاحب)

مولوی غلام خان اپنے دور کا نامور گستاخ رسول تھا اور اس حوالے سے کافی شہرت رکھتا تھا اس کی موت کا واقعہ بڑا حیرت انگیز ہے۔ دبئی میں دو گھنٹے تقریر کی، دوران تقریر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتا رہا، چنانچہ تقریر ہی کے دوران دل کا دورہ پڑا جو کہ جان لیوا ثابت ہوا، ہسپتال میں داخل ہوا، تکلیف و بدبو میں اس قدر شدت تھی کہ اس کی چیخ و پکار سے دہشت کا عالم تھا، ڈاکٹر، نرس و دیگر اسٹاف خوف و دہشت سے کمرہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جسم میں عجیب اچھل کود تھی، ایک گھنٹہ کے بعد کمرہ میں خاموشی ہوگئی۔ ڈاکٹر خوف کے مارے اندر جانے کے لیے تیار نہیں تھے، آخر کافی لوگوں کے جمع ہو جانے بعد ڈاکٹر اندر کمرہ میں داخل ہوئے۔ کیا دیکھا ایک گھنٹہ کی سخت سکرات، کشمکش کے بعد جان جسم سے نکل چکی تھی، جسم مردہ پڑا ہے، بدن پھول چکا ہے شکل سیاہ ہو چکی ہے زبان منہ سے باہر لٹک رہی ہے اور آنکھیں ابھر کر باہر کو آ گئیں ہیں۔

مجبوراً اسی حالت میں غلام خان کی میت کو صندوق میں بند کیا اور پاکستان بھجوا دیا گیا اور اس پر ہسپتال کا سرٹیفکیٹ لگا ہوا تھا کہ اس صندوق کو کھول کر لاش کو نہ دیکھا جائے اور یوں

ہی دفن کر دیا جائے۔ میت کراچی سے راولپنڈی پہنچی، راستہ میں خواہش کے باوجود کسی کو بھی چہرہ نہیں دکھایا گیا یہاں تک کہ اس کے گھر والے اہل خانہ نے بھی اس کا آخری بار چہرہ نہیں دیکھا۔ اسی طرح شاگردو معتقدین اور جماعت والے بھی محروم رہے۔ آخر نماز جنازہ کے بعد ان لوگوں نے شدید احتجاج کیا جس کے سبب مجبور ہو کر چہرہ دکھایا گیا۔ اس روئداد کو دوسرے روز اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا۔

دیکھئے......روز نامہ نوائے وقت لاہور/راولپنڈی ۲۹، مئی ۱۹۸۰ء و دیگر اخبارات۔

سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی نے اس واقعہ پر اپنی نظم میں یوں تبصرہ کیا ہے:

ان کے دشمن پہ لعنت خدا کی رحم پانے کے قابل نہیں ہے
ہے یہ میت کسی بے ادب کی، منہ دکھانے کے قابل نہیں ہے

شعروشاعری سے کوئی خاص شغل نہ تھا لیکن نبی اکرم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت جب لبریز ہوتی تو الفاظ شعر کی صورت اختیار کر لیتے، اس طرح نعتیہ کلام مرتب ہوتا۔ یہاں صرف ایک نعت شریف (فارسی) ہدیہ قائین ہے۔

شدم در عشق تو حیراں پریشاں یا رسول اللہ
فتادہ خشک لب در تب چومستاں یا رسول اللہ
کس کز عش تو عاری، بلا شک بیکس و ناری
نہ زائد زیں زیاں کاری بدوراں یا رسول اللہ
چو باغ حسن تو دیدم چو لالہ داغ در دل شد
زگل وصفت بکن مارا تو خنداں یا رسول اللہ
زگر یہ من چہ بر خیزد کہ از صدمہ یکے شوید
شعاعت کن چو بیحد شد گناہاں یا رسول اللہ
''عمردین'' راشد دیگر بجز ''لا تقنطوا'' تکیہ
رھائی دہ تو ''ہاشم'' را از ہجراں یا رسول اللہ

(انوار علمائے اہل سنت سندھ،ص، ۸۱۶-۸۱۹، ۸۲۰)

حضرت علامہ محمد ہاشم کھتری رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

مولانا محمد ہاشم جید عالم، شب خیز عابد، قناعت پسند زاہد، صاحب فتویٰ مفتی، پرہیزگار مہمان نواز، علما شناس، سادہ طبیعت، مشفق ومہربان، اور ولی اللہ تھے۔ درود شریف کے مبلغ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق زار تھے اسی لیے تو کثرت سے درود شریف پڑھا کرتے تھے، ساری ساری رات درود شریف کا ورد کرتے، ایک بار تو ایک کروڑ درود شریف ختم کیا۔ کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کا سینہ کھل جاتا ہے، آپ کے سینے کا بھی انشراح ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل پاک میں آنے جانے کی ٹکٹ جاری ہوگئی، اس لیے ''حضوری'' کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

ایک بار فقیر محمد اسماعیل ''خاطی'' ٹھٹھوی کے والد صاحب کو مشکل کشائی اور سخت مصیبت میں حاجت روائی کے لیے ایک درود شریف بتایا اور فرمایا: ''یہ درود شریف اسم اعظم ہے، اس کو ایک ہزار بار روزانہ اگر سات دن بھی پڑھا جائے جبل (پہاڑ) بھی اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔'' وہ یہ ہے

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَیِّدِیْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُذْ بِیَدِیْ قَلَّتْ حِیْلَتِیْ اَدْرِکْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (برکات الصلوٰۃ، سندھی، ص ٦٦) (انوار علمائے اہل سنت سندھ، ص ۸۹۲)

☆☆☆

ی

حضرت یامین بن عمیر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ایک دفعہ بنونضیر کے ایک شریر النفس شخص عمرو بن حجاش نے یہ منصوبہ بنایا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مکان کے نیچے بلایا جائے اور اوپر سے کوئی وزنی چیز گرا کر آپ کو شہید کر دیا جائے حضور کو اس منصوبے کا علم ہو گیا اور یوں اس کی سازش ناکام ہو گئی تاہم آپ نے عمرو بن حجاش کی اس ناپاک حرکت کو بہت محسوس کیا۔ یہ شخص حضرت یامین بن عمیر کا چچازاد بھائی تھا۔ حضرت یامین کے قبول اسلام کے بعد ایک دن حضور نے ان سے فرمایا:

"یامین! تم نے اپنے بھائی کی حرکت دیکھی وہ مجھے دھوکے سے بلا کر قتل کرنا چاہتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کے ذریعے مجھے اس کے عزم بد سے آگاہ کر دیا۔"

حضرت یامین حضور کا ارشاد سن کر جوش غضب سے بے قرار ہو گئے۔ اسی وقت اٹھے اور عمرو بن حجاش کی تاک میں رہنے لگے۔ ایک دن موقع مل گیا اور جھپٹ کر اس کا کام تمام کر دیا، یوں وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ اور حضرت یامین نے اطمینان کا سانس لیا۔

(سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے پچاس صحابہ، ص ۶۵۳)

حضرت یسار نوبی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت یسار نوبی کے شرف و مجد کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ سرور کائنات رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام (مولیٰ) تھے۔ ارباب سیر نے اتنا تو لکھا ہے کہ وہ نوبہ (سوڈان) کے رہنے والے تھے لیکن یہ تصریح نہیں کی کہ وہ کب مدینہ منورہ آئے اور کب شرف ایمان سے بہرہ ور ہو کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت سے وابستہ ہوئے، ان کے حسب و نسب کی تفصیل بھی کسی کتاب میں نہیں ہے البتہ بعض روایات

سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ وہ بڑے پکے اور سچے مسلمان تھے اور عبادات الٰہی سے خاص شغف رکھتے تھے، نماز کے تمام ارکان کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا کرتے تھے، ایک دن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ نہایت اطمینان ان وسکون کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں، حضور کو ان کے نماز پڑھنے کا انداز اس قدر پسند آیا کہ آپ نے انہیں اسی وقت آزاد کر دیا لیکن حضرت یسار کو حضور سے اس قدر عقیدت اور محبت تھی کہ وہ آپ کی غلامی پر ہزار آزادیاں قربان کر سکتے تھے، انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! مجھے اپنے شرف غلامی سے محروم نہ فرمایئے، میں اپنی تمام زندگی آپ کی خدمت گزاری میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔''

ان کا جذبۂ اخلاص دیکھ کر حضور نے ان کو یہ خدمت تفویض کی کہ وہ آپ کے (صدقہ کے) اونٹ چرایا کریں، چنانچہ وہ قبا سے متصل ایک چراگاہ (ناحیۂ ذی الجدر) میں چلے گئے اور بڑے ذوق وشوق سے فرمانِ نبوی کی تعمیل میں مشغول رہنے لگے۔

۶ھ میں قبیلہ عُکل اور عُرینہ کے آٹھ آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ ایک روایت کے مطابق ان لوگوں کو عظم طحال (تلی بڑھ جانے) کا عارضہ تھا اور وہ اپنے وطن ہی سے بیمار آئے تھے۔

ایک دوسرے قول کے مطابق ان کو مدینہ منورہ کی آب وہوا موافق نہ آئی اور ان کے پیٹ پھول گئے۔ حضور نے ان کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ تم ناحیۂ ذی الجدر جاؤ وہاں کی آب وہوا صحت بخش ہے اور ہمارے اونٹ اونٹنیاں بھی ہیں ان کا دودھ خوب پیو ان شاء اللہ تمہاری صحت بحال ہو جائے گی۔

وہ لوگ وہاں چلے گئے، حضرت یسار نے ان کو اپنے آقا و مولا کے مہمان جان کر بڑے خلوص اور محبت سے ان کی میز بانی کی، وہ لوگ چند دن میں تندرست و توانا ہو گئے، اب بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یسار کے ممنون احسان ہوتے، انہوں نے اپنی بد طینتی کی بناء پر ارتداد اور دغا بازی پر کمر باندھی، ایک دن علی الصباح پندرہ اونٹ ہانک کر لے چلے۔ حضرت یسار نے ان کی یہ حرکت دیکھی تو

نہیں اونٹ لے جانے سے منع کیا جب وہ باز نہ آئے تو ان کے پیچھے دوڑے اور مزاحمت کر نے لگے، ان غداروں نے حضرت یسار کو گرفتار کر لیا۔ پھر بڑی بے رحمی سے ان کے ہاتھ وٗں کاٹ ڈالے اور آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھوئے، اس صدمہ سے حضرت یسار نہید ہو گئے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واردات کی خبر ہوئی تو آپ کو سخت دُکھ ہوا، آپ نے نضرت کُرز بن جابر فہری کو بیس سوار دے کر ان بدسرشت لٹیروں کے تعاقب میں روانہ رمایا، اثنائے راہ میں حضرت کرز کو ایک عورت ملی جو اونٹ کا شانہ اٹھائے ہوئے تھی، حضرت کرز نے اس سے پوچھا تم کو یہ کہاں سے ملا؟ اس نے کہا میں ادھر آ رہی تھی ایک جگہ چند آدمی ملے جو ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت بنا رہے تھے اس میں سے یہ شانہ انہوں نے مجھے دے دیا، یہ لوگ اگلے پڑاؤ میں مقیم ہیں۔ حضرت کرز نے برق رفتاری سے اس طرف رخ کیا ان لوگوں کو گرفتار کر کے ان کی مشکیں باندھ لیں پھر انہیں اور بقیہ چودہ اونٹوں کو ساتھ لے کر واپس آئے، حضور اس وقت غابہ (جنگل یا چراگاہ) میں تشریف رکھتے تھے، جب ان غداروں کو حضور کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو انہوں نے یسار کے ساتھ کیا۔ چنانچہ ان سب کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور آنکھوں میں سلائیاں پھیری گئیں، پھر انہیں خرہ میں ڈال دیا گیا جہاں وہ سب تڑپ تڑپ کر واصل جہنم ہوئے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن حکیم کی یہ آیت ان ہی کے بارے میں نازل ہوئی:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا نْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ لْاَرْضِ۔ (المائدہ، آیة ۳۳)

وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے ڈرتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ ہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور وسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کر دیے جائیں۔ (کنز الایمان)

(سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے پچاس صحابہ، ص ۶۶۰)

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول

کوئی مومن ہو اور اس کے نہاں خانۂ دل میں عشق رسالت کی شمع فروزاں نہ ہو، یہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایمان اور عشق رسالت میں چولی دامن کا رشتہ ہے۔ عشق رسول ہر مومن کا حرز جاں ہے...... گنج گراں مایہ ہے...... دولت بے بہا ہے۔ پھر علامہ نبہانی جیسے مومن صادق کا دل اس وصف سے کیسے خالی رہ سکتا تھا؟ آپ کا دل عشق رسول سے جل تھل تھا۔ دل کی زمین پر ہر دم عشق رسالت کی رم جھم بارش ہوتی رہتی تھی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت رکھتے تھے اور علم و عمل دونوں کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں عقیدت کے پھول نچھاور کرتے رہتے تھے۔ آپ کے عشق اور محبت رسول کی معراج پر ذیل کا واقعہ بھرپور شاہد ہے۔ ہوا یہ کہ ایک مرتبہ سلطان عبدالحمید نے بعض کفار اور منافقین کے بہکاوے میں، مدینہ منورہ کے گورنر کو آپ کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ آپ گرفتار کیے گئے۔ گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح عالم اسلام میں پھیل گئی، خاص و عام سراپا احتجاج بن گئے۔ لیکن آپ ذرا بھی پریشان خاطر نہ ہوئے، بہت سے علما و زعمائے ملت نے ملاقات کے دوران آپ سے کہا اگر اجازت ہو تو رہائی کے لیے سلطان سے اپیل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا، اگر اپیل کرنا ہی ہے تو سلطان وقت کے بجائے سلطان کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ ناز میں صلوٰۃ وسلام کے ساتھ یوں استغاثہ کرو:

صلى الله على النبى الامى صلى الله وسلم صلوٰة وسلاما عليك يا رسول الله ،قلت حيلتى انت وسيلتى ادركنى يا سيدى يا رسول الله۔

حضرت قطب وقت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، چنانچہ ہم نے ابھی تین دن تک ہی اس درود شریف کے ساتھ استغاثہ پیش کیا تھا کہ سلطان عبدالحمید کی جانب سے رہائی کا پروانہ جاری ہوا اور آپ باعزت رہا کر دیے گئے۔

(ماہنامہ جام نور، دہلی جولائی ۲۰۰۶ء، ص ۱۹، مضمون: محمد شہباز عالم مصباحی)

تمت